پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام
وقار عظیم
WWW.PAKISTANIPOINT.COM
PP
پاکستانی پوائنٹ

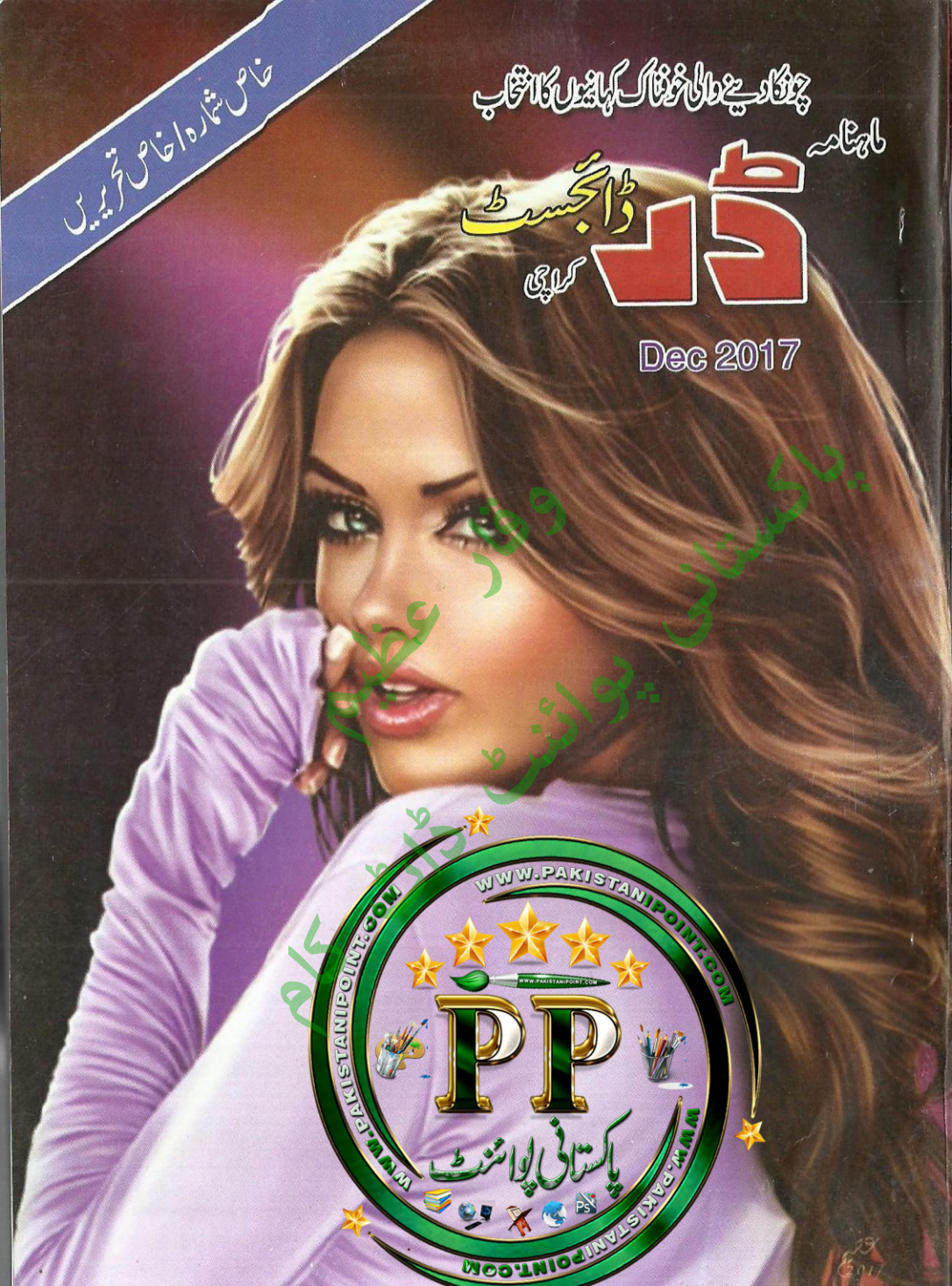

ساحل دعا بخاری 18

ہادیٔ عالم ﷺ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت و محبت پر ایمان افروز .....اپنی مثال آپ کہانی

ڈاکٹر عامر شہزاد رانا 45

روح کی چاہت

دل و دماغ کو فرحت بخشتی دل گرفتہ، دل فریفتہ اور دل گداز، اچنبھے میں ڈالتی کہانی

نینا خان 79

عجیب وقت

آتا ہے یاد مجھ کو گزرا ہوا زمانہ.....اس کے مصداق دل شکستہ اور دل گرفتہ حقیقت

سکندر حبیب گجر 91

خونی انتقام

کوئی کسی کا سکون برباد کر کے کیسے خوش رہ سکتا ہے، اسی کے مصداق دل گرفتہ کہانی

طارق محمود 125

دشت موت

خراماں خراماں ذہن کو بہوت کرتی اور اچنبھے میں ڈالتی ذہن سے محو نہ ہونے والی کہانی

صائمہ شاہد 39

جنات کا ٹھکانہ

حقیقت پر مبنی ایک جنات خاندان کا روداد جو کہ پڑھنے والوں کو دہلا کر رکھ دے گا

اے وحید 54

رولوکا

وہ واقعی پراسرار قوتوں کا مالک تھا اس کی حیرت انگیز اور جادوئی کرشمہ سازیاں آپ کو دنگ کر دیں گی

ملک فہیم ارشاد 83

پراسرار بوڑھا

قبرستان پر مسلط ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دینے والے اندھیرے میں بہوت کرتی حقیقی کہانی

محمد خالد شاہان 100

اسرار

صدیوں پر محیط سوچ کے افق پر چنگھاڑتی گھٹاٹوپ اندھیرے میں جنم لینے والی کہانی

سیدہ عطیہ زاہرہ 137

لمحہ

بھولی بھالی صورت والے ہوتے ہیں جلاد بھی.....اسی کے مصداق سبق آموز کہانی

ضرغام محمود 140

مثل ابلیس

جسم و جاں کے رونگٹے کھڑے کرتی اور خوف و ہراس کے لبادے میں لپٹی خوفناک کہانی

گلاب خان سولنگی 169

پراسرار لوگ

ایک ہمدرد روح کی ہمدردیاں.....کیا ایسا ممکن ہے مگر یہ حقیقت ہے کہ ایسا ہوتا ہے

ایس امتیاز احمد 195

آسیبی آنکھیں

کیا ماورائی مخلوق بھی پیار و محبت اور چاہت کی طلبگار ہوتی ہیں.....حقیقی کہانی

عاطر شاہین 204

جنات کا سایہ

کیا یہ حقیقت ہے کہ.....بغیر چھیڑ چھاڑ کے.....جنات کسی کو اذیت نہیں دیتے

ادارہ 216

قوس قزح

قارئین کے بھیجے گئے اشعار جنہیں قارئین بڑے ذوق و شوق سے پڑھتے ہیں.....

عائشہ محمد کاشف 160

قلبی سکون

کیا کوئی کسی کو ناحق ستا کر یا پریشان کر کے خوش رہ سکتا ہے، حقیقت کہانی میں ہے

عمران قریشی 172

تاتونی

خراماں خراماں.....دل و دماغ کو خوف و ہراس کے شکنجے میں جکڑتی.....شاہکار کہانی

مہر پرویز احمد دولو 199

عبرت کا نشان

حدود سے تجاوز کرنا انسان کو ذلت و رسوائی اور موت سے ہمکنار کر دیتا ہے، سبق آموز کہانی

مریم فاطمہ 209

ویمپائر بوائے فرینڈ

کیا ویمپائر وغیرہ بھی کسی کی چاہت میں اپنا دل ہار بیٹھتے ہیں.....ثبوت کہانی میں ہے

محمد شعیب 222

نظر بد

شر و خیر کی عجیب و غریب کہانی.....جو کہ پڑھنے والوں کو حقیقت سے روشناس کرائے گی

ایڈیٹر و پبلشر آصف علی نے سٹی پریس تاپور روڈ کراچی سے چھپوا کر شائع کیا۔

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ ڈرڈائجسٹ نورانی آرکیڈ نیو اردو بازار کراچی: 32744391

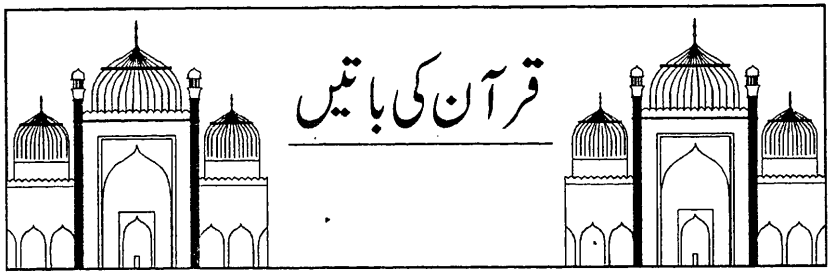

☆ مومنوں جب جمعے کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے تو اللہ کی یاد یعنی نماز کے لئے جلدی کرو اور خرید و فروخت ترک کردو۔ اگر سمجھو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے پھر جب نماز ہو چکے تو اپنی اپنی راہ لو اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کو بہت بہت یاد کرتے رہو تا کہ نجات پاؤ۔ (سورۃ جمعہ 62 آیت 9 سے 10)

☆ اور اللہ ہی نے ہر چلنے پھرنے والے جاندار کو پانی سے پیدا کیا۔ تو ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ پیٹ کے بل چلتے ہیں جو چار پاؤں پر چلتے ہیں اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (سورۃ نور 24 آیت 45)

☆ اور قرض تھوڑا ہو یا بہت، اس کی دستاویز کے لکھنے لکھانے میں کاہلی نہ کرنا۔ یہ بات اللہ کے نزدیک نہایت قرین انصاف ہے اور شہادت کے لئے بھی یہ بہت درست طریقہ ہے۔ اس سے تم کو کسی طرح کا شک وشبہ نہیں پڑے گا، ہاں اگر سودا دست بدست ہو جو تم آپس میں لیتے دیتے ہو تو اگر ایسے معاملے کی دستاویز نہ لکھو تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔ اور جب خرید و فروخت کیا کرو تو بھی گواہ کر لیا کرو۔ اور کاتب دستاویز اور گواہ معاملہ کرنے والوں کا کسی طرح کا نقصان نہ کریں۔ اگر تم لوگ ایسا کرو تو یہ تمہارے لئے گناہ کی بات ہے اور اللہ سے ڈرو اور دیکھو کہ وہ تم کو کیسی مفید باتیں سکھاتا ہے اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔ (سورۃ بقرہ 2 آیت 282)

☆ کہو بھلا تم کو جنگلوں اور دریاؤں کے اندھیروں سے کون مخلصی دیتا ہے، جب کہ تم اسے عاجزی اور نیاز پنہانی سے پکارتے ہو اور کہتے ہو اگر اللہ ہم کو اس تنگی سے نجات بخشے تو ہم اس کے بہت شکرگزار ہوں۔ (سورۃ انعام 6 آیت 63)

☆ اور وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے ستارے بنائے تا کہ جنگلوں اور دریاؤں کے اندھیروں میں ان سے راستے معلوم کرو عقل والوں کے لئے ہم نے اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کر دی ہیں۔ (سورۃ انعام 6 آیت 97)

☆ لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تا کہ ایک دوسرے کو شناخت کرو اور اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا اور سب سے خبردار ہے۔ (سورۃ حجرات 49 آیت 13)

☆ اور اگر تم کو اس بات کا خوف ہو کہ یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو ان کے سوا جو عورتیں تم کو پسند ہوں دو دو یا تین تین یا چار چار ان سے نکاح کر لو۔ اور اگر اس بات کا اندیشہ ہو کہ یکساں سلوک نہ کر سکو گے تو ایک عورت (کافی ہے) یا کنیز (ملازمہ)، جس کے تم مالک ہو اس سے تم بے انصافی سے بچ جاؤ گے۔ (سورۃ نساء 4 آیت 3)

☆ اور نیکی اس بات میں نہیں کہ احرام کی حالت میں گھروں میں ان کے پچھواڑے کی طرف سے آؤ بلکہ نیکوکار وہ ہے جو پرہیزگار ہو اور گھروں میں ان کے دروازوں سے آیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ نجات پاؤ۔ (سورۃ بقرہ 2 آیت 189)

☆ لوگو اپنے رب سے ڈرو اور اس دن کا خوف کرو کہ نہ تو باپ اپنے بیٹے کے کچھ کام آئے، اور نہ بیٹا باپ کے کچھ کام آ سکے۔ بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے، پس دنیا کی زندگی تم کو دھوکے میں نہ ڈال دے، اور نہ فریب دینے والا شیطان نہیں اللہ کے بارے میں کسی طرح کا فریب دے۔ (سورۃ لقمان 31 آیت 33)

☆ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کو ہم بہشت کے اونچے اونچے محلوں میں جگہ دیں گے۔ جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں۔ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ نیک عمل کرنے والوں کا یہ خوب بدلہ ہے جو صبر کرتے اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ (سورۃ عنکبوت 29 آیت 58 سے 59)

☆ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کو خوشخبری سنا دو کہ ان کے لئے (نعمت کے) باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں جب انہیں ان میں سے کسی قسم کا میوہ کھانے کو دیا جائے گا تو کہیں گے یہ تو وہی ہے جو ہم کو پہلے دیا گیا تھا۔ اور ان کو ایک دوسرے کے ہمشکل میوے دیئے جائیں گے اور وہاں ان کے لئے پاک بیویاں ہونگی اور وہ بہشتوں میں ہمیشہ رہیں گے۔ (سورۃ بقرہ 2 آیت 25)

☆ اور اگر مومنوں میں سے کوئی دو فریق آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دو اور اگر ایک فریق دوسرے پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع لائے۔ پس جب وہ رجوع لائے تو دونوں فریق میں مساوات کے ساتھ صلح کرا دو اور انصاف سے کام لو کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ تو اپنے دو بھائیوں میں صلح کرا دیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم پر رحمت کی جائے۔ (سورۃ حجرات 49 آیت 9 سے 10)

☆ مال اور بیٹے تو دنیا کی زندگی کی رونق وزینت ہیں اور نیکیاں جو باقی رہنے والی ہیں وہ ثواب کے لحاظ سے تمہارے رب کے ہاں بہت اچھی اور امید کے لحاظ سے بہت بہتر ہیں۔ (سورۃ کہف 18 آیت 46)

☆ اے پیغمبر! جب تمہارے پاس مومن عورتیں اس بات پر بیعت کرنے کو آئیں کہ اللہ کے ساتھ نہ تو شرک کریں گی۔ نہ چوری کریں گی نہ بدکاری کریں گی نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی نہ اپنے ہاتھ پاؤں میں کوئی بہتان باندھ لائیں گی نہ نیک کاموں میں تمہاری نافرمانی کریں گی تو ان سے بیعت لے لو اور ان کے لئے اللہ سے بخشش مانگو۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (سورۃ ممتحنہ 60 آیت 12)

☆ وہ زندے کو مردے میں سے نکالتا ہے اور مردے کو زندہ میں سے نکال لاتا ہے اور زمین کو اس کی موت کے بعد زندگی بخشتا ہے۔ اسی طرح تم لوگ بھی (حالت موت سے) نکال لئے جاؤ گے۔ (سورۃ روم 30 آیت 19)

(کتاب کا نام ''قرآن مجید کے روشن موتی''، بشکریہ شمع بک ایجنسی کراچی)

وقار عظیم پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

خطوط

انابیہ رانے مصطفیٰ آباد سے، السلام علیکم! مجھے امید ہی نہیں بلکہ یقین ہے کہ ڈر کے تمام رائٹرز، ایڈیٹرز، ریڈرز اور پورا اسٹاف اللہ کے فضل اور میری دعاؤں سے بالکل ٹھیک ہوں گے۔ مجھے یقین نہیں تھا کہ میرا لیٹر بھی ڈر کے صفحات کی زینت بن سکتا ہے۔ مجھے اتنی خوشی تو میرے فسٹ ایئر کا رزلٹ دیکھ کر بھی نہیں ہوئی تھی جتنی کہ خود کا لیٹر ڈر میں دیکھ کر ہوئی۔ Thank You So Much اس عزت افزائی کے لئے، سچ میں آپ نے لیٹر شائع کر کے بتا دیا کہ خوشی کے آنسو کیسے ہوتے ہیں۔ اتنی خوشی کے بعد میں نے سوچا کہ اب کے بارفل تجزیہ کے ساتھ لیٹر لکھنا چاہئے اور اس کے لئے جلدی جلدی پورا ڈائجسٹ پڑھنا ضروری ہے تاکہ لیٹر جلدی بھیج سکوں جو آپ پھر سے شائع کر کے خوش ہونے کا موقع دیں۔ سو ہم نے کالج بیگ ایک سائیڈ پر رکھا اور ڈائجسٹ پکڑ کر بیٹھ گئی۔ سب سے پہلے خوف نگر پڑھی جو فیصل ندیم صاحب کے قلم سے نکلی، بس اک ڈائریکٹر کی کہانی حقیقت بن کر دماغ میں رہ گئی۔ وہ یری گڈ، مددگار روحیں جو کہ سکندر حبیب گجر لے کر آئے، اتنی سردی تو نہ تھی لیکن کہانی کو پڑھ کر ہاتھ پاؤں کانپنے لگے۔ اوتار جو کہ پیاسحر لے کر آئیں جو کہ اچھی تھی۔ شیطان کی آنکھیں ناصر محمود فرہاد صاحب لے کر آئے خوب رہی۔ نیک روح مائی فیورٹ رائٹر ایس امتیاز احمد لے کر آئے پڑھ کر مزہ آ گیا۔ خبیث روح بھی زبردست تھی۔ بلا کا خاتمہ شکیل نیازی So nice، پراسرار سانپ طارق محمود اسٹوری اچھی تھی، بٹ اتنے اچھے سانپ کو ذبح کرنے پہ سچ میں مجھے دکھ ہوا۔ کلاوتی محسن عزیز سچ میں اچھے برے لوگ ہر دور میں ہوتے ہیں۔ بہر حال کہانی اچھی تھی۔ انٹرویو محمد شعیب کی دل و دماغ پر چھا گئی۔ آسیبی پینٹنگ مریم فاطمہ، آپ کی کہانی بھی قابل تعریف ہے۔ بدلہ مریم مرتضیٰ کی زبردست رہی، شیطانی گڑیا فاطمہ خان آئی تھنک یور اسٹوری از بیسٹ، بددعا کا خاتمہ رضوان علی سومرو لے کر آئے جو کہ بہت اچھی لگی۔ حیرت کدہ شہزادہ چاند زیب عباسی ابھی پڑھی نہیں لیکن آئی نو وہ ری ویل اسٹوری ہمیشہ کی طرح خوب تر ہوگی۔ عجب انتقام ملک این اے کاوش یہ بھی نہیں پڑھ سکی پر امید ہے کہ ہمیشہ کی طرح ڈراؤنی اور بہت ہی اچھی ہوگی۔ تاتونی عمران قریشی قسط وار سلسلوں میں میری فیورٹ اسٹوری ہے لیکن کم ٹائم کی وجہ سے ابھی پڑھی نہیں اور باقی قسط وار سلسلے بھی ابھی نہیں پڑھ سکی۔ مجھے یقین ہے سب ہمیشہ کی طرح شاندار ہوں گے۔ اچھا اب بس صبح کے 5 بج چکے ہیں۔ نماز ادا کروں پھر کالج بھی تو جانا ہے۔ مجھے علم ہے آپ لیٹر کی کانٹ چھانٹ کر کے شولڈر کٹ کر دیں گے اتنا تو ٹھیک ہے پر پلیز اتنی کانٹ چھانٹ نہ کریئے گا کہ بوائے کٹ ہی ہو جائے۔ اللہ ڈر اسٹاف کو اور پڑھنے لکھنے والوں کو خیر خیریت سے رکھے۔ اللہ حافظ۔

☆☆ انابیہ صاحبہ: خط لکھنے اور کہانیوں کی تعریف کے لئے شکریہ، امید ہے ہر ماہ خط ارسال کر کے شکریہ کا موقع ضرور دیں گی۔

نینا خان کراچی سے، السلام علیکم! ایڈیٹر صاحب امید کرتی ہوں کہ آپ اور ادارے میں کام کرنے والے سبھی بخیریت ہوں گے۔ اللہ سے آپ سب کی سلامتی و خیریت کی دعا گو ہوں۔ ماہ نومبر کا شمارہ پڑھا بہت اچھا لگا۔ خاص کر عجب انتقام، انٹرویو، پراسرار سانپ، کلاوتی، بلا کا خاتمہ، اوتار، شیطانی گڑیا اور دیگر کہانیاں بھی اچھی تھیں۔ جنہیں پڑھ کر مزہ آ گیا۔ اور قوس قزح میں اپنی خود کی لکھی ہوئی غزل پڑھ کر خوشی ہوئی۔ ڈر ڈائجسٹ ہم سبھی لکھنے والوں کے لئے ایک بہت اچھا پلیٹ فارم ہے۔ اور میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارا یہ پلیٹ فارم ہمیشہ قائم و دائم رکھے اور اسے مزید ترقی عطا فرمائے (آمین) اپنی ایک نئی کہانی ادارے کی نذر کر رہی ہوں اور امید کرتی ہوں میری کہانیوں کا سلسلہ بندھا رہے گا۔ اب اجازت چاہوں گی اس دعا کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ اس ادارے میں کام کرنے والوں کو کامل صحت دے۔ (آمین)

☆☆ نینا صاحبہ: خوش ہو جایئے آپ کی کہانی شامل اشاعت ہے اور غزل بھی امید ہے آئندہ ماہ بھی نوازش نامہ ارسال کرنا بھولیں گی نہیں۔

مسز زینت خان روات سے، السلام علیکم محترم ایڈیٹر صاحب، امید ہے کہ خیریت سے ہوں گے۔ نومبر کا ڈر ڈائجسٹ 25 اکتوبر کو خریدا۔ پہلی کہانی پڑھنے کا موقع ملا، ملک صاحب اچھے بھلے رائٹر ہیں لیکن آغاز کو اگر پر تجسس بنایا تھا تو اختتامیہ کو بھی جاندار بنا دیتے۔ فیصل ندیم صاحب شیخوپورہ سے خوف نگر لے کر آئے، ان سے کہوں گی کہ اپنے قلم میں لکھتے ہوئے مزید ٹھہراؤ پیدا

کیجیے اور ویسے بھی جلدی کس بات کی ہے۔ جملے بنانے کی ترکیب سیکھ لیجیے۔ منظر کشی کہانی کا ایک اہم پہلو ہوتا ہے، اُس پر بھی دھیان دیں۔ سکندر حبیب صاحب کی مددگار روحیں ایک اچھی کوشش تھی۔ نہایت جاسوسی انداز کی کہانی لکھی ہے آپ نے۔ ''ویلڈن''۔ عرض ہے کہ لکھنے والے اپنا مطالعہ وسیع کریں۔ یہ سوچ کر لکھیں کہ آپ کو پڑھنے والے صرف ایک ڈر رسالہ ہی نہیں پڑھتے۔ گجرات سے پیا سحر صاحبہ کی کاوش اوتار کی صورت میں دکھائی دی۔ یہ ایک سماجی کہانی تھی جبکہ رسالہ ڈر کے موضوع پر ہے۔ آپ بہت اچھا لکھ سکتی ہیں تو پھر ایک خوفناک ڈراؤنی کہانی کیوں نہیں؟ ناصر محمود فرہاد صاحب آپ سے بھی درخواست ہے کہ جاسوسی، سسپنس، ایڈونچر اور مسٹری کے موضوعات سے ہٹ کر ڈر میں Real Horror لکھا کریں۔ اچھا ہوا سو ''خونی جزیرہ'' کا اختتام کیا۔ ڈر مینجمنٹ کا شکریہ۔ نیک روح ہمارے دیرینہ رائٹر ایس امتیاز احمد صاحب کی حسب سابق ایک بہترین کہانی ہے مگر تاثر ابھر رہا ہے کہ کہانی ''مزاحیہ روح'' لگتی ہے لیکن کہانی A-One class کی لکھی ہوئی ہے۔ زبردست شکیل نیازی صاحب جو واقعی میں ڈراؤنی کہانی لکھنے میں اپنا ایک مقام رکھتے ہیں، اس مرتبہ ''بلا کا خاتمہ'' کے عنوان سے ایک اچھی کہانی لائے ہیں۔ پراسرار سانپ کو لکھا ہے طارق محمود صاحب نے۔ آپ کے لیے اتنا ہی کہوں گی کہ لکھتے رہیں۔ مشق جاری رکھیں۔ محسن عزیز کی کلاوتی ایک اچھی کہانی تھی، تھینکس محسن صاحب۔ محمد شعیب صاحب پلیز کہانیوں میں تھوڑا دم پیدا کیجیے۔ آپ کہانی لکھنا جانتے ہیں۔ کہانی اچھی تھی۔ تاتونی پر تو اپنے ڈر کے منجھے ہوئے بہترین رائٹر عمران قریشی صاحب سے فائنل راؤنڈ میں بات کروں گی۔ مریم فاطمہ بہن کی آسیبی پینٹنگ خوب رہی، آپ لکھتی رہیں۔ ایک دن ایسا ضرور آئے گا کہ قلم ایک منجھی ہوئی رائٹر کا قلم بن جائے گا۔ ویلڈن۔ مریم مرتضیٰ صاحبہ راولپنڈی سے ''بدلہ'' کہانی کے ساتھ حاضر تھیں جو کہ بہت ہلکے قلم سے لکھی گئی کہانی ہے لیکن لکھتی رہیں اور یہ سوچ کر لکھیں کہ یہ ایک ڈائجسٹ ہے۔ بددعا کا خاتمہ سومرو صاحب کی کاوش تھی۔ خوب لکھا۔ بہترین کہانی لکھی لیکن خوف کا عنصر ڈال دیتے تو کیا ہی بات تھی۔ حیرت کدہ پڑھ کر مزا آ گیا۔ عباسی صاحب بہترین۔ پرسنل تھینکس۔ اللہ کریم تمام رائٹرز کو کامیابی و کامرانی عطا فرمائیں، آمین۔ ڈر کے لیے دعا گو ہوں۔ نیک تمنائیں!!!

☆☆ زینت صاحبہ: قیمتی مشورہ دینے کا شکریہ آپ کے مشورے سے رائٹر حضرات سوچ و فکر میں ہیں، اور خوب سے خوب تر لکھنے کی کوشش کر رہے ہیں جو کہ ان کے لئے بہت ہی مفید ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ لکھتے لکھتے آدمی لکھاری بن جاتا ہے۔

مسز سندس اقبال راولپنڈی سے، السلام علیکم محترم ایڈیٹر صاحب۔ اس مرتبہ ڈر ڈائجسٹ 27 اکتوبر کو خریدا۔ یہاں پنڈی میں اب موسم تبدیل ہو رہا ہے لیکن دن میں بہت گرمی ہے۔ اس مرتبہ ڈر کا سرورق حسین تھا لیکن خوفناک نہیں تھا۔ کہانیوں کی فہرست پر نگاہ دوڑائی تو اس مرتبہ بھی اپنے موسٹ فیورٹ رائٹر احسان الحق صاحب کی کہانی نہ پا کر دل کو اداسی محسوس ہوئی، اللہ تعالیٰ سے ان کی صحت کے لیے دلی دعا گو ہوں۔ اس مرتبہ ڈر ڈائجسٹ میں کہانی کاروں میں نئے نام بھی تھے اور یہ بہت اچھی روایت ہے کہ نئے لکھنے والوں کو آپ حوصلہ افزائی کی فضا فراہم کرتے ہیں۔ ڈر کی بہترین خاتون منجھی ہوئی رائٹر ایس حبیب خان صاحبہ کی کہانی اس مرتبہ نہ پا کر میرا تو منہ لٹک گیا تھا لیکن اس امید کے ساتھ کہ آئندہ ان کی کہانیاں آتی رہیں گی، امید بندھی ہوئی ہے۔ ڈائجسٹ کی وہ کہانیاں جو منجھے قلم کاروں نے لکھی ہیں بہترین ہیں، سلسلہ وار میں صرف تاتونی اور خونی جزیرہ پڑھ رہی تھی جو منجھے ہوئے وطن عزیز کے رائٹرز کی کہانیاں ہیں لیکن اس مرتبہ خونی جزیرہ کا اچانک اینڈ سمجھ میں نہیں آیا۔ خیر یہ سب رائٹر اور ٹیم کی مرضی کے مطابق ہوا ہوگا۔ باقی یہ کہوں گی کہ ڈر ڈائجسٹ بہت اچھا جا رہا ہے۔ سب کے لیے ڈھیروں دعائیں، والسلام۔

☆☆ سندس صاحبہ: خط لکھنے اور کہانیوں کی پسندیدگی کے لئے ڈھیروں شکریہ قبول کریں، آئندہ ماہ بھی آپ کے خلوص نامہ کا شدت سے انتظار رہے گا۔ Thanks۔

مسز فرحین حامد رحیم یار خان سے، محترم ایڈیٹرز اینڈ اسٹاف، السلام علیکم، نومبر 2017 کا ڈر زیر تبصرہ ہے، سردیوں کا ابھی تک آغاز نہیں ہوا لیکن ڈر میں سردی بڑھ گئی ہے کیونکہ سرورق عام سا تھا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اچھا نہیں تھا۔ اسے ہم پنجابی میں ''ٹھنڈا ماٹھا'' کہتے ہیں۔ بہر حال کہانیوں میں شیطان کی آنکھیں ناصر محمود فرہاد، نیک روح ایس امتیاز احمد، عمران قریشی صاحب کی تاتونی اور شہزادہ چاند زیب عباسی کی حیرت کدہ پسند آئیں۔ اللہ تعالیٰ ڈر کو اچھے لکھنے والوں سے سرفراز فرمائے، (آمین)۔ مہر پرویز احمد دولو صاحب کی کہانی کا انتظار ہے۔ دولو صاحب! جب آپ نے کہانی لکھنا شروع کر دی ہے اور اس میں ڈائیلاگز ڈالنا شروع کر

دیئے ہیں تو پھر کہانیاں لکھنا بند نہ کیجیے گا، پلیز۔ فلک زاہد صاحبہ کی ایک ایک بات سے متفق ہوں۔ ایس حبیب خان بہن کی کہانی کی منتظر ہوں۔ آپ بہت زبردست لکھتی ہیں۔ احسان الحق صاحب کی کہانیوں کا انتظار ہے، اللہ تعالیٰ اُنہیں صحت کاملہ عطا فرمائے (آمین) سب کو سلام اور دعائیں۔

☆☆ فرحین صاحبہ: ٹائٹل آرٹسٹ بناتا ہے، کبھی ٹھنڈا ماٹھا، اور کبھی گرم ماٹھا کردیتا ہے۔ خیر آرٹسٹ کو بتادیا ہے کہ آنے والے سارے ٹائٹل گرم ماٹھا رکھا کرے۔ کہانیوں کی تعریف اور آئندہ بھی نوازش نامہ بھیجنے کے لئے شکریہ۔ ہم بھی احسان الحق صاحب کی صحت کاملہ کے لئے شب وروز دعا گو ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں کلی صحت عطا کرے۔ (آمین)

خدیجہ فاطمہ اسلام آباد سے، السلام علیکم انکل، اس مرتبہ ڈر (November 2017) کا سرورق بہت اچھا تھا لیکن ڈراؤنا نہیں تھا۔ اُمید ہے کہ اگلا سرورق ڈراؤنا ہوگا، ان شاء اللہ۔ بہت ہی زبردست۔ پہلے مَیں باجی ایس حبیب خان سے پیار بھرا شکوہ ضرور کروں گی کہ آپ نے اس مرتبہ ڈر کے اوراق کو اپنی خوبصورت کہانی سے کیوں نہیں سجایا۔ اُمید ہے کہ آئندہ آنے والے شماروں میں آپ کی کہانی کی کمی محسوس نہیں ہوگی۔ سدا خوش رہیں۔ دیگر احوال یہ ہیں کہ دسویں کے امتحانات سر پر ہیں اور پڑھائی جوں کی توں دھری ہے۔ اس مرتبہ کہانیوں میں نئے لکھنے والے بھی تھے جنہیں تہہ دل سے ویلکم کہتی ہوں لیکن امید ہے کہ اگر کہانی لکھنے کے فن میں غوطہ زن ہوئے ہیں تو کوئی گوہر نایاب سامنے ضرور لائیں گے۔ ویسے ڈر کے مستقل منجھے ہوئے اور جانے پہچانے لکھاریوں کی کہانیاں خوب رہیں۔ احسان الحق صاحب کی کہانی کو بہت Miss کررہی ہوں۔ سب کے لیے دعائیں اور سلام۔

☆☆ خدیجہ صاحبہ: آپ ہی نہیں بلکہ دیگر قارئین سمیت ہم بھی احسان الحق صاحب کی کہانیوں کو مس کررہے ہیں، قوی امید ہے کہ وہ جنوری 2018ء سے کہانی ضرور لکھیں گے، اللہ انہیں خوش رکھے اور کلی صحت عطا کرے۔ خیر آئندہ ماہ بھی خلوص نامہ کا شدت سے انتظار رہے گا۔ شکریہ۔

ایس حبیب خان کراچی سے، السلام علیکم! امید کرتی ہوں کہ ڈر اور اس کے چاہنے والے خیریت سے ہوں گے۔ ماہ نومبر کا ڈر اپنے تمام رنگوں سے مزین میرے ہاتھوں میں ہے جو کہ ہمیشہ کی طرح شاندار اور جاندار رہا۔ قرآن کی باتیں سے ابتداء ہوئی۔ خطوط کی بزم اس مرتبہ کافی دلچسپ رہی اور اسے دلچسپ بنایا، خوب صورت تبصروں نے یہاں میں ایک نام کا ذکر کرنا چاہوں گی۔ ''مسز زینت خان'' انہیں دریا کوزے میں بند کرنا آتا ہے۔ مختصر، جامع اور کم لفظوں میں اپنا مدعا بیان کرنے کا فن ان کے پاس ہے۔ مسز زینت! آپ نے تبصرے کا حق ادا کردیا۔ اپنی تحریر ''بلیک میجک'' کی پسندیدگی کے لئے سب کی شکر گزار ہوں۔ سب کا شکریہ ادا کرتی ہوں آپ لوگوں کا پیار اور حوصلہ افزائی ہی میرے قلم کی طاقت ہے! "My Sister Khadija fatima! Thank you so much for your love & Birthday Wish, god Bless you!" سب سے پہلے میں اپنے فیورٹ رائٹرز ''ایس امتیاز احمد صاحب'' کے لئے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کا آپریشن کامیاب کرے۔ (آمین) دوسرے ''احسان الحق صاحب'' جن کی طبیعت کا سن کر دکھ ہوا۔ میری دعا ہے کہ خدائے لم یزل آپ کو صحت کی بادشاہت کے منصب پر فائز کرے (آمین) اب آتے ہیں کہانیوں کی جانب ''مددگار روحیں'' بلاشبہ ایک بہترین تحریر تھی جو کہ پرتجس اور منفرد موڑ پر آکر اختتام پذیر ہوئی۔ بہت خوب! ''اوتار'' پیا سحر کیا خوب تحریر لائیں، اللہ کرے زور قلم اور زیادہ ''نیک روح'' ایس امتیاز احمد کی تحریر کمال کا شاہکار ثابت ہوئی۔ ''کلاوتی'' ڈر کے فارمیٹ سے میچ کرتی بہت ہی خوب صورت تحریر تھی۔ محسن صاحب کافی اچھا لکھتے ہیں آپ Good! ''پراسرار سانپ'' طارق محمود صاحب کی تحریر بہت منفرد انداز کی حامل تھی۔ پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ واقعی داد کے قابل تحریر تھی۔ ویلڈن! ''بلا کا خاتمہ'' شکیل نیازی صاحب نے تجس سے بھرپور اسراریت کا لبادہ اوڑھے بہت معیاری تحریر پیش کی! Excellent ''انٹرویو'' محمد شعیب صاحب اس مرتبہ خوف اور سسپنس سے بھرپور بہت ہی عمدہ تحریر لے کر حاضر ہوئے امید کرتی ہوں آگے بھی آپ کی ایسے ہی اچھی تحریریں ڈر کی زینت بنیں گی Awesome! ''بددعا کا خاتمہ'' بہت ہی شاندار تحریر تھی جس میں الفاظ کا چناؤ اور تسلسل لاجواب تھا۔ ''شیطان کی آنکھیں'' ناصر محمود فرہاد صاحب کافی دنوں بعد حاضر ہوئے وہ بھی ایک زبردست تحریر کے ساتھ۔ اس کے علاوہ احسان الحق صاحب اور ساحل دعا بخاری کی تحریروں کی کمی محسوس ہوئی۔ آخر میں ڈر کی ترقی کے لئے دعا گو۔

☆☆ ایس حبیب صاحبہ: احسان الحق صاحب اور ساحل دعا بخاری کی تحریروں کی کمی کے ساتھ ساتھ آپ کی تحریر کی بھی کمی بلکہ بہت

زیادہ کمی محسوس ہوئی، امید ہے غور فرمائیں گی۔ Thanks۔

فلک زاہد لاہور سے، السلام علیکم! نومبر کا شمارہ 22 اکتوبر کو موصول ہوا سرورق حسب معمول شاندار تھا خطوط کی محفل میں کافی پیارے بہن بھائیوں سے ملاقات ہوئی، انکل ضرغام غیر حاضر رہے...... ہماری کہانی پارسل پسند کرنے کے لئے پیا سحر، ایس حبیب خان، نینا خان، محسن عزیز حلیم، عبدالجبار رومی، عبدالعزیز بلوچ، محمد شعیب، مہر پرویز احمد، میاں یاسر، طارق محمود، صفدر علی، عجب گل اداسی، زینت خان اور بھائی احسان الحق کا بہت بہت شکریہ اللہ آپ سب کو خوش رکھے اور احسان الحق بھیا کو شفایاب کرے آمین...... بات ہوجائے کہانیوں کی تو اس ماہ کہانیاں سرورق کی طرح جاندار تھیں...... ملک کاوش صاحب کی پہلی کہانی ''عجب انتقام'' عام سے پلاٹ پر لکھی گئی کہانی تھی مگر لکھنے کا انداز الگ اور اچھا تھا۔ ''مددگار روحیں'' سکندر حبیب کی کہانی کافی پسند آئی...... ''نیک روح'' ایس امتیاز احمد ہمیشہ کی طرح اچھی کہانی جس میں موجود مزاح نے خوب لطف دیا۔ ''انٹرویو'' محمد شعیب شکر ہے آپ کے قلم سے کچھ نیا پڑھنے کو ملا۔ ''کلاوتی'' محسن بھیا بہت خوب لکھا...... ''آسیبی پینٹنگ'' مریم فاطمہ بہت اچھی کاوش...... ''شیطانی گڑیا'' فاطمہ خان اچھا لکھا آپ نے...... مزہ آیا...... ''شیطان کی آنکھیں'' ناصر محمود آپ ہمیں مہم جو بنا کے ہی چھوڑیں گے ہاہاہا...... ''بدلہ'' مریم مرتضیٰ کوشش اچھی رہی آپ اور میں ایک ہی ادارے سے منسلک ہیں...... ''بلا کا خاتمہ'' اس ماہ کی سرتاج کہانی تھی جس نے نجانے کیوں دل پر اتنا اثر کیا کہ آنکھیں نم ہوگئیں۔ شکیل نیازی صاحب آپ ڈر کے بہترین لکھاری ہیں...... ''حیرت کدہ'' شہزادہ چاندزیب کی کہانی اس ماہ کی دوسری لاجواب کہانی تھی پڑھ کر مزہ آگیا۔ ان دونوں کہانیوں نے میرے دل پر بہت گہرا اثر چھوڑا کہ کافی دیر ان میں کھوئی رہی...... ''بددعا کا خاتمہ'' رضوان علی سومرو اس ماہ کی ٹاپ تیسری کہانی رہی شاباش...... اب اجازت اللہ حافظ......!!

☆☆ فلک صاحبہ: خط لکھنے اور کہانیوں کی پسندیدگی کے لئے ویری ویری تھینکس۔ کہانی کی کمی محسوس ہوئی اور قوی امید ہے کہ آئندہ ماہ اس کمی کو پورا کردیں گی۔

احسان الحق محترم ایڈیٹرز، اسٹاف اور رائٹرز و قارئین کرام، السلام علیکم۔ امید ہے کہ سب خیریت سے ہوں گے۔ اس مرتبہ ڈر ڈائجسٹ اپنی رعنائیوں کے ساتھ 21 اکتوبر کو موصول ہوا۔ تہہ دل و روح سے مشکور ہوں کہ ناچیز کو یاد رکھا۔ سرورق بہت زیادہ اچھا اور جاذب نظر تھا۔ سب ٹیم کی محنت کا بھرپور عکس تھا۔ کہانیوں میں ایک سے بڑھ کر ایک کہانی تھی۔ یہ بات بھی درست ہے کہ نئے لکھنے والے لکھتے لکھتے اچھے لکھاری بن جایا کرتے ہیں اور اُنہیں مطالعہ بھی وسیع کرلینا چاہیے۔ ساری بات انداز بیان کی ہوا کرتی ہے اور انداز بیان کہانی کی جان کا ایک حصہ ہوا کرتا ہے۔ سب کی ڈھکے چھپے الفاظ میں نصائح کے ذریعہ سے رہنمائی ہوتی ہے اور بندے کا کسی کی دل آزاری کرنا مقصود نہیں ہے۔ فلک زاہد صاحبہ کی ہر بات سے اتفاق کرتا ہوں۔ وہ بالکل ٹھیک کہتی ہیں۔ بہن ایس حبیب خان اور بہن فلک زاہد کی کہانی کا منتظر ہوں۔ عمران قریشی صاحب کی تاتونی بہت خاص کہانی ہے۔ خونی جزیرہ کا اختتام بہت جلد کردیا۔ کیا بات ہوئی؟ کہانی کی آخری قسط نے مجھے چونکا ہی دیا۔ مجھے ساری عمر میں اگر افسوس رہے گا تو ایم اے راحت مرحوم و مغفور کی غلام روحیں کا ادھورا end ہونے پر رہے گا۔ میں ان کی کہانی اپنی روح کی گہرائیوں سے پڑھ رہا تھا۔ ہائے کہ تقدیر کے آگے سر تسلیم خم کرنے کے سوا کیا کہیے۔ سب بہن بھائیوں کو بہت سی دعائیں دیتا ہوں۔ والسلام و خیر اندیش۔

☆☆ احسان صاحب: آپ کی کہانیوں کی اب تو شدت سے کمی محسوس ہورہی ہے۔ امید ہے اپنے چاہنے والوں کو بہت جلد خوش کردیں گے۔ ہماری اور قارئین کی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو کلی صحت عطا کرے اور شب و روز اپنا فضل و کرم رکھے۔ (آمین)

رضوان رضوی دہاڑی سے، جناب ایڈیٹر صاحبان، مجھے آپ کا رسالہ بہت پسند آیا۔ میں نے ڈر ڈائجسٹ جون 2014ء سے پڑھنا شروع کیا اور آج تک پڑھ رہا ہوں۔ میں بھی ڈر کے لئے کچھ لکھنا چاہتا ہوں چونکہ میری عمر ابھی 19 برس کی ہے اس لئے کہانی لکھنے کا مجھے کوئی خاص تجربہ نہیں ہے مگر میں آپ کو ہر ماہ ایک شعر یا پھر ایک غزل بھیج دیا کروں گا جو کہ میری اپنی لکھی ہوئی ہوگی۔ آپ سے گزارش ہے کہ میرے اس شوق کو ڈر کی زینت بنادیں آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔ اس بار میں آپ کو ایک غزل بھیج رہا ہوں مہربانی فرما کر میری غزل کو قوس قزح کا حصہ بنادیں۔

☆☆ رضوان صاحب: ڈر ڈائجسٹ میں موسٹ ویلکم، آپ کی ای میل بہت لیٹ موصول ہوئی۔ جس کی وجہ سے غزل رہ گئی اور ہاں آئندہ ہر تحریر الگ الگ Send کرنا۔

محمد اسحاق انجم کنگن پور سے، السلام علیکم! امید ہے آپ سب خیریت سے ہوں گے! سالگرہ نمبر پر خط لکھا۔ ساتھ ایک غزل بھی آپ کی خدمت میں ارسال کی۔ خط میں نے ایک صاحب کو دیا تھا پوسٹ کرنے کے لئے شمارہ نومبر 2017ء آیا تو خط اور غزل شامل اشاعت نہیں تھی۔ اس سے میں نے اندازہ لگایا کہ انہوں نے خط پوسٹ ہی نہیں کیا ہوگا؟ شمارہ نومبر 2017ء ملا خوب صورت سرورق کے ساتھ اور 20 خوب صورت اور چونکا دینے والی خوفناک کہانیوں کا انتخاب! اچھا ہے تمام لکھنے والوں کو ہماری جانب سے مبارک باد۔ شمارہ اس سال کا آخری شمارہ دسمبر کے ساتھ ملاقات ہوگی اور نئے سال کی آمد کے ساتھ سب کو نیا سال اور ''ڈر ڈائجسٹ'' کا نیا سال نمبر 2018ء کی مبارکباد ایڈوانس قبول فرمائیں! اس کے ساتھ ہی اجازت!

☆☆ اسحاق صاحب: یہ حقیقت ہے کہ آپ کا خط موصول نہیں ہوا تھا۔ اور امید ہے کہ آئندہ بلکہ ہر ماہ نوازش نامہ بھیج کر شکریہ کا موقع دیں گے۔

میاں یاور حسین اسلام آباد سے، السلام علیکم انکل! امید ہے سب خیریت سے ہوں گے۔ اس مرتبہ سرورق اچھا تھا لیکن پھر سے کہوں گا کہ سرورق کو خوفناک ہی ہونا چاہئے کیونکہ ڈر چونکا دینے والی خوفناک کہانیوں کا مجموعہ ہے۔ میں نے سب کی سب کہانیاں پڑھی ہیں، صرف قسط وار کہانیاں نہیں پڑھتا۔ اس مرتبہ سب نے اچھا لکھا اور اس بار نئے لکھنے والوں کی بھی کافی کہانیاں تھیں۔ آخر میں یہ ریکویسٹ ہے کہ احسان انکل سے کہیں کہ کہانی ضرور لکھیں کیونکہ ان کا انداز مجھے بہت پسند ہے۔ سب کو سلام۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ سب کو خوشیاں دے، آمین۔

☆☆ یاور صاحب: آپ کا خط پڑھ کر خوشی ہوئی اور قوی امید ہے کہ ہر ماہ اپنے قیمتی وقت میں سے وقت نکال کر خلوص نامہ ضرور ارسال کرتے رہیں گے۔

شاهد عظیم راولپنڈی سے، السلام علیکم محترم ایڈیٹر صاحب۔ میں ڈر کافی عرصہ سے پڑھ رہا ہوں، دراصل 16 سالوں سے میں معذور ہو چکا ہوں۔ اس سے پہلے بیرون ملک میں تھا لیکن اچانک جسمانی معذوری نے مجھے گھیر لیا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہے یا پھر؟ لیکن زندگی میں اب کافی وقت میسر ہے اور یہ وقت زیادہ تر مطالعہ کرنے اور اُس ذات کی یاد میں بیت جاتا ہے۔ وطن عزیز کے بہت سے رسائل زیر مطالعہ ہیں۔ خوف کے عنوانات پر ڈر واحد رسالہ ہے جس میں ہارر کہانیاں پڑھنے کو مل جاتی ہیں لیکن کافی عرصہ سے مچیور ہارر کا فقدان دکھائی دیتا ہے۔ لکھنے والوں سے اپیل ہے کہ ڈر میں خوفناک ادب ہی کو لکھا کریں تاکہ اس ڈائجسٹ کے مرکزی خیال کا حق ادا ہو سکے۔ میں بولنے اور چلنے سے معذور ہوں۔ صرف لکھت پڑھت تک محدود ہوں۔ میں تمام رائٹرز اور ڈر ڈائجسٹ کی ترقی کے لئے شب و روز دعا گو ہوں۔

☆☆ شاہد عظیم صاحب: ڈر ڈائجسٹ میں خوش آمدید، ہماری اور قارئین کی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ پر خصوصی اپنا فضل و کرم کرے آپ کے تمام دکھ درد اور پریشانیوں کو دور کرکے پل پل خوشیوں سے نوازے۔ (آمین)

ایس امتیاز احمد کراچی سے، امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوگا! ماہ رواں کا شمارہ سامنے ہے۔ خوب صورت ٹائٹل کے ساتھ تمام تر سلسلے خوب رہے۔ Stories کا انتخاب لاجواب رہا۔ ''ڈر'' کا معیار بلند ہو رہا ہے۔ تحریریں ارسال خدمت ہیں۔ پلیز قریبی اشاعت میں جگہ دیں۔ آپ کو اور دیگر اسٹاف اور ڈر ڈائجسٹ کے تمام خوب صورت لکھنے والے رائٹرز اور تمام خوب صورت پڑھنے والے وویورز کو دعا سلام۔ اپنا خیال رکھئے گا!

☆☆ امتیاز صاحب: خط اور تحریریں بھیجنے کے لئے شکریہ۔ فل تجزیے کی کمی محسوس ہو رہی ہے۔ امید ہے غور فرمائیں گے۔

محمد اسلم جاوید فیصل آباد سے، السلام علیکم! خیر و عافیت اور نیک دعاؤں کے ساتھ حاضر ہوں، کچھ دن ہوئے شہر جانا نصیب ہوا۔ وہاں بک اسٹال پر ڈر ڈائجسٹ نومبر 2017ء کے پرچے سے ملاقات ہوگئی۔ اندر جھانکا تو رنگ برنگی تحریروں اور سرورق دیکھ کے دل بہت خوش ہوا۔ کافی دنوں سے خط تحریر کرنے کا سوچا مگر وقت اور کام کی مصروفیات کی بنا پر خط جلدی نہ لکھ سکا۔ آج بڑی مشکل سے وقت نکال کے آپ کو یہ تحریر لکھ رہا ہوں۔ خط اور غزل شائع کرنے کا بہت بہت شکریہ۔ مقررہ تاریخ پر پرچے کا بڑی شدت سے انتظار ہوتا ہے۔ جس خلوص اور محبت سے یاد کرتے ہیں ہمارے دل میں بھی آپ کے لئے احترام ہے پرچے کا اپنا ہی رنگ اور معیار ہے۔ تمام تر سلسلے اپنی اپنی جگہ پر اچھے ہیں۔ قوس قزح کے اشعار غزلیں خوب سے خوب تر تھیں۔ ہر کہانی کا اپنا الگ رنگ ہے۔

ہر کہانی نے کافی حد تک متاثر کیا ہے۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ آپ نئے نئے احباب کو اپنے پرچے میں متعارف کراتے ہیں تاکہ ان میں خوب صورت تحریریں لکھنے کا شعور پیدا ہو۔ اچھا اب اجازت پھر ملیں گے رب راکھا۔

☆☆ اسلم صاحب: ڈر ڈائجسٹ سے آپ کی چاہت اور خلوص قابل تعریف ہے۔ یہی زندگی ہے خوش رہیں اور دوسروں کو بھی خوش رکھیں۔

عبدالجبار رومی قصور سے، السلام علیکم! خوب صورت جاذب نظر نومبر کا سرورق خوب صورت لگا، کہانیوں کی حیرت انگیز فہرست پر نظر ڈال کے قرآن کی خوب صورت باتوں سے دل منور کیا کیونکہ یہی ہماری دنیا و آخرت کا سرمایہ ہے اور اللہ کے روشن احکامات و ہدایات سے ہی زندگی کو بہترین طرز عمل پر ڈھال سکتے ہیں۔ خطوط کی محفل میں مسز زینت خان کی باتیں لکھاریوں کے لئے قابل غور ہیں۔ انابیہ، مصباح اور محمد حنیف شاکر کو محفل میں خوش آمدید، باقی ایس حبیب خان، فلک زاہد، گلاب خان سولنگی کے تبصرے عمدہ رہے۔ سالگرہ پر لکھی میری نظم پسند آئی پڑھ کر دل خوش ہوگیا، بہت بہت شکریہ۔ تمام کہانیاں اپنی اپنی جگہ زبردست رہیں، ان کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ قوس قزح میں عروج ماہین، عمران، شرف الدین جیلانی، فریدہ خان، اور ڈاکٹر واجد نگینوی کا کلام اچھا رہا۔

☆☆ عبدالجبار صاحب: خط پڑھ کر خوشی ہوئی اور اب قوی امید ہے کہ آئندہ ماہ بھی نوازش نامہ بھیج کر شکریہ کا موقع ضرور دیں گے۔

عبدالعزیز بلوچ کراچی سے، السلام علیکم! امید ہے ڈر کے اسٹاف سارے لکھاری حضرات خیریت سے ہوں گے۔ اس بار بھی ڈر جلد موصول ہوا۔ قرآن کی باتوں سے دل کو منور کرتا ہوا خطوط تک پہنچا۔ یہاں کچھ اچھے اور کچھ تلخ خط پڑھنے کو ملے۔ خاص طور پر فلک زاہد صاحبہ کچھ ناراض سی لگیں۔ فلک زاہد صاحبہ ہوسکتا ہے کچھ دوستوں کو اپنے طور پر آپ کی کہانی میں کچھ کمی محسوس ہوئی ہو۔ لیکن مجھے تو آپ کی اب تک کی ساری کہانیاں پسند آئی ہیں۔ امید ہے جلد کوئی نئی کہانی کے ساتھ حاضر ہوں گی۔ ایس حبیب صاحبہ کہانیوں کی فہرست میں آپ کی کہانی کا شدت سے کمی محسوس ہوئی۔

☆☆ عبدالعزیز صاحب: ہر آدمی کی پسند اپنی اپنی ہوتی ہے، جس گھر میں چند لوگ ہوتے ہیں وہاں برتن ضرور کھنکتے ہیں۔ یہی حال ڈر ڈائجسٹ کا ہے۔ بہرحال ہمارے لئے تمام قارئین قابل تعریف ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب پر اپنا فضل و کرم رکھے۔ (آمین)

محمد حنیف شاکر ننکانہ صاحب سے، سلام مسنون کے بعد خیریت کا طالب اللہ کے فضل سے خیریت سے ہے۔ امید کرتا ہوں کہ خداوند قدوس کا فضل و کرم ڈر کے تمام اسٹاف اور قارئین پر ہوگا۔ میری جوان بھانجی اس فانی دنیا سے کوچ کر گئی جس کی وجہ سے دل کافی غمگین تھا مگر 26 اکتوبر کو صبح ساڑھے آٹھ بجے پیارے ویر ڈاکٹر عامر شہزاد نے ڈر ڈائجسٹ لاکر ہاتھ میں تھمایا جسے پا کر دل مسرت سے جھوم اٹھا پڑھنے سے یوں لگا کہ جیسے ویرانی میں بہار آ گئی ہو۔ وجود کے بے چین جذبے انجانی خوشیوں میں سرشار ہوگئے۔ طبیعت تو بوجھل بوجھل سی تھی مگر اس میں تازگی عود کر آئی، دل میں خوشی کے چشمے پھوٹ نکلے کیونکہ غموں کا ساتھی خوشیوں کا سہارا ڈر جو مل گیا۔ باقی سب کہانیاں اور غزلیں اپنی اپنی جگہ پر خوب سے خوب تر ہیں۔ تمام قلمکاروں کو معیاری اور اچھا مواد پیش کرنے پر مبارکباد دیتا ہوں۔ میری غزل اور لیٹر شائع کرنے پر بہت بہت شکریہ ادا کرتا ہوں۔

☆☆ حنیف صاحب: آپ کی بھانجی کا سن کر بہت افسوس ہوا، ہماری اور قارئین کی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی بھانجی کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور تمام لواحقین کو صبر جمیل عطا کرے۔ اور ڈر کی تعریف کے لئے ڈھیروں شکریہ قبول کریں۔ آئندہ ماہ بھی خلوص نامہ کا انتظار رہے گا۔

صفدر علی فیصل آباد سے، السلام علیکم! امید ہے سب خیریت سے ہوں گے، اس بار سرورق بہت شاندار تھا۔ سب سے پہلے ''عجب انتقام'' پڑھی جو کہ عبرت ناک اور دکھی کہانی تھی مجھے بہت اچھی لگی اس کے بعد ''خوف نگر'' بھی اچھی کوشش تھی۔ ''اے وحید'' کو ''رولوکا'' کی 150 اقساط پوری ہونے پر مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ ''بلا کا خاتمہ'' ''انٹرویو'' اور ''شیطانی گڑیا'' بھی بہت اچھی تھیں۔ ''تاتونی'' اور ''اسرار'' بھی شاندار ہیں۔ باقی کہانیاں ابھی تک پڑھی نہیں۔ امید کرتا ہوں وہ بھی اچھی ہوں گی۔ میں نے ایک بار پھر آپ کو کہانی بھیجی ہے۔ درخواست ہے کہ اپنی رائے ضرور دیں۔ پچھلی بار کی طرح مت کیجئے گا۔ اللہ ڈر کو ترقی کی راہ پر رواں دواں رکھے۔ (آمین ثم آمین)

وقار عظیم پاکستانی ڈائجسٹ ڈاٹ کام

☆☆ صفدر صاحب: ابھی کہانی پڑھی نہیں، اچھی ہوگی تو ضرور شائع ہوگی۔ گھبرائیں نہیں۔ کیونکہ لکھتے لکھتے آدمی لکھاری بن جاتا ہے۔ ایک کہانی بھیج کر انتظار ٹھیک نہیں ہوتا، کوشش جاری رکھیں، کامیابی ضرور قدم چومے گی۔

ایم بلال اعوان راولپنڈی سے، السلام علیکم! امید کرتا ہوں ڈر کی تمام ٹیم اور قارئین بخیریت ہوں گے۔ اکتوبر کا شمارہ ملا پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ ہمیشہ کی طرح ایک سے بڑھ کر ایک کہانیاں تھیں۔ میری دعا ہے کہ ہمیشہ اللہ ڈر ڈائجسٹ اور ان کی تمام ٹیم کو سلامت رکھے۔ پہلی بار ڈر ڈائجسٹ میں خط لکھ رہا ہوں پہلے کسی اور ڈائجسٹ میں نہیں لکھا۔ لیکن اب مستقل طور پر ڈر کے لئے لکھوں گا۔ کہانی شامل کرکے حوصلہ افزائی فرمایئے گا۔

☆☆ بلال صاحب: ڈر ڈائجسٹ میں خوش آمدید، کہانی ابھی پڑھی نہیں۔ اچھی ہوئی تو ضرور شائع ہوگی۔ اور ہاں آئندہ ماہ بھی اپنی رائے ضرور بھیجئے گا۔

قاسم رحمان ہری پور سے، السلام علیکم......! ڈر کے ہر فرد کو دل کی گہرائیوں سے سلام اور نیک تمنائیں! 21 اکتوبر کو جب یونیورسٹی سے واپس آیا تو امی نے بتایا کہ ڈر آیا ہے تو بہت خوشی ہوئی...... سب سے پہلے تو میں ان افراد کا شکریہ ادا کروں گا جنہوں نے کہانیوں پر تنقید کرنا شروع کی ہے...... بہت خوشی ہوئی...... کیونکہ ایک رائٹر پر جب تک قارئین تنقید نہیں کریں گے وہ مزید بہتری نہیں لاسکتے۔ کہانیوں میں...... فلک زاہد صاحبہ نے کہا کہ میری کہانیوں میں دم نہیں ہے...... تو انشاء اللہ اب میں اپنا مطالعہ وسیع کروں گا اور کوشش کروں گا کہ میری تحریریں آپ کو متاثر کرسکیں۔ مگر آپ کی یہ بات غلط ہے کہ جونیئر، سینئر، رائٹرز پر تنقید نہیں کرسکتے...... ہر انسان کو اپنی رائے کے اظہار کا حق حاصل ہے۔ خیر کہانیوں کی طرف آتے ہیں۔ خونی جزیرہ ختم ہوئی...... اچھی کہانی تھی...... عجب انتقام اور بددعا کا خاتمہ اس ماہ کی ٹاپ کہانیاں تھیں، شیطان کی آنکھیں، بلا کا خاتمہ، نیک روح، اوتار یہ کہانیاں بھی قابل تعریف ہیں۔ نئی کہانی بجھوار ہا ہوں اور آپ سے ریکویسٹ ہے کہ کہانی کا نام نہ تبدیل کیجئے گا اور نہ ہی شاعری کا ٹیپ گا...... اسٹڈیز بہت ٹف ہوگئی ہیں۔ اس لئے آج کل کہانیوں کے لئے ٹائم نکالنا مشکل ہوجاتا ہے...... لیکن ہر ماہ کہانی ارسال کرنے کی کوشش کروں گا۔

☆☆ قاسم صاحب: ہماری کوشش ہوتی ہے کہ ہر کہانی خوب سے خوب تر ہو، اس لئے کانٹ چھانٹ اور بنا سنوار کر آگے بڑھاتے ہیں۔ اور اگر نام مناسب نہیں ہوتا تو کہانی کے مطابق ہی کوئی دوسرا نام رکھ لیتے ہیں۔ اصل میٹر اور رائٹر کا نام ہوتا ہے۔ امید ہے آپ غور کریں گے۔ ہر ماہ کہانی بھیجیں گے اس کے لئے شکریہ قبول کریں۔

ڈاکٹر عامر شہزاد رانا ننکانہ صاحب سے، محترم ایڈیٹرز، اسٹاف اور تمام قارئین السلام علیکم، نومبر کا شمارہ جلد ہی مل گیا اس بار سرورق بھی اچھا تھا۔ قرآن مجید کی باتیں پڑھ کر دل باغ باغ ہوگیا۔ نومبر کے شمارے میں اپنا خط، شعر اور غزل شائع ہونے پر خوشی ہوئی، کہانیوں میں ''ایس امتیاز احمد'' کی ''نیک روح'' مریم فاطمہ کی ''آسیبی پینٹنگ'' مریم مرتضیٰ کی ''بدلہ'' فاطمہ خان کی ''شیطانی گڑیا'' شہزادہ چاندزیب عباسی کی ''حیرت کدہ'' اور پیا سحر کی ''اوتار'' بہترین تھیں۔ ایس حبیب خان کی حدیث مبارک دل کو لگی۔ قوس قزح میں عروج ماہین، عارفہ عامر، عمران اور اقبال احمد کے اشعار بہت اچھے لگے۔ غزلوں میں نینا خان، ایس امتیاز احمد، محمد حنیف شاکر، رابعہ عباس، رشک نور اور سنبل ماہین کی غزلیں ٹاپ پر رہیں۔ ڈر ڈائجسٹ کے تمام رائٹرز بہت اچھا لکھ رہے ہیں۔ امید ہے تمام رائٹرز اپنی کہانیوں میں مزید نکھار پیدا کرکے ڈر کو مزید بلندیوں پر پہنچانے کے لئے اپنا کردار ادا کریں گے۔ ویسے دور حاضر میں اللہ کے فضل و کرم سے ڈر ڈائجسٹ ہی سب سے بہترین ہے، دعا ہے کہ اللہ اسے دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔

☆☆ عامر صاحب: خوش ہوجایئے، کہانی شامل اشاعت ہے اور امید ہے کہ اب نئی کہانی جلد از جلد ارسال کردیں گے۔ خط لکھنے اور کہانیوں کی پسندیدگی کے لئے تھینکس۔

طارق محمود کامرہ اٹک سے، السلام علیکم نومبر کا ڈر ڈائجسٹ بہترین ٹائٹل کے ساتھ ملا، جس میں اک ہڈیوں کا عجیب سا ڈھانچہ ایک ہاتھ میں ہڈی پکڑے دوسرے ہاتھ سے کسی چیز کو پکڑنے کی کوشش کررہا ہے شاید اس حسینہ کو جو کہ سرورق کو چار چاند لگا رہی ہے لیکن وہ حسینہ اس ڈھانچہ سے بے خبر کسی نادیدہ وجود کو دیکھنے میں کھوئی سی ہے۔ قرآن کی باتیں بے شک جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں اور اس کے بتائے راستے پر چلتے ہیں۔ اصل کامیابی ان ہی کے لئے ہے۔ کاش کہ ہر انسان اس بات کو سمجھ سکے۔'' خطوط

کی محفل میں مسز زینت خان کرسی صدارت پر براجمان تھیں۔ بہت ہی اچھا تبصرہ اور بہترین نقطہ نظر بیان کیا۔ ڈر کے رسالہ میں ڈر سے متعلق ہی کہانیاں ہونی چاہئے۔ لیکن ان میں کوئی اسٹوری بھی ہو اوٹ پٹانگ چاہے جتنی ہارر کہانی ہو لیکن پلاٹ اور اسٹوری نہیں تو پھر اس کہانی کا مزہ نہیں۔ باقی تبصرے بھی ویل اینڈ گڈ تھے عبدالعزیز بلوچ آئی ایم ویری تھینک فل ٹو یو کہ آپ نے میری کہانیوں کی تعریف کی۔ عبدالجبار رومی صاحب تبصرہ آپ کا بھی بہترین اور جاندار ہوتا ہے۔ گلاب خان سولنگی صاحب اللہ آپ کے لخت جگر کو صحت سے نوازے۔ اور تمام مسلمانوں کی پریشانیاں دور فرمائے۔ آمین۔ مہر پرویز احمد دولو کی کہانی پسند کرنے کا شکریہ۔ فلک زاہد صاحبہ کی بات بالکل ٹھیک ہے کہ جس رائٹر کی کہانی پسند آئے گی تعریف اسی کی ہوگی۔ بشرط کہ کہانیاں تمام پڑھی جائیں لیکن کچھ لوگ خود پسند ہوتے ہیں۔ سب سے بڑی بات کہ آپ نے خود میری کہانی کو زبردست کہا اور کامیابی کی بہترین دعا دی۔ اس کے لئے شکریہ۔ اس دفعہ بھی ایک ہلکا سا تبصرہ لئے حاضر ہوں ساتھ ہی ایک کہانی۔ دل تو چاہتا ہے کہ سب بہن بھائیوں کے تبصرہ پہ ایک بھرپور تبصرہ لکھوں لیکن پھر خطوط کی محفل میں میرا ہی تبصرہ ہوگا اور باقی لوگ ندارد۔ اب کہانیوں کی بات ہوجائے تو اس دفعہ سب سے پہلے چاندزیب عباسی کا نام دیکھ کر ان کی کہانی ''حیرت کدہ'' پڑھی بہت ہی بہترین انداز سے لکھ کر اس کہانی میں عباسی صاحب نے جان ڈال دی ہے۔ دوسری کہانی ''بددعا کا خاتمہ'' پڑھی بہترین پلاٹ اور خوب صورت پیرائے میں لکھی کہانی تھی۔ ''شیطان گڑیا'' اور ''بدلہ'' چھوٹی چھوٹی اچھی ہارر اسٹوریز تھیں۔ ''آسیبی پینٹنگ'' کا بھی جواب نہیں۔ ''ناتونی'' ایک بہترین انداز سے آگے بڑھ رہی ہے۔ ''کلاوتی'' اور ''بلا کا خاتمہ'' بہت ہی اچھی کہانیاں تھیں۔ ایس امتیاز احمد صاحب ہمیشہ اچھی کہانیاں لے کر آتے ہیں۔ اس دفعہ بھی ''نیک روح'' بہترین کہانی تھی۔ ایم الیاس کی ''خونی جزیرہ'' بہترین کہانی کا بہترین اختتام ہوا۔ ''شیطان کی آنکھیں'' بہت اچھے ہی ناصر محمود فرہاد بہترین الفاظ کا چناؤ اور کہانی زبردست، پیا سحر صاحبہ نے ''اوتار'' بہت ہی خوش اسلوبی سے لکھی۔ سکندر حبیب کی ''مددگار روحیں'' ڈر سسپنس اور رات کے اندھیرے کے لبادے میں چھپی اور بہترین کہانی تھی۔ ''خوف نگر'' اور ''عجیب انتقام'' بھی اچھی کہانیاں تھیں۔ اس ماہ تقریباً سب کہانیاں خوش اسلوبی اور اچھے انداز سے لکھی گئی تھیں۔ مجموعی طور پر اس ماہ کا ڈر واقعی میں ایک بہترین رسالہ تھا۔

☆☆ طارق صاحب: حقیقت سے چشم پوشی ٹھیک نہیں ہوتی۔ ہر آدمی کو غور کرنا چاہئے، فراخ دل والے ہی تنقید برداشت کرتے ہیں جبکہ تنقید سے آدمی مزید نکھرتا ہے اور ہر دل عزیز ہوتا ہے، لیکن بے جا تنقید ٹھیک نہیں۔ ایک دو کہانی شائع ہونے سے آدمی لکھاری نہیں بنتا بلکہ لکھتے لکھتے ہی آدمی لکھاری بن جاتا ہے۔ خود کے متعلق غور کرنے والے ہی کامیاب و کامران ہوتے ہیں۔ ایک شعر ہے غور کریں۔

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

فاطمہ خان علی پور مظفر گڑھ سے، السلام علیکم! نومبر کے شمارے میں اپنی تحریر ''شیطانی گڑیا'' کو دیکھ کر دل خوشی سے جھوم اٹھا۔ آپ نے میری تحریر کو ڈر جیسے زبردست ڈائجسٹ میں شامل کرکے مجھے شرف عزت بخشا۔ بہت خوشی ہوئی۔ آپ کا بہت بہت شکریہ۔ پہلے پہل محض لکھاریوں کی تحریروں کو پڑھا کرتی تھی مگر اب جب نومبر کے شمارے میں اپنی پہلی تحریر کو دیکھا تو اتنا اعتماد پیدا ہوا کہ اب ''ڈر'' کی مستقل لکھاری بن سکتی ہوں۔ ''ڈر'' کی تحریروں کو پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ لکھاری ہر مرتبہ کچھ نیا لکھنے کا سوچتے ہیں۔ اس لئے ہر تحریر پر واہ واہ کرنا پڑتی ہے۔ اب میں نے بھی ہر مرتبہ کچھ نہ کچھ نیا کرنے کی ٹھان لی ہے۔ اسی لئے اپنی ایک اور تحریر ''موت کا میلہ'' ارسال کررہی ہوں۔ امید کرتی ہوں کہ آپ میری اس تحریر میں موجود کمی بیشی دور کرکے اسے ''ڈر'' کی زینت ضرور بنائیں گے۔ بس اتنا کہنا چاہوں گی۔ Dar Is The Best۔

☆☆ فاطمہ صاحبہ: نئی کہانی لکھنے، خط لکھنے اور کہانیوں کی تعریف کے لئے ویری ویری تھینکس، کہانی لیٹ بلکہ بہت لیٹ موصول ہوئی جس کی وجہ سے شائع ہونے سے رہ گئی، خیر امید ہے آنے والے شمارے میں ضرور شامل اشاعت ہوگی۔ شکریہ۔ اور ہاں آئندہ ماہ بھی خلوص نامہ اور کوئی نئی کہانی بھیجنا بھولئے گا مت۔

☆☆☆

خصوصی تحریر

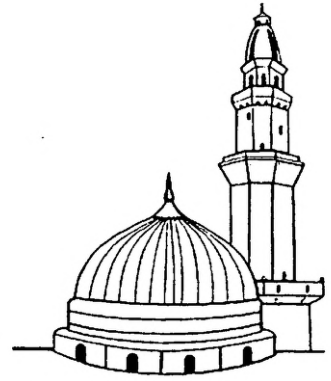

ہادی عالم صلی اللہ علیہ وسلم

ساحل دعا بخاری۔ بصیر پور

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت و محبت پر ایمان افروز.....اپنی مثال آپ کہانی

وہ گردن گردن گناہوں کی دلدل میں دھنسا تھا۔ اس کا باپ ایک جاگیردار تھا اور اپنے باپ دادا کی طرح ایک روایتی جاگیردار تھا رعایا اور دیگر لوگ جس کی نظر میں کیڑے مکوڑے سے زیادہ حیثیت نہ رکھتے تھے اور کیڑے مکوڑوں کے بھلا کون سے حقوق ہوتے ہیں؟ وہ لوگوں سے دن رات گدھوں کی طرح کام لیتا تھا۔ جس کا معاوضہ دو وقت کی روٹی اور سال میں دو جوڑے کپڑے، اب بھلا اس سے زیادہ انہوں نے کرنا بھی کیا تھا؟ ان کی عورتیں جاگیردار شاہ میر خان اور اس کے خاندان کی ملکیت تھیں۔

"لہٰذا عمر بلال خان" کو وہ سب وراثت میں ملا تھا اور اس نے اپنے بڑوں کی طرح اس وراثت کو خوب سنبھالا تھا ڈرنک اس کے لئے ایسی ہی تھی جیسے پانی۔ اسے اعلیٰ تعلیم کے لئے بیرون ملک بھیجا گیا تو وہاں کا ماحول اسے خوب راس آیا۔ تعلیم سے زیادہ اس کا وقت گرل فرینڈز، بازار اور نائٹ کلبز میں گزرتا تھا نیز اس میں ہر اخلاقی اور شرعی برائی تھی، معاشرتی اس لئے نہیں کہ اس معاشرے میں بیشتر برائیاں، برائیاں نہیں سمجھی جاتیں۔ وہ صرف قتل سے بچا ہوا تھا اور وہ بھی اس دن اس نے کر دیا اس دن وہ یونیورسٹی میں اپنی کلاس اٹینڈ کر کے واپس آ رہا تھا جب گارڈن میں کھڑے ڈیوڈ کی ایک بات نے اسے چونکا دیا اس کے قدم بے ساختہ رک گئے۔ "کیا بکواس کی تم نے؟" اس کا مخاطب ڈیوڈ تھا۔

جواباً اس نے بات دہرائی تو عمر بلال کا سارا خون ایک دم آگ میں ڈھل گیا۔ "میں تمہاری زبان کھینچ لوں گا۔" وہ دہاڑا۔

"تم سب مسلمان اپنا دفاع بھی نہیں کر سکتے کیا کہ....."

اس کی بات مکمل ہونے سے قبل ہی عمر بلال دھاڑتا ہوا اس پر جھپٹا اس نے بائیں ہاتھ سے ڈیوڈ کا منہ کھولا اور دائیں ہاتھ سے اس کی زبان کھینچ لی اس کا انداز جنونی تھا۔ یہ سب کچھ صرف چند سیکنڈوں میں ہوا تھا اس لئے دیکھنے والے صرف دیکھتے ہی رہ گئے۔

ڈیوڈ عالم سکرات میں تڑپ رہا تھا جب تک ڈیوڈ کے ساتھی اسے عمر بلال کے ہاتھوں سے چھڑاتے وہ ڈیوڈ کی گردن مروڑ چکا تھا۔ کڑاک کی آواز پر کچھ چیخیں بے

ساختہ تھیں اتنی دیر میں ٹیچرز اور دیگر اسٹاف بھی آ گیا۔

"ہم مسلمانوں میں خواہ اپنا دفاع کرنے کی ہمت نہ ہو لیکن "شاتم رسول کو جہنم واصل کرنے کی طاقت ہے۔" اس نے بھاری بوٹ ڈیوڈ کے بے جان چہرے کو رسید کیا تھا۔ کچھ ہی منٹ میں اس کے خون آلود ہاتھوں میں ہتھکڑی لگ چکی تھی۔

اس کے ہاتھ ہینڈ کف میں پیچھے کی طرف جکڑے تھے۔ اس کے اردگرد متعدد پولیس اہلکار تھے اور اس کے سامنے میڈیا کا ہجوم تھا بار بار فلیش لائٹس چمک رہی تھی۔

"تو مسٹر عمر بلال! تم نے یہ قتل کر کے ثابت کر دیا کہ پاکستان میں دہشت گردی ہوتی ہے۔" ایک رپورٹر نے کڑے لہجے میں کہا۔ "یہ اب کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں رہی دہشت گرد کون ہے؟ پوری دنیا جانتی ہے۔" اس نے تلخی سے باور کرایا۔ "تم نے ایک بے گناہ کو قتل کیا ہے۔"

"وہ بے گناہ نہیں تھا۔ کاش، میرے بس میں ہوتا تو میں اسے بار بار زندہ کر کے تڑپا تڑپا کر مارتا۔" اس کی آنکھوں میں چنگاریاں رقصاں تھیں۔

"اس کی موت تو بہت آسان تھی۔"

"اس نے کیا کیا تھا آپ کے ساتھ؟" ایک نوعمر لڑکا مائیک آگے بڑھا کر بولا۔

"اس نے مجھے اتنی تکلیف دی ہے کہ اگر....." وہ سامنے مجمع پر نگاہ ڈال کر بولا۔ "تم سب کے سب گھر والوں، سب عزیزوں کو تمہاری آنکھوں کے سامنے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے پھر تمہارے ہاتھوں پیروں کی بوٹی بوٹی کاٹ لی جائے، تمہارے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے بعد تمہارا سر تن سے جدا کیا جائے تو تم سب کی تکلیف ملا کر بھی اس تکلیف کا ایک ذرہ بھی نہیں، جو اس نے مجھے دی ہے۔" اس کے لہجے میں اس قدر درد تھا کہ چند لمحہ کو سناٹا چھا گیا۔

اس سناٹے کو ایک صحافی کی آواز نے توڑا۔ "اس کا مطلب ہے کہ تم کو اس قتل پر کوئی شرمندگی نہیں؟"

"شرمندگی؟ مجھے اس پر نہیں بلکہ فخر ہے کہ ایک بدبخت، جہنم زدہ شاتم رسول میرے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچا۔" وہ کہہ کر واپس پلٹا اگرچہ میڈیا والے ابھی مزید پوچھنا چاہتے تھے مگر۔

☆.....☆.....☆

"ویسے ایک بات کی سمجھ تو مجھے بھی نہیں آئی کہ تم کوئی اتنے پارسا تو نہیں تھے نماز میرے خیال میں تم عید کی بھی شاید ہی پڑھتے ہو گے، روزہ تم نے کبھی رکھا ہی نہیں ہو گا، زکوٰۃ تمہیں پتہ ہی نہیں ہو گا کہ ہوتی کیا ہے پھر ایک دم؟" فرینک سے اس کی اچھی ہیلو ہائے تھی وہ اس وقت اس کے سامنے تھا جیل میں۔

عمر بلال نے ایک طویل سانس لی۔ "ہاں..... بے شک میں ایسا ہی تھا، میں عید کی نماز بھی کبھی کبھار ہی پڑھتا ہوں، روزے اور زکوٰۃ کے بارے میں بھی تمہارا خیال بالکل ٹھیک ہے لیکن اس کے باوجود جب میں نے ڈیوڈ کی بات سنی تو مجھ سے بالکل بھی برداشت نہ ہو سکا اب بھی میرے جسم میں چنگاریاں چھوٹ رہی ہیں، کاش! میرے بس میں ہوتا تو میں اس کے جسم کے ریشے ریشے کو الگ کر کے آگ لگا دیتا۔" شدت جذبات سے اس کا گلا روندھ گیا اس کے لہجے میں نجانے کیا تھا کہ فرینک دم بخود رہ گیا۔

"چند لمحہ خاموشی سے گزر گئے، اس خاموشی کو عمر بلال نے ہی توڑا تھا۔ "کہاں کھو گئے؟"

"سوچ رہا ہوں، جب تم جیسا ایک عام مسلمان، جو صرف نام کا مسلمان ہے اپنے نبیؐ سے اتنی محبت کرتا ہے تو سچے مسلمان کس قدر محبت کرتے ہوں گے؟"

"وہ تو اللہ کے محبوبؐ ہیں۔ مجھ جیسے لوگ تو ان کی محبت کا حق ادا کر ہی نہیں سکتے۔" اس کے لہجے میں سچائی کی چٹانیں سر تانے کھڑی تھیں۔

"تمہیں پتہ ہے تمہیں سزائے موت ہو گی۔" فرینک تاسف سے گویا ہوا۔

"میں اتنا کی.....؟ اتنا کی کہ محمد ﷺ کے نام پہ قربان ہو جاؤں؟" اس کی آواز حیرت و بے یقینی اور خوشی کی ملی جلی کیفیت سے لرز رہی تھی۔

فرینک کچھ دیر مزید بیٹھ کر چلا گیا۔ وہ اٹھا اور

واش روم کی طرف بڑھ گیا اس کا پورا وجود گناہوں کی غلاظت سے لتھڑا ہوا تھا اسے وہ غلاظت دھونا تھی بے شک اس کے گناہ پانی کے قطروں، درختوں کے پتوں اور ریت کے زروں سے زیادہ تھے۔لیکن.....اس کے گناہ ''اللہ کی رحمت'' اور حضرت محمد ﷺ کی محبت وشفقت سے زیادہ نہ تھے۔اور اگر کوئی انسان اللہ کی طرف بڑھے تو اللہ اس انسان کے ایک قدم کے بدلے اس کی طرف ستر قدم بڑھتا ہے۔عمر بلال بھی اللہ سے معافی مانگ رہا تھا اور اتنی جلدی کوئی ماں اپنے ننھے منے بچے کو معاف نہیں کرتی، جتنی جلدی اللہ اپنے بندے کے بڑے بڑے گناہ معاف کردیتا ہے۔

واش روم سے نکل کر عمر بلال اللہ کے آگے سربسجود ہوگیا اس کارواں رواں اپنے گناہوں کے احساس سے لرز رہا تھا اس کا دل آنکھوں کے راستے پگھل پگھل کر بہہ رہا تھا اور یہ آنسو..... یہ آنسو اس کے سارے گناہوں کو دھو رہے تھے اور نارِ جہنم کو بجھا رہے تھے اور..... قبر کی تاریکی، تنگی اور کیڑے مکوڑوں کو دور کررہے تھے یہ آنسو اللہ کو بہت پسند ہیں یہ آنسو تقدیر کا رخ موڑ دیتے ہیں اللہ کے خوف سے، اپنے گناہوں کی ندامت سے نکلنے والا ایک آنسو بھی اتنا طاقتور ہوتا ہے کہ تمام گناہوں کی سیاہی مٹا دیتا ہے۔عمر بلال تو پھر ''مجسم آنسو'' بنا تھا اس پر نور کی برسات ہورہی تھی۔

☆.....☆.....☆

سید عبدالرزاق نے اپنے مسند میں نقل فرمایا کہ حضرت جابرؓ نے عرض کیا۔''یارسول اللہ آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کس کو پیدا کیا؟'' تو آپؐ نے فرمایا۔''اے جابر! اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے تیرے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا کیا۔'' پھر اللہ تبارک تعالیٰ نے باقی مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو اس نور سے باقی سب چیزیں پیدا فرمائیں۔''

ہادی عالمؐ کے ظہور سے کچھ دن پہلے ابرہہ جو یمن کا گورنر تھا کعبہ شریف کی عظمت کو برداشت نہ کرسکا اور ایک بڑا جنگی لشکر لے کر خانہ کعبہ کو گرانے کی غرض سے حملہ آور ہوا جب خانہ کعبہ سے تیس میل دور پہنچا تو اس کے ہاتھی نے آگے بڑھنے سے انکار کردیا آخر مجبوراً اسی جگہ پڑاؤ ڈال دیا ان دنوں اہل عرب کے لئے ہاتھی ایک عجیب چیز تھی انہوں نے اس سے قبل کبھی ہاتھی نہ دیکھے تھے اس بڑے لشکر کی شان وشوکت سے گھبرا کر اہل مکہ پہاڑوں میں جاچھپے صرف حضورؐ کے دادا حضرت عبدالمطلب اور ان کے خاندان کے چند افراد جن کی تعداد بمشکل بارہ افراد تک پہنچتی تھی باقی رہ گئے اور ابرہہ کے اس عظیم لشکر کے مقابلے کے لئے تیار ہوگئے اسی دوران ابرہہ کے ساتھی اہل مکہ کے مویشیوں کے ساتھ حضرت عبدالمطلب کے چند اونٹ بھی لے گئے حضرت عبدالمطلب اکیلے گھوڑے پر سوار ہوکر ابرہہ کے پاس پہنچے، ابرہہ نے جب اس پیکر شرافت کو اپنی طرف آتے دیکھا تو بے ساختہ استقبال کے لئے خیمہ سے باہر نکل آیا اور نہایت عزت واحترام سے پیش آیا پوچھا۔''آپ کا نام کیا ہے؟ آپ کیسے تشریف لائے؟''

حضرت عبدالمطلب نے فرمایا۔''اہل عرب مجھے عبدالمطلب کے نام سے پکارتے ہیں اور یہاں آنے کی وجہ یہ ہے کہ تیرے لشکری میرے اونٹ لے آئے ہیں وہ واپس لینے آیا ہوں۔''

ابرہہ نے متکبرانہ قہقہہ لگایا اور بولا۔''عبدالمطلب اپنے کعبہ کی فکر کر، اونٹ تو ایک حقیر چیز ہے میں تمہارا کعبہ گرانے آیا ہوں میں تو سمجھا تھا کہ تم کعبہ کو بچانے کی کوشش کے لئے آئے ہوگے اور اسے نہ گرانے کی درخواست کروگے۔

تعجب ہے کہ اک ناچیز شے کا ذکر کرتے ہو نہیں کعبے کی فکر، اونٹوں کی اپنے فکر کرتے ہو

حضرت عبدالمطلب نے نفیس جواب دیا کہ صداقت ہے یہی، میں اپنی شے کا ذکر کرتا ہوں کہ میرا مال ہیں اونٹ، اس لئے میں فکر کرتا ہوں کرے گا فکر اپنے گھر کی، جو اس گھر کا مالک ہے جو اس گھر کا مالک ہے، وہ بحر و بر کا مالک ہے

''ابرہہ! مجھے کعبے کی فکر کیوں ہو؟ کعبہ جانے، کعبے والا جانے، مجھے میرے اونٹ واپس کردو۔''

ابرہہ یہ صداقت آمیز جواب سن کر خاموش ہوگیا اور اونٹ واپس کردیئے، تو عبدالمطلب اونٹ لے کر گھر تشریف لائے اور ہادی عالمؐ کی والدہ حضرت آمنہؓ کو ساتھ لے کر کعبہ شریف میں حاضری دی اور دعا کی کہ ''اے مالک کعبہ! اے چودہ طبق کی کائنات کے خالق ومالک! تو سمیع وبصیر، تو علیم وخبیر ہے تو بخوبی جانتا ہے کہ ایک دشمن تیرے مقدس گھر کو گرانے کی نیت سے آیا ہے الٰہی تو نے مجھے بشارت دی تھی کہ تیرے گھر میں ایک نور چمکے گا! اگر وہ نور آمنہؓ کے پیٹ میں ہے تو اسی کے واسطے سے ہم دعا کرتے ہیں اے مالک! تیرے سوا ہم کسی سے نہیں ڈرتے اے مالک بچالے یورش دشمن سے اپنے گھر کی حرمت کو، بچالے آل اسماعیلؑ کے سامان عزت کو۔''

صبح سورج طلوع ہونے کے ساتھ ہی ابرہہ خانہ کعبہ پر حملے کی تیاری کرنے لگا۔ادھر نبی کریمؐ کے وسیلے سے مانگی ہوئی دعا فوراً قبول ہوئی پروردگار عالم نے ابابیلوں کے لشکر کو تیار رہنے کا حکم فرمایا لشکر ابرہہ کی کعبہ پر چڑھائی کا منظر حضرت عبدالمطلب اپنے خاندان سمیت ایک پہاڑی پر چڑھ کر دیکھ رہے تھے جونہی لشکر کے ہاتھی کعبہ کے قریب آئے تو سبھی کے سبھی ہاتھی کعبہ کے سامنے سجدہ ریز ہوگئے مہابت ہاتھیوں کو مارنے اور اٹھانے کی کوشش کرنے لگے مگر ہاتھی اللہ کے سامنے شیطان سے کیا ڈرتے؟ ابرہہ کا خاص ہاتھی تو بالکل بھی اٹھنے کا نام نہیں لے رہا تھا ابرہہ یہ صورت حال دیکھ کر بے حد گھبرایا اور فوج کو پیدل حملہ کرنے کو کہا ابھی اس نے یہ حکم دیا ہی تھا کہ پروردگار عالم کا لشکر اچانک نمودار ہوا چھوٹے چھوٹے لاتعداد ابابیل تین تین کنکریاں منہ میں اور ایک ایک کنکری پنجوں میں لے کر آئے اور لشکر ابرہہ پر سنگریزوں کی بارش شروع کردی، قدرت خداوند سے ہر کنکر پر اس شخص کا نام تھا جس سے وہ مارا جاتا جب کنکر جسم پر پڑتا تو جسم کو چیر کر کھائے بھس کی مانند کردیتا، آن کی آن میں یہ عظیم الشان لشکر تباہ وبرباد ہوگیا۔قرآن کریم اس واقعے کا ذکر سورۃ فیل میں شاندار طرز پہ بیان فرماتا ہے۔

''اے محمد کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے رب نے ہاتھی والوں کا کیا حال کیا؟ کیا ان کا داؤ تباہی میں نہ ڈالا اور اوپر پرندوں کی ٹکریاں بھیجیں کہ انہیں پتھر کے کنکر سے مارتے تھے تو ان کو کرڈالا جیسے کوئی کھائی ہوئی کھیتی ہوتی ہے۔''

اسی لئے اہل عرب اس سال کو عام الفیل بھی کہتے ہیں۔

☆.....☆.....☆

جب آپ ﷺ کے ظہور کا وقت قریب آیا تو حضرت آمنہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک مختصر جماعت کو آسمان سے اترتے دیکھا جن کے پاس سفید جھنڈے تھے اس جماعت نے ایک جھنڈا میرے گھر کے صحن میں گاڑ دیا ایک خانہ کعبہ کی چھت پر اور تیسرا بیت المقدس پر.....اس خوب صورت ترین رات کا آخری پہر تھا رات جارہی تھی صبح آرہی تھی آسمان کے ستارے قریب آرہے تھے ان ستاروں کی روشنی نے اپنے نور سے پورے علاقے کو منور کرڈالا تھا حضرت آمنہؓ فرماتی ہیں میں نے دیکھا کہ آسمان کے دروازے کھل رہے ہیں میں گھر میں اکیلی تھی عبدالمطلب طواف کعبہ کو گئے تھے۔

اچانک میں نے سفید پرندے کے بازو کو دیکھا جو اپنا پر میرے دل پر مل رہا تھا اس کے اثر سے میری بے چینی زائل ہوگئی بعد میں میں نے غور سے دیکھا کہ میرے سامنے شربت کا ایک پیالہ ہے جس کا رنگ بالکل سفید تھا میں اسے دودھ سمجھ کر پی گئی پھر میرے پاس چند عورتیں آئیں، میں نے پوچھا کہ ''آپ کون ہیں'' تو انہوں نے تعارف کروایا وہ سب حوریں تھیں۔

انہوں نے کہا کہ ''ہم آپ کی خدمت کے لئے آئی ہیں۔''

پھر کیا دیکھتی ہوں کہ مشرق ومغرب، زمین وآسمان ایک دم روشن ہوگئے حتیٰ کہ شام کے محلات

اور بصرہ کے اونٹوں کی گردنیں نظر آنے لگیں۔ اطراف عالم میں اعلان ہوا کہ "محمدؐ پیدا ہو گئے ہیں۔"

"پروردگار عالم نے فرمایا۔" بے شک آیا تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور روشن کتاب۔"

حضورؐ کی ولادت کے موقع پر خانہ کعبہ خم کھا گیا، آتش کدے خود بخود بجھ گئے، تمام بت یعنی کافروں کے خود ساختہ تمام خدا منہ کے بل زمین بوس ہو گئے، شیطان غاروں میں چھپ کر ماتم کناں ہوا اور درخت جھومنے لگے۔ جانور و پرندے چہکنے لگے اور آپؐ کی آمد کی مبارک باد ایک دوسرے کو دی اور اپنے اپنے طور طرز پہ خوشی کا اظہار کیا۔

☆.....☆.....☆

نیویارک کی ریاستی عدالت کے باہر لوگوں اور میڈیا والوں کا ہجوم تھا۔ کیونکہ آج ڈیوڈ مرڈر کیس کا فیصلہ ہونا تھا سڑک کے پار درجنوں افراد پلے کارڈز اٹھا کر کھڑے تھے جن پر نعرے درج تھے۔ پولیس لوگوں اور میڈیا والوں کو عدالت سے دور رکھنے کی کوشش کر رہی تھی، ایک طرف شاہ میر خان اور اس کی بیوی یعنی عمر بلال کی ماں پلوشہ کھڑی تھی وہ بار بار اپنے دوپٹے کے پلو سے آنسو صاف کر رہی تھی۔

"وہ رہا ہو سکتا ہے؟" اس نے شاہ میر سے پوچھا۔

"بہت مشکل ہے بس دعا کرو۔" شاہ میر نے نفی میں سر ہلایا، اس نے کئی لوگوں کے سامنے ڈیوڈ کو قتل کیا تھا اور پھر اعتراف بھی کیا تھا کہ اس نے بہ ہوش و حواس یہ قتل کیا ہے۔ وہ پیتا تھا لیکن جس وقت اس نے قتل کیا اس وقت اس کے معدے میں الکوحل کا ایک قطرہ بھی نہیں تھا۔

پولیس کی کاریں نمودار ہوئیں، ہجوم میں ہلچل کی لہر اٹھی گاڑیاں آ کر سیڑھیوں کے سامنے رکیں تو پولیس اہلکاروں نے گاڑیوں کو گھیر لیا۔ درمیان والی کار کا عقبی دروازہ کھول کر عمر بلال کو نکالا گیا اس کے ہاتھ میں ہتھکڑیاں تھیں، اسے دیکھتے ہی ہجوم میں مختلف آوازیں گونجنے لگیں۔ "قاتل.....دہشت گرد.....انتہا پسند۔"

عمر بلال نے سوچا کہ وہ انتہا پسند ضرور تھا مگر گناہوں کے معاملے میں.....میڈیا والے بھی اس کے خلاف تھے۔ اس وقت بھی وہ لوگ اس کی طرف چیخ رہے تھے، پولیس لوگوں کو قابو رکھنے میں ناکام ہو رہی تھی وہ تیزی سے عمر بلال کو اندر لے گئے۔

شاہ میر خان اور پلوشہ کو سرے سے اس کے قریب ہی نہیں جانے دیا تھا اس کا وکیل لائرز اس کا منتظر تھا اس نے پہلی بار پلوشہ کو یوں روتے دیکھا تھا اور پہلی بار شاہ میر کی آنکھوں میں نمی دیکھی تھی اسے افسوس ہوا مگر.....انہوں نے بھی ماں باپ ہونے کا حق ادا نہیں کیا تھا بجائے اس کے کہ وہ اسے مذہبی تعلیمات دلاتے وہ اسے ہر طرح سے دنیاوی تعلیم دلاتے رہے تھے اسے یاد آیا کہ ان کے شہر والے محل نما بنگلے میں ایک ملازم جوڑے کو صرف اس لئے نوکری سے نکال دیا گیا تھا کہ وہ نماز پڑھنے لگے تھے اور کھانا لگانے میں تین منٹ دیر ہو گئی تھی وہ دین سے ہمیشہ دور رہا تھا۔

عمر بلال کو صرف ایک ایسی ہستی یاد تھی جو اس سے اسلام کے بارے میں کوئی مذہبی بات کر دیا کرتے، اور وہ اکبر علی تھے شاہ میر کی زمینوں سے دور انہوں نے ایک کٹیا بنا رکھی تھی اور وہ محنت مشقت کرنے کے عادی تھے ان کی شخصیت سحر انگیز تھی اور وہ واحد ہستی تھی جن کی عمر بلال بھی دل سے عزت کرتا تھا، اس نے قرآن پاک بھی انہی سے پڑھا تھا اور اب بھی کبھی کبھار ان سے ملتا رہتا تھا۔ اسے وہاں سکون بھی ملتا تھا۔

ایک پولیس اہلکار نے اسے درشتی سے دھکا دیا تو وہ حال میں لوٹ آیا، کمرہ عدالت سیکنڈ فلور پہ تھا اور سیکورٹی بہت سخت تھی عدالت کا کمرہ بھی کھچا کھچ بھرا ہوا تھا ان میں منتخب افراد اور میڈیا کے نمائندے تھے جن کو اندر آنے کی اجازت ملی تھی اسے کٹہرے میں لایا گیا مگر وہاں بھی اس کی ہتھکڑیاں نہیں کھولی گئیں حالانکہ یہ خلاف قانون تھا کیونکہ اس کٹہرے میں آنے کے بعد وہ پولیس کے تحویل میں نہیں رہا تھا بلکہ عدالت کی تحویل میں آ گیا تھا۔

لیکن ان کا قانون مسلمانوں سے کیسا غیر قانونی سلوک کرتا ہے؟ یہ بات اس کے لئے کوئی ڈھکی چھپی نہیں

تھی، لائرز کا کہنا تھا کہ وہ کہہ رہے ہیں اس پر پہلے ڈیوڈ نے حملہ کیا تھا اور اس نے اپنے دفاع میں اسے مارا۔ لیکن عمر نے صاف انکار کر دیا، میں نے اتنے گناہ کئے ہیں کہ اب ان گناہوں کی حد بھی ختم ہو گئی ہے۔

سرکاری وکیل پوری طرح لیس ہو کر آیا تھا یور آنر! مسٹر عمر بلال نے ثابت کیا ہے بے شمار لوگوں کے سامنے ثابت کیا ہے کہ سارے مسلمان انتہا پسند دہشت گرد ہیں۔" جارج کا اشارہ اس واقعہ کی ویڈیو کی طرف تھا جو کسی اسٹوڈنٹ نے بنائی تھی اور بعد میں وہ مختلف چینلز پر بار بار چلائی گئی تھی۔

"میں مختصر بات کروں گا جس طرح ملزم نے بے گناہ ڈیوڈ کی جان لی ہے اسی طرح اس کی بھی جان لی جائے۔"

"میرا موکل انتہا پسند نہیں اور صرف اس بات پر بغیر تحقیقات کے سزا سنا دینا کہ یہ مسلمان ہے، یہ انصاف نہیں۔ میری درخواست ہے کہ اس بات کو نظر انداز کر کے مکمل انصاف سے کام لیتے ہوئے فیصلہ کیا جائے۔" لائرز نے کہا۔

"یور آنر! میں ملزم سے چند سوالات کی اجازت چاہوں گا۔" جارج کی درخواست پر جج نے اجازت دے دی۔

"ڈیوڈ کو قتل کرتے وقت کیا آپ نے ڈرنک کر رکھی تھی؟" اس نے اپنی چبھتی نظریں عمر کے چہرے پر گاڑ دیں۔

"نو۔" اس نے یک لفظی جواب دیا۔ جارج کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی یہ بات میڈیکل رپورٹ سے بھی ثابت ہو چکی تھی۔ "کیا ڈیوڈ سے آپ کی پرانی دشمنی تھی؟ یا کسی لڑکی وغیرہ کا چکر؟"

عمر نے وہی سابقہ جواب دیا۔ "کیا اس نے آپ پر پہلے ہاتھ اٹھایا تھا؟"

"نہیں۔" اس نے پھر اپنا جواب دہرایا، جج کی سمت متوجہ ہوا۔ "یور آنر آپ نے سن لیا اب ایک آخری سوال کرنا چاہوں گا۔" وہ پھر عمر کی طرف مڑا جو سنجیدہ تاثرات لئے، لب بھینچے سامنے دیوار کو گھور رہا تھا۔ "کیا ڈیوڈ کو قتل کرتے وقت آپ اپنے حواس میں تھے؟" عمر نے وہی جواب دیا جو اس سے قبل وہ پولیس کو دے چکا تھا۔

"یس..... میں نے ڈیوڈ کو مکمل ہوش و حواس میں قتل کیا ہے۔" نہ صرف اس کے لہجے میں تپش در آئی بلکہ اس کی آنکھوں سے بھی شعلے لپکنے لگے۔

"یور آنر! مسٹر عمر کی ڈیوڈ سے کوئی دشمنی نہیں تھی نہ یہ پیئے ہوئے تھے نہ کوئی جھگڑا ہوا ان کی مینٹل کنڈیشن بھی ٹھیک تھی پھر ڈیوڈ نے ان کو کوئی تکلیف بھی نہیں پہنچائی ایک بے گناہ کو قتل۔"

"اس نے مجھے تکلیف پہنچائی۔" جارج کی بات قطع کرتا وہ چلا اٹھا جارج نے ناگواری سے اسے دیکھا۔

"ابھی آپ اعتراف کر چکے ہیں کہ اس نے آپ پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔" اس موقع پر لائرز اس کی مدد کو کچھ بولنے والا تھا کہ جج نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش کروا دیا۔

"تکلیف صرف جسمانی نہیں ہوتی، اس نے میرے وجود پر، میرے ذہن، میری روح پر ایسا زخم لگایا ہے جو قیامت تک نہیں بھر سکتا۔" اس کے لہجے میں زمانے بھر کی اذیت سمٹ آئی۔

"کیا کہا تھا اس نے، آزادی رائے اظہار کا حق ہر ایک کو حاصل ہے۔"

"میرے فاضل دوست اگر میں کہوں کہ آپ ایک بدمعاش ہیں، آپ کا تعلق انڈر ورلڈ سے ہے، آپ کے باپ کا خود آپ کو نہیں پتہ، آپ کی ماں بہنیں کال گرلز ہیں تو؟" لائرز بولنے سے باز نہ رہ سکا۔

"آبجیکشن یور آنر!" جارج بھڑک اٹھا لوگوں کی بھنبھناہٹ ابھری۔

"آرڈر، آرڈر، آرڈر؟" ہتھوڑا میز پر ہی نہیں شاہ میر اور پلوشہ کے اعصاب پر بھی پڑا تھا۔

"مسٹر جارج اتنی سی بات پر اشتعال میں آ گئے ہیں، ڈیوڈ نے میرے محبوب، اللہ کے محبوب کی شان میں گستاخی کی اگر میرے بس میں ہوتا تو اس کے جسم کے ریشے ریشے کو الگ کر کے آگ لگا دیتا۔" چٹانوں کی

ساری مضبوطی اس کے لہجے میں اتر آئی۔ ”مجھے اس بات کا افسوس ہے اور بے حد افسوس ہے کہ ڈیوڈ کی موت بہت آسان تھی ورنہ وہ کم از کم بھی اس بات کا حق دار تھا کہ اسے زندہ جلا دیا جاتا۔“ عمر کے لہجے میں آتش فشاں کے لاوے کی جلن تھی۔

”اس بات پر مجھے انتہا پسند کہا جائے یا کچھ اور مگر ڈیوڈ کی موت بہت آسان تھی۔“

ڈیوڈ کے گھر والے اٹھ کھڑے ہوئے جج نے پھر ہتھوڑے سے خاموش کروایا جارج کا جوش بڑھ گیا تھا۔

مختصراً عمر بلال کو سزائے موت سنا دی گئی جہاں ڈیوڈ کے گھر والے اور دیگر خوش ہوئے تھے وہیں شاہ میر اور پلوشہ کی آنکھیں برسنے لگی تھیں اور عمر بلال.....اس کے لبوں پر سرشاری کو چھوتی اطمینان کا لمس محسوس کرتی جاندار مسکراہٹ آن ٹھہری تھی اسے اب مرنے کی جلدی اس لئے تھی کہ قبر میں نبی کریم ﷺ تشریف لانے والے تھے اسے انؐ سے ملاقات کی اس قدر جلدی تھی کہ اس کا دل چاہتا تھا کہ اسے اگلی سانس بھی نہ آئے اس کی روح سمیت رگ رگ میں عشق رسول ﷺ سما چکا تھا۔ حضرت محمد ﷺ کا نام وہ سوچوں میں بھی نہایت ادب واحترام کے ساتھ مکمل لیتا تھا۔

بچپن میں ایک بار اسے اکبر علی نے بتایا تھا کہ حضرت جبرائیلؑ نے دعا مانگی۔ ”اے اللہ برباد کردے اس شخص کو جو آپ ﷺ کا نام سنے پڑھے یا لکھے اور آپؐ پر سلام نہ بھیجے۔ الفاظ مختلف ہوں گے مگر مطلب یہی تھا اور اس پر آپ نے فرمایا۔ ”آمین!“

اکبر علی نے اسے اس حوالے سے چند حکایات بھی سنائی تھیں مثلاً ایک کاتب جو بظاہر نیک اعمال نہ کرتا تھا اسے اس کی موت کے بعد کسی نے خواب میں جنت میں دیکھا اور اس کا وہ عمل پوچھا جس کی بدولت اسے جنت میں اعلیٰ مقام ملا تھا وہ بولا۔ ”میں جب بھی حضرت محمد ﷺ کا نام لکھا دیکھتا یا لکھتا درود پاک ضرور پڑھتا تھا اسی کی بدولت مجھے یہ مقام عطا کیا گیا۔“

”تم فکر مت کرو ہم فیڈرل کورٹ تک جائیں گے۔“ لائرز اس کے پاس آیا، شاہ میر اور پلوشہ اسے بازوؤں کے گھیرے میں لے کر رونے لگے پولیس نے درشتی سے ان لوگوں کو اس سے الگ کیا اور اسے باہر لے جانے لگے۔

☆.....☆.....☆

حضرت حلیمہ سعدیہ کے پاس آپ ﷺ آئے، وہ اونٹنی جو مکہ مکرمہ جاتے وقت کمزوری کے سبب بمشکل چلتی تھی اور اسی وجہ سے حضرت حلیمہ سب سے پیچھے رہ گئی تھیں۔ وہی اونٹنی واپسی کے سفر میں گویا اڑتی جاتی تھی اور ایسا ہوتا کیوں نہ؟ اس کی پشت پر دو جہاں کے مالکؐ جو سوار تھے حضرت حلیمہ کی بکریاں جنہوں نے مدتوں سے دودھ دینے کا نام نہ لیا تھا۔ وہ اتنا دودھ دینے لگیں کہ ختم ہی نہ ہوتا رات زمین پر اتر آئی اندھیرا گاڑھا ہوا۔ چاند نکل آیا ستارے مدھم پڑ گئے، آپ ﷺ پنگھوڑے میں آرام فرما تھے۔ حضرت حلیمہ نے دیکھا کہ جس طرف آپ ﷺ کا ہاتھ مبارک اٹھتا چاند بھی اسی طرف پھر جاتا۔

ایک روز حضرت حلیمہ سعدیہ آپ ﷺ کو چھوڑ کر آب زم زم پینے گئیں۔

جب آپ ﷺ چھ برس کے ہوئے تو آپ کی والدہ حضرت آمنہ کو بھی اللہ رب العزت نے اپنے پاس بلا لیا، آپ ﷺ حضرت عبدالمطلب کے پاس رہنے لگے حضرت عبدالمطلب کی گویا آپ ﷺ میں جان تھی لحظہ بھر آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دیتے لیکن دو برس بھی نہ گزرنے پائے تھے کہ دادا بھی وصال فرما گئے آپ ﷺ چچا حضرت ابوطالب کی شفقت کے زیر سایہ آ گئے۔ وقت کے تھال میں دنوں، مہینوں اور سالوں کے سکے گرتے رہے۔

ایک مرتبہ اہل مکہ میں حجر اسود کو نصب کرنے کے لئے جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا کہ حجر اسود کون نصب کرے گا، فیصلہ یہ ہوا جو صبح سب سے پہلے کعبۃ اللہ آئے وہی حجر اسود نصب کرے۔ صبح سب سے پہلے حضرت محمد ﷺ کعبہ میں تشریف لائے، فیصلے کے مطابق حجر اسود آپ ﷺ نے نصب کرنا تھا آپ ﷺ نے ایک شاندار فیصلہ فرمایا۔ اہل مکہ کے تمام سرداران کو بلایا ایک چادر بچھائی حجر اسود کو چادر

پر رکھا اور فرمایا۔ ”ایک ایک کونہ پکڑو۔“ ایسا ہی کیا گیا اور حضور ﷺ نے حجر اسود نصب فرمایا، سید دو عالم ﷺ کے اس فیصلے سے تمام قبائل خوش ہو گئے اور آپ ﷺ کی ذہانت کی داد دینے لگے۔ یوں بہت بڑا خون خرابہ رک گیا۔

☆.....☆.....☆

آپ ﷺ کی عمر مبارک بارہ برس تھی کہ حضرت ابوطالب ایک قافلے کے ہمراہ بغرض تجارت ملک شام روانہ ہونے لگے تو آپ ﷺ نے ہمراہ جانے کی خواہش ظاہر فرمائی حضرت ابوطالب شش و پنج میں مبتلا ہو گئے سفر کی صعوبتیں رستے کی دشواریاں، ریگستان کا کٹھن سفر گرم لو کے سخت جھکڑ پیش نظر تھے۔ مگر عزیز ترین بھتیجے کی دل شکنی بھی گوارہ نہ تھی سو آپ ﷺ کو ساتھ لے گئے۔

کئی دن بعد جب قافلہ ایک راہب کی خانقاہ پر اترا تو اس راہب کی نگاہیں آپ ﷺ کے چہرہ مبارک پر جم گئیں وجہ ساختہ پکار اٹھا۔ ”ہذا سید المرسلین“ (یہ رسولوں کے سردار ہیں) حضرت ابوطالب خاموش رہے مگر دیگر لوگوں نے دریافت کیا کہ ”تم کو کیسے علم ہوا کہ یہ سید المرسلین ہیں؟“ راہب نے جواب دیا کہ ”جب تم لوگ پہاڑ سے اتر رہے تھے تو میں نے دیکھا کہ پتھر ان کو سجدہ کر رہے تھے۔“ شفاء شریف میں قاضی عیاضؒ نے ایک حدیث نقل فرمائی ہے۔ راوی ہیں حضرت علیؓ آپؓ فرماتے ہیں کہ ”مجھے وہ پتھر ابھی تک یاد ہیں جن کے پاس سے میں حضور ﷺ کے ساتھ گزرا کرتا تھا اور پتھر بلند آواز سے کہتے کہ ”والسلام علیک یا رسول اللہ۔“

آپ ﷺ کی نیکی اور پاک بازی کا عالم یہ تھا کہ لوگ آپ ﷺ کو صادق امین پکارتے وقت مزید گزر گیا۔ آخر 22 فروری 610ء آن پہنچا۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کا تمام مال راہ خدا میں تقسیم ہو چکا اور آپ ﷺ پیوند لگے کپڑوں میں غاروں اور پہاڑوں میں عبادت الٰہی میں مصروف رہتے۔ زمین پر سوتے ستو اور کھجور سے گزارہ فرماتے آپ ﷺ غار حرا میں تشریف فرما ہیں حضرت جبرائیل امین حاضر ہوئے۔ بولے ”اقراء۔“ (پڑھیئے)

یوں زمانہ نبوت کی ابتداء ہوئی آپ ﷺ اس واقعہ کے بعد گھر تشریف لائے اور ساری بات بتا دی تو حضرت خدیجہؓ آپ ﷺ کو اپنے چچا ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں ورقہ بہت بڑا عالم تھا اس نے یہ واقعہ سن کر کہا کہ ”آپ ﷺ دنیا کے نجات دہندہ ہیں کاش! میں اس وقت تک زندہ رہتا جب دنیا ان ﷺ کو مکہ سے نکال دے گی۔“

اس طرح سب سے پہلے حضرت خدیجہ الکبریٰؓ، حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت علیؓ، حضرت زیدؓ نے رسالت کی تصدیق کی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ”اگر ہم اس قرآن کو پہاڑوں پر نازل کرتے تو پہاڑ خوف الٰہی سے ریزہ ریزہ ہو جاتے۔“ سبحان اللہ یہ قلب مصطفیٰ ﷺ ہی تھا کہ جو بوجھ کوئی نہ اٹھا سکے وہ آپ ﷺ نے اٹھایا اسی طرح جس کا بوجھ کوئی نہ اٹھا سکے اس کا بوجھ بھی آپ ﷺ اٹھاتے ہیں جس کا دنیا میں کوئی نہ ہو، اس کا آپ ﷺ ہیں، بے سہاروں کا سہارا بے آسروں کا آسرا، بے کسوں کے کس، بے بسوں کے بس آپ ﷺ ہی ہیں۔ آپ ﷺ ہی رحمت العالمین ہیں۔

☆.....☆.....☆

عمر بلال کو ایک وفاقی جیل میں لایا گیا تھا معمول کے مطابق اس کا معائنہ ہوا۔ اس کی تمام چیزیں قبضے میں لے کر اسے جیل کا لباس دیا گیا پھر اسے سیل میں لے جانے سے قبل جیل کے ڈپٹی چیف مائیکل کے سامنے پیش کیا گیا مائیکل دیکھنے میں بل ڈاگ لگتا تھا اس کی اندر کو دھنسی نیلی آنکھوں میں کینہ، نفرت اور جارحیت کی تپش تھی وہ اپنی ”برماصفت“ آنکھوں سے عمر بلال کو گھور رہا تھا۔ ”اس بھول میں مت رہنا کہ 20 جنوری تک تم آرام سے رہو گے اور 20 جنوری کو اطمینان سے پھانسی پر چڑھ جاؤ گے اس سے پہلے تمہیں بہت کچھ بھگتنا پڑے گا۔“ وہ کسی سانپ کی طرح پھنکارا تھا۔

اچانک اس نے عمر کو سینے پر گھونسہ مارا وہ کراہا لڑکھڑایا اور سنبھل گیا مائیکل کا فولادی ہاتھ اس کے بائیں

گال پر پڑا وہ الٹ کر پیچھے جا گرا مائیکل دیو صفت تھا یہ اسے اس لمحے اندازہ ہو گیا عمر کے حلق میں خون کا تلخ، کسیلا ذائقہ گھل گیا تھا وہ خون تھوکتا ہوا کھڑا ہو گیا یہ آنے والے دنوں کی معمولی سی جھلک ہے عمر بلال۔" مائیکل اپنی کرسی پر بیٹھتا اسے باور کروا رہا تھا۔

"مجھے اندازہ ہو گیا ہے۔" اس نے سر ہلایا مائیکل مسکرایا۔ "عقلمند آدمی ہو۔"

گارڈز مائیکل کے اشارے پہ اسے لے کر باہر نکل گئے اس کا سیل خطرناک مجرموں کے بلاک میں تھا اور وہاں بلا کا شور تھا سب اپنے سیلز میں چلا چلا کر ایک دوسرے سے بات کر رہے تھے ان میں اکثریت سیاہ فاموں کی تھی عمر بلال کو دیکھ کر وہ اس کے بارے میں آوازیں کسنے لگے وہ ان کے طنزیہ جملوں کو یکسر نظر انداز کر گیا گارڈز نے اس کے سیل کا دروازہ کھول کر اسے اندر دھکیل دیا ایک بستر، ایک کونے میں کموڈ اور واش بیسن تھا اس کے اوپر کپڑے رکھنے کے لئے چھوٹی سی الماری تھی وہ بالوں میں ہاتھ پھیرتا بستر پر بیٹھ گیا قیدیوں کی آوازیں ہتھوڑے بن کر اس کے اعصاب پر برس رہی تھیں وہ وضو کر کے اٹھ کھڑا ہوا، ہاتھ دھوئے تو ہاتھوں کے گناہ جھڑنے لگے پھر زبان، ناک چہرے اور سر سے وہ دل جمعی سے گناہ جھاڑ رہا تھا ساتھ ساتھ اس کی زبان اور دل و دماغ اللہ کی وحدانیت اور حضور اکرم ﷺ کی نبوت کی شہادت دے رہے تھے۔ اس شہادت کی ضرورت اللہ یا نبی کریم ﷺ کو نہیں، اس کی "ضرورت" ہمیں ہے اور اسے احساس ہوا کہ اس گواہی میں اس کے ساتھ پوری کائنات شامل ہو گئی ہے۔

☆.....☆.....☆

عالم ارواح میں اللہ برتر نے تمام ارواح کو جمع فرما کر فرمایا۔ "ترجمہ: کیا میں تمہارا رب نہیں؟" تمام روحوں نے بیک زبان اقرار کیا "کیوں نہیں، تو ہمارا خالق و مالک ہے۔" اس کے بعد ایک اور وعدہ لیا گیا اس اجلاس میں صرف انبیا اور رسل تشریف فرما تھے۔ قرآن کریم میں اللہ برتر فرماتا ہے۔" اور جب کیا اللہ نے نبیوں سے پکا وعدہ۔ میں تمہیں کتاب اور حکمت دے دوں پھر آجائے تمہارے پاس بڑی عظمت والا رسول، تمہاری تصدیق کرتا ہوا، تو تم ضرور اس پر ایمان لے آنا اور اس کی مدد کرنا۔" "پھر اللہ برتر نے فرمایا" کیا تم نے اقرار کر لیا ہے؟ سب بولے (ہم نے اقرار کر لیا) معلوم ہوا کہ تمام انبیاء کرام ہمارے محبوب ﷺ کے "امتی" ہیں آپ ﷺ نبی الانبیاء" ہیں۔

انبیاء و رسل نے جب آپ ﷺ کی سرداری کا اقرار کیا تو اللہ برتر نے فرمایا۔ "ایک دوسرے کے گواہ بن جاؤ۔" اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں شامل ہوں۔

سبحان اللہ! سرور کائنات ﷺ کی شان دیکھئے عالم ارواح میں اللہ تعالیٰ انبیاء و رسل سے وعدہ لے رہے ہیں اور فرماتے ہیں میں بھی گواہ ہوں۔ یہی نہیں بلکہ اپنی ربوبیت کا اقرار کرایا تو صرف اتنا کہا۔ "کیا میں تمہارا رب نہیں؟"

سب نے کہا۔ "کیوں نہیں، تو ہمارا خالق و مالک ہے ..... بات ختم کر دی مگر جب اپنے حبیب ﷺ کی بات آئی تو تاکیدیں ہی ختم ہونے میں ہی نہیں آتیں۔ سب انبیاء کرام و رسل کو ایک دوسرے کا گواہ بنا کر خود اللہ برتر بھی گواہ ہوئے۔

نبی کریم ﷺ تمام عالم کے لئے رحمت ہیں۔

غرض کائنات ارضی و سماوی میں کوئی شے ایسی نہیں جو دو عالم ﷺ کی رسالت کی قائل نہ ہو۔ آپ محمد ﷺ کو کائنات کا ذرہ ذرہ جانتا ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے۔"

روایت ہے کہ آپ ﷺ کے پاس ایک یہودی آیا عرض کی۔ "اگر وہ درخت چل کر آپ ﷺ کے پاس آجائے تو میں ایمان لے آؤں گا۔"

آپ ﷺ نے فرمایا۔ "جا۔" اور اسے جا کر کہہ کے تجھے محمد بلاتے ہیں۔

یہودی درخت کے پاس جا کر بولا۔ "تجھے محمد بلاتے ہیں۔"

جب درخت نے آپ ﷺ کا نام سنا تو اس نے ہلنا شروع کر دیا آگے پیچھے دائیں بائیں جھکا اس کی جڑیں

اکھڑ گئیں وہ اپنی جڑوں کو کھینچتا آپ ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہو گیا اور اللہ کے محبوب ﷺ ہونے کی گواہی دی۔ یہودی مسلمان ہو گیا۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔ "میں حضور اکرم ﷺ کے ساتھ ایک سفر پر جا رہا تھا۔ ایک جگہ پہاڑوں کا سلسلہ آیا ہم زیادہ دور نہیں گئے تھے کہ بڑی پیاری آواز آئی الفاظ یہ تھے۔ "السلام علیک یا رسول اللہ" انہی الفاظ کی تکرار ہوتی رہی۔

میں نے چہار اطراف دیکھا بولنے والا دکھائی نہ دیا میں نے آپ ﷺ سے پوچھا۔ "حضور ان پہاڑوں میں آپ ﷺ کا کون عاشق ہے جو اس قدر محبت سے سلام بھیج رہا ہے؟"

فرمایا۔ "تمہیں وہ پہاڑ نظر آ رہا ہے؟"

عرض کی۔ "ہاں۔"

فرمایا۔ "اس کے اوپر ایک چوٹی نظر آتی ہے کیا؟"

عرض کی۔ "ہاں۔"

فرمایا۔ "اس کے اوپر ایک پتھر موجود ہے؟"

عرض کی۔ "ہاں۔"

آپ ﷺ نے فرمایا۔ "وہ پتھر مجھ پر سلام پڑھ رہا ہے۔" ایک دن آپ ﷺ جنگل میں تشریف لے جا رہے تھے ایک آواز آئی۔ یا رسول اللہ ﷺ میری مدد فرمایئے آپ ﷺ نے دیکھا تو ایک ہرنی جال میں پھنسی ہوئی تھی آپ ﷺ نے فرمایا۔ "کیا بات ہے؟"

عرض کی۔ "آقا ﷺ میرے چھوٹے چھوٹے دو بچے ہیں مجھے رہا کر دیجیے میں بچوں کو دودھ پلا کر جلد واپس آجاؤں گی۔"

آپ ﷺ نے فرمایا۔ "کیا تو ایسا کرے گی؟"

عرض کی۔ "حضور ﷺ آپ ﷺ کے ساتھ وعدہ کر کے کون بے وفائی کرتا ہے؟" آپ ﷺ نے اسے کھول دیا۔

یہودی آیا اور کہنے لگا کہ "میرا شکار کیوں چھوڑا؟"

آپ ﷺ نے فرمایا۔ "ہرنی بچوں کو دودھ پلا کر واپس آجائے گی۔"

یہودی بولا۔ "کیسی بات کرتے ہیں؟ کبھی کمان سے نکلا تیر بھی واپس آیا ہے؟ گیا ہوا شکار کیسے واپس آئے گا؟"

فرمایا ﷺ نے۔ "وہ اللہ کے رسولؐ کے ساتھ وعدہ کر کے گئی ہے ضرور آئے گی۔"

یہودی بولا۔ "اگر وہ واپس آ گئی تو میں آپ ﷺ پر ایمان لے آؤں گا۔"

فرمایا۔ "وہ دیکھو بچے ساتھ لے آ رہی ہے۔"

ہرنی نے آتے ہی اپنا سر آپ ﷺ کے قدموں میں رکھ دیا ہرنی جھکی تو ساتھ ہی یہودی کا سر بھی جھک گیا آپ ﷺ نے ایک ہاتھ نہایت شفقت و محبت یہودی کے سر پر رکھ دیا اور دوسرا ہرنی کے سر پر۔

ایک روز ایک اونٹ نے آپ ﷺ سے اپنے مالک کی شکایت کی کہ وہ کام زیادہ لیتا ہے اور کھانا کم دیتا ہے۔" آپ ﷺ نے اس کے مالک کو بلا کر کہا کہ "یا تو اونٹ سے کام کم لیا کر، یا کھانے کو زیادہ دیا کرے۔

ایک رات ابوجہل (ایک روایت میں ایک یہودی کا ذکر دوسری میں چند کا) کو لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا وہ یہ ارادہ لے کر آئے تھے کہ آپ ﷺ سے چاند کو دو ٹکڑے کرنے کا کہیں گے ابوجہل نے کہا کہ "چونکہ جادو آسمان پر نہیں چلتا لہٰذا پتہ چل جائے گا کہ معجزہ ہے یا محمد جادوگر ہیں۔" چنانچہ آپ ﷺ نے انگلی سے اشارہ فرمایا چاند دو لخت ہو گیا۔ ایک ٹکڑا مشرق چلا گیا دوسرا مغرب میں۔ اس معجزے کو دیکھ کر یہودی تو ایمان لے آئے مگر ابوجہل بولا۔ محمد نے جادو کے بل پر ہماری آنکھوں کو باندھ دیا ہے۔ لہٰذا اس نے رات سفر کرنے والے مسافروں سے تصدیق کی ان سب نے اقرار کیا کہ ہاں چاند دو ٹکڑے ہوا تھا لیکن ابوجہل بدبخت آنکھوں سے دیکھ کر بھی ایمان نہ لایا۔

☆.....☆.....☆

فرینک اس سے ملنے آیا تھا کل ہی شاہ میر اور پلوشہ اس سے مل کے گئے تھے۔ اور ان کے جانے کے بعد مائیکل اس کے سیل میں آیا اور اس نے آتے ہی عمر بلال پر

تشدد کا آغاز کر دیا اس کا نچلا ہونٹ اور بایاں ہاتھ پھٹ گیا تھا ہاتھ کی پشت کا گوشت ادھڑ گیا تھا اس کا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا اور وہ بنا کسی طبی امداد کے پڑا تھا فرینک میئر کا بھتیجا تھا اور اسے اس کی مدد سے عمر بلال سے ملنے کی اجازت ملی تھی اس کی حالت دیکھ کر وہ حیران رہ گیا۔ ”یہ غیر قانونی ہے جب تمہیں سزائے موت ہو چکی ہے تو۔“

”چھوڑو.....“ اس نے سر جھٹکا۔ ”میں تمہارے لئے وائن یا جو تم چاہو، انتظام کروا دوں گا۔“ فرینک دھیمے لہجے میں بولا۔

”نہیں۔“ وہ بے اختیار منع کر گیا فرینک کو حیرت ہوئی۔ ”کیوں؟ تمہارے لئے تو اس کے بغیر چند گھنٹے گزارنا مشکل ہے؟“

”عمر کو یاد آیا کہ وہ اب تک کس غلاظت میں زندگی گزار رہا تھا.....اس کے جبڑے ضبط کی کوشش میں سختی سے بھنچ گئے۔ اچھا وہ تانیہ تمہارا پوچھ رہی تھی۔“ اس نے عمر بلال کی آخری گرل فرینڈ کا نام لیا۔

”تم کوئی اور بات نہیں کر سکتے؟“

فرینک نے اس کے اضطراب کو حیرت سے دیکھا تھا۔ ”او کے! تم مجھے اسلام کے بارے میں بتاؤ کیا واقعی اسلام انتہا پسندی اور دہشت گردی کا حامل ہے؟“ فرینک واقعی اسلام کے بارے میں متجسس تھا۔

”میں خود بدقسمتی سے اسلام کے بارے میں زیادہ نہیں جانتا لہٰذا میں تمہیں زیادہ دلائل یا مثالیں نہیں دے سکتا لیکن اس ضمن میں صرف ایک واقعہ سنا سکتا ہوں۔“ عمر بلال کی سیاہ آنکھوں میں ایک عجیب سی کیفیت در آئی۔

”ہمارے نبی ﷺ جس گلی سے گزرا کرتے تھے اس گلی میں ایک بوڑھی عورت کا گھر تھا وہ گھر کا تمام کچرا جمع کر کے رکھتی اور چھت پر کھڑی ہو جاتی جب آپ ﷺ کا گزر اس جگہ سے ہوتا تو بڑھیا جمع شدہ کچرا آپ ﷺ پر پھینک دیتی آپ ﷺ ماتھے پر ناگواری کی شکن تک نہ لاتے بلکہ چپ چاپ گزر جاتے یہ روز کا معمول تھا۔

ایک روز جب آپ ﷺ گزرے تو آپ ﷺ پر کچرا نہ پھینکا گیا۔ ”وہ کھوئے کھوئے سے انداز میں بول رہا تھا اس کا گلا بار بار رندھ جاتا۔ آپ ﷺ اس کے گھر گئے وہ عورت بخار کی حالت میں نڈھال پڑی تھی آپ ﷺ کو دیکھ کر گھبرا گئی کہ شاید آپ ﷺ بدلہ لینے آئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ”میں تو آپ کو نہ پا کر یہ دیکھنے آیا ہوں کہ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟“

فرینک متحیر رہ گیا۔ ”اس سے اندازہ لگا لو جو ہستی اپنے دشمنوں کے ساتھ بھی اس قدر مہربان ہو وہ کیا انتہا پسندی یا دہشت گردی کی تعلیم دے سکتی ہے؟“ اس نے فیصلہ فرینک پر چھوڑ دیا فرینک کھویا کھویا سا اس سے مصافحہ کر کے نکل گیا اس کا ذہن الجھا ہوا تھا۔

اسلام کی جو تصویر اسے دکھائی گئی تھی اس میں دراڑ آ گئی تھی وہ اسلام کے بارے میں متجسس تو برناڈ شا کے حوالے سے پڑھے گئے واقعہ سے کہ جارج برناڈ شا کافی کا کپ ہاتھ میں لئے بیٹھا تھا دوسری جنگ عظیم کے حوالے سے بحث چھڑی تھی جارج برناڈ شا بولا۔ ”میں تو صرف یہ جانتا ہوں کہ اگر محمد ﷺ آ جائیں تو وہ دنیا کے مسائل پر اتنی دیر میں قابو پا لیں گے جتنی دیر میں، میں یہ کافی کا کپ ختم کروں گا۔“

جیل کی حدود سے نکلتا فرینک اسلام کے بارے میں سرچ کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا اس کے ماں باپ کسی مذہب کے اتنے خلاف نہ تھے جتنا کہ اسلام کے.....اور وہ اسلام کے ”اصل“ کو سمجھنا چاہتا تھا اس کی گاڑی کا رخ لائبریری کی طرف تھا جس میں ایک بار اس نے ایک اسلامک بک دیکھی تھی۔

☆.....☆.....☆

حضرت موسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی۔ ”میں آپ کو دیکھنا چاہتا ہوں۔“ جواب ملا ”تم نہیں دیکھ سکتے۔“ اور دوسرا اللہ رب العزت نے حضرت جبرائیلؑ کو حکم دیا۔ ”اے جبرائیلؑ! میرے محبوبؐ کے دونوں پاؤں چوم لے۔“

آپ ﷺ اپنی چچا زاد ہمشیرہ حضرت ام ہانیؓ کے گھر آرام فرما تھے کہ حضرت جبرائیلؑ فرشتوں کی جماعت اور براق لئے حاضر ہوئے۔ (ایک روایت میں آپ ﷺ حطیم کعبہ میں آرام فرما تھے) جبرائیل علیہ السلام ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے اور اس سوچ میں گم کہ آپ ﷺ کو جگائیں کیسے؟ اگر آواز دیتے تو بے ادبی ہوتی تب اللہ نے حکم دیا کہ ”میرے محبوب کے پاؤں چوم لے۔“ حضرت جبرائیلؑ نے یہی کیا۔ ہادی عالم ﷺ بیدار ہوئے حضرت جبرائیلؑ نے عرض کی۔ ”اللہ تعالیٰ آپؐ کی ملاقات کا مشتاق ہے۔“

یہ فرق ہے موسیٰؑ اور محمد ﷺ میں.....حضرت موسیٰؑ اللہ برتر کے ”طالب“ ہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے ”مطلوب“ آپ ﷺ بیدار ہوئے تو حضرت جبرائیلؑ نے مدعا بیان کیا۔

بہرحال جب آپ ﷺ براق پر سوار ہوئے تو براق نے ذرا سی شوخی کی حضرت جبرائیلؑ نے غضب ناک نگاہوں سے براق کو دیکھا اور فرمایا۔ ”اے براق! تو شوخی کرتا ہے جانتا نہیں کہ تجھ پر کون سوار ہے؟“ براق حضرت جبرائیلؑ کی جھڑک سن کر پسینہ پسینہ ہو گیا عرض کی۔ ”میں نے شوخی نہیں کی مجھے تو اپنی قسمت پر وجد آیا ہے میں نے اپنی قسمت پر ناز کیا ہے۔“

براق پر سوار ہونے سے قبل آپ ﷺ نے قدرے توقف فرمایا۔ حضرت جبرائیلؑ نے اس توقف کا سبب دریافت کیا فرمایا۔ ”آج مجھ پر نوازشات کی بارش ہو رہی ہے۔ ملائکہ میری خدمت کے لئے حاضر ہیں براق میری سواری کے لئے تیار ہے روز محشر میری امت کا کیا ہو گا؟ پل صراط جو پچاس ہزار برس کی مسافت ہے۔ بال سے باریک اور تلوار سے تیز، میری امت اس سفر کو کیسے طے کرے گی؟“

اسی وقت اللہ کی طرف سے بشارت دی گئی۔ ”اے محبوب ﷺ آپ امت کی ہرگز فکر نہ کیجیے، ان کے ساتھ اچھا ہو گا۔“

جبرائیلؑ نے رکاب تھامی، میکائیلؑ نے لگام، اسرافیلؑ نے زین کو سنبھالا پچاس ہزار فرشتوں کے سلام سے فضا گونج اٹھی کیا سماں ہو گا بلانے والا نور، سواری نور، سواری بھی نور، دلہا بھی نور، باراتی بھی نور سفر شروع ہوا روایت کے مطابق براق کی رفتار کا عالم یہ تھا کہ وہ اپنی منتہائے نگاہ پر قدم رکھتا تھا (یعنی جہاں اس کی نگاہ کی حد ختم ہوتی تھی) ہماری نگاہ کا یہ عالم ہے کہ جونہی نگاہ اٹھائی پل بھر میں سورج، چاند، ستارے آسمان کا سفر طے کر لیا۔ براق تو مجسم نور تھا اس کی نگاہ کے نور کا کیا عالم ہو گا؟ گویا براق (براق، برق سے لیا گیا ہے اور برق کا معنی ہے بجلی۔ آن کی آن میں سارا سفر طے کر لیا ابتدائے سفر میں ایک وادی آئی جس میں کھجوروں کے بے شمار درخت تھے جبرائیلؑ نے عرض کی۔ ”حضور ﷺ یہاں اتر کر دو رکعت نفل ادا کریں یہ آپ ﷺ کی ہجرت گاہ مدینہ منورہ ہے۔“

(پھر وادی ایمن (جہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو شرف کلام بخشا) سے گزر ہوا پھر ایک سرخ ٹیلے سے گزرے اور دیکھا کہ حضرت موسیٰؑ اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے۔

بعض جگہ آیا ہے کہ حضور ﷺ اپنی قبر انور میں زندہ ہیں اور اذان و اقامت کے ساتھ نماز ادا فرماتے ہیں جس طرح آپ ﷺ نے حضرت موسیٰؑ کو شب معراج میں دیکھا۔ آن کی آن میں بیت المقدس آ گیا وہاں حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک تمام انبیاء و رسلؑ کو شب معراج میں دیکھا۔

آن کی آن میں بیت المقدس آ گیا۔ وہاں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک تمام انبیاء و رسلؑ صفیں باندھ کر کھڑے حضور ﷺ کا انتظار کر رہے تھے۔ مصلیٰ خالی تھا۔ آپ ﷺ اپنی جگہ سنبھال کر امامت کے لئے کھڑے ہو گئے۔ سردار، امام نبیوں کا سردار، مقتدی تمام انبیاء کرام و رسلؑ کیا شان تھی اس نماز کی.....مسجد اقصیٰ میں جو نماز آپ ﷺ نے پڑھائی اس میں تمام انبیاء کرام اپنے مبارک جسموں کے ساتھ موجود تھے۔

حضور ﷺ کو چھبیس روحانی معراج بھی ہیں۔

آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے پھر بلندیوں کا سفر شروع ہوا اب ملائکہ عظام کے ساتھ ساتھ انبیاء کرامؑ بھی تھے۔

چشم زدن میں آسمان اول آ گیا جبرائیلؑ نے

دستک دی دربان نے پوچھا۔ ”تمہارے ساتھ کون ہے؟“ بتایا۔ ”محمد ﷺ دربان سے عرض کی۔ ”مرحبا انہی کے لئے کھولے جائیں گے۔“ آسمان اول پر حضرت آدمؑ نے آپ ﷺ کو خوش آمدید کہا۔ دوئم پر حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ نے آپ ﷺ کو معراج کی مبارک باددی تیسرے پر حضرت یوسفؑ، چوتھے پر حضرت ادریسؑ پانچویں پر حضرت ہارونؑ، چھٹے پر حضرت موسیٰؑ اور ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہم السلام نے معراج کی مبارک باددی آگے سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچ کر حضرت جبرائیلؑ نے عرض کی۔ ”اگر میں ایک بال بھی آگے بڑھ جاؤں تو اللہ تعالیٰ کے انوار وتجلیات میرے پروں کو جلا کر رکھ دیں گے یہ میرا مقام انتہا ہے۔

آج جب حضرت جبرائیلؑ نے عرض کی کہ ”میں اس سے آگے نہیں جاسکتا۔“ تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ ”جبرائیلؑ! تو نے میرے خلیل اللہؑ کو کہا تھا کہ میں وہاں پر جاسکتا ہوں جہاں کوئی بھی نہیں جاسکتا دیکھ آج میں وہاں جارہا ہوں جہاں تو بھی نہیں جاسکتا کوئی پیغام؟ کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ تک پہنچادوں۔“ حضرت جبرائیلؑ نے عرض کی۔ ”حضور ﷺ مجھے اس کی منظوری دلا دیجیے کہ جب آپ کی امت پل صراط سے گزرنے والی ہو، تو میں اپنے پروں کو بچھادوں اور آپ کی امت ان سے گزر کر جائے۔

☆......☆......☆

وہ جلتے صحرا میں تھا۔ تاحد نگاہ ریت کا سمندر تھا ریت سلگ رہی تھی۔ گویا وہ ریت نہیں انگارے ہوں۔ سورج کی کرنوں میں ریت کی تیز چمک بصارتوں کو بے نور کردینے پر تلی تھی۔ پسینہ اس کے جسم سے موسلا دھار بہہ رہا تھا۔ پیاس کی شدت نے اس کے حلق میں ”کیکٹس“ اگادیئے تھے۔ گرمی کی شدت، پیاس کی شدت کی طرح پل پل بڑھتی جاتی تھی اسے لگا کہ اگر وہ اس طرح اور اسی جگہ اور پیاسا رہا تو مر جائے گا اور یہ موت...... یہ موت بڑی اذیت ناک ہوگی۔ اس میں اب مزید ایک قدم اٹھانے کی بھی سکت نہیں تھی مگر...... وہ مزید ایک پل بھی وہاں نہیں رہ سکتا تھا۔ وہ ایک ٹیلے پر چڑھنے لگا انگارہ بنی ریت میں اس کے قدم دھنس رہے تھے اس کے ننگے پیروں پر بڑے آبلے ہوچکے تھے اور ریت تلوار کی مانند...... جلتی ہوئی تلوار کی مانند اس کے تلوؤں کو کاٹ رہی تھی۔ اس ریت کی چبھن اس کی روح تک کو مضطرب کررہی تھی۔

بالآخر ٹیلے پر پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس نے بڑی آس کے عالم میں چہار اطراف نگاہ دوڑائی تاحد نظر کوئی جائے پناہ تھی، نہ جائے اماں اس کی نظروں نے متلاشی انداز میں آسمان کا کونہ کونہ کھنگال ڈالا۔ وہاں بادل کا نام ونشان بھی نہ تھا تاحد نگاہ ریت کا چبھتا سمندر...... جس پہ کہیں کہیں کیکٹس عالم تشنگی میں زبان باہر نکالے کھڑے تھے اور آسمان پر جلتے سورج کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ نیچے بھی آگ تھی اور اوپر بھی آگ...... اور آگ سے بھلا کسی نے کیا پایا ہے سوائے جلن کے...... جس کے پاس جو چیز ہوگی وہ وہی دے گا۔ اور آگ جلن کے سوا کچھ نہیں دیتی۔

وہ کس برتے پہ ”ٹھنڈک“ کی امید کرتا؟ وہ مایوسی کے عالم میں تپتی ریت پہ نڈھال ہوکر گرنے کے انداز میں بیٹھ گیا۔ مارے پیاس کے اسے محسوس ہورہا تھا گویا یہ ریت کا پورا سمندر اس کے حلق میں پھنس گیا ہے۔ ”اے اللہ پاک درود وسلام بھیج نبی کریمؐ پر، آپ ﷺ کی آل پر، صحابہ کرام رضوان علیہم اجمعین پر، ہمیشہ ہمیشہ، بقدر ریت کی ذرات کے اقدر اشجار کے پتوں کے بقدر پانی کے قطرات کے بقدر تمام حیلوں اور تمام نعمتوں کے، بقدر تمام مخلوقات کے، بقدر دن اور رات کے، بقدر کائنات کی ہر چیز کے، بقدر ان تمام لوگوں کے جنہوں نے آپ ﷺ پر درود وسلام بھیجا۔

بقدر مخلوقات کے سانس لینے کے، بقدر اپنے علم کے اور بقدر اپنی رحمت کے اور برکت نازل فرما۔ ہمیشہ ہمیشہ! یہ صدا اس کی محض زبان سے نہیں، اس کے دل، اس کے دماغ، اس کے جسم کے روم روم، رگ رگ، ریشے ریشے، اس کی روح کی گہرائیوں سے دعا بن کر نکل رہی تھی۔ وہ آنکھیں میچے انہی الفاظ کو دعا گو انداز میں دہرائے گیا۔ اسے علم ہی نہ ہوا کہ کب تپش ”مر“ گئی وہ جان ہی نہ پایا کہ کب ”ٹھنڈک“ پیدا ہوگئی...... اس پر وجد طاری تھا۔

”جذب“ اتنا گاڑھا تھا کہ باقی ہر کیفیت پس منظر میں چلی گئی تھی۔ کچھ لمحے اسی کیفیت میں لپٹے نم زدہ

زندگی گزارنے کے ۲۵ سنہرے اصول

بدو نے عرض کیا	آپؐ نے فرمایا
یارسول اللہ ﷺ میں امیر (غنی) بننا چاہتا ہوں	قناعت اختیار کرو امیر ہوجاؤ گے
میں سب سے بڑا عالم بننا چاہتا ہوں	تقویٰ اختیار کرو عالم دین بن جاؤ گے
عزت والا بننا چاہتا ہوں	مخلوق کے آگے ہاتھ پھیلانا بند کردو باعزت ہوجاؤ گے
اچھا آدمی بننا چاہتا ہوں	لوگوں کو نفع پہنچاؤ
عادل بننا چاہتا ہوں	جسے اپنے لئے اچھا سمجھتے ہو وہی دوسروں کیلئے پسند کرو
طاقتور بننا چاہتا ہوں	اللہ پر توکل کرو
اللہ کے دربار میں خاص (خصوصیت) درجہ چاہتا ہوں	کثرت سے ذکر کرو
رزق کی کشادگی چاہتا ہوں	ہمیشہ باضو رہو
دعاؤں کی قبولیت چاہتا ہوں	حرام نہ کھاؤ
ایمان کی تکمیل چاہتا ہوں	اخلاق اچھے کرلو
قیامت کے روز گناہوں سے پاک ہوکر اللہ سے ملنا چاہتا ہوں	جنابت کے فوراً بعد غسل کیا کرو
گناہوں میں کمی چاہتا ہوں	کثرت سے استغفار کیا کرو
قیامت کے روز نور میں اٹھنا چاہتا ہوں	ظلم کرنا چھوڑ دو
چاہتا ہوں اللہ مجھ پر رحم کرے	اللہ کے بندوں پر رحم کرو
چاہتا ہوں اللہ میری پردہ پوشی فرمائے	لوگوں کی پردہ پوشی کرو
رسوائی سے بچنا چاہتا ہوں	زنا سے بچو
چاہتا ہوں اللہ اور اسکے رسول ﷺ کا محبوب بن جاؤں	جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا محبوب ہے اس کو اپنا محبوب بنالو
اللہ کا فرمانبردار بننا چاہتا ہوں	فرائض کا اہتمام کرو
احسان کرنے والا بننا چاہتا ہوں	اللہ کی بندگی کرو جیسے تم اسے دیکھ رہے ہو یا جیسے وہ تمہیں دیکھ رہا ہے
یارسول اللہ ﷺ کیا چیز گناہوں سے معافی دلاتی ہے	آنسو، عاجزی اور بیماری
کیا چیز دوزخ کی آگ کو ٹھنڈا کرے گی	دنیا کی مصیبتوں پر صبر
اللہ کے غصب کو کیا چیز سرد کرتی ہے	چپکے چپکے صدقہ اور صلہ رحمی
سب سے بڑی برائی کیا ہے	بد اخلاقی اور بخل
سب سے بڑی اچھائی کیا ہے	اچھے اخلاق، تواضع اور صبر
اللہ کے غضب سے بچنا چاہتا ہوں	لوگوں پر غصہ کرنا چھوڑ دو

آنکھیں لئے گزر گئے۔ پھر ایک دلفریب مہک اس کی سانسوں کے راستے اس کی رگوں میں گھلنے لگی اور روح تک کو معطر کر گئی۔ ایسی پیاری خوشبو سے وہ پہلے کبھی آشنا نہ ہوا تھا اس نے بے اختیار آنکھیں کھول دیں اور حیرت نے اسے منجمد کر ڈالا۔ اس کی نظریں سامنے موجود منظر سے سر پٹخ پٹخ کر رہ گئیں۔ اس کے جسم پر کپکپی طاری ہوگئی۔

صحرا سرخ گلابوں میں ڈھل گیا تھا۔ اس کے پیروں تلے بھی اب ریت کی چبھن کی بجائے مخملیں نرماہٹ تھی۔

اپنے پیروں کی جانب دیکھ کر اس کی آنکھوں میں اطمینان کی لہر دوڑ گئی وہاں ایک مربع گز میں موتیا کی دودھیا پتیاں تھیں اب اس کے سامنے تاحد نگاہ ریت کی بجائے سرخ گلابوں کی مخملیں پتیوں کا سمندر تھا ان کی خوش کن خوشبو اسے سحر انگیز کئے دیتی تھی۔ اس کی نگاہ واپس پلٹی تو پھولوں پہ سرخ پھولوں پہ دو پاؤں دھرے تھے..... ان کی رنگت گلابی گلاب کی پتیوں کی سی تھی جیسے دودھ میں روح افزا گھول دیا ہو اور ان پیروں سے نور کی لپٹیں اٹھ رہی تھیں نہیں وہ پیر محض پیر نہیں تھے۔ وہ تو نور تھا ''مجسم نور'' چاند کی اس نور کے آگے کیا اوقات.....؟ اس کا دل پہلے تو کئی ساعت دھڑکنے سے انکاری ہوا، پھر بے ساختہ دھڑکا تو دھڑکتا ہی گیا۔ اس کی نظروں کی حد میں ایک خوب صورت ترین پیالہ آیا جس میں خوشبودار شفاف ترین پانی جھلملا رہا تھا۔

وہ پانی یقیناً..... اسی کے لئے تھا مگر اس کی نظریں تو ان نورانی شفاف، خوشبودار اور عظیم ترین ہستیوں۔ اس کی ''پیاس'' سیراب ہوگئی تھی مگر نظروں کی پیاس تھی ختم ہونے میں ہی نہ آتی تھی۔ لیکن اس معزز ترین، بزرگ ترین وجہ کائنات، ہادی عالم، سید المرسلین، سید دو جہاں، وجد تخلیق کائنات اور محبوب رب العالمین ﷺ کے ہاتھوں سے وہ نعمت نہ لینا صریحاً بے ادبی و گستاخی ہوتی۔ اس نے لرزتے ہاتھوں سے پیالہ تھام لیا۔ اس لمحے اس کی نگاہ جسم نور پر پڑی تھی اور..... اور..... وہ بس دیکھتا ہی رہ گیا تھا سامنے نور تھا نور بھی وہ جس کے نور کا صدقہ ساری روشنیاں ہیں جنت جن کے پاؤں کی خاک کے آگے ذرہ بھر اہمت نہیں رکھتی۔ ''اس..... دیدار کا عالم کیا ہوگا؟'' اور ''دیدار'' کا جو عالم ہوسکتا ہے وہی تھا..... ناقابل بیان یہاں آکر سارے لفظ ختم ہو جاتے ہیں..... بس وہ نور کی برسات میں بھیگ رہا تھا سرتاپا۔

☆.....☆.....☆

جدہ میں ایک یہودی رہتا تھا۔ جب اس نے واقعہ معراج سنا تو کہنے لگا کہ ''یہ جھوٹ ہے بھلا یہ کیونکر ممکن ہے کہ لمحہ بھر میں ایک طویل عرصہ گزر جائے؟ عقل چکرا جاتی ہے اگر سوئی کے سوراخ میں سے اونٹ گزر جائے، تو یہ بھی سچ ہوسکتا ہے۔'' الغرض نبی کریم ﷺ کے سامنے صاف منکر ہوگیا۔ اور اس عظیم الشان واقعہ کی صداقت کو صاف جھٹلایا۔ ''نبی کریم ﷺ ہو کر اتنے برے جھوٹ؟'' اس یہودی کی اس بات کا نبی کریم ﷺ نے کوئی جواب نہ دیا۔ لیکن اللہ رب العزت کی غیرت کو جوش آ گیا۔ اللہ رب العزت اپنی مرضی سے شرک اور کفر تو معاف کرسکتا ہے مگر گستاخ رسول ﷺ کو نہیں..... سو اس وقت اللہ تعالیٰ نے اس یہودی کی قسمت میں بھی ایک عجیب واقعہ لکھ دیا۔

ایک دن وہ یہودی بازار گیا اور مچھلی لے آیا۔ بیوی سے کہا۔ ''مچھلی جلدی پکاؤ۔ مجھے بہت بھوک لگی ہے، جلدی سے مصالحہ وغیرہ تیار کرلو'' بیوی چرخہ کات رہی تھی، بولی یہ ہاتھ والی پونی کات لوں پھر پکا دیتی ہوں۔'' پھر کچھ یاد آنے پہ بولی۔ ''تم جلدی سے پانی لادو، پانی ختم ہے۔ میں اتنی دیر میں مصالحہ وغیرہ پیس لوں گی۔'' وہ سر ہلا کر گھڑا اٹھا کر گھر سے نکل گیا۔ اس کا گھر دریا سے زیادہ دور نہیں تھا۔ گھڑا پانی سے بھر کے اس نے کنارے پر دھرا اور سوچا کہ گرمی بہت ہے، ایک ڈبکی پانی میں لگا لوں۔ لباس گھڑے کے پاس رکھا اور پانی میں اتر گیا۔ ٹھنڈے پانی نے تسکین پہنچائی۔ اس نے ایک ڈبکی لگائی۔ اللہ برتر نے حضرت جبرائیلؑ کو حکم دیا کہ ''اسے دور پہنچا دو۔ اس نے نبی ﷺ سے تکرار کی ہے۔ اسے وہ یاد کرواؤ۔'' حضرت جبرائیلؑ نے اس کا سر دبایا اور ملک عدن کی بندرگاہ پر پہنچا دیا۔

عدن، جدہ سے سات سو پانچ میل دور تھا۔ وہ پل بھر میں وہاں پہنچ گیا۔ جب وہ پانی سے نکلا تو بری طرح ٹھٹھکا۔ ششدر نگاہوں سے اجنبی مناظر کو دیکھے گیا۔ نہ مانوس کنارہ دکھائی دیا نہ شہر، نہ لباس، نہ گھڑا۔ اس لمحے اسے حیرت کا دوسرا جھٹکا لگا۔ وہ عورت بن چکا تھا۔ وہ پانی میں سمٹ کر رہ گئی۔ اسی اثنا میں ایک گھڑسوار کا وہاں سے گزر ہوا۔ اس نے اپنی چادر عورت کی طرف پھینکی۔ چادر اوڑھ کر وہ باہر نکلی۔ المختصر، وہ اسے اپنے ساتھ گھر لے گیا اور شادی کی۔ وقت گزرتا رہا۔ اس کے شکم سے کئی بچے ہوئے۔ اسے اکثر اپنا ماضی حیران کرتا۔

بہرحال اٹھارہ برس کا طویل عرصہ گزر گیا۔ اپنی نئی زندگی اور شوہر اور بچوں میں الجھ کر وہ ماضی بھولنے لگی۔ اٹھارہ سال بعد اسی بندرگاہ پر کپڑے دھونے گئی۔ کپڑے دھو کر خشک ہونے کو نچوڑ کر ڈال دیئے اور فارغ ہو کر نہانے کی غرض سے پانی میں اتر گئی۔ اس نے پانی میں جب ڈبکی لگائی تو ماضی کا ایک ایسا ہی لمحہ برق بن کر ذہن کے تاریک ترین گوشوں میں بھی کوند گیا۔ اس کا دل ایک دم ڈوب کر ابھرا تھا۔ اس نے جلدی سے پانی سے سر نکال لیا۔ مگر وہ ''پل'' وہ ایک پل پھر وار کر گیا تھا۔

اس کا دل دھک سے رہ گیا وہی جدہ شہر کی عمارتیں، دریا کا وہی کنارہ..... وہی کپڑے اور پانی بھرا گھڑا خود وہی داڑھی مونچھوں والا مرد..... وہ بری طرح چکرا کر رہ گیا کوئی نادیدہ ہاتھ اس کے سر کو سختی سے جکڑے اسے حیرت کے وسیع سمندر میں ڈبکیاں دینے لگا اور وہ کنارے کی سعی میں ہانپ ہانپ گیا۔

بالآخر اس نے کپڑے پہنے گھڑا اٹھا کر سر پر رکھا اور گھر کی سمت روانہ ہوا۔ سوچتا جاتا تھا کہ ''زمانہ بدل گیا ہے؟ میں زندہ ہوں، نہ مجنوں ہوا ہوں نہ مرا ہوں، مگر وہ سب جو میرے ساتھ گزری؟ مجھ پر بیتی..... کیا تھا وہ؟ جب گھر پہنچا تو بیوی کے ہاتھ میں وہی پونی تھی، تازہ مچھلی اسی طرح پڑی تھی۔ اور مصالحہ ویسے ہی ثابت پڑے تھے بیوی نے اسے اتنی ''جلدی'' آتے دیکھا تو بولی۔'' پانی کا کہا ہے کہ بھر کر لادو تم سے وہ بھی نہیں ہوتا کہ خالی گھڑا لئے دروازے سے ہی پلٹ آئے ہو۔ لاؤ یہ خالی گھڑا میرے سر پہ مارو بنا پانی کے مچھلی کیسے دھوؤں اور بغیر دھلے پکے گی خاک؟''

''تم ایسے ہی مغز کھپاتی ہو، میں دروازے سے ہی نہیں پلٹا پورے اٹھارہ سال بعد لوٹا ہوں۔'' اس نے سارا واقعہ بیوی کو سنایا وہ بھی جتنا حیران ہوئی کم تھا۔

بیوی اس عجیب واقعہ کو سن کر لرز اٹھی دونوں فوراً اٹھے اور مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر آپ ﷺ کے دست شفقت تھام کر کلمہ پڑھا۔

☆.....☆.....☆

رائز اور فرینک کی ملاقات جیل کے دروازے پر ہوئی۔ رائز باہر نکل رہا تھا اور فرینک عمر بلال سے ملنے جا رہا تھا مصافحے کے بعد فرینک نے مسکرا کر رائز کو دیکھا۔ ''رائز برائن! عمر بلال سے مل کے آ رہے ہو؟'' رائز برائن نہیں اب محمد حسن ہوں، اس کے مستحکم لہجے نے باور کرایا کہ جس لمحے کو فرینک کھوج رہا تھا اس لمحے کو فرینک نے پالیا ہے یہ کب اور کیسے ہوا؟ کل رات..... اور یہ نہیں بتا سکتا کہ کیوں؟ محمد حسن مسکرایا اس کی مسکراہٹ بہت روشن بہت اجلی تھی وہ واقعتاً بتانے سے قاصر تھا کل رات وہ عمر بلال سے ملنے گیا تو اس کے سیل کے گرد گارڈز کھڑے تھے ''کیا بات ہے؟'' وہ غائب ہے ایک گارڈ نے عمر کے سیل کی طرف اشارہ کیا وہ قریب گیا تو حیران رہ گیا۔

عمر کے سیل میں ایک باوقار، مگر ٹھنڈی روشنی پھیلی تھی وہ روشنی آنکھوں کو چبھنے والی نہیں تھی مگر پھر بھی اس میں کسی کو کھوجنا ممکن نہیں تھا۔ صرف روشنی کا دودھیا ہالہ ہی دکھائی دیتا تھا۔ وہ روشنی اسے اپنی طرف یوں کھینچنے لگی جیسے مقناطیس کا پہاڑ لوہے کو..... اس کی ساری عمر اندھیروں میں گزری تھی اس کی ماں اسے بچپن میں ہی چھوڑ گئی تھی۔ باپ نت نئی عورتوں کے ساتھ گھر آتا تو اسے وحشت ہوتی۔ اس نے اٹھارہ سال کی عمر میں باپ کا گھر بھی چھوڑ دیا۔ لاء کی ڈگری سے پہلے اس نے چھوٹے موٹے کئی کام کئے تھے

جاب ملی تو ایک روٹین سی ہوگئی مگر اس کی زندگی میں سکون کہیں نہیں تھا۔ اس کی ساری عمر بے سکون کی تاریکیوں میں گزری تھی اور یہ روشنی اسے اپنی طرف بلا رہی تھی۔

وہ بے ساختہ اندر چلا گیا قفل پہلے ہی کھلا تھا۔ اس کا استقبال بہت دلفریب خوشبو نے کیا تھا۔ ''آجاؤ'' عمر بلال کی مہربان آواز ابھری..... اندر جانے پر منظر واضح ہوگیا۔ واش بیسن والے حصے کو ایک سفید چادر نے چھپا رکھا تھا۔ ایک نرم، سفید چادر پر عمر بلال روبقبلہ بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے پر کتنا نور اور کس قدر پاکیزگی تھی یہ ناقابل بیان ہے۔ ''مجھے بھی روشنی کی طرف آنا ہے۔'' اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ ''ویلکم..... ویلکم.....!'' اللہ تعالیٰ اور نبی کریم ﷺ کا در گناہ گاروں کے لئے کبھی بند نہیں ہوتا۔'' حضرت محمد ﷺ کا نام اس نے پہلے بھی سن رکھا تھا مگر آج اسے لگا کہ اس مبارک نام سے وہ صدیوں سے آشنا ہے۔ ''محمد ﷺ'' اس نے زیرلب دہرایا کس قدر اپنا اور کس قدر میٹھا محسوس ہوا تھا۔''

''اللہ نے اپنے محبوب ﷺ کا نام نہایت ادب واحترام سے لینے کا حکم فرمایا ہے۔'' عمر بلال نے اسے نرمی سے سمجھایا۔ ''حضرت محمد ﷺ!'' بے حد پیاری خوشبو اور دنیا جہان کی مٹھاس اس کے حلق میں..... منہ میں گھل گئی۔ ''مم'' میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں۔'' عمر بلال کے لبوں کی تراش میں خوب صورت، پرسکون مسکراہٹ بکھر گئی۔ وہ عمر بلال کے الفاظ دہراتا گیا۔ ''نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں۔'' وہ بولتا چلا گیا وہاں سے نکل کر اس نے عمر کے بتائے طریقے کے مطابق غسل کیا اور پھر ایک اسلامک سینٹر گیا۔

آج وہ عمر کا شکریہ ادا کرنے آیا تھا۔ ''شکر اللہ کا ادا کرو۔'' وہ نرمی سے بولا۔ فرینک سے مل کر وہ چلا گیا تو فرینک بھی سر جھٹک کر اندر بڑھ گیا۔ مائیکل نے اسے کینہ توز نظروں سے دیکھا تھا۔ ''تم کیا روز روز منہ اٹھا کر آجاتے ہو۔'' فرینک بنا جواب دیئے کھڑا رہا۔ اور کچھ دیر بعد وہ عمر بلال کے سامنے کھڑا تھا اور دم بخود سا اس کے چہرے پر پھیلے نور اور روشنی کو دیکھ رہا تھا۔ عمر بلال کا چہرہ چاند کی طرح چمک رہا تھا اور اس کی آنکھوں میں بلا کا سکون تھا۔ سرشاری تھی اطمینان کا جہان آباد تھا۔ اس کا دل بے ساختہ دھڑک اٹھا۔ عمر بلال کی سیاہ آنکھوں میں وہی کیفیت تھی جو وہ اپنے لئے چاہتا تھا۔

جو وہ اپنی بنجر، ویران، کھنڈر آنکھوں میں دیکھنے کا متمنی تھا۔ مگر اس کی آنکھوں میں صرف اضطراب کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا رہتا تھا۔ ''میں نے اسلام کے متعلق پڑھا ہے بلاشبہ یہ ایک سچا مذہب ہے۔ مگر.....'' وہ کہتے کہتے رکا..... ''مگر کیا؟'' عمر نے اس کا چہرہ کھوجا۔ ''مگر میری ساری زندگی تو نبی کریم ﷺ کی صداقت کا انکار کرتے، ان کی سچائی کو جھٹلاتے گزری ہے۔ کیا میری توبہ قبول ہوجائے گی؟'' وہ عجیب عالم میں کہہ رہا تھا۔

''توبہ کب قبول نہیں ہوتی؟ صرف اس وقت، جب موت کا فرشتہ نظر آجائے۔ وگرنہ توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا ہی رہتا ہے۔ تمہیں پتہ ہے فرینک اللہ بے حد بے حد مہربان ہے؟''

''یار! وہ تو ان کو بھی نوازتا ہے جو سرے سے اس کے وجود کے ہی منکر ہیں۔ ان کو بھی جو اس کی وحدانیت، حقانیت کو نہیں مانتے۔ ان کو بھی جو اس کی ذات کو جھٹلاتے ہیں اور پتھروں سے مانگتے ہیں وہ ان کو بھی نوازتا ہے اور نوازتا ہی چلا جاتا ہے۔'' عمر کا گلا رندھ گیا آواز بھرا گئی اور شفاف، سیاہ آنکھوں کی سطح گیلی ہونے لگی اللہ کی رحمت اور آپ ﷺ کی محبت اب اسے اس طرح جذباتی کردیا کرتی تھی۔ اللہ بے حد مہربان ہے۔

ایک بار کسی عورت کا بچہ کھو گیا وہ سخت خوف زدہ اور پریشان تھی۔ اس کے آنسو کنے کا نام نہ لیتے تھے کچھ دیر بعد اس کا بچہ ملا تو وہ اسے بار بار ساتھ لپٹاتی چومتی اور پیار کرتی رہی۔ آپ ﷺ نے پوچھا۔ ''کیا یہ ماں اپنے بچے کو آگ میں پھینک سکتی ہے؟'' صحابہ کرامؓ نے جواب دیا۔ ''ہرگز نہیں یارسول اللہ ﷺ۔'' فرمایا۔ ''اللہ اپنے بندے سے ستر ماؤں سے بھی زیادہ محبت کرتا ہے۔ وہ بھی ہرگز نہیں چاہے گا کہ اس کے بندے دوزخ کی آگ میں جلیں۔''

عمر بلال مسکرایا تھا۔ فرینک کھوئے کھوئے، گم صم انداز میں اسے دیکھتے گیا۔

یہ حدیث حضرت ابوہریرہ سے نقل ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''تمہارے ساتھ محبت اور خیر خواہی میں کہ تم بھی آخرت کے عذاب سے بچ کر نعمتیں حاصل کرلو، میری مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ روشن کی، جب اس نے اردگرد کو خوب روشن کردیا تو پروانے اور کیڑے مکوڑے جو آگ میں گرا کرتے ہیں وہ گرنے لگے وہ ہے کہ انہیں روک رہا ہے۔ اور یہ ہیں کہ عاجز کرکے آگ میں گھسے جارہے ہیں اسی طرح میں بھی تمہاری کمر پکڑ پکڑ کر (یعنی تمہاری منت سماجت کرکے) تمہیں دوزخ سے بچا رہا ہوں اور تم ہو کہ اس میں گھسے جاتے ہو۔ وہ میری اور تمہاری مثال ہے کہ میں تمہاری کمر پکڑے ہوئے (کہہ رہا) ہوں، دوزخ سے بچو، دوزخ سے بچو، تم مجھے عاجز کرکے اس میں گھسے جاتے ہو۔'' اس نے گویا سحر طاری کردیا تھا۔

فرینک مسحور سا بیٹھا تھا۔ لیکن یہ سحر ''سیاہ'' نہیں نوری تھا ایک تو الفاظ اسی عظیم ومبارک ہستی ﷺ کے تھے اور دوسرا نہایت پراثر تھے اور پھر اس پر بولنے والے کا عزت واحترام میں ڈوبا، سحر انگیز لہجہ اور گھمبیر آواز..... فرینک بہت دیر بعد کچھ بولنے کے قابل ہوا تھا۔ ''لیکن مجھے ڈر ہے کہ میں گناہ، آئی مین ڈرنک اور دیگر چیزیں چھوڑ نہیں پاؤں گا۔''

وہ ساری الجھنوں کا حل..... ٹھوس حل چاہتا تھا۔ عمر مسکرایا۔ ''مجھے بھی یہی لگتا تھا..... لیکن فرینک! ٹرسٹ می یار! اس سارے عرصے میں مجھے ایک بار بھی ڈرنک یا ایسی کسی شے کی طلب محسوس نہیں ہوئی ہوسکتا ہے کہ شروع شروع میں تم نہ چھوڑ پاؤ۔ مگر دھیرے دھیرے چھوڑ دو گے یاد کرو تمہاری ایک گرل فرینڈ کو تمہارا اسموکنگ کرنا پسند نہیں تھا (اسے دھوئیں سے الرجی تھی تم نے کتنا عرصہ اس کے لئے اسموکنگ چھوڑ رکھی؟''

عمر نے نرمی سے اسے یاد دلایا فرینک کو فوراً یاد آگیا۔ اور محض اس لئے تو یہ نہ کرنا کہ آئندہ گناہوں سے بچ سکوں گا یا نہیں؟ یہ تو خود اپنے ساتھ زیادتی ہے۔

آنسو قطار کی صورت عمر کی آنکھوں سے گر رہے تھے۔ خود فرینک کی آنکھیں اللہ برتر کی اس رحم دلی اور بخش دینے کا سن کر بھر آئیں۔ تو دیکھو اللہ کو ہمارا توبہ کرنا کس قدر پسند ہے۔ جب تم ایک لڑکی کی ناپسندیدگی کے لئے اسموکنگ چھوڑ سکتے ہو کچھ عرصہ کے لئے، تو کیا اس لافانی ذات سے، اس مہربان ہستی کے لئے دیگر گناہ نہیں چھوڑ سکتے۔ ہمیشہ کے لئے؟ جو چیز کچھ عرصہ کے لئے چھوڑی جاسکتی ہے۔

وہ..... اس نے ہاتھوں سے اپنے بہتے آنسو صاف کئے یقین کرو ہمیشہ کے لئے بھی چھوڑی جاسکتی ہے لیکن جب اللہ اور محمد ﷺ اس قدر نرم دل اور مہربان ہیں تو پھر تم نے ڈیوڈ کو؟

اس نے اپنی آخری پھانس عمر کے سامنے رکھی۔ عمر کے چہرے پر ایک دم سختی چھا گئی۔ فرینک نے حیرت سے اس کے بدلتے تاثرات کو دیکھا تھا۔

''شاتم رسول ﷺ کی سزا صرف اور صرف موت ہے۔ اس کی کوئی معافی نہیں۔'' اس کا جبڑا اس سختی سے بھنچا کہ کنپٹی اور پیشانی کی رگیں ابھر آئیں۔ اللہ برتر کو سب سے زیادہ محبت حضور ﷺ سے ہے۔ اللہ بے نیاز ہے مگر اپنے محبوب ﷺ کی شان میں کی گئی گستاخی معاف نہیں کرتا۔'' ہاں جیسے میں نے لیزا کے معاملے میں کیا تھا۔ لیزا اس کی محبت تھی، اس نے کچھ عرصہ قبل ہی اپنے ہاتھوں سے اسے دفنایا تھا۔

لیزا کا کزن مارش انڈرورلڈ کے انڈر کام کرتا تھا اسے لیزا کا فرینک سے ملنا پسند نہیں تھا کجا کہ شادی کرنا اس نے فرینک کو مزہ چکھانے کے لئے غنڈوں سے اس کی خاطر تواضع کروائی تھی اور فرینک مہینہ بھر لنگڑاتا پھرا تھا لیکن فطرتاً وہ صلح جو تھا، لڑائی بھڑائی سے کوسوں دور بھاگنے والا دوسرے اس کی طبیعت میں نرمی بھی تھی وہ بہت جلد لوگوں کو معاف کردیتا تھا لہٰذا اس نے بنا کہے ہی مارش کو معاف کردیا پھر جس دن اس کی لیزا سے شادی طے تھی۔ اس سے دو ہی دن قبل مارش نے لیزا کو اغوا کرلیا اور قتل کردیا۔

فرینک کو گویا دکھ نے آتش فشاں بنا ڈالا اس نے ایک رات اپنے ایک دوست کو ساتھ لیا اور مارش کے فلیٹ پر دھاوا بول دیا گارڈز کے بعد مارش کو ''فارغ'' کرنے

کے بعد وہ خاموشی سے لوٹ آیا مارش چونکہ انڈر ورلڈ کا رشتہ دار تھا اور چند دن قبل اپنے ایک دشمن جیمز کو سبق سکھانے کے لئے اس کے سب گھر والوں کو اس کی آنکھوں کے سامنے مار کر آیا تھا۔ جیمز کی لاش مارش کے مرڈر کے تیسرے دن اس کے اپنے گھر میں سوئمنگ پول میں تیرتے پائی گئی تھی لہٰذا پولیس نے مارش کا قتل جیمز کے کھاتے میں اور جیمز کا مارش کے کسی ساتھی کے کھاتے میں ڈال دیا تھا۔ اس سلسلے میں کچھ گرفتاریاں بھی ہوئی تھیں لیکن فرینک پر ذرا آنچ نہ آئی تھی اور اب وہ سوچ رہا تھا کہ جس طرح وہ خود پر حملہ فراموش کر گیا مگر لیزا جو اس کی محبوبہ تھی اس کا قتل فراموش نہیں کر پایا تھا اسی طرح.....

"اسی طرح اللہ بھی اپنے محبوب ﷺ کی شان میں گستاخی، بے ادبی معاف نہیں کرتا۔ سوچو فرینک! جو ہستی اللہ کی محبوب ہو، اس عظیم ہستی کی محبت کا حق ہم جیسے ادنیٰ انسان کیسے ادا کر سکتے ہیں؟"

"واقعی.....!" فرینک نے تسلیم کیا۔ "میں اب نام کون سا رکھوں؟" اس نے اسلام میں داخل ہونے والے فیصلے پر تصدیقی مہر ثبت کر دی تھی۔

"محمد حسین!" عمر بلال توقف کے بعد بولا۔

"محمد نام بہت بابرکت ہے مجھے اکبر علی نے بتایا تھا۔"

غزوہ احد میں جب آپ ﷺ کے دندان مبارک شہید ہو گئے، حضرت حمزہؓ شہید اور بہت سے مسلمان شہید ہوئے۔

بہر حال لشکر اسلام فتح یاب ہوا اور بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا حضرت علیؓ کی بہادری، علم اور سخاوت کا کوئی ثانی نہیں۔ ایک بار حضرت علیؓ ایک کافر سے مصروف جنگ تھے۔ آپؓ نے حملہ کیا، کافر کی تلوار ٹوٹ گئی۔ اس نے کہا۔ "اپنی تلوار مجھے دے دیں میں آپؓ سے جنگ کروں گا۔" آپؓ نے تلوار اسے دے دی اور خود نہتے ہو گئے کافر حیرت زدہ ہو گیا۔ "آپؓ نے تلوار مجھے دے دی اور خود؟" آپؓ نے جواباً فرمایا۔ "میں نے اب تک کسی سوالی کو خالی ہاتھ نہیں لوٹایا تم نے تلوار مانگی، میرے پاس ایک ہی تلوار تھی لہٰذا دے دی۔" کافر اس درجہ سخاوت کو دیکھ کر ایمان لے آیا اور مسلمان ہو گیا۔

عمر بلال مسکرایا۔

"محمد حسین بہت شاندار" فرینک کو اپنے لئے چنا گیا یہ نام بہت پسند آیا تھا۔

"چلو..... تمہاری موت کا وقت ہو گیا ہے۔" گارڈ نے اسے پکارا۔

کل وہ شاہ میر اور پلوشہ سے کافی دیر باتیں کرتا رہا تھا۔ اس نے شاہ میر کو اندھیروں سے روشنیوں کی طرف آنے کی دعوت دی تھی۔ "کچھ پتہ نہیں بابا! زندگی کس موڑ پر ختم ہو جائے، ہم تو یہ بھی نہیں جانتے کہ ہم اگلی سانس بھی لے پاتے ہیں یا نہیں اور ہم کس شے، کس دیدہ دلیری سے گناہوں پر گناہ کئے جاتے ہیں پلیز چھوڑ دیں ایسی زندگی گزارنا..... اور لوگوں کو کیڑے مکوڑوں کی طرح سمجھنا بھی چھوڑ دیں ہم سب اللہ اور اس کے حبیب ﷺ کی نظر میں سارے لوگ برابر ہیں۔ صرف وہ لوگ اچھے ہیں جن کے اعمال اچھے ہیں اہمیت انسان کی ہوتی ہے پیسے کی نہیں، بابا آپ مجھ سے وعدہ کریں کہ "گاؤں" میں اسکول اور مدرسہ بنوائیں گے تعلیم عام کریں گے ہر انسان کو اس کا حق دیں گے؟" وہ ان کا ہاتھ تھامے لجاجت سے کہہ رہا تھا۔

"وعدہ.....!" ان کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ پلوشہ تو رو رو کر بے حال ہو رہی تھی۔ ان کا دل بند کرنے کو یہ خیال ہی کافی تھا کہ وہ اپنے لاڈلے، اکلوتے بیٹے کو آخری باریوں زندہ دیکھ رہی ہیں۔ پھر اس کے ہونٹ کبھی بات کرنے کو نہیں کھلیں گے۔

امی صبر سے کام لیجیے اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے صبر اور جبر میں بڑا فرق ہے امی صبر وہ ہے جو ہم مصیبت میں کرتے ہیں اور جبر وہ ہے جو ہم کو حالات کرواتے ہیں چھوڑ دیں دنیا کو اللہ اور نبی کریم ﷺ کی طرف بڑھیں اور امی میری خوش قسمتی کی انتہا دیکھیں مجھے روزانہ نبی کریم ﷺ کی زیارت ہوتی ہے۔

اس نے فرط جذبات، اور خوشی سے روتے ہوئے

بتایا، اور شاہ میر اور پلوشہ نے روتے ہوئے سنا تھا۔

شاہ میر زبردستی نم آنکھوں سمیت مسکرائے۔ عمر بھی مسکرایا ملاقات کا وقت ختم ہوا تو وہ چلے گئے اگرچہ جانا نہیں چاہتے تھے مگر انہیں جانا ہی پڑا۔

رات عمر بلال نے جاگ کر عبادت کرتے گزاری تھی ابھی صبح کا اجالا جنم لینے ہی والا تھا جب گارڈ آن وارد ہوا۔ عمر بلال فجر کی نماز پڑھ رہا تھا سلام پھیر کر اس نے امت مسلمہ کے لئے مختصر دعا مانگی اور اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے ہاتھ ہینڈ کف میں جکڑے گئے اور وہ چل پڑا اس کی چال میں ذرہ بھر لڑکھڑاہٹ نہ تھی لگتا ہی نہیں تھا کہ وہ موت کی طرف جا رہا ہے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ وہ زندگی کی طرف جا رہا ہے۔ اس کا چہرہ اطمینان اور نور سے چمک رہا تھا اس کے چہرے کی چمک رائز اور فرینک کو اندھیروں سے اجالوں کی طرف کھینچ لائی تھی مگر مائیکل سمیت دیگر لوگ..... دیکھ کر بھی انجان بن گئے تھے۔

ایسے ہی لوگوں کے لئے قرآن پاک فرماتا ہے کہ "ان کے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں۔" اسے مستحکم قدموں سے آتا دیکھ کر مائیکل اور دیگر لوگوں کی آنکھوں میں حیرت بھر آئی تھی وہ نہایت باوقار انداز میں چلتا آ رہا تھا۔ اس کا چہرہ بھی زرد نہیں تھا بلکہ نور کے ہالے میں مزید روشن ہو گیا تھا اور سیاہ آنکھوں میں موت کے خوف کی پرچھائیوں کی جگہ سرشاری تھی۔ سکون تھا قرار تھا اور وہ موت کی دہشت سے بھی ہوئی نہیں بلکہ نہایت روشن تھیں ان کی چمک ستاروں کو ماند کرتی تھی تمہاری زندگی ختم ہونے والی ہے۔

اس کی سرشار مسکراہٹ نے مائیکل کا کلیجہ لرزا ڈالا تھا وہ کلمہ شہادت پڑھتا سوئے دار چل رہا تھا۔

چومنے دار کو کس دھج سے چلا ہے کوئی
آج کس ناز سے مقتل میں قضا آئی ہے

☆.....☆.....☆

اکبر علی گزشتہ دن سے لوگوں کو دکھائی دیا تھا ورنہ اب وہ تارک الدنیا ہو چکا تھا اور کسی سے بھی نہیں ملتا تھا اس نے لوگوں کو سختی سے منع کر دیا تھا کہ اس کے لئے کوئی چیز نہ لایا کریں سوائے ایک لڑکا غلام فرید اس کے ساتھ تھا۔ اسی نے لوگوں کو بتایا کہ "بابا جی ایک سال تک روزے سے رہیں گے اور یہ کہ وہ زیادہ بات بھی نہیں کرتے دن میں کوئی ایک آدھ لفظ ہی بولتے ہیں۔" انہوں نے تو غلام فرید کو بھی بھیجنا چاہا تھا مگر آپ کی ضروریات کا خیال کون رکھے گا؟ جس کا پالنے والا اللہ جیسا مہربان پروردگار ہو وہ لوگوں پر فانی انسانوں پر قناعت کرے تو اس سے بڑا بدنصیب کوئی نہیں۔

بہر حال غلام فرید کے بے حد اصرار پر وہ اسے ساتھ رکھنے پر راضی ہو گئے کھانا تو وہ کھاتے نہیں تھے لیکن غلام فرید ان کے لئے پانی اور وضو کا خیال رکھتا تھا خود وہ کھانا گاؤں کے کسی نہ کسی گھر سے کھا آتا اس کا ایک بڑے بھائی کے علاوہ دنیا میں کوئی نہ تھا اور وہ بھائی بھی شہر میں رہتا تھا غلام فرید کبھی کبھار جا کر اس سے مل آتا گاؤں میں اگر کبھی کوئی بیمار ہوتا یا کسی کو کوئی اور کام ہوتا اور کسی نے اکبر علی سے دعا کروانا ہوتی تو وہ غلام فرید کے توسط اکبر علی تک درخواست پہنچا دیتا۔ اور یہ سچ تھا کہ اکبر علی کی کوئی دعا رد نہ ہوتی۔

اللہ اپنے پیاروں کی دعاؤں کو یقیناً فوراً قبول کرتا ہے دعا تو کسی کی بھی رد نہیں ہوتی ہاں قبولیت کی صورتیں مختلف ہیں یا تو دعا اسی وقت قبول ہو جاتی ہے یعنی وہ چیز مل جاتی ہے یا وہ کام ہو جاتا ہے جو بندہ چاہتا ہے مانگتا ہے یا پھر اس دعا کے صدقے میں انسان پر آنے والی کوئی مصیبت ٹال دی جاتی ہے یا..... اس دعا کو بندے کے لئے آخرت کے لئے ذخیرہ بنا لیا جاتا ہے۔ اور اپنے پیاروں کی دعا فوراً قبول کرتا ہے دو دن سے غلام فرید اپنے بھائی سے ملنے شہر گیا ہوا تھا اکبر علی کو گاؤں میں دیکھ کر لوگ اکٹھے ہو گئے لوگ ان کا بہت احترام کرتے تھے۔

"لوگو! اس گاؤں میں اللہ کا ایک مہمان آ رہا ہے۔" انہوں نے بتایا۔

"کون مہمان؟" خیر دین نے پوچھا۔

"اللہ کا بہت پیارا....." انہوں نے مزید کہا اور پھر خود اپنے ہاتھوں سے قبرستان میں قبر کھودنے لگے۔ لوگ سمجھ گئے کہ مہمان کہاں آ رہا ہے۔ "تم لوگ بہت خوش قسمت ہو، اللہ نے اپنے ایک پیارے کے لئے تمہارا گاؤں منتخب کیا

ہے۔'' لوگ ان کی مدد کروانے لگے ظہر تک قبر تیار تھی اکبر علی آب زم زم میں دھلا ایک صاف ستھرا سفید چمکدار کفن لائے قبر میں مشک کی خوشبو چھڑکی، لوگ وہیں منتظر بیٹھ گئے بہت سا وقت چپ چاپ گزر گیا ہیلی کاپٹر کی آواز نے سب کو متوجہ کیا تھا ہیلی کاپٹر ایک خالی میدان میں اترا۔

شاہ میر اور پلوشہ حیران تھے کہ انہوں نے اپنی آمد کی اطلاع نہیں دی تو لوگوں کو کیسے پتہ چل گیا؟

''عمر بلال کی میت نماز جنازہ کے لئے میرے حوالے کی جائے۔'' اکبر علی نے کہا شاہ میر نے اثبات میں سر ہلایا اکبر علی نے لوگوں کو مخاطب کیا۔ ''یہ اس شخص کی میت ہے لوگو جس کو ہر روز نبی کریم ﷺ کا دیدار ہوتا تھا یہ پہلے نماز نہیں پڑھتا تھا، روزے نہیں رکھتا تھا غرض کوئی نیکی نہیں کرتا تھا مگر اس کی صرف ایک نیکی نے اس کی زندگی بدل دی اس نے ایک گستاخ رسول کو واصل جہنم کیا ہے اور اس ایک نیکی نے اسے اتنا خوش نصیب بنا دیا کہ اسے نبی کریم ﷺ کی زیارت ہوتی اور بار بار ہوتی۔ یہ اللہ اور حبیب کا محبوب بن گیا۔'' اکبر علی رقت بھرے انداز میں کہہ کر میت کی طرف مڑے۔ اس کا لباس اتار کر کفن پہنایا۔

عمر بلال کے جسم اور قبر سے خوشبوئیں پھوٹ رہی تھیں لوگ اس کا دیدار کرنے کے لئے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے خواہاں تھے ہر آنکھ اشکبار تھی عمر بلال کے چہرے پر اتنا نور تھا کہ جس کی حد نہیں اس کے گلابی لبوں پر مسکراہٹ تھی، نماز جنازہ کے بعد جب میت اٹھائی گئی تو لوگ دھاڑیں مار کر رونے لگے۔

پلوشہ کو عورتیں پرے لے گئی تھیں اور وہاں موجود شاہ میر بھی پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔ ''عمر بلال کو درود شریف اور کلمہ شہادت کے سائے میں رخصت کرو۔'' اکبر علی نے کہا اور فضا درود شریف اور کلمہ شہادت سے مہک اٹھی۔

عمر بلال کو دفن کر دیا گیا لوگ آہستہ آہستہ رخصت ہو گئے۔ اکبر علی نے شاہ میر کے شانے پر تسلی دینے والے انداز میں ہاتھ رکھا...... ''تم بہت خوش قسمت ہو کہ ایک شہید، عاشق رسول ﷺ کے باپ ہو۔ عمر بلال سے کیا گیا وعدہ ضرور نبھانا۔''

''کیا آپ اس گاؤں کے بچوں کو دینی تعلیم دیں گے؟'' شاہ میر نے پوچھا۔

''ہاں...... ہم اپنے اللہ اور اپنے آقا ﷺ سے بہت دور ہو گئے ہیں اور ہم پر آنے والی یہ مصیبتیں بھی اسی بدولت ہیں، ہم اپنے بچوں کو دنیا سے آشنا کرتے ہیں مگر دین سے نہیں۔ اور اسی لئے ناکام ہیں میں ضرور بچوں کو بتاؤں گا کہ عبادت کے ساتھ ساتھ عشق الٰہی اور عشق رسول ﷺ بھی ہم پر فرض ہے اور حضرت محمد ﷺ کی ذات مبارک بلاشبہ اس قابل ہے کہ ان سے عشق کیا جائے اور انؐ کے عشق میں ہر شے فراموش کر دی جائے انہوں نے ظلمتوں میں آ کر چراغ جلائے بھٹکے ہوئے گمراہ انسانوں کو سیدھا راستہ دکھایا وہ ﷺ بلاشبہ ''ہادی عالمؐ'' ہیں اکبر علی نے کہا۔

کچھ دیر بعد وہ عمر بلال کی پھولوں سے ڈھکی قبر کو پیار سے دیکھتے ہوئے قبرستان سے نکل گئے اور عمر بلال کی قبر پر عشق رسول ﷺ کے سبب رحمت کی گھٹائیں برس رہی تھیں۔

گمراہوں کو رستہ دکھایا
کفر کی ظلمت کو مٹایا
ہر دل کو اپنا بنایا
بدل گیا ظلمتوں کا موسم
ہادی عالم ﷺ
آپؐ سے عشق ہو ہمارے خمیر میں
یہی لکھا ہو بس ہاتھ کی لکیر میں
موت آئے تو سامنے ہو روضہ اطہر
لکھ دے یہی میرا اللہ میری تقدیر میں
انہیؐ کے دم سے یہ عالم ہے قائم
ہادی عالم ﷺ

ازل سے تا ابد ہر سانس ہر دھڑکن درود و سلام بھیجتی ہے آپ ﷺ پر آپ کی آل پر اور اے اللہ تو بھی محمد ﷺ پر ہمیشہ درود و سلام بھیج۔

(ادارے کا کسی بھی رائٹر کے خیالات سے متفق ہونا ضروری نہیں)

جنات کا ٹھکانہ

صائمہ شاہد۔ٹوبہ ٹیک سنگھ

دیکھتے ہی دیکھتے ایک کونے میں دھوئیں کا غبار اٹھا اور جب دھواں چھٹا تو ایک جنات خاندان وہاں موجود تھا، ان کی آنکھوں میں یاس و محرومی تھی اور پیر صاحب کے سامنے وہ بے بس تھے۔

حقیقت پر مبنی ایک جنات خاندان کا رو داد جو کہ پڑھنے والوں کو دہلا کر رکھ دے گا

گھر میں پہلی شادی تھی اور شادی کی تیاریاں عروج پر تھیں اور میں چونکہ گھر میں سب سے چھوٹا بچہ تھا اس لیے تین میں تھا نہ تیرہ، خیر اتنا بھی چھوٹا نہ تھا آٹھویں جماعت کے ایگزامز سے فارغ ہوا تھا ہر کوئی اپنی اپنی تیاریوں میں مگن تھا اور میری ڈیوٹی بہنوں کے ساتھ بازار کے چکر لگانا تھا۔ گھر کے بڑے چونکہ لڑکیوں کو اکیلا بھیجنے کے حق میں نہ تھے اور نہ ہی کوئی اتنا فارغ تھا کہ روز روز کے چکروں میں بہنوں کا باڈی گارڈ بنتا۔ اماں اور تائی اماں کی مصروفیات بے شمار، ایسے میں روز ہی کسی نہ کسی لڑکی کو کچھ نہ کچھ یاد آ جاتا، جو بازار سے خریدنا ہوتا، ایسے میں مجھے دوڑایا جاتا ان کے ساتھ خیر یہ ایک الگ ٹاپک ہے۔

تو میں بتا رہا تھا کہ گھر کی پہلی شادی تھی تایا ابا کے پہلے سپوت گھوڑی چڑھنے والے تھے اور مزے کی بات

آج کل بھیا کا چہرہ گل وگلزار بنا ہوا تھا آنکھوں سے پٹاخے سے پھوٹتے محسوس ہوتے اندرونی خوشی نے ان کے چہرے پر لالی سی بکھیر دی تھی اور میں دلچسپی سے ان کے تاثرات جانچتا اور خوب چھیڑتا..... عید کے تیسرے دن بارات جانی تھی عید کے ساتھ ساتھ شادی کی خوشی نے لطف دوبالا کردیا عید سے اگلے دن ہی مہمانوں کی آمد ورفت شروع ہوگئی دونوں پھپھوؤں کو تو عید کی شام ہی اصرار کرکے بلوالیا گیا تھا۔ خوب ہلا گلا کیا حدود کے اندر رہتے ہوئے مہندی کا فنکشن ارینج کیا گیا۔

اور خوب رونق لگائی۔ پنجاب کی روایتی شادیوں جیسی شادی تھی مہندی کے فنکشن کے بعد کھانا کھل گیا تھا اور کھانے کے وقت دھکم پیل جو ہمارے ہاں کا خاصا ہے وہ بھی دیکھنے میں آئی۔ وہی لالچ اپنی پلیٹیں بھرنے کا اور اپنے اپنے پیٹوں کی پرواہ..... ٹھونس ٹھونس کر کھانے کے باوجود بھی پلیٹوں میں دھرے بوٹیوں کے پہاڑ کافی زیادہ تعداد میں بچ گئے اگلے دن بارات کا سین تھا ہم سب باراتی لش پش دلہے کے ہمراہ ناچتے گاتے دلہن اپنے گھر لے آئے تھے دلچسپ رسموں کے بعد دلہن کو اس کے کمرے میں پہنچادیا گیا تھا رات کافی ہوچکی تھی سو سب چھوٹے بڑے تھک ہار کے سوئے پڑے تھے کہ دفعتاً ایک عجیب وغریب واقعہ ہوا۔

زیادہ تر مہمان صحن میں چارپائی پر سو رہے تھے اوپری منزل کو جانے والی سیڑھیوں کے پاس نیم کا کافی پرانا درخت تھا اور پاس ہی لائن میں بچھی چارپائی پر تائی اماں، چھوٹی پھپھو، پھپھو کا بیٹا اور میں اپنی اپنی چارپائیوں پر لیٹے تھے سب بورہے تھے مگر میری آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔

اچانک مجھے اپنی چارپائی کی پائنتی پہ کسی کی موجودگی کا احساس ہوا یوں لگا جیسے کسی نے میرے پاؤں پر اپنا نرم گرم سا ہاتھ رکھا ہو۔ میں چونک گیا، جلدی سے سر اٹھا کر دیکھا تو کوئی بھی نہیں تھا اس سے پہلے کہ میں مطمئن ہوتا.....

فضا دلخراش چیخوں سے گونج اٹھی میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا بلکہ جتنے بھی مہمان تھے سب بدحواس سے ہوکر اٹھ بیٹھے کسی کو سمجھ نہ آرہی تھی کہ آخر ہوا کیا ہے چیخوں کا مآخذ میرے قریب کی چارپائی تھی جس پر تائی اماں سوئی ہوئی تھیں ان کی چارپائی سیڑھیوں کے نزدیک نیم کے درخت کے پاس ہی تھی وہ ہذیانی انداز میں چیخ رہی تھیں پھپھو اور کزن بھی اٹھ بیٹھے اور ہم جلدی سے لپک کر تائی اماں تک پہنچے اور انہیں سنبھالنے کی کوشش کی مگر وہ سنبھلنے میں نہ آرہی تھیں بس بدحواس چیخے جارہی تھیں۔

''کیا ہوا.....؟ کیا ہوا.....؟ کی آوازیں بھنبھنانے لگیں'' ہمیں خود خبر نہیں کہ آخر ہوا کیا ہے؟ چیخوں کی آواز سن کر دلہا اور دلہن بھی اپنے کمرے سے باہر آگئے۔ سارا خاندان دائرے کی صورت میں تائی اماں کی چارپائی کے اردگرد کھڑا تھا مگر وہ کسی کی بھی پرواہ کیے بغیر چیخے جارہی تھیں جیسے ننھا شیر خوار بھوک سے بے تاب ہوکر بلکتا ہے اور کسی کی بھی نہیں سنتا بڑی مشکلوں سے ہم سب نے ملکر تائی اماں کو سنبھالا..... اپنے آس پاس اتنے لوگوں کو اکٹھا دیکھ کر انہیں کچھ تسلی ہوئی۔

''کیا ہوا.....؟'' کسی نے پوچھا۔

''وہ..... وہ..... ادھر.....'' تائی اماں کی زبان سے الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر بکھر رہے تھے ان کا اشارہ سیڑھیوں کی جانب تھا، سب کی نگاہیں اس جانب اٹھ گئیں، مگر وہاں کچھ نہ تھا صحن کی ساری بتیاں بھی روشن کردی گئیں۔

''کیا ادھر.....؟ کچھ تھا کیا.....'' پھپھو نے پچکار کر پوچھا۔

''ادھر سے کوئی کالے لباس والا آیا..... اور..... اور.....'' ان کا سانس اٹکنے لگا خوف کی وجہ سے ''اور اس نے مجھے اپنی جانب گھسیٹا اور کھینچتا ہوا سیڑھیوں کی جانب لے گیا.....''

''مگر وہاں تو کوئی بھی نہیں ہے اور آپ تو اپنی چارپائی پر ہیں''

''کیا.....؟'' وہ یوں چونکیں جیسے انہیں خبر ہی نہ ہو اور بے یقین نگاہوں سے اپنے آپ کو دیکھا پھر

ہاتھوں سے ٹٹول ٹٹول کر چارپائی کو دیکھا اور خوف بھری ایک نگاہ اپنے اردگرد کھڑے سب لوگوں پر ڈالی۔

''کوئی برا خواب دیکھا ہوگا'' کوئی بولا تھا۔

''ہاں..... ہاں.....'' باقی سب بھی ہاں میں ہاں ملانے لگے۔

''نہیں..... نہیں وہ خواب نہیں تھا..... میں نے خود دیکھا تھا..... کوئی تھا..... کوئی سیاہ لباس میں تھا اونچا لمبا قد اور انتہائی بدہیبت تھا۔''

بھیا اور دوسرے کزن مل کر چھت پر بھی دیکھ آئے تھے اور ٹارچ سے اردگرد کی چھتوں پر بھی نظر ڈالی تھی مگر کوئی نہ تھا باہر گلی میں بھی نکل کر دیکھا گیا اور چوک میں کھڑے ہوکر چاروں جانب بھی نظر دوڑائی گئی مگر کوئی ہوتا تو تب ہی تھا۔

''ہم نے اچھی طرح سے چھتوں پر بھی دیکھا ہے اور گلی میں بھی چاروں جانب دیکھ آئے ہیں اگر کوئی ہوتا تو اتنی جلدی غائب نہ ہوپاتا۔''

''تائی اماں آپ کو وہم ہوا ہے یا کوئی خواب تھا میں تو جاگ رہا تھا..... یہاں کوئی نہیں اگر کوئی ہوتا تو اتنی جلدی بغیر کھٹکے کے بھاگ نہ پاتا.....'' میں نے کہا تھا۔

''چلو اب سب لوگ آرام کرو..... سب ہی تھکے ہوئے ہیں..... یقیناً کوئی خواب ہی دیکھا ہوگا اس نے'' میری بات سن کر تایا ابا بولے اور اپنے بستر پر سونے کے لئے چل دیئے سب ہی نے ان کی تقلید کی مگر تائی اماں اب بھی ڈر رہی تھیں اور پھپھو کے گلے لگ گئیں ''وہاں کوئی تھا..... تم میرے پاس ہی رہو..... کہیں وہ پھر سے نہ آجائے.....''

''ہاں..... ہاں ہم یہیں ہیں کچھ نہیں ہوگا..... وہ ایک وہم تھا بس اسے دل سے نکال دو''

''نہیں وہ وہم نہیں تھا حقیقت تھا..... وہ مجھے گھسیٹتے ہوئے لے جارہا تھا بڑا ہی خوفناک تھا۔''

''ٹھیک ہے ہوگا..... مگر اب نہیں ہے دیکھو غور سے اور اب تو لڑکوں نے بھی اچھی طرح سے دیکھ لیا ہے ہر طرف اب تم سو جاؤ..... ساری رات بیٹھ کر تو نہیں کاٹی جاسکتی نا!''

پھپھو نے بڑی مشکل سے انہیں تسلی دلاسے دے کر سلایا اور میں بھی ان کی تسلی کے لئے پاس ہی بیٹھا رہا کہ وہ سو جائیں مگر میں دل ہی دل میں کھٹک گیا تھا اپنے پیر پر ہاتھ کا لمس میں نے واضح محسوس کیا تھا۔ خیر۔

اگلے دن ولیمہ تھا..... ولیمے کے بعد بیشتر مہمان جاچکے تھے دلہن کے میکے والے دلہا، دلہن کو اپنے ہمراہ مکلاوا لے جاچکے تھے بس دونوں پھوپھیاں رہ گئی تھیں اپنے بچوں سمیت تائی اماں بھی گزشتہ رات کا واقعہ بھلا چکی تھیں رات کافی دیر تک جاگنے کے بعد سب اپنے اپنے بستروں پر سو چکے تھے۔

آج رات بھی ٹھیک کل والے ٹائم پر چیخ وپکار شروع ہوچکی تھی مگر آج چیخنے والی ہستی تائی اماں نہیں بلکہ دادی تھیں وہ بھی بار بار وہی بات دہرا رہی تھیں جو تائی اماں دہراتی رہی تھیں آج سیڑھیوں کے قریب دادی اماں لیٹی تھیں تائی امی چونکہ کل سے ڈری ہوئی تھیں اس لیے انہوں نے اپنی جگہ تبدیل کرلی تھی۔

چیخوں کی آواز سن کر تایا اپنا پستول نکال لائے تھے مگر کل والی کارروائی دہرانے کے بعد یعنی آس پاس تلاش بسیار کے بعد بھی کوئی نہ پایا گیا تائی امی کو تو تایا نے ڈپٹ دیا تھا مگر دادی اماں کو کیا کہتے؟ سو تسلیاں دلاسے دیئے گئے دادی جلد ہی سنبھل گئیں اس رات کے بعد کوئی بھی سیڑھیوں والی سائیڈ پر سونے کو تیار نہ ہوا اس کے بعد وقتاً فوقتاً گھر کا کوئی نہ کوئی فرد ڈرتا رہا سب کے دلوں میں جیسے خوف سا بیٹھ گیا تھا بلی بھی چھت پر چھلانگ لگاتی تو خواتین ولڑکیاں ڈر جاتیں۔ آخرکار بھیا کو میں نے اپنے ساتھ پیش آنے والا واقعہ بھی بتایا اور دادی کے بارے میں بھی بتایا تو وہ ٹھٹھک گئے کیونکہ اس رات وہ اپنے سسرال میں تھے۔

''اوہ..... یہ تو کوئی اور ہی چکر لگتا ہے مجھے..... کچھ کرنا پڑے گا'' بھیا نے اپنا سر کھجایا۔ اگلے ہی دن بھیا ایک عامل کو اپنے ساتھ لے آئے جو کہ عملیات کے ذریعے جنات کی موجودگی کا پتہ چلالیتا اور انہیں بھاگنے

پر مجبور بھی کر دیتا تھا۔ بھیا نے تو ہمیں یہی بتایا تھا اس کے بارے میں۔

عامل کو ایک بچہ چاہئے تھا جس پر وہ عمل کر کے گھر میں کسی بھی پراسرار شخصیت یا سرگرمی کا پتہ چلا سکے اور تو کوئی دستیاب نہ تھا سوائے میرے کہ وہ میں اس قدر بھی بچہ نہ تھا مگر پھر بھی کام چلایا جا سکتا تھا۔ گھر کی خواتین کو ایک کمرے میں کر دیا گیا اور مردوں میں سے صرف میں اور بھیا ہی عامل کے پاس موجود تھے۔ تایا ابا اور ابو کو ہم نے خبر ہی نہ ہونے دی تھی ورنہ وہ ضرور مخالفت کرتے اور ان پراسرار واقعات کو ہم سب کا وہم قرار دیتے۔

مجھے اپنے سامنے کرسی پر بٹھا کے آنکھیں بند کرنے کا کہا گیا میں بڑے شوق سے آنکھیں بند کیے مودبانہ بیٹھ گیا۔ میرے لیے یہ ایک دلچسپ تجربہ تھا مگر مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اس عمل کی بدولت میرا واسطہ انتہائی بھیانک مخلوق سے پڑنے والا ہے۔

عامل نے مجھے کچھ ہدایات دیں اور جیسا وہ کہے ویسا کرنے کو کہا اس نے میرے سر پر ہاتھ رکھ دیا اور کچھ پڑھ کر پھونکا اس پھونک میں جانے کیسا اثر تھا؟ کیا جادو تھا کہ میں جو اپنے گھر کی بیٹھک میں آرام سکون سے بیٹھا تھا پتہ نہیں کیسے ایک ویرانے میں پہنچ گیا آس پاس بکھری ویرانی مجھے سہانے کے لئے کافی تھی دور دور تک کسی انسان تو کجا چرند پرند کی موجودگی کا بھی نشان نہ تھا میں ہونقوں کی طرح وہاں کھڑا اردگرد کا جائزہ لے رہا تھا۔

''ڈرو مت میں تمہارے ساتھ ہوں'' دفعتاً عامل کی آواز گونجی میں نے چونک کر اردگرد دیکھا مگر وہاں کوئی نہ تھا صرف عامل کی آواز تھی جو مجھے سامنے کافی فاصلے پر بنی ایک کھنڈر عمارت میں جانے کا کہہ رہا تھا میں ڈر رہا تھا مگر پھر بھی عامل کے کہنے پر اس عمارت کی طرف چل دیا۔

''کیا تم وہاں پہنچ گئے ہو؟'' آواز پھر سے گونجی۔

''ہاں پہنچ گیا ہوں'' میں نے سحر زدہ انداز میں کہا۔ مگر دل ہی دل میں ڈر رہا تھا۔

''اب تم اس عمارت میں داخل ہو جاؤ اور وہاں جو ایک میز کے گرد آمنے سامنے دو کرسیاں پڑی ہیں ان میں سے ایک پر بیٹھ جاؤ'' میں نے ویسا ہی کیا۔

''اب تم حضرت پیر خواجہ جلال الدین'' کو آواز دو اور ان سے درخواست کرو کہ وہ ہماری مدد کریں۔

پیر صاحب ہمارے گاؤں کے بے حد محترم اور روحانی ہستی تھے جو کہ ہمارے والد صاحب کے زمانے میں ہی وفات پا چکے تھے میں ان کے دیدار سے محروم ہی تھا۔ میں نے عامل کی ہدایت پر عمل کیا۔ ایک بار پکارا مگر جواب ندارد..... عامل کی ہدایت پہ پھر سے ندا دی تیسری بار پکارنے پر ایک بزرگ صورت بے حد نورانی ہستی جانے کہاں سے نمودار ہوئی ان کے احترام میں، میں خود بخود کھڑا ہو گیا، دل نے گواہی دی کہ یہی حضرت پیر خواجہ جلال الدین ہیں انہوں نے مجھے بیٹھنے کو کہا بے حد پیار سے اور شفقت سے پوچھا کہ ''کس مسئلے کے حل کے لئے آئے ہو؟''

عامل کی ہدایت پہ میں نے اپنے گھر میں ہونے والے عجیب و غریب واقعات تفصیل سے بیان کر دیئے کہ کس طرح ان واقعات کی ابتداء ہوئی اور اب سب گھر والے ڈرنے لگتے ہیں۔ انہوں نے میری بات پوری توجہ سے سنی اور سننے کے بعد منہ ہی منہ میں کچھ پڑھنے لگے، پڑھنے کے بعد انہوں نے دائیں سائیڈ پہ پھونک ماری تو جس کرسی پر وہ براجمان تھے اس کے دائیں سائیڈ پہ اچانک عجیب و غریب مخلوق حاضر ہو گئی وہ تعداد میں پانچ تھے بڑے بڑے بال، خوفناک دانت، لال سرخ انگارہ سی آنکھیں، چہرے پر بھی بڑے بڑے بال تھے طویل اندر کی جانب مڑے ہوئے ناخن، ایک مرد تھا جسم پر مکمل لباس تھا مگر کھلے ہوئے حصے ہاتھ پاؤں چہرہ وغیرہ بڑے ہی بھیانک تھے۔ ساتھ میں ایک عورت مکمل لباس میں سر پر اوڑھے ہوئے ڈوپٹے یا چادر سے منہ لپیٹے ہوئی تھی ہاتھوں میں سنہری چوڑیاں تھیں وہ بھی کچھ کم بھیانک نہیں تھی۔ ان دونوں کے ساتھ تین بچے مختلف عمروں کے ایک بڑی لڑکی جس نے سنہرے رنگ کے لش پش کرتے ہوئے

کپڑے پہن رکھے تھے اور کانوں میں سنہرے اور لمبے لمبے جھمکے تھے جو ہلتے ہوئے اس کی گردن کو چھو رہے تھے اور سنہری ہی جوتیاں تھیں پاؤں میں سنہری چوڑیاں اور ماتھے پر بندیا بھی، ہونٹوں پر لال سرخی تھی خدا جانے سرخی تھی یا اس کے ہونٹ ہی ایسے تھے اپنی طرف سے اس نے ہار سنگھار کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی اور ڈوپٹہ بھی اوڑھے ہوئے تھی۔ اس سے چھوٹے دو بچے تھے ایک ذرا سا بڑا اور دوسرا اس سے چھوٹا آنکھوں میں ناچتی ہوئی شرارتی چمک انہیں بھیانک وجود کے ساتھ ہی معصوم ثابت کر رہی تھی۔ چھوٹے بچے نے ہاتھ میں گیند پکڑی ہوئی تھی اور وہ دونوں ایک دوسرے سے چھیڑ چھاڑ کر رہے تھے۔

میں انہیں دیکھ کر ڈر گیا میرے پسینے چھوٹ نکلے میری حالت دیکھ کر پیر صاحب نے میرے سر پر ہاتھ رکھا اور تسلی دی ''گھبراؤ مت میں تمہارے ساتھ ہوں میرے ہوتے ہوئے تمہیں یہ نقصان نہیں پہنچا سکتے۔'' مجھے تسلی دینے کے بعد پیر صاحب ان سے مخاطب ہوئے۔

انہوں نے جھک کر پیر صاحب کو آداب کیا دونوں بچے آپس میں نوک جھونک میں مصروف تھے تو آدمی نے دونوں کو گردن سے پکڑ کر پیر صاحب کے آگے جھکا دیا اور انہیں آداب کرنے کی ہدایت کی اس سختی پر دونوں سہم گئے اور سمجھ گئے کہ یہ کوئی معمولی ہستی نہیں ہیں۔ جھک کر سلام کیا اور ادب سے کھڑے ہو گئے ساری شوخی بھول گئے تھے۔

''کیا تم لوگ ہی اس بچے کے گھر میں رہتے ہو؟'' بزرگ اس آدمی سے مخاطب تھے۔

''جی'' اس نے مختصر جواب دے کر مجرمانہ انداز میں سر جھکا لیا۔

''تمہیں خبر ہے یہ بچہ تمہاری شکایت لے کر آیا ہے''

''جی'' گویا اسے خبر تھی اس لیے اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''آخر تم لوگ ان کے گھر میں آئے ہی کیوں ہو؟'' بزرگ نے ان سے پوچھا۔

تحفہ

ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ مجلس میں وعظ فرما رہے تھے۔

''تم لوگ ایک دوسرے کو تحائف دیتے رہا کرو۔''

ایک شخص نے پوچھا۔ ''یا رسول اللہ ﷺ! اگر کسی کے پاس تحفہ نہ ہو تو؟''

حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''کیا تم کسی کو اپنی مسکراہٹ بھی نہیں دے سکتے۔

(انتخاب: ذکا اللہ بھٹی۔ کراچی)

''جی ہمیں معاف کر دیں'' اس آدمی نے حضرت صاحب کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے اس کی دیکھا دیکھی عورت اور بچوں نے بھی ہاتھ جوڑ دیئے ''ہمارا مقصد کسی کو تنگ کرنا نہیں..... ہم مسلمان جنات کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں صوم و صلوٰۃ کے پابند ہیں..... ہم جہاں پہلے رہتے تھے وہاں ہمیں بھوک اور قحط کا سامنا کرنا پڑا تو ہم پیٹ کی خاطر انسانی بستی میں نکل آئے ہم یہاں سے گزر رہے تھے کہ اس بچے کے گھر میں شادی کی تقریب تھی جہاں وافر مقدار میں کھانا بچا ہوا تھا میں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ یہیں ٹھہر گیا خدا گواہ ہے ہم نے کوئی جرم نہیں کیا بس گھر والوں کا بچا ہوا کھانا کھاتے ہیں اور کبھی ان کا صاف کھانا نہیں چرایا۔''

''ہوں..... بزرگ نے سر ہلایا'' اور پھر سے مخاطب ہوئے ''اگر جرم نہیں کیا تو گھر کے افراد کو ڈرانے کا مقصد کیا ہے؟''

''ہم نے جان بوجھ کے نہیں کیا کچھ بھی ہم امن اور سکون کے ساتھ ان کے گھر میں نیم کے درخت پر رہتے ہیں یہ ہمارے بچے دیکھ رہے ہیں آپ یہ بہت شریر ہیں ہمارے سمجھانے اور منع کرنے کے باوجود بھی کوئی نہ کوئی شرارت کر جاتے ہیں جس کی وجہ سے گھر والے ڈر جاتے ہیں مگر میں یقین دلاتا ہوں کہ آئندہ ایسا نہیں ہوگا آپ کی

مہربانی ہوگی اگر آپ ہمیں یہاں رہنے کی اجازت دیدیں۔ ہم نے بہت بھٹکنے کے بعد یہاں ٹھکانا ڈھونڈا ہے ہم وعدہ کرتے ہیں کہ کسی کو کوئی نقصان نہ پہنچائیں گے ہم امن کے وسکون سے رہنا چاہتے ہیں۔"

"ہوں..... ٹھیک ہے..... تم سچ کہہ رہے ہو مگر میری اجازت کوئی معنی نہیں رکھتی تم لوگوں کو ان گھر والوں سے اجازت لینا ہوگی" یہ سب کہنے کے بعد حضرت پیر صاحب مجھ سے مخاطب ہوئے "تم نے ان کی ساری باتیں سنیں..... یہ لوگ آئندہ کے لئے کوئی بھی شرارت نہ کرنے کا وعدہ کرتے ہیں اب تم اپنے گھر والوں سے مشورہ کرلو کہ اگر وہ اجازت دیں تو یہ تم لوگوں کے گھر میں رہائش اختیار کرسکتے ہیں یا نہیں؟"

میں نے اثبات میں سر ہلایا اور عامل کو ساری بات بتادی مجھے دل ہی دل میں اس خاندان سے ہمدردی محسوس ہونے لگی تھی اور دل میں خواہش سی ابھری کہ انہیں ہمارے گھر میں رہنے کی اجازت مل جائے لیکن عامل کے جواب نے نہ صرف مجھے مایوس کیا بلکہ اس خوفناک شکل والے آدمی کی آنکھوں میں بھی مایوسی اور یاس بھر دی گئی تھی اس نے ٹھنڈی آہ بھری تھی۔

میں نے عامل کا جواب بزرگ تک پہنچا دیا تھا کہ "ہمارے گھر میں جوان بچیاں ہیں اور ہم مسلمان ہیں ہم کسی نادیدہ اور نامحرم کو اپنے گھر میں رہنے کی اجازت نہیں دے سکتے انہیں حکم دیں کہ یہ ہمارے گھر سے چلے جائیں اور کہیں اور ٹھکانا ڈھونڈیں ہمارے گھر کے افراد ڈرتے ہیں ان سے"

عامل حضرت پیر صاحب تک اپنی بات ڈائریکٹ نہیں پہنچا سکتا تھا اس لیے واسطہ میں تھا میں نے عامل کی بات پیر صاحب کو بتادی پیر صاحب ان سے مخاطب ہو کے بولے "تو تم لوگوں نے سن لیا کہ! تمہیں یہاں رہنے کی اجازت نہیں ملی گھر والے تمہاری موجودگی سے مطمئن نہیں اس لیے بہتر ہے اب تم کہیں اور ٹھکانا کرلو اور حضرت سلیمان بن داؤد کی قسم کھاؤ اور وعدہ کرو کہ آئندہ کبھی بھی یہاں واپس نہیں آؤ گے" پیر صاحب کا حکم سن کر ان میں مایوسی پھیل گئی نقاب پوش خاتون نے گھبرا کر اپنے شوہر کی جانب یوں دیکھا جیسے کہہ رہی ہو "اب ہم کہاں جائیں گے؟"

شوخ وشریر بچے بھی سنجیدہ صورت بنائے کھڑے تھے اور لڑکی کی آنکھوں میں تو باقاعدہ آنسو آچکے تھے۔

"ٹھیک ہے..... جیسے آپ کا حکم" مرد نے حضرت پیر صاحب کے سامنے سر جھکا دیا اور اپنے بیوی اور بچوں کو اشارہ کیا تو سب بیک زبان ہو کر بولے۔ "ہم سب حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کی قسم کھا کر وعدہ کرتے ہیں کہ آئندہ اس گھر میں کبھی نہ آئیں گے" یہ کہنے کے ساتھ ہی وہ سب غائب ہو چکے تھے۔

میں نے گھبرا کر پیر صاحب کی جانب نگاہ کی تو وہ بھی غائب تھے میں خود کو تنہا محسوس کر کے گھبرا گیا "اب تم اس عمارت سے باہر آجاؤ" عامل کی آواز گونجی میں نے کسی معمول کی طرح اس کے حکم پر عمل کیا اور عمارت سے باہر ایک بار پھر ویرانے میں تھا۔

"اب آنکھیں کھول دو" عامل نے میرے سر سے ہاتھ ہٹایا تو میں نے آنکھیں کھول دیں اور خود کو اچانک اپنے گھر کی بیٹھک میں موجود پا کر حیران رہ گیا میرا گلا بے حد خشک ہو رہا تھا اور میرا وجود پسینے سے تربتر تھا میں حواس باختہ سا ہو گیا۔

"گھبراؤ مت میں تمہیں دم کر دیتا ہوں تمہیں سارے واقعات بھول جائیں گے اور ڈر بھی نہیں لگے گا" انہوں نے میری پیشانی پر ہاتھ رکھ کر دم کر دیا تو میں پرسکون ہو گیا اور وہ سارے واقعات مجھے خواب سے لگنے لگے۔

عامل صاحب نے ہمیں مبارکباد دی کہ "اب تمہارا گھر نادیدہ مخلوق سے پاک ہو چکا ہے" اب سب گھر والے مطمئن تھے اس دن کے بعد نہ کسی کو ڈر لگا اور نہ عجیب وغریب واقعات پیش آئے مگر میں آج تک ان نادیدہ مخلوق کی بھیانک نگاہیں نہ بھول سکا۔

روح کی چاہت

ڈاکٹر عامر شہزاد رانا-ننکانہ صاحب

ایک خوبرو حسینہ ایک طویل عرصہ تک رات کی تنہائی میں نوجوان سے ملتی رہی اور پل پل راز و نیاز کی باتیں کرکے نوجوان کا دل بہلاتی رہی اور پھر پتہ چلا کہ وہ تو طویل عرصہ پہلے مرچکی تھی لیکن.....

دل ودماغ کو فرحت بخشتی دل گرفتہ، دل فریفتہ اور دل گداز، اچنبھے میں ڈالتی کہانی

دن کے 2 بجے کا ٹائم تھا جون کا مہینہ اور لائٹ بھی آف تھی اوپر سے چھٹی کا دن سارا مزہ ہی خراب ہو گیا۔ شدید گرمی کی وجہ سے سخت بے چینی محسوس ہو رہی تھی، تو میں نے اللہ سے گڑگڑا کر دعا مانگی کہ "یاالٰہی آج موسم خوشگوار کردے اور تیز آندھی کے ساتھ بارش بھی برسادے کیونکہ تیز آندھی کے ساتھ مجھے بارش بہت اچھی لگتی ہے۔"

کہا جاتا ہے کہ کبھی کبھی دعا فوراً قبول ہو جاتی ہے اور میری بھی دعا قبول ہو گئی۔ آسمان پر بادل چھانے لگے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چلنے لگی سورج بھی بادلوں کی اوٹ میں چھپ گیا، موسم نہایت خوشگوار ہو گیا۔ اب اتنے پیارے موسم میں گھر بیٹھنا میرے لیے دشوار ہو رہا تھا، میں نے اپنے دوست اختر کو کال کی کہ چلو یار کہیں باہر گھومنے نکلتے ہیں، اتنا پیارا موسم ہے اس سے ضرور

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
وقار عظیم

لطف اندوز ہونا چاہئے، مگر کسی مجبوری کے تحت اختر نے معذرت کرلی اور مجھے اکیلے ہی نکلنا پڑا۔

میں نے گاڑی ایک سنسان سڑک پر دوڑا دی ہلکی ہلکی رم جھم شروع ہوچکی تھی۔

میں نے گاڑی میں ایک خوبصورت گانا آن کیا جس کے بول دل کو بہت بھلے محسوس ہورہے تھے ''بھیگا بھیگا موسم آیا، برسے گھٹا گھنگور، پریت کا پہلا نٹ کھٹ ساون دیکھو مچائے کیسے شور''

ارے میں اپنا تعارف کروانا تو بھول ہی گیا، میرا نام حمزہ ہے پیشے کے لحاظ سے گورنمنٹ ٹیچر ہوں اور بحیثیت ہومیوڈاکٹر سیکنڈ ٹائم کلینک چلاتا ہوں، میری عمر اس وقت 25 سال تھی اور ایم فل کا اسٹوڈنٹ تھا اور ہم ایک بہت خوبصورت پہاڑی علاقے میں موجود وادی میں رہتے تھے۔

کار سڑک پر دوڑ رہی تھی، ہمارا گاؤں پسماندہ مگر بہت خوبصورت تھا اور شہر سے بہت زیادہ دور واقع تھا، میں اپنے گاؤں سے بہت دور نکل آیا تھا کہ اچانک میری گاڑی ایک بہت پرانے اور بوسیدہ ریلوے اسٹیشن کے قریب رک گئی، بارش بہت تیز ہوگئی تھی آندھی باقاعدہ طوفان کا روپ دھار چکی تھی۔

میں نے اپنی طرف سے ہر ممکن کوشش کی کہ کسی طرح گاڑی اسٹارٹ ہوجائے، مگر میری ہر کوشش ناکام ہوگئی، میں بتاتا چلوں کہ یہ ریلوے اسٹیشن بہت پرانا تھا اور اب تو محکمہ ریلوے نے اسے کافی عرصہ پہلے بند کردیا تھا اور اس کی عمارت نہایت بوسیدہ، خطرناک مگر مضبوط تھی، میں کافی دیر گاڑی میں بیٹھا بارش رکنے کا انتظار کرتا رہا اور دل ہی دل میں خود کو کوسنے لگا کہ آج گھر سے آخر نکلا ہی کیوں۔

بارش تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی، آخر تھک ہار کر باہر نکلا پھر کوشش کی کہ کسی طرح گاڑی اسٹارٹ ہوجائے انجن بھی ٹھیک تھا مگر پھر بھی ہر کوشش ندارد رہی ادھر ادھر بے بس نظروں سے دیکھا مگر بارش کے قطروں کے علاوہ کچھ نظر نہ آیا اچانک مجھے ریلوے اسٹیشن کی عمارت میں بالکل چھوٹی سی روشنی نظر آئی میں نے سوچا کہ شاید کوئی راہگیر ہوگا جو بارش سے بچنے کے لئے اس عمارت میں پناہ لینے کے لئے موجود ہے۔

دل میں خیال پیدا ہوا کہ چلو گاڑی میں تنہا بیٹھنے کی بجائے اس اجنبی راہگیر کے ساتھ ہی تھوڑا ٹائم گزار لوں میں اسٹیشن کی عمارت کی طرف بڑھنے لگا لائٹیں کراس کر کے پلیٹ فارم پر چڑھا تو ایسا محسوس ہورہا تھا جیسے صدیوں سے یہاں پر کسی کا گزر نہ ہوا ہو اسٹیشن کے احاطے کو دیکھ کر ماضی کا وہ فرضی نظارہ میری آنکھوں میں گھومنے لگا کہ کسی پرانے وقت اس اسٹیشن پر بھی رونق ہوتی ہوگی۔ یہاں پر بھی مسافروں کا ہجوم ہوتا ہوگا یہی سوچتا ہوا میں عمارت میں داخل ہوگیا بارش بہت تیز تھی بجلی چمک رہی تھی ابھی میں عمارت میں داخل ہوا ہی تھا کہ ایک بہت بڑی چمگادڑ میرے سر کے اوپر سے گزر گئی خوف کی ایک لکیر میرے دل کے آر پار ہوگئی۔

عمارت میں نظر آنے والی روشنی بھی مدھم ہوکر ختم ہوگئی اور اب عمارت میں بالکل گھپ اندھیرا تھا مگر محسوس ہورہا تھا کہ کوئی اندر موجود ضرور ہے اس وقت شام کے 6 بجے کا ٹائم تھا مگر کالی گھٹا کی وجہ سے ہو کا عالم تھا جو رات 12 بجے کا منظر پیش کررہا تھا چرندوں اور پرندوں کی ہلکی سی آواز بھی دل کو ڈرا دینے کے لئے کافی تھی۔

حالانکہ میں بہت مضبوط اعصاب کا مالک تھا مگر اس وقت واقعی میری حالت قابل رحم تھی خیر عمارت میں داخل ہونے کے بعد میں نے آواز دی۔ ''جناب اندر کون نیک انسان موجود ہے کچھ بولیں تو سہی۔'' مگر جواب ندارد خیر میں نے موبائل ٹارچ آن کی تو یہ دیکھ کر حیران و ششدر ہوگیا کہ عمارت کے مغربی کونے میں ایک نہایت ہی خوبصورت لڑکی فرش پر پھولوں والا خوبصورت کپڑا بچھائے بیٹھی ہوئی ہے موٹی موٹی آنکھیں پتلے ہونٹ لمبے سیاہ بال نہایت اسمارٹ جسم جیسے حور ہو اوپر سے نیلے رنگ کا فٹنگ سوٹ پہنے وہ دنیا کی سب سے حسین لڑکی لگ رہی تھی میں نے زندگی میں

پہلی بار اتنی خوبصورت لڑکی دیکھی تھی میں مسلسل اسے گھور رہا تھا۔

اچانک اس کے نشیلے لبوں میں جنبش پیدا ہوئی جیسے پھولوں کی برسات ہونے لگی ہو اور وہ مجھ سے مخاطب ہوئی ''آپ کون ہیں'' اور مسکرادی اس کی مسکراہٹ میں عجیب سا حرانہ پن تھا۔

ٹارچ کی روشنی اور سخت اندھیرے میں بھی وہ حسن کی دیوی مجھے بالکل واضح دکھائی دے رہی تھی۔

خیر میں نے سلام کیا اور بتایا کہ ''مجھے میرے شوق نے آج پھنسا دیا ہے اسی وجہ سے میں اس منحوس عمارت میں موجود ہوں'' اور واقعی میں خود کو کوس رہا تھا کہ اپنے گاؤں سے تقریباً 150 کلو میٹر دور اس ویرانے میں کیوں آیا دوران سفر کئی بار دل نے منع کیا کہ یہاں سے ہی واپس چلو مگر میرا شوق آڑے آتا رہا بزرگ کہتے ہیں کہ جب عقل پر پردہ پڑتا ہے تو کچھ سمجھ نہیں آتا میں نے بھی لڑکی کے بارے میں کچھ نہ پوچھا نہ سوچا کہ اتنی خوبصورت اور اکیلی لڑکی اس طوفانی اور اندھیری رات میں اس بیابان اور خوفناک عمارت میں آخر کیا لینے آئی ہے، میں تو بس اس کے حسن میں ڈوبا ہوا تھا۔

اور سوچ رہا تھا کہ میں نے مختلف کالجز اور یونیورسٹیز سے تعلیم حاصل کی ہے ہزاروں خوبصورت لڑکیاں دیکھ چکا تھا مگر یہ لڑکی ان سب سے زیادہ خوبصورت اور پرکشش تھی تھوڑا ہوش آنے کے بعد میں نے اس سے باقاعدہ اجازت چاہی کہ ''میں آپ کے پاس بیٹھ جاؤں تو اس نے خلاف توقع فوراً اجازت دیدی۔

میں نے بزرگوں سے سن رکھا تھا کہ چڑیلوں کے پاؤں الٹے ہوتے ہیں میں نے اس لڑکی کے پاؤں بغور دیکھے مگر وہ بالکل عام لڑکیوں کی طرح ہی تھے فٹنگ کپڑوں میں ملبوس اس لڑکی کا انگ انگ میرے دل پر بجلیاں گرا رہا تھا اس کے ہاتھ اتنے سفید تھے کہ فوراً پکڑ کر چومنے کو دل کررہا تھا۔

خیر تھوڑی سی رسمی باتوں کے بعد میں نے اس حسینہ سے اس کا تعارف دریافت کیا اور اس عمارت میں ٹھہرنے کا سبب پوچھا تو اس نے جواب دیا۔

''باؤ جی! میرے گھر میں صرف میں اور میرے ابو ہی رہتے ہیں باقی سب اوپر کو سدھار گئے ہیں، ابو کسی کام کے سلسلے میں شہر گئے ہوئے ہیں میں بھی کسی اہم کام سے گاؤں سے باہر آئی تھی مگر بارش نے اس عمارت میں زبردستی دھکیل دیا۔''

اس نے اپنا نام نازلی بتایا۔

میں نے اٹھ کر بند دروازے کے کھڑکی سے جھانک کر باہر دیکھا کہ بارش کی کیا صورتحال ہے مگر بارش تھمنے کی بجائے بہت تیز ہورہی تھی بجلی کی گڑگڑاہٹ خوفناک منظر پیش کررہی تھی، کچھ ہی دیر میں ہم آپس میں گھل مل گئے اور کھل کر باتیں کرنے لگے میں ایک پڑھا لکھا، باضمیر اور باشعور انسان ہوں مگر مجھے ایسا محسوس ہورہا تھا جیسے میرے دل و دماغ پر کسی نے قبضہ کرلیا ہو ہماری عام گفتگو دھیرے دھیرے دوستانہ رویہ اختیار کرگئی۔ اور ہمیں ایسا محسوس ہورہا تھا جیسے ہم صدیوں سے ایک دوسرے سے آشنا ہیں۔

میرے موبائل فون کی بیٹری ڈیڈ ہوگئی نازلی کے پاس موبائل فون نہیں تھا اب میں اپنے گھر اطلاع کرنے سے بھی قاصر تھا یقیناً میرے گھر والے میری وجہ سے بہت پریشان ہونگے مگر بارش نے تو شاید آج پوری رات برسنے کی ٹھان لی تھی ہر طرف پانی دریا کا منظر پیش کررہا تھا جو بجلی کی چمک سے دکھائی دیتا تھا مگر خوش قسمتی سے عمارت اونچی جگہ پر ہونے کی وجہ سے ہم پانی سے محفوظ تھے جون کے مہینے میں بھی ہمیں سردی کا احساس ہورہا تھا۔ موبائل فون بند ہونے سے ٹائم کا پتہ نہیں چل سکا کہ کتنا ٹائم بیت چکا ہے۔ مگر بھوک کا احساس ہونے لگا ویسے میری گاڑی میں ہلکا پھلکا کھانے کا سامان ہمیشہ موجود رہتا ہے۔ مثلاً کولڈ رنک بسکٹ، کیک اور نمکو وغیرہ میں نے ہمت کرکے گاڑی سے سامان نکالا اور ہم دونوں نے ملکر کھایا۔

باتوں ہی باتوں میں شاید رات کا ایک پہر

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

گزر چکا تھا میں نے نازلی سے پوچھا کہ ”آپ کے گھر تو کوئی نہیں مگر پڑوسی وغیرہ تو پریشان ہونگے کہ آپ گھر نہیں پہنچیں اور ویسے آپ کے گاؤں کا فاصلہ یہاں سے کتنا ہے؟ شاید وہ آپ کو ڈھونڈنے یہاں تک آجائیں“ اس نے جواب دیا۔ ”جناب غریبوں کی کسی کو کوئی فکر نہیں ہوتی ہمارے گاؤں والے ویسے تماشا دیکھنے والا مزاج رکھتے ہیں اور ہمارا گاؤں یہاں سے 2 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔“

بارش نے تو آج حیران کردیا تیز سے تیز اور طوفان بھی ایسا کہ دل ڈر کے مارے ڈوبنے لگتا مگر ایک حسینہ کی موجودگی میں ڈر بھی دور بھاگ گیا ہم دونوں بیٹھے بیٹھے تھک گئے ویسے بھی نیچرلی طور پر انسان آخر کتنی دیر بیٹھ سکتا ہے۔

پھر نازلی نے خود ہی مجھ سے کہا۔ ”جناب جس کپڑے پر ہم بیٹھے ہیں یہ کافی بڑا ہے جس پر ہم دونوں آرام سے لیٹ سکتے ہیں اس لیے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔“

میں نے کہا۔ ”یہ تو بہت اچھی بات ہے“ پھر ہم تھوڑی دیر بعد ذرا فاصلے پر لیٹ گئے۔

موسم بہت سہانا تھا اتنا پیارا کہ اظہار کے لئے الفاظ نہیں ہمیں لیٹے ابھی تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ نازلی اور میں کچھ اور ہی سوچ رہے تھے میں نے اپنے دل کو بہت سمجھایا میرا دل و دماغ بالکل میرا ساتھ نہیں دے رہا تھا میں مکمل طور پر بے اختیار اور بے بس ہو چکا تھا مجھے بالکل بھی کوئی ہوش نہ تھا۔

اسی لمحے نازلی میرے بالکل پاس آکر لیٹ گئی وہ حسن کی دیوی، پری صورت، حسن کا خزانہ واقعی ایک کرشمہ نظر آرہی تھی۔

گھپ اندھیرے میں جب بھی بجلی چمکتی اس کا حسن مجھے تڑپا کر رکھ دیتا پھر اس کا قرب مجھے میری سانسوں تک محسوس ہونے لگا پھر اس نے دھیرے دھیرے میرے سر پر ہاتھ پھیرنا شروع کردیا، پھر گلے سے لگالیا مجھے ایسے محسوس ہوا جیسے کسی نے مجھے بے ہوشی کی دوا دیدی ہو میں بالکل ہوش سے بے گانہ بے سدھ چپ چاپ لیٹا رہا۔

میں بالکل ہپناٹائزم ہوچکا تھا وہ مجھے روبوٹ کی طرح کنٹرول کررہی تھی میرے ہونٹ جیسے سی دیئے گئے ہوں مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے میرے خون میں آگ دوڑ رہی ہو ایک بہت ہی عجیب صورتحال سے میں دوچار ہوچکا تھا۔

رات کا تیسرا پہر چل رہا تھا بارش اپنے عروج پر تھی نازلی مجھ سے لپٹ کر بوس وکنار میں مصروف تھی اور پھر دھیرے دھیرے وہ سب کچھ ہوگیا جس کا میں نے زندگی میں تصور تک نہ کیا تھا باتوں اور عمل میں فرق ہوتا ہے۔

یہ حادثہ میرے ساتھ زندگی میں واقعی پہلی بار پیش آیا تھا میں کبھی سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ میں اتنی گھٹیا حرکت بھی کرسکتا ہوں ندامت کی وجہ سے مجھے خود سے گھن آرہی تھی، میں خود اپنی ہی نظروں میں بری طرح گر چکا تھا۔

تھوڑا سنبھلنے کے بعد جب میں ہوش میں آیا تو اٹھ کر فوراً کپڑے پہنے اور آدھی بچھی چادر ہوش وحواس سے گم نازلی پر ڈال دی پھر نہ جانے کب نیند کی آغوش میں چلا گیا جب میری آنکھ کھلی تو بارش تھم چکی تھی اور آسمان پر دھوپ نکل چکی تھی حیران کن طور پر نازلی مجھے کہیں نظر نہ آئی میں فوراً وہاں سے باہر نکلا بہت دوڑ دھوپ کی مگر وہ کہیں نظر نہ آئی میں نے سوچا کہ یہ کیا منظر ہے کہ کہیں میں نے رات کو کوئی خوبصورت خواب تو نہیں دیکھا اسی کشمکش میں اور بے دھیانی میں ایک بار پھر عمارت میں داخل ہوا تو یہ دیکھ کر حیران ہوگیا کہ رات جس کپڑے پر ہم سوئے تھے وہ موجود تھا اور کچھ نشانات کی موجودگی نے رات کے واقعات پر سچائی کی مہر ثبت کردی۔

میں سخت پریشانی کے عالم میں تھا کہ آخر وہ گئی کہاں میں نے فوراً اس کے گاؤں جانے کا اردہ کیا جس کا سبب بس میرے دل میں اس کی چاہت تھی میں ہر

حال میں اسے دیکھنے کا متمنی تھا بلکہ یہ کہنا زیادہ درست ہوگا کہ میں اس کے پیار میں دیوانہ ہوچکا تھا مگر اچانک گھر والوں کا خیال آیا کہ وہ رات بھر مجھے ڈھونڈتے ڈھونڈتے پاگل ہوگئے ہونگے پھر میں نے فوراً گاڑی کی طرف توجہ کی جانتا تھا کہ گاڑی خراب ہے مگر پھر بھی آخری کوشش کی۔

اور حیرت انگیز طور پر گاڑی فراٹے بھرتی ہوئی واپسی کی راہ پر دوڑنے لگی گھر پہنچ کر دروازے پر دستک دی، امی نے دروازہ کھولا اور مجھے دیکھ کر رونے لگیں اور بقیہ گھر والوں کو خوشی سے میرے آنے کی اونچی آواز میں نوید سنانے لگیں کہ دیکھو حمزہ آیا ہے سب فیملی والے مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور مجھ سے ابو نے کہا ”بیٹا حمزہ ہم نے تمہیں کہاں کہاں تلاش نہیں کیا تمہارے سب دوستوں اور اپنے سب رشتہ داروں سے دریافت کیا مگر تمہاری کوئی خبر نہ ملی تمہارے دوست اختر نے کہا کہ حمزہ نے مجھے لانگ ڈرائیو پر جانے کا کہا تھا مگر بحالت مجبوری میں اس کے ساتھ نہ جاسکا تو ہم نے اختر کے ہمراہ تمہیں تلاش کرنے کی ہر ممکن کوشش کی مگر ہمیں مایوسی کے علاوہ کچھ نہ ملا۔“

میں نے امی سے کہا ”آپ سب کی فکر اور پریشانی اپنی جگہ جائز ہے بارش اور طوفان کی وجہ سے پہاڑی علاقے میں پھنس جانا عام سی بات ہے آخر ایک رات کی تو بات تھی اتنا پریشان ہونے کی کیا ضرورت تھی سمجھ جاتے کہ تیز بارش کی وجہ سے کہیں پھنس گیا ہوگا صبح آجائے گا۔“

امی سے پہلے ہی ابو بولے ”حمزہ تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہوگیا تم ایک رات کی بات کررہے ہو اور آج تم پورے اکیس دن بعد گھر آئے ہو۔“

مجھے یہ بات سن کر حیرت کا ایک شدید دھچکا لگا اور میں تقریباً اچھل پڑا والدین کے ڈھیروں سوالات کے جوابات دینے کی بجائے میں نے ٹال مٹول کرکے بات ختم کی جس میں مجھے کافی دشواری پیش آئی مگر میں نے ان کو ہمیشہ کی طرح اپنی باتوں اور دلائل سے قائل کرنے کی کوشش کی۔

مگر ابو کسی گہری سوچ میں پڑ گئے البتہ بقیہ لوگ مکمل طور پر مطمئن ہوگئے۔

میں بہت پریشان اور حیران تھا دوڑ کر واپس اسی ریلوے اسٹیشن پر جانا چاہتا تھا مگر گھر والوں کی وجہ سے نہ جاسکا رات ہوتے ہی چپکے سے میں گھر سے نکلا اور فوراً اسی منزل کی طرف چل دیا میں نہیں جانتا تھا کہ نازلی آج کی رات شاید مجھے نہ ملے کیونکہ ضروری نہیں کہ ہر رات ملن کی رات ہو مگر اصل بات تو یہ تھی کہ میں اس حسینہ پر دل ہار بیٹھا تھا مجھے اس سے محبت ہوگئی تھی اس حسن کی شہزادی کے بغیر میرا ایک پل گزارنا بھی انتہائی مشکل نظر آرہا تھا۔

حیرانگی کی بات تو یہ تھی کہ میرے پورے جسم سے اس حسینہ کے قیامت خیز جسم کی خوشبو ابھی تک آرہی تھی اور میں یہ بات بھی مکمل طور پر فراموش کرچکا تھا کہ میں نے اس کے ساتھ تو صرف ایک رات گزاری تھی مگر یہ ایک رات اکیس راتوں میں کیسے بدل گئی۔

مگر اب مجھے ایسی باتوں سے کوئی سروکار نہیں تھا مجھے تو بس اس حسینہ کے دیدار کی چاہت تھی گاڑی کی رفتار بہت تیز تھی اور جلد ہی میں ریلوے اسٹیشن پہنچ گیا، بھاگ کر اندر داخل ہوا موبائل فون سے روشنی کی اور سامنے نازلی کو بیٹھا دیکھ کر میرے پاؤں تلے سے جیسے زمین نکل گئی۔

آج تو وہ حسن کی شہزادی لگ رہی تھی ریڈ کلر میں ملبوس حیران کن نظارہ پیش کررہی تھی اتنے فٹنگ والے کپڑے پہنے تھے کہ جسم کا ایک ایک انگ میرے دل پر بجلیاں گرا رہا تھا اس نے مجھے دیکھتے ہی اٹھ کر گلے سے لگالیا۔

پھر اسی طرح میرا ذہن ماؤف ہوگیا اور پھر ہم دونوں نے تمام حدیں عبور کرلیں، فراغت کے فوراً بعد نہ چاہتے ہوئے بھی اس سے اجازت چاہی تو نازلی کسی صورت بھی میری جدائی برداشت نہیں کرسکتی تھی مگر میں گھر والوں کی وجہ سے یہاں سے جلدی نکل کر گھر پہنچنا

پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام
وقار عظیم

چاہتا تھا مگر جانے سے پہلے نازلی نے مجھ سے کہا ”دیکھو حمزہ میں تمہارے بغیر کسی صورت نہیں رہ سکتی تم ہر حال میں رات کو اسی ٹائم ملنے ضرور آیا کرو ورنہ میں جان دے دوں گی۔“

میں نے فوراً پیار سے اس کے نشیلے لبوں پر ہاتھ رکھ دیا اور پھر اس نے کہا کہ ”میرے گاؤں آنے کی جرأت کبھی مت کرنا کیونکہ اگر کسی کو ہمارے پیار اور ملن کی خبر ہوگئی تو میرا بوڑھا باپ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گا اور ایسی صورت میں میرا اور تمہارا حقیقی ملن ناممکن ہوجائے گا۔“

لیکن مجھے تو اس کی ہر شرط منظور تھی کیونکہ میں تو اس حسینہ کا دیوانہ ہو چکا تھا اور اس کے بناء ایک پل بھی گزارنا میرے لیے ناممکن تھا میں فوراً گھر کی جانب چل دیا گھر میں سب میرا انتظار کررہے تھے اور سب غصے میں تھے کہ رات کے 2 بجے تم کہاں سے آرہے ہو۔

میں نے کسی بہانے سے ان کو راضی کیا اور سونے کے لئے اپنے کمرے میں چلا گیا کافی دن چھٹیوں کے بعد اسکول گیا تو ساتھی ٹیچرز نے کہا۔ ”حمزہ صاحب بغیر بتائے تقریباً پورا مہینہ کہاں گزار کر آئے ہیں جناب چند شوکاز نوٹسز آپ کا انتظار کررہے ہیں بھلا ہو ہیڈ ٹیچر کا جنہوں نے ابھی تک سب کچھ سنبھالا ہوا ہے اور جناب کی روزی بچی ہوئی ہے اور آپ گھر سے بھی اکیس دن بنا بتائے ہی غائب رہے اور اتنے کمزور دکھائی دے رہے ہیں جیسے خدانخواستہ کسی بیماری میں مبتلا ہوں۔“

خیر جتنے منہ اتنی باتیں کوئی میری باتوں سے مطمئن ہوا اور کوئی نہیں کیونکہ جھوٹی باتوں اور جھوٹے دلائل سے سب کو مطمئن کرنا ناممکن ہے البتہ محکمانہ کارروائی سے میری ایک ترقی روک دی گئی البتہ نوکری بچ گئی سیکنڈ ٹائم میں نے کلینک بھی بند کردیا حالانکہ میں اپنے علاقے کا ایک نامور ہومیو فزیشن تھا، اللہ نے میرے ذریعے کتنے ہی بے اولاد جوڑوں کو اولاد کی دولت سے مالا مال کیا تھا بے شمار دائمی مریض میری دواؤں سے شفایاب ہوتے تھے لیکن عشق نے میرا کلینک بند کروادیا۔

خیر میں روزانہ کسی نہ کسی بہانے گھر سے نکل جاتا اور وہی اپنے ٹھکانے پر پہنچ جاتا اور نازلی ہمیشہ میرے انتظار میں ہوتی اور پھر وہی رنگ رلیاں ہوتیں کئی بار اسکول سے منت سماجت کرکے چھٹیاں لیں اور تعلیمی ٹور کا بہانہ کرکے کئی کئی روز نازلی کے پاس رہتا اور اسی طرح دن ہفتوں اور ہفتے مہینوں میں تبدیل ہوگئے اور اسی دوران کئی بار میں نے نازلی سے شادی کا کہا کہ میں اپنے والدین کو رشتے کے لئے تمہارے گھر بھیجتا ہوں مگر وہ ہمیشہ مسکرا کر کہتی ”ابھی وقت نہیں آیا جب وقت آئے گا تو تمہیں بتادوں گی۔“

اور میں نہ چاہتے ہوئے بھی لب سی لیتا ادھر گھر والوں نے بچپن ہی سے میرے ماموں کی بیٹی سے میری منگنی طے کی ہوئی تھی جسے میں نے کبھی تسلیم نہیں کیا تھا لیکن اب ماموں کی جانب سے شادی کے لئے ہم لوگوں پر کافی دباؤ تھا۔

مگر میں تو نازلی کو اپنا سب کچھ مان چکا تھا امی کو اعتماد میں لیکر نازلی کے متعلق بات کی تو انہوں نے فوراً منع کردیا اور کہا کہ ”تمہاری ممانی پہلے ہی دمہ کی مریضہ ہے میں انہیں مزید دکھ نہیں دے سکتی اور بیٹا تم کسی اجنبی کی خاطر میرے بھائی کو مجھ سے جدا نہیں کرسکتے۔“

دوسری جانب میں نے نازلی سے بہت کہا کہ میرے گھر کے حالات ہمارے بارے میں سازگار نہیں ہیں، پلیز شادی کا کوئی راستہ نکالو میں نے اس کی محبت میں اندھے پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے کورٹ میرج کا آپشن بھی دیا کہ اگر تمہارے ابو نہیں مانتے تو میں ان کے پاؤں پکڑ کر تمہیں مانگ لوں گا مگر اس نے مجھے نا صرف ابھی منع کردیا بلکہ میری تمام باتوں کو ہوا میں اڑادیا مجھے بہت دکھ ہوا نازلی سے پوچھنا چاہا کہ آخر کونسی بات یا مجبوری ہے جو تم شادی کی حامی نہیں بھرتی مگر وہ ہمیشہ ساحرانہ مسکراہٹ سے بات ٹال دیتی مگر میں اس کی محبت میں گم کچھ نہ کہہ پاتا۔

اتفاق سے انہی دنوں میری ممانی جان فوت ہوگئیں ابو کی طبیعت شوگر کی وجہ سے ناساز تھی اور بہن کے ایگزامز شروع ہونے والے تھے اس لیے بحالت مجبوری مجھے فوراً امی کے ساتھ ممانی کے گھر جانا پڑا۔

ماموں کا گاؤں ہمارے شہر سے تقریباً 500 کلو میٹر کے فاصلے پر تھا اور اسی وجہ سے ہم سالوں سال بعد ہی وہاں جاتے تھے اور ممانی کی وفات پر جانا ضروری تھا اور نازلی کے پاس موبائل فون کی عدم موجودگی کی وجہ سے میرا اس سے رابطہ نہ ہوسکا۔

خیر ممانی کے گھر ہمیں 5 دن لگ گئے اور میرے لیے یہ دن قیامت سے کم نہ تھے پوری پوری رات میں جاگ کر گزارتا میری منگیتر صائمہ دل وجان سے میری خدمت کرتی ماں کی فوتگی کے باوجود وہ ہر طرح سے میری خدمت کرتی وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور گورنمنٹ ملازمہ تھی مگر مجھے اس سے کوئی سروکار نہ تھا میں تو بس نازلی کو اپنا سب کچھ مان چکا تھا جس کے متعلق مجھے کچھ علم نہ تھا سوائے ریلوے اسٹیشن کی عمارت میں گزری بے شمار راتوں کے۔

خدا خدا کرکے ہم گھر واپس آئے اور میں نے رات ہوتے ہی دوستوں کا بہانہ کرکے ریلوے اسٹیشن کی راہ لی مگر گھنٹوں انتظار کرنے کے باوجود بھی نازلی مجھے کہیں نظر نہ آئی اور میں آدھی رات گھر کو پلٹا پھر روزانہ میں وہاں جاتا مگر نازلی مجھے نہ ملتی کئی بار دل میں خیال آیا کہ اس کے گاؤں چلا جاؤں مگر پھر اس کے بوڑھے باپ کی عزت کی خاطر اور نازلی کی جدائی سے ڈر کر بڑھتے ہوئے قدموں کو روک لیتا۔

اسی طرح بیس دن گزر گئے اور میری حالت غیر ہونے لگی میں نے عزت کی خاطر کسی دوست کو ہمراز بھی نہ بنایا میری صحت اس کی جدائی کی وجہ سے دن بدن گرنے لگی مسلسل بخار رہنے لگا ڈاکٹر ہونے کے باوجود صحت انتہائی کمزور ہوگئی۔

حتیٰ کہ ایک دن بلڈ پریشر گرنے سے بے ہوش ہوگیا پھر اسپتال میں داخل ہونا پڑا بہت علاج کرایا مگر افاقہ نہ ہوا آخر ڈاکٹرز نے کچھ وٹامن کی گولیاں لکھ کر اور یہ کہہ کر اسپتال سے ڈسچارج کردیا کہ رپورٹس بالکل نارمل ہے کمزوری ہے آرام آجائے گا۔

اب میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا تھا میں نے اسکول میں چھٹیوں کے لئے محکمہ میں ایک مہینے کا میڈیکل بنوا کر دیا اور ایک دن ہمت اور جرأت سے کام لیکر نازلی کے گاؤں کی طرف چل دیا۔

میں پہلے کبھی اس علاقے کی طرف نہیں گیا تھا بس کبھی کبھی اس روڈ سے گزر جاتا تھا اور ویسے بھی یہ علاقہ بہت پسماندہ اور شہر سے بہت زیادہ دور پہاڑیوں کے درمیان واقع ہے ابھی میں ریلوے اسٹیشن سے گاؤں کی جانب تھوڑی دور ہی پہنچا تو درختوں کے جھنڈ سے آگے گاؤں کے راستے میں پہلے ایک قبرستان آتا ہے جو ہے تو چھوٹا مگر لگتا کافی پرانا تھا۔

میں قبرستان دیکھ کر حیران ہوگیا کہ نازلی رات کو ہمیشہ اسی قبرستان سے گزر کر ریلوے اسٹیشن تک پہنچتی ہوگی پھر سوچا محبت اندھی ہوتی ہے وہ محبت میں پاگل ہوکر اور ہر مصیبت کو برداشت کرکے ہی آتی ہوگی یہی باتیں دل میں سوچتے اور مختلف خدشات کے ساتھ قبرستان میں داخل ہوگیا۔

جب میں قبرستان میں بالکل درمیان میں پہنچا تو مجھے شدید سردی کا احساس ہوا ویسے تو یہ دسمبر کی سرد رات تھی مگر اس وقت سردی اتنی شدید محسوس ہورہی تھی کہ جیسے رگوں میں خون جم گیا ہو اور اسی ٹائم میرے اردگرد اور میرے جسم سے نازلی کے نرم وملائم بدن کی خوشبو مجھے واضح محسوس ہورہی تھی مگر میں نے اسے محض اپنا وہم سمجھا اور آگے نکل گیا۔

قبرستان میں مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی غیر مرئی طاقت مجھے روکنا چاہتی ہو مگر میں قبرستان سے نکل کر گاؤں کی جانب چل دیا کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد میں قدرے اونچائی پر بنے ایک نہایت خوبصورت گاؤں میں پہنچ گیا یہ گاؤں پہاڑیوں میں واقع تھا ہر طرف سبزہ نظر آرہا تھا گاؤں میں ایک خوبصورت ندی

بھی تھی غرضیکہ بہت خوبصورت گاؤں تھا۔

لیکن لوگوں کی چہل پہل بہت کم تھی میں سہما ہوا تھا اور براہ راست نازلی کے متعلق کسی سے پوچھ گچھ بھی نہیں کرسکتا تھا آج مجھے اپنی بیوقوفی پر بہت غصہ آیا کہ میں نے کبھی نازلی کے ابو کا نام اور پیشہ نہیں پوچھا تھا مگر اب تو میری نظریں صرف نازلی کو تلاش کررہی تھیں۔

میں دیوانوں کی طرح گلی گلی اور گھر گھر نازلی کو تلاش کرنے کی غرض سے نگاہ ڈال رہا تھا اور لوگ مجھے کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہے تھے کچھ آدمیوں نے مجھ سے گاؤں آنے کا سبب بھی پوچھا تو میں نے کہا کہ ''گورنمنٹ ملازم ہوں اس گاؤں کا سروے کرنے آیا ہوں۔'' جس سے وہ لوگ مطمئن ہوگئے۔

سارا دن گاؤں میں میری نظریں نازلی کو تلاش کرتی رہی مگر مجھے میری مراد نہ ملی آخرکار میری نظر ایک بوڑھی عورت پر پڑی جو گاؤں کے ایک کونے میں چنے اور مکئی کے دانے بھون کر فروخت کررہی تھی اس کے اردگرد چند عورتیں اور چھوٹے بچے جمع تھے میں نے بھی اس عورت سے کچھ چنے خریدے اور سلام دعا کی۔

جب عورتیں اور بچے وہاں سے چلے گئے تو میں نے اسی عورت کو مکمل اعتماد میں لیکر اور لالچ دیکر اپنا مدعا اس کے سامنے رکھ دیا۔

نازلی کا نام سن کر اس نے مجھے سر سے پاؤں تک دیکھا اور کہا ''بیٹا شکل وصورت سے تو تم سمجھدار پڑھے لکھے لگتے ہو مگر.....'' اتنا کہہ کر وہ چپ ہوگئی اور بولی ''بیٹا نازلی تم سے ملی ہو ایسا تو ممکن ہی نہیں ہوسکتا تم جس لڑکی کی بات کرتے ہو وہ کوئی اور ہوگی۔''

مگر میں نے جب اسے نازلی کا مکمل حلیہ اور نشانیاں بتائیں تو وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی اور گہرا سانس لے کر بولی ''اچھا تو تمہیں نازلی سے ملنا ہے تو چلو میرے ساتھ'' وہ ایک چھوٹی سی پگڈنڈی پر چلنے لگی اور بولی ''بیٹا نازلی میری بھتیجی ہے اور وہ نہایت خوبصورت اور سلجھی ہوئی لڑکی تھی'' لفظ ''تھی'' سن کر میں چونک گیا۔

بوڑھی عورت نے میرے چہرے کو دیکھا اور میری حیرانگی کو بھانپتے ہوئے ساحرانہ سی مسکراہٹ کے ساتھ آگے بڑھ گئی اور میں بھی سوچوں کے سمندر میں گم پیچھے پیچھے ہولیا۔

''چلتے چلتے وہ قبرستان میں داخل ہوگئی اور میں حیران ہوا کہ پورے گاؤں کا راستہ تو ختم ہوگیا یہ بوڑھی آخر کہاں جارہی ہے پھر میں نے سوچا کہ شاید قبرستان کے کسی دوسرے کونے میں میری جان کا گھر ہو۔

دل میں نازلی سے وصال کی دعائیں مانگ رہا تھا اس کا پری جیسا چہرہ بار بار آنکھوں میں آرہا تھا دل دھک دھک کررہا تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ مجھے سامنے دیکھ کر نازلی کا ردعمل کیسا ہوگا۔

قبرستان کے بالکل درمیان پہنچ کر وہ عورت رک گئی اور ایک قبر کی طرف اشارہ کرکے بولی ''بیٹا مل لو اپنی نازلی سے اور قبر کے سرہانے لگی تختی پر بھی نظر مارلو''

میرا ذہن ماؤف ہورہا تھا میرے پاؤں تلے سے زمین نکلتی محسوس ہورہی تھی پورا جسم کانپ رہا تھا۔

جب میری نظر تختی پر پڑی تو میں حیران رہ گیا کہ نازلی کی تاریخ وفات پورے اکیس سال پرانی تھی تعجب اور دکھ کے ملے جلے تاثرات سے پتہ نہیں کب میری آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے کب تک بہتے رہے۔

تبھی بوڑھی عورت مجھ سے مخاطب ہوئی ''بیٹا مرنے والے کبھی دوبارہ دنیا میں نہیں آتے اور تم نے یقیناً کوئی خواب دیکھا ہوگا اپنے گھر جاؤ اور خوابوں کی دنیا سے نکل کر کوئی اور کام کرو''

کافی دیر سکتے کی حالت میں رہ کر پھر میں نے اس عورت سے پوچھا ''اے نیک بخت مجھے نازلی کے حالات زندگی کے بارے میں کچھ تو بتائیں۔''

تب وہ بولی ''آج سے تقریباً 25 سال پہلے جب نازلی کی عمر 18 برس تھی تو یہ پورے گاؤں میں سب لڑکیوں سے حسین تھی ماں باپ کی آنکھ کا تارا تھی والدین نے اسے بہت نازوں سے پالا تھا اسی لیے پیار سے اسے نازلی پکارتے تھے حالانکہ اس کا اصل نام سونیا تھا۔

بچپن ہی میں اس کی ماں گزر گئی اور اس دنیا میں یہ دونوں باپ بیٹی ہی رہ گئے ایک دن یہ ریل گاڑی کے ذریعے کسی دوسرے شہر سے گاؤں واپس آرہے تھے کہ ریلوے اسٹیشن پر اترتے ہی تیز آندھی اور بارش ہونے لگی تبھی اسی جگہ ایک لڑکا جس کا نام حمزہ تھا ان کو ملا جس سے نازلی کو محبت ہوگئی۔

حمزہ اس دنیا میں بالکل اکیلا تھا محکمہ جنگلات میں ملازم تھا نازلی اور حمزہ کی محبت پورے علاقے میں محسوس ہونے لگی ان کی محبت کی داستان عام ہونے لگی مگر نازلی کے والد بالکل بھی لڑکے کو پسند نہیں کرتے تھے اور کسی صورت اسے اپنا داماد نہیں بنانا چاہتے تھے مگر نازلی کافی عرصہ حمزہ سے چھپ چھپ کر ملتی رہی اور یہ دونوں دنیا سے غافل ہوکر تمام حدیں کراس کرگئے۔

لوگوں نے نازلی کے والد کو طعنے دینے شروع کردیئے باپ نے اکلوتی بیٹی کو بہت سمجھایا، پابندیاں لگائیں مگر وہ نہ مانی اور اپنے باپ کی عزت کی دھجیاں اڑاتی رہی ایک دن جب وہ رنگ رلیوں میں مصروف تھے تو کسی مخبر کی خبر پر نازلی کے والد اور پھوپھا نے موقع پر دونوں کو رنگے ہاتھوں ایسی حالت میں دیکھا کہ برداشت نہ کرسکے اور دونوں نے ملکر نازلی اور حمزہ کو کلہاڑیوں کے وار کرکے موقع پر ہی قتل کردیا۔

ان دنوں لوگوں میں شعور کی کمی تھی اس لیے دونوں قاتلوں کو قانون نہ پکڑ سکا نیز گاؤں والوں نے غیرت کی وجہ سے قتل کو اچھا اور احسن قدم قرار دیا تاکہ گاؤں کی لڑکیوں کو عبرت حاصل ہو نازلی کے بوڑھے باپ کو نازلی کی اوچھی اور گندی حرکات کی خبریں ملتی رہتی تھیں، لاکھ سمجھانے پر بھی نازلی نہ مانتی اور حمزہ سے ملنے میں ناغہ نہ کرتی۔

بوڑھا اور بے سہارا باپ آخر کب تک جیتا تین مہینوں بعد چل بسا اور پھر کچھ عرصہ بعد ان دونوں کا دوسرا قاتل یعنی میرا شوہر بھی لقمہ اجل بن گیا۔'' یہ باتیں کرتی ہوئی وہ بوڑھی عورت واپسی کی راہ پر گامزن ہوگئی اور قبرستان سے نکل کر نظروں سے اوجھل ہوگئی۔

میں کافی دیر نازلی کی قبر پر بیٹھا روتا رہا اور پھر واپسی کی راہ لی مگر فوراً ہی نازلی کے بدن کی خوشبو میرے جسم سے ایسے ٹکرائی جیسے نازلی نے مجھے بانہوں میں لے لیا ہو مگر پیچھے تو کوئی نہ تھا۔

میں آنسو بہاتا قبرستان سے نکل کر اسٹیشن کی عمارت میں داخل ہوا تو اسی جگہ بیٹھ گیا جہاں ہم نے اکٹھے بے شمار حسین راتیں گزاری تھیں، آنسوؤں کی برسات آنکھوں سے جاری تھی مگر میری نازلی مجھے کہیں نظر نہ آئی مگر حیران کن طور پر اس کے بدن کی خوشبو بھی بالکل واضح محسوس ہورہی تھی جیسے وہ میرے ساتھ ہی بیٹھی ہوئی ہے۔

خیر میں گھر واپس آ گیا اور اس دن سے آج تک اکثر میں اسی ریلوے اسٹیشن اور قبرستان میں اپنی نازلی کی قبر پر فاتحہ پڑھنے ضرور جاتا ہوں مگر وہ دن اور آج کا دن نازلی کے دیدار سے محروم ہوں میں نے آج تک شادی نہیں کی بے شمار رشتے آئے مگر میں نے انکار کردیا میرے ابو فوت ہوچکے ہیں بہن کی بھی شادی ہوگئی امی کے پرزور اصرار کے باوجود میں نے شادی نہیں کی مگر حیران کن بات یہ ہے کہ کبھی کبھی نازلی کے بدن کی خوشبو آج بھی میرے جسم سے آتی ہے جب تیز آندھی اور بارش آتی ہے تو اسی ریلوے اسٹیشن پر ضرور جاتا ہوں کہ شاید میرا پیار مجھے نظر آجائے مگر ایسا کبھی نہیں ہوا اور مجھے لگتا ہے کہ میں نازلی کے دیدار کے بغیر ہی اس دنیا سے چلا جاؤں گا۔

لیکن میں اکثر سوچتا ہوں کہ میں مہینوں اس سے ملتا رہا مگر کسی نے بھی ہمیں کبھی نہیں دیکھا اور پہلی رات اکیس راتوں میں کیسے بدل گئی اور اگر وہ کوئی روح تھی تو میرا اس سے جسمانی ملاپ کیسے ہوتا رہا اور اگر یہ سب خواب تھا تو وہ کپڑا جس پر ہم سوتے تھے جو کہ آج تک میرے پاس ہے وہ کس کا ہے؟ کوئی مجھے میرے اس سوال کا جواب دے کہ میری نازلی آخر کون تھی؟

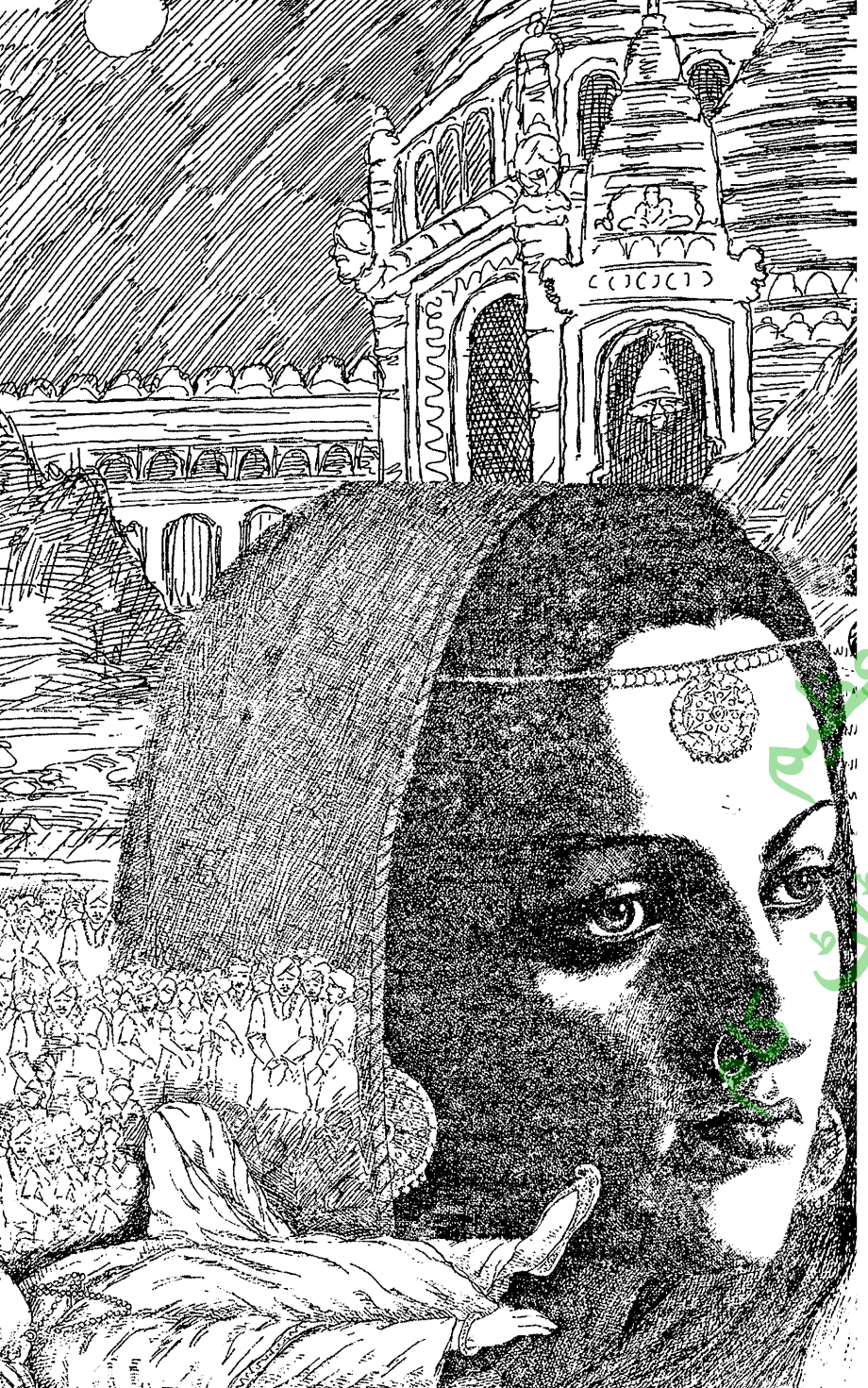

رولوکا

تحریر: اے وحید

قسط نمبر:151

وہ واقعی پراسرار قوتوں کا مالک تھا، اس کی حیرت انگیز اور جادوئی کرشمہ سازیاں آپ کو دنگ کردیں گی

جس مندر کا اسمتھ نے ذکر کیا تھا اس کو میں خود بھی کئی مرتبہ دیکھ چکا تھا اور اس جگہ بت بھی موجود تھا اس کے علاوہ نہ تو مجھے کسی تہہ خانے کا علم ہوسکا اور نہ یہ معلوم ہوسکا کہ اس بت کے سامنے ہر سال ایک جواں سال لڑکی چاندنی رات میں جنونی کیفیت میں ناچتی ہے اور پھر بت کی آنکھوں سے آنسو گرتے ہیں۔ یہ بڑی عجیب اور حیرت انگیز بات تھی اور میں نے فیصلہ کیا کہ اگر ایسی بات ہوئی تو میں خود بھی وہاں پہنچ جاؤں گا۔ ویسے مسٹر اسمتھ نے وہ تاریخ معلوم کرلی تھی یعنی جس رات لڑکی کو ناچنا تھا اور پھر وہ رات آگئی ہر طرف چاندنی چٹکی ہوئی تھی۔ آدھی رات کے قریب وہ کارواں اس کھنڈر کے پاس پہنچ گیا اور پھر مسٹر اسمتھ کا پروگرام تھا کہ ناچتی ہوئی لڑکی بلکہ پورے منظر کو کیمرے میں قید کرنا اور پھر مقررہ وقت پر لڑکی اٹھی اور ناچنا شروع کردیا۔ ہم ایک طرف کیمرہ لئے تیار کھڑے تھے اور پھر لڑکی نے ناچنا شروع کیا اور وقت کے ساتھ ساتھ اس نے جنونی کیفیت اختیار کرلی، ہمارا کیمرہ آن ہوچکا تھا۔ اب لڑکی کے ہاتھ میں ایک خنجر آچکا تھا، مکمل طور پر اب شوٹنگ شروع ہوچکی تھی کہ اچانک زوردار دھماکہ ہوا۔ کیمرہ اتنے زور سے پھٹا کہ جہاں کیمرہ کے ساتھ لوگ کھڑے تھے وہاں کی زمین بھی لرز گئی اور ساتھ ہی مسٹر اسمتھ کی لرزہ خیز چیخ سنائی دی، کیمرہ تباہ ہوگیا تھا، عکس لینے والا شیشہ ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا تھا اور دونو کدار شیشے کے ٹکڑے مسٹر اسمتھ کے دل کے مقام پر پیوست ہوچکے تھے، ناچ جاری تھا، ساز بج رہا تھا اور مسٹر اسمتھ کی روح ان کے بدن سے پرواز کرچکی تھی، پھر ایک کرخت آواز ابھری، تم اس لڑکی کی تصویر لینا چاہتے تھے کہ جس راز کو آج تک میں بھی نہیں جان سکا۔ جاؤ بھاگ جاؤ اور اپنے ساتھی کی لاش بھی اٹھا کر لے جاؤ، پھر اچانک لڑکی کو اس بت کے قدموں میں گرتے دیکھا گیا اس کے بعد وہ اپنا سدھ بدھ کھو چکی تھی۔ یہ تمام باتیں سن کر بھی سرور پر کوئی اثر نہ ہوا، یعنی اب سرور پر ضد کا بھوت سوار ہوچکا تھا اور وہ باز نہ آنے والا تھا۔

(اب آگے پڑھیں)

پانچویں روز ہم وہاں سے رخصت ہوکر کسی دوسرے شہر میں پہنچ گئے اس کے بعد ایک ماہ تک بلا مقصد ادھر ادھر گھومتے رہے۔ یہاں تک کہ ہم بغداد میں پہنچ کر ایک ایسے ہوٹل میں ٹھہر گئے جو شہر کی گنجان آبادی سے دور واقع تھا۔

ہوٹل کی عمارت نہایت ہی خوب صورت تھی۔ سامان رہائش جدید قسم کا تھا ایک امیر شخص اس ہوٹل کا مالک تھا۔ اچھے انتظام کی وجہ سے عموماً اس جگہ اہل یورپ ہی ٹھہرا کرتے تھے گو اس جگہ کے اخراجات دوسرے ہوٹلوں کی نسبت چار گنا زیادہ تھے لیکن سرور نے اسی جگہ قیام کو پسند کیا۔

چنانچہ ہم اس کی دوسری منزل کے کمرہ نمبر 17 میں ٹھہر گئے۔ جو کھڑکی جنوب کی طرف کھلتی تھی اس کے ذریعے بغداد کا آدھا حصہ آسانی سے دیکھا جاسکتا تھا۔ ہوٹل کے گردونواح کے مناظر نہایت ہی دلکش تھے۔

دریائے دجلہ جو اس خوب صورت شہر کے درمیان میں سے گزرتا تھا وہ ہوٹل کی اس جدید عمارت کے بالکل قریب ہی سے گزرتا تھا۔ صبح اور شام کے وقت بہتے ہوئے اس دریا کا منظر نہایت ہی دلکش معلوم ہوتا تھا..... یہ جگہ شہر کے گنجان علاقے کے شور وغل سے دور ہونے کے باعث سکون بخش تھا۔ جو لوگ ان دنوں اس میں ٹھہرے ہوئے تھے ان میں سے اکثر یورپ کے باشندے تھے۔

ہوٹل کا نچلا حصہ ریسٹورنٹ کی استعمال میں تھا۔

وقت گزارنے کے لئے اچھی جگہ تھی ہم کو اس جگہ ٹھہرے ہوئے تین روز گزر چکے تھے دوسروں کو دیکھا دیکھی ہم بھی ریسٹوران میں کچھ دیر کے لئے بیٹھ جاتے اور سفید فام غیر ملکیوں کو دیکھ کر اپنا دل بہلا لیا کرتے تھے۔

سرور کو انگریزی زبان پر کافی عبور حاصل تھا وہ جب سے اس جگہ آیا تھا اس میں کافی بے تکلفی پیدا ہوچکی تھی۔ وہ بلا جھجک جس سے چاہتا مل لیتا اور باتیں شروع کردیتا تھا۔ میں نے جو اس میں اس قسم کی تبدیلی دیکھی تو خیال ہوا کہ سرور اس جگہ کافی عرصہ ٹھہرے تو وہ سلمٰی کی یاد اپنے دل سے بھلا سکے گا۔

چنانچہ میں نے اسے یہی مشورہ دیا کہ یہ ہوٹل بھی اچھا ہے اور بغداد بھی بے حد خوبصورت شہر ہے لہٰذا اس جگہ زیادہ سے زیادہ ٹھہرا جائے۔

سرور نے کہا۔ ''دادا میں آپ کی رائے پر اعتماد کتا ہوں، بغداد ایک قدیم شہر ہے اور یہاں کے لوگ بھی عموماً خلیق واقع ہوئے ہیں اس کے علاوہ میں یہ دیکھ کر بے حد خوش ہوں کہ یہ مشرق و مغرب کا سنگم ہے۔ دنیا کے دونوں بڑے حصوں کی شرقی اور غربی تہذیب اس جگہ خلط ملط ہوگئی ہے..... چنانچہ ہم کو اس جگہ کے قیام میں بہت سی دلچسپ باتوں کا علم ہوجائے گا۔''

ایک رات ہم دونوں ریسٹوران میں بیٹھے چائے پی رہے تھے کہ اچانک سرور کے ہاتھ سے کپ چھوٹ کر میز پر آرہا۔ میں نے اس کی طرف دیکھا وہ بڑی حیرت سے دائیں طرف دیکھ رہا تھا..... میں نے بھی اسی طرف دیکھا۔ تین میزیں چھوڑ کر چوتھی میز پر ایک لڑکی بیئر پی رہی تھی۔ اس کا لباس سفید تھا میں نے جب بغور اس خوب صورت سفید پوش نازنین کی طرف دیکھا تو یہ محسوس کر کے سہم گیا کہ وہ بالکل سلمٰی کی ہمشکل ہے..... ان دونوں میں صرف لباس کا فرق تھا میں نے گرا ہوا کپ سیدھا کر کے رکھ دیا سرور کی نظریں ابھی تک اسی لڑکی پر لگی ہوئی تھیں۔ وہ اپنے لباس کے ذریعے فرانسیسی لڑکی معلوم ہورہی تھی۔

''کچھ دیر کے بعد اس نے میری طرف مڑتے ہوئے کہا۔ ''دادا۔ ذرا اس طرف دیکھئے۔ وہ لڑکی..... اس میز پر..... انگریزی لباس میں.....''

''ہاں دیکھ لیا سرور..... اہل یورپ میں سے معلوم ہوتی ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ یہ سلمٰی ہے.....''

''سلمٰی..... نہیں۔ وہ اس ہوٹل میں کہاں آسکتی ہے.....'' میں نے جواب دیا۔

''آ کیوں نہیں سکتی..... کیا اس کے لئے ہوٹل کے دروازے بند ہیں دادا.....''

''دروازے تو سب کے لئے کھلے ہیں ذرا اس کے لباس کو تو ملاحظہ فرمائیں..... اس کی وضع قطع تو یہ ظاہر کررہی ہے کہ ملک فرانس کی رہنے والی ہے۔ اب مجھے بھی یہی محسوس ہورہا تھا کہ انگریزی لباس میں خود سلمٰی بیٹھی ہے..... اس کو دیکھ کر میں دریائے حیرت میں غوطے کھانے لگا۔ سرور نے مجھے اٹھاتے ہوئے کہا۔

''آؤ دادا چلیں اور اس کے میز کے قریب سے گزرتے ہوئے اسے دیکھیں۔''

چنانچہ میں نے بھی کرسی چھوڑ دی اور ہم دونوں اس کے پاس سے گزرے۔ ہم نے اسے اس وقت بہت ہی قریب سے دیکھا۔ لڑکی نے گلاس کو میز پر رکھ دیا اور ہماری حرکات کو بھانپ کر ہماری طرف گھورنے لگی۔

''یہ کوئی اور ہے سرور..... دیکھو نا وہ گھورنے لگی تھی میں نے کہا تھا نا کہ یہ فرانسیسی لڑکی ہے۔''

''فرانسیسی لڑکی؟'' سرور نے کہا۔ ''لیکن نہ اس کے بال بھورے ہیں اور نہ آنکھیں کنجی ہیں۔ میں کس طرح تسلیم کرلوں کہ یہ سلمٰی نہیں ہے..... بغور دیکھو سیاہ بال اور بڑی بڑی کالی آنکھیں۔''

''لیکن بیٹا اس کا غصہ یہی ظاہر کرتا ہے کہ یہ کوئی اور ہے.....''

ہم گزرتے چلے گئے..... اس کے بعد تیسرے روز اسی وقت اسی میز پر وہی لڑکی دوبارہ دکھائی دی۔ اس روز بھی وہ بیئر سے اپنی پیاس بجھا رہی تھی سرور نے اسے مجھ سے پہلے دیکھ لیا تھا۔

اس نے کہا۔ ''دادا۔ مانو یا نہ مانو یہ ضرور سلمٰی ہے۔''

میں نے کہا۔ ''سرور اس وقت ہم اس جگہ اجنبی کی حیثیت سے ہیں۔ آپ بلاوجہ اس یورپین لڑکی کے خبط میں مبتلا ہوگئے ہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی وجہ سے بدمزگی پیدا ہوجائے۔''

''لیکن میں آج اس سے ضرور کچھ پوچھوں گا.....''

''نہیں نہیں سرور..... ایسا مت کرنا۔ بلاوجہ اور بلا مقصد بات کرنا ان لوگوں میں خلاف تہذیب ہے ایسا نہ ہو کہ وہ برہم ہوکر آپ سے کھسیانی بلی کی طرح الجھ پڑے۔''

''دیکھا جائے گا دادا..... ہوسکتا ہے کہ ہم اس وقت جس کی تلاش میں ہیں وہ ہمیں اسی جگہ مل جائے اس طرح کم از کم ہم صحرانوردی سے تو محفوظ ہوجائیں گے۔''

میرے منع کرنے کے باوجود وہ مجھے لے کر اسی طرف بڑھا۔ اس وقت میرا دل دھڑک رہا تھا۔ سرور چلتے چلتے اس کے میز کے پاس ٹھہر گیا اور خود کو جھکاتے ہوئے انگریزی میں لڑکی سے پوچھا۔

''کیا میں آپ کا نام دریافت کرسکتا ہوں؟''

''فولش..... گوآوے پلیز..... گوآوے۔''

اس لڑکی نے سرور کو انگریزی میں اس بری طرح جھاڑا کہ وہ کان دبا کر سیدھا زینہ کی طرف ہولیا۔ ہم دونوں اپنے کمرہ میں داخل ہوکر بیٹھ گئے۔

''میں نے آپ کو پہلے ہی منع کیا تھا لیکن آپ؟''

''تو پھر کیا ہوا دادا۔ اس کے ''گوآوے'' کہنے پر میرا کیا بگڑ گیا اس نے اپنے ہی منہ سے بکواس کی ہے..... بس اور کیا.....''

میں نے کہا۔ ''اب تو آپ کا شبہ دور ہوگیا ہوگا؟''

سرور نے اپنے سر کو انکاری میں ہلاتے ہوئے کہا۔ ''جی نہیں بالکل بھی نہیں بلکہ اس کی آواز سن کر تو میرا شبہ اور بھی بڑھ گیا ہے میں کہہ سکتا ہوں کہ یہ لڑکی صرف سلمٰی ہی ہوسکتی ہے۔''

میں نے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو تھامتے ہوئے کہا۔ ''خدا کے لئے اپنی حالت پر رحم کھایئے اس قسم کی ضد سے کام نہ لیں۔ ایسا نہ ہو کہ ہم اس قسم کی بوکھلاہٹوں کے باعث اس ہوٹل میں آوارہ اور بدچلن مشہور ہوجائیں۔ غور کرو اگر یہ لڑکی وہی سلمٰی ہوتی جو آپ سے محبت کرتی ہے تو وہ ایسا جواب کس طرح دے سکتی ہے۔''

میں اس کو دیر تک سمجھاتا رہا۔ یہاں تک اس نے آئندہ کے لئے احتیاط سے کام لینے کا وعدہ کیا۔ تہذیب و کلچر کے پیش نظر سلمٰی اور اس لڑکی میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ اس کے بعد ہم ریسٹوران میں بیٹھے ضرور رہے اور دو مرتبہ وہ لڑکی وہاں نظر بھی آئی لیکن سرور نے خود پر کنٹرول رکھا..... میری نصیحت نے اسے کچھ سنجیدہ بنا دیا تھا۔ اسی لئے وہ اس معاملے میں کافی محتاط رہا۔

ایک روز موقع پا کر میں نے ہوٹل کے ایک سرونٹ سے اس لڑکی کے متعلق دریافت کیا۔ اس نے بتایا کہ وہ اسی ہوٹل کی دوسری منزل پر رہتی ہے اور اس کا روم نمبر 13 ہے..... نام..... رین بو..... Rain Bow ہے..... رین بو.....''

''دوسری منزل کے کمرہ نمبر 13 میں!.....'' میں نے پوچھا۔

''جی ہاں۔ رین بو کے روم کا یہی نمبر ہے..... نمبر 13۔''

وہ ہمارے پڑوس میں ہی رہتی تھی۔ بہت قریب..... اس خبر کو سن کر میں پریشان ہوگیا کیوں کہ اس کی قیام گاہ کا کمرہ اس قدر قریب۔ میرے خیال میں سرور کے لئے اچھا نہیں تھا۔

میں اس روز کافی پریشان رہا اور یہ بات سرور پر ظاہر نہ کی جو لڑکی سلمٰی سے مشابہ ہے وہ اسی منزل کے کمرہ نمبر 13 میں رہتی ہے البتہ ایک روز باتوں ہی باتوں میں میں نے اس کا نام رین بو..... رین بو ضرور ظاہر کردیا۔

''اوہ دادا تم نے اس کا نام بھی معلوم کرلیا..... ونڈرفل.....''

''میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

کہا۔ ”کیوں اب تو آپ کو یقین آ گیا کہ وہ سلمٰی نہیں ہے۔ سلمٰی کے بجائے رین بو ہے..... مس رین بو۔“

”ہوں..... رین بو..... بڑا عجیب نام ہے..... آنکھوں سے ہونے والی بارش اس خوب صورت لڑکی کی زیارت کے بعد بند ہو سکتی ہے۔ غم و الم کی بدلی چھٹ سکتی ہے اس کا نام جو رین بو ہے..... رین بو..... بارش کے طوفان کے خاتمہ کی علامت ہے آپ نے اس کا نام معلوم کرنے میں تو کمال کر دیا۔“

میں نے کہا۔ ”مجھے امید ہے کہ آئندہ آپ غلط فہمی کا شکار نہ ہوں گے۔“

”دیکھئے..... کون کہہ سکتا ہے کہ کل کیا ہونے والا ہے۔ دادا اگر سچ پوچھتے ہو تو مجھے آج کی بھی خبر نہیں۔“

اس کے بعد سرور کچھ دیر کے لئے خاموش ہو گیا پھر کہنے لگا۔ ”دادا نام تو ضرور مختلف ہے لیکن تصور.....“

میں نے اپنی طیش بھری آواز میں کہا۔ ”میں پوچھتا ہوں کہ آپ نے رین بو کی تہذیب اور کلچر پر بھی غور کیا۔“

”کافی غور کر چکا ہوں دادا..... ان خوشنما آنکھوں کی سیاہ پتلیوں میں بھی وہی میکدہ وہی ساقی اور وہی چھلکتا ہوا جام نظر آتا ہے..... میں جب بھی اس طرف دیکھتا ہوں یقین کرو کیف کی دنیا میں پہنچ جاتا ہوں..... اگر رین بو سلمٰی نہیں ہے تو اس میں اس قسم کی دلکشی اور نظر نواز جمال کیوں موجود ہے۔“

”اس لئے کہ وہ بھی سلمٰی کی طرح جوان اور اسی کی طرح خوب صورت ہے..... جوانی جب بھی کسی پر آتی ہے تو دلکشی و دلفریبی کے حسین پھولوں سے اسے لاد دیتی ہے۔ رین بو کی صرف جوانی نے اسے اس قدر خوبرو اور نظر نواز بنا دیا ہے..... ورنہ بڑھاپے میں شاید ام الاجل سے مشابہ ہو جائے سمجھے۔ کیا سمجھے۔“

میں وقتاً فوقتاً سرور کو برابر سمجھاتا رہا۔ یہاں تک کہ ہم کو اس ہوٹل میں مقیم ہوئے پورے بیس دن گزر گئے۔ ایک شام جبکہ میں سرور کے لئے کچھ فروٹ خرید کر بازار سے واپس آ رہا تھا اور ہوٹل کی عمارت کے پاس پہنچ چکا تھا ایک کار عمارت کے بڑے دروازے میں سے نکلتی نظر آئی..... میں نے ہارن کی آواز سنی۔ کار کم رفتار پر چل رہی تھی۔ وہ بالکل میرے قریب سے گزری اور صرف چند گز کے فاصلے پر پہنچ کر رک گئی۔ کسی نے مجھے ”بڑے میاں“ کہہ کر پکارا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا۔ کار کھڑی تھی اور وہی مس رین بو اس میں سے جھانک رہی تھی..... ”ذرا ادھر تشریف لائیے۔“ میں اس پراسرار لڑکی کو اپنی زبان میں بولتے دیکھ کر بہت حیران ہوا چنانچہ میں کار کے پاس پہنچ کر ٹھہر گیا۔

”فرمائیں.....؟“ میں نے اس کی طرف دیکھا۔

”وہ صاحب کون ہیں.....؟“ ایک دلآویز تبسم کے ساتھ اس نے سوال کیا۔

”وہ..... میرے آقا سرور ہیں.....“ میں نے جواب دیا۔

”کیا میں یہ معلوم کر سکتی ہوں کہ آپ نے کب تک اس جگہ ٹھہرنا ہے۔“ اس نے سوال کیا۔

”یہ میرے آقا کی مرضی پر منحصر ہے..... سنئے..... شاید..... وہ مجھ سے ناراض ہیں..... یاد رہے تو میرا اسلام ضرور کہہ دیں۔“

”کہوں گا۔ مس صاحبہ۔“

”شکریہ۔“ دلکش ہونٹوں پر غضب کی مسکراہٹ تھی۔

اس نے اپنی کار کو اسٹارٹ کر دیا اس کے بعد وہ ہوا سے باتیں کرنے لگی۔ میں اس کی باتیں سن کر دریائے حیرت میں ڈوب گیا۔ جب کار نظروں سے اوجھل ہو گئی جس وقت میں واپس لوٹا میں نے اس بات کو اپنے تک رکھنے کا فیصلہ کر لیا لیکن ابھی میں نے چند ہی قدم راستے طے کیا تھا کہ سامنے سے سرور اسی طرف آتا دکھائی دیا۔ اس وقت وہ نہ صرف خوش تھا بلکہ مسکرا بھی رہا تھا۔ اس سے قبل کہ میں اس سے خوشنودی کی وجہ معلوم کرتا اس نے خود ہی سوال کر دیا۔

”کہیے دادا۔ وہ لڑکی کیا کہتی تھی.....“ وہ مجھے بغور دیکھنے لگا۔

میں سمجھ گیا کہ سرور نے مجھے اس سے گفتگو کرتے دیکھ لیا ہے۔ چنانچہ ایسی صورت میں اس بات کو اس سے پوشیدہ رکھنا غیر مناسب تھا چنانچہ میں نے سب کچھ اس کو بتلا دیا اور یہ بھی ظاہر کر دیا کہ اس نے سلام کہلایا ہے۔

سرور کی دونوں آنکھیں وفور مسرت سے چمکنے لگیں۔ چہرہ پر سرخی دوڑ گئی اس کے بعد اس نے آہستہ سے میرے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ”دیکھا دادا۔ محبت میں کس قدر طاقت ہے۔ میں نہ کہتا تھا کہ دل کو دل سے راحت ہوتی ہے..... کس قدر سنگدل تھی یہ لڑکی..... لیکن محبت کی مقناطیسی قوت نے اس سخت پتھر کو بھی موم کی طرح نرم کر دیا ہے۔“

”تم ٹھیک کہتے ہو سرور..... میرا خیال ہے کہ اس سے پہلے اس نے آپ کو کچھ غلط سمجھا تھا۔ وہ اب نادم معلوم ہو رہی تھی۔“

ہم دونوں پختہ زینے کو طے کرنے کے بعد اپنے کمرہ میں پہنچ گئے۔ میں نے فروٹ کی باسکٹ میز پر رکھ دی..... سرور نے اپنے کوٹ کو کھونٹی پر لٹکاتے ہوئے کہا۔ ”اچھا یہ بتلاؤ کہ اب تو رین بو سے بولنے کی اجازت ہے۔“

”ہاں..... بات کرنے میں اب کچھ مضائقہ نہیں ہے..... یہ بھی بہت اچھا ہوا جو یہ قدم اس لڑکی نے اپنی طرف سے اٹھایا ہے.....“ ہم دیر تک اسی مسئلہ پر باتیں کرتے رہے۔

سرور نے کہا۔ ”میں نے اس کے متعلق بہت کچھ معلوم کرنے کی کوشش کی لیکن کسی ذریعے سے بھی اس کی پراسرار شخصیت پر روشنی نہ پڑ سکی صرف اتنا معلوم ہو سکا ہے کہ وہ روم نمبر 13 میں تنہا رہتی ہے۔ منیجر کے رجسٹر میں اس کا نام رین بو درج ہے..... وہ اس جگہ تنہا ہے۔ اس کی آمد کا مقصد بظاہر سیاحی ہے اور یہی اس نے مسافروں کے رجسٹر میں لکھوایا ہے۔ لیکن میں اس پر یقین نہیں کر سکتا یہ تو محض رجسٹر کی خانہ پری کے لئے اس نے لکھوا دیا ہے۔“

میں نے کہا۔ ”اگر اس سے آپ کی ملاقات ہو گئی تو شاید وہ خود ہی اپنی راز دار شخصیت پر سے راز کی چادر ہٹا دے۔“

اسی طرح اس ہوٹل میں مزید ایک ہفتہ گزر گیا۔ اس دوران میں سرور اور رین بو آپس میں کئی مرتبہ مل چکے تھے۔ ایک روز وہ ہمارے کمرہ میں بھی آ گئی تھی اور سرور تو اس کے کمرے کے کئی چکر لگا چکا تھا۔ ان ملاقاتوں کے باعث سرور کے رنج و غم میں کمی آ چکی تھی۔ لیکن ابھی تک اس لڑکی نے اس کو اپنی نسبت کچھ بھی نہ بتلایا تھا۔

ایک روز شام کے پانچ بجے جب ہم دونوں ہوٹل سے باہر جانے کی تیاری میں مصروف تھے مس رین بو نہایت ہی بیش قیمت لباس پہنے اس جگہ آ گئی۔ سرور نے بڑی گرمجوشی کے ساتھ اس کو خوش آمدید اور کرسی پر بیٹھنے کے لئے کہا۔

اس نے کہا۔ ”مسٹر سرور اس وقت میرے پاس بہت کم وقت ہے..... آپ کو یہ سن کر یقیناً الجھن ہو گی کہ اب میں بہت جلد بغداد چھوڑنے والی ہوں.....“

”یہ کیوں.....؟“ سرور نے پوچھا۔

”کچھ وجوہات ہی ایسی ہیں..... ورنہ میں ابھی کافی عرصہ اس ہوٹل میں قیام رکھنے کا ارادہ رکھتی تھی۔ میں جس کام کی غرض سے اس جگہ آئی تھی وہ پورا ہو چکا ہے.....“

”لیکن آپ کو جانے میں اتنی عجلت نہیں کرنی چاہئے۔“

”خیر تم میرے ساتھ تو آؤ..... کار نیچے کھڑی ہے کچھ دیر ہوا کھا کر ہم جلدی واپس آ جائیں گے۔“

اگر اس وقت مس رین بو موجود نہ ہوتی تو میں سرور کو اس کے ساتھ جانے سے ضرور منع کرتا خواہ وہ میری بات کو مانتا یا نہ مانتا لیکن اس خوب صورت لڑکی کی موجودگی نے اس وقت مجھے خاموش رہنے پر مجبور کر دیا تھا۔

وہ دونوں میرے سامنے کمرہ سے نکل کر زینے کی طرف روانہ ہو گئے۔ میں نے کھڑکی میں سے

پاکستان پوائنٹ ڈاٹ کام وقار عظیم

جھانک کر دیکھا۔ گیٹ کے قریب سیاہ رنگ کی خوشنما کار کھڑی تھی۔ سرور اس کے پاس پہنچ گئے۔ رین بو نے پچھلا دروازہ کھول دیا۔ سرور کو میں نے داخل ہونے کے بعد پچھلی سیٹ پر بیٹھتے دیکھا۔ اس کے بعد رین بو خود اگلی سیٹ پر بیٹھ گئی اور خود ہی کار ڈرائیو کرنے لگی۔

میں کھڑکی کے پاس کھڑا تھا اور کار ایک کھلی سڑک پر بڑی تیزی کے ساتھ دوڑ رہی تھی۔ اس وقت میرے دل میں قسم قسم کے خیال پیدا ہو رہے تھے میں قطعی نہ سمجھ سکا کہ اس وقت سرور کو اس جگہ سے لے جانے کا مقصد کیا ہے؟

جب کار دور پہنچ کر نظروں سے اوجھل ہوگئی اس وقت میں وہاں سے ہٹ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔

میز پر ایک کاغذ پڑا تھا جس پر نہ جانے کس خیال میں منہمک ہو کر سرور نے چند بے ربط فقرے لکھ کر کاٹ دیئے تھے۔

سلمیٰ اور رین بو..... یہ دونوں اگر دو لڑکیاں ہیں.....تو.....اور ایک ہی ہستی کے دو نام ہیں تو میں یقیناً.....محبت اگر دو دلوں میں آگ لگا سکتی ہے.....تو وہ اپنے نہ سرد ہونے والے شعلوں سے کائنات کی ہر شے کو جلا کر بھسم بھی کر سکتی ہے محبت کا آغاز محض محبت تھا.....اور محبت کا اختتام بھی محبت ہوگا۔

ان کو گئے ہوئے تقریباً ایک گھنٹہ گزر گیا۔ سورج کے غروب ہونے میں کچھ زیادہ دیر نہ تھی۔ میں بار بار سڑک کی طرف دیکھتا..... جب کوئی کار اس طرف سے آتی نظر آتی تو خوش ہو جاتا لیکن ان کو اس میں نہ دیکھ کر مایوس ہو جاتا۔

کھڑکی کے پاس کھڑے کھڑے اندھیرا ہو گیا.....لیکن ان کی واپسی نہ ہوئی میری پریشانی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

جس کمرہ میں وہ ٹھہری ہوئی تھی میں وہاں گیا کمرہ کا دروازہ اسی طرح بند تھا مگر وہ مقفل نہیں تھا۔ میرا دل دھڑکنے لگا..... بظاہر یہی معلوم ہوتا تھا کہ رین بو اس کمرہ کو چھوڑ چکی ہے۔ اس کے بعد میں اس جگہ سے سیدھا ہوٹل کے منیجر کے پاس پہنچ گیا۔ مجھے دیکھتے ہی منیجر نے کہا کہیے.....

''کیا کمرہ نمبر 13 خالی ہو چکا ہے۔''

''جی ہاں..... کہیے ضرورت ہے..... ایک فرانسیسی لڑکی اس میں ٹھہری ہوئی تھی بڑی نیک اور خوش مزاج تھی۔ وہ یہاں سے جا چکی ہے۔''

''کچھ معلوم ہے کہ کہاں گئی ہے۔''

''جی نہیں.....اور نہ اس سے اس قسم کی بات پوچھنے کا مجھے کچھ حق تھا۔ کہیے آپ اس کے متعلق کرید کرید کر کس لئے پوچھ رہے ہیں.....''

''جی بات یہ ہے.....'' میں نے کہا۔ ''وہ مسٹر سرور کو اپنی کار میں لے گئی ہے۔ ہمیں کسی تقریب میں جانا تھا وہ ابھی تک واپس نہیں لوٹے۔''

''اوہ.....خیر.....آ ہی جائیں گے۔ آپ کو مس رین بو کی طرف سے بے فکر رہنا چاہئے.....وہ ایک بے ضرر لڑکی ہے۔''

اتنا کہنے کے بعد منیجر نے گردن جھکالی اور ایک کاغذ پر کچھ لکھنا شروع کر دیا۔ میں واپس اپنے کمرے میں پہنچ گیا۔ ایک گھنٹے کے مزید انتظار کے بعد میں نیچے سڑک پر آ گیا۔ اس وقت آسمان پر چمکنے والے ستارے بھی میرے لئے دلچسپی سے خالی تھے..... میں گیارہ بجے تک اس کا انتظار کرتا رہا۔

مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں رین بو اسے اپنے ہمراہ تو نہیں لے گئی ایسا نہ ہو کہ وہ جلدی واپس نہ آئے۔ جب میں انتظار کرتے کرتے تھک گیا تو دروازہ بند کر لیا اس کے بعد میں بستر پر پڑا کروٹیں بدلتا رہا۔ محض اس خیال سے کہ کہیں میں سو جاؤں اور سرور کو دروازہ کھلوانے میں تکلیف نہ ہو..... انتظار ہی انتظار میں پوری رات گزر گئی۔

دوسرے روز صبح آٹھ بجے میں نے سرور کو زینہ طے کرتے دیکھا۔ اس کا خوب صورت چہرہ گرد میں اٹا ہوا تھا۔ چال سے تھکان اور چہرہ سے افسردگی ظاہر ہو رہی تھی۔

''آ گئے سرور..... شکر ہے ورنہ میں تو سخت پریشان تھا رات بھر جاگتا رہا۔ کہیئے خیریت تو رہی۔''

وہ اس قدر پریشان اور تھکا ہوا تھا کہ میری بات کا جواب تک نہ دے سکا اور سیدھا کمرہ میں پہنچ کر کرسی پر دراز ہو گیا۔

میں نے اسی وقت اس کے لئے چائے وغیرہ طلب کی.....دو گھنٹے کے بعد وہ تازہ دم ہو چکا تھا لیکن چہرہ پر ابھی تک افسردگی کی علامت موجود تھی۔

میں نے قریب بیٹھ کر اپنے ہاتھ سے سرور کے بکھرے ہوئے بالوں کو درست کرنا شروع کر دیا۔

''تم بلا وجہ اور بلا مقصد..... خود کو پریشان کر رہے ہو..... جانے رات بھر کہاں رہے اور کس حال میں رہے..... میں جب بھی تمہیں پریشانی کے عالم میں پاتا ہوں۔ خود پریشان ہو جاتا ہوں.....''

اس نے غم آلود آنکھوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''دادا جب صرف پریشانی ہی مقدر میں لکھی ہو تو میں کیا کروں۔''

''آخر ہوا کیا.....؟ میں پوچھتا ہوں کہ آپ اس چڑیل کے ساتھ کیوں چلے گئے.....'' مغربی لڑکیاں عموماً فتنہ پرور ہوتی ہیں وہ فریب دینا خوب جانتی ہیں۔''

''نہیں دادا۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے..... بلکہ افسوس تو بچھڑ جانے کا ہے.....ورنہ.....'' اس وقت اس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبانے لگے۔''

میرے اصرار پر اس نے اس واقعہ کو میرے سامنے بیان کرنا شروع کر دیا.....

''جس وقت کار اس جگہ سے اسٹارٹ کی گئی۔ میں نہ جانتا تھا کہ ہم نے کہاں تک جانا ہے اور نہ اس کے بعد منزل مقصود کا پتہ چل سکا۔ میں پچھلی سیٹ پر بیٹھا سگریٹ کا دھواں اڑا رہا تھا۔ مس رین بو کار کو بڑی احتیاط کے ساتھ ڈرائیو کر رہی تھی..... اچانک میں نے اس کی دلکش آواز سنی وہ گنگنا رہی تھی۔ آواز میں سوز اور یاس کی کچھ کمی نہ تھی میں نے اس کی طرف دیکھا۔ رین بو کی پشت میری طرف تھی..... وہ کیف بھری آواز میں یوں گنگنا رہی تھی۔

ساغر تڑپتی ہوئی مے کی شکایت
سن لے ساقی تو پھر عین عنایت
چھلکا دے مجھے اتنا کہ گر جاؤں زمین پر
سجدہ کا نشان چاہئے مجھے اپنی جبیں پر
کیا میری خطا ہے؟
یہ کیسی سزا ہے.....
میں تم پر فدا ہوں اور تم مجھ سے خفا ہو۔''

میں اس کے اس گانے کو سن کر حیران رہ گیا..... اب دوبارہ سکوت طاری ہو چکا تھا۔ کار پوری اسپیڈ سے دوڑ رہی تھی..... میں نے اسے متوجہ کرنے کے لئے کہا۔ ''کیا میں آپ کی نسبت کچھ پوچھ سکتا ہوں؟''

اس نے دیکھے بغیر کہا۔ ''پوچھ سکتے ہو.....لیکن معلوم نہیں کر سکتے.....''

''کیا مطلب.....؟''

''صرف یہ کہ میں رخصتی سلام عرض کرنے کی غرض سے آپ کو اپنے ساتھ لے آئی ہوں۔''

''لیکن جا کہاں رہی ہو.....؟ کم از کم یہ تو بتلاؤ کہ تم کس شہر کو پسند کرتی ہو۔''

''قاہرہ مجھے بہت پسند ہے.....لیکن فی الحال میں وہاں نہ جاؤں گی.....'' اس نے جواب دیا۔

میں نے جھک کر دور کرتے ہوئے کہا۔ ''..... کیا ہم دونوں اکٹھے نہیں رہ سکتے؟''

''کہا نہیں جا سکتا.....کوشش کرو.....'' وہ برابر کار ڈرائیو کرتی رہی۔

میں نے خود کو اس کی طرف جھکاتے ہوئے کہا۔ ''لیکن تم تو جا رہی ہو.....کوشش کس طرح کروں۔''

اس نے کہا۔ ''سنو جانے والی اگر کھو بھی جائے تو اسے تلاش کیا جا سکتا ہے..... ہو سکتا ہے کہ جسے تم تلاش کرو گے.....کبھی اس نے بھی تمہیں تلاش کرنے کی کوشش کی ہو۔''

''.....لیکن؟'' میں چلایا۔

اس طرف سے کچھ جواب نہ ملا۔ اندھیرا ہو چکا تھا فضا میں تاریکی اور گہرا سکوت موجود تھا۔ ویران میدان مناظر اس وقت نہایت ہی بھیانک معلوم ہو رہے تھے۔

''لیکن اس لڑکی سے بالکل مشابہ ہیں۔''

جب رین بو کی طرف سے جواب نہ مل سکا تو میں نے اس کی طرف دیکھا۔

''دادا۔ یقین کرو۔ رین بو'' اپنی سیٹ پر نہ تھی۔ کار دوڑ رہی تھی۔ اسٹیئرنگ اس کے خوب صورت ہاتھوں سے محروم تھا۔ میں بڑی عجلت کے ساتھ اچھل کر اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا اور کار پر کنٹرول کرنا چاہا..... رین بو واقعی کار میں موجود نہ تھی اس کے بعد مجھے یوں محسوس ہونے لگا کہ گویا کار آؤٹ آف کنٹرول ہو رہی ہے..... میں نے اس کو سنبھالنے کی پوری پوری کوشش کی لیکن میری تمام کوشش رائیگاں گئی..... اچانک کار جو کہ اب ہلکی ہو گئی تھی ایک بھاری تنے والے درخت سے اس طرح ٹکرائی کہ میں اس ٹکراؤ کے باعث کار سے باہر آ گرا.....

خدا کا شکر ہے کہ میں ریت کے ایک ڈھیر پر جا کر رکا۔ اس طرح زخمی ہونے سے بچ گیا کار درخت سے ٹکراتے ہی چور چور ہو چکی تھی۔ میں نے ٹارچ کی روشنی میں اس کے بکھرے ہوئے حصوں کو دیکھا۔ رین بو کا نشان تک نہ تھا..... البتہ ایک کاغذ کا ٹکڑا ضرور وہاں سے مل گیا جسے میں اٹھا لایا ہوں۔''

اس کے بعد اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر کاغذ کا ایک چوکور ٹکڑا میرے سامنے کر دیا۔ اس پر صرف یہ لکھا تھا۔ ''..... میں سلمٰی ہوں..... رین بو سلمٰی ہے۔''

فقط..... ''آپ کی رین بو۔''

اس نے اپنے دبے ہوئے جوش کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ''میں اسے ضرور تلاش کروں گا اور..... سلمٰی کے بغیر میری زندگی نامکمل ہے۔''

میں نے اس پوری سرگزشت کو سننے کے بعد اس سے کہا۔ ''بیٹا..... تم بذات خود غور کرو کہ وہ کس قسم کی لڑکی ہے۔ چلتی کار میں سے اس کا غائب ہو جانا کیا عجیب اور خطرناک نہیں..... ہو سکتا ہے کہ وہ لڑکی نہ ہو بلکہ کچھ اور ہو۔''

سرور کی دونوں آنکھیں چمکنے لگیں اس نے پوچھا۔ ''کچھ اور..... کیا مطلب؟''

''ہو سکتا ہے وہ بلا ہو.....''

سرور نے کہا۔ ''دادا۔ خدا کے لئے اس مظلوم پر رحم کرو میرا خیال ہے کہ اگر سلمٰی خوب صورت نہ ہو تو تم اس کو بلا تو کیا چڑیل بھی کہہ دیتے۔''

''لیکن سرور جو کچھ تم نے بیان کیا ہے..... میں اسی کی روشنی میں یہ خیال ظاہر کر رہا ہوں۔ آخر وہ چلتی کار سے کس طرح یکا یک غائب ہو گئی اور وہ بھی اس وقت جب کہ کار پوری رفتار پر تھی۔''

سرور نے کہا۔ ''خواہ وہ کچھ ہی کیوں نہ ہو لیکن میں اسے ضرور تلاش کروں گا۔ وہ ملی اور مل کر بچھڑ گئی..... اب پھر ملی..... لیکن دوبارہ بچھڑ گئی۔ میں اپنی اس بچھڑی ہوئی محبوبہ کو ضرور تلاش کروں گا۔ سلمٰی میری زندگی ہے، میرا چین..... اور میرے لئے باعث سکون ہے۔ میں اس کی کیف بھری آنکھوں میں ہمیشہ ڈوبا رہنا چاہتا ہوں۔''

''سرور اپنے لئے کچھ سوچو، اور زندگی کے اصول پر زندہ رہنے کے لئے عمل کرو۔ اسی کا نام زندگی ہے..... اگر اس کی جستجو میں رہے تو ضرور کسی آفت میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ آپ جس لڑکی سے محبت کرتے ہیں میرے جسم کے رونگٹے صرف اسے دیکھتے ہی کھڑے ہو جاتے ہیں۔ کیا وہ اس سے پہلے ہمارے لئے تکلیف دہ ثابت نہیں ہوئی۔ نسرین کی موت ایک بڑا نقصان ہے کہ جس کی کسی طرح بھی تلافی نہیں ہو سکتی۔'' میں سرور کی بڑھتی ہوئی ضد کو دیکھ کر کافی حد تک مایوس ہو گیا.....

چند روز بعد ہم نے بغداد کو چھوڑ دیا اور اس کے بعد سلمٰی کی تلاش کے لئے ایک طویل اور صبر آزما سفر کا آغاز ہوا۔ اس کی تلاش میں مارے مارے پھرتے رہے جہاں بھی پہنچے اس پراسرار لڑکی کے متعلق معلومات کی لیکن کسی کے ذریعے بھی اس کا حال نہ معلوم

ہو سکا چنانچہ اس طرح پورے نو ماہ گزر گئے۔

ایک روز جبکہ ہم ایک چھوٹے شہر میں ٹھہرے ہوئے تھے سرور گھبرا کر اپنی جگہ سے اٹھا۔ اس نے میرے دونوں کندھے تھام کر ان کو ہلاتے ہوئے کہا۔ ''لو دادا۔ اب مشکل آسان ہو جائے گی مجھے سلمٰی کو ڈھونڈ لینے کا طریقہ معلوم ہو گیا ہے۔''

''سرور تم اس خبط کو کبھی بھی اپنے دماغ سے نہ نکال سکو گے.....''

اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''میں تسلیم کرتا ہوں کہ اس ضعیفی میں آپ کو میری ذات سے بہت زیادہ تکلیفیں پہنچی ہیں لیکن میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ اب ہم بہت جلد منزل مقصود پر پہنچ جائیں گے۔ اس جگہ سے ہمیں اس پرانے شہر کے کھنڈروں میں پہنچ کر سلمٰی کا انتظار کرنا ہے جو ہماری بستی کے قریب ہے۔ ہم اب وہاں سے زیادہ دور نہیں ہیں۔''

میں خاموش رہا..... اس نے دوبارہ کہا۔''..... سنا ہے ہر سال وہاں پر ایک کارواں آتا ہے اور ایک لڑکی مندر کے دروازے کے پاس بت کے سامنے رقص کرتی ہے اور وہ لڑکی یقیناً سلمٰی ہو گی..... سلمٰی دادا۔''

''لیکن تمہیں مسٹر اسمتھ کا حشر یاد نہیں..... سرور جان بوجھ کر ہلاکت انگیزی کو دعوت مت دو..... ہو سکتا ہے کہ پھر فیروز اور بستی کے خطرناک لوگوں کا سامنا کرنا پڑے.....''

''ہم وہاں ٹھہریں گے نہیں..... اگر میں میر کارواں سے سلمٰی کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تو پھر اسے لے کر قاہرہ پہنچ جاؤں گا کیونکہ سرزمین مصر کا وہ بارونق شہر سلمٰی کو بہت پسند ہے.....''

وہ دیر تک نہ جانے کیا کچھ کہتا رہا یوں معلوم ہوتا تھا کہ سرور سلمٰی کی محبت میں قطعاً پاگل ہو گیا ہے۔

میں خاموش بیٹھا اس کی باتیں سنتا رہا۔

☆.....☆.....☆

ہم کارواں کی آمد سے تقریباً ہفتہ عشرہ پہلے اس خطے میں پہنچ گئے جہاں عظیم ترین کھنڈرات پھیلے ہوئے تھے۔ ہماری بستی اگرچہ اس تباہ شدہ شہر سے زیادہ فاصلہ پر نہ تھی لیکن ہم نے اس طرف کا رخ نہیں کیا اور ہاں جا کر بھی کیا کرتے۔ قصر احمر جو اپنی خوب صورتی کے لحاظ سے نظیر نہ رکھتا تھا جل کر خاک ہو چکا تھا۔ اگر ہم وہاں جاتے اور اس عمارت کی جگہ خاک کا ڈھیر دیکھتے تو اور صدمہ ہی ہوتا۔ ہم تین میل جنوب کی طرف ایک چھوٹے سے قصبے میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ سرور کو اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ کارواں جس میں ناچنے والی لڑکی تھی چاند کی چودھویں شب کو اس جگہ ہر سال پہنچ جاتا تھا۔

چنانچہ سرور رات کے وقت کھلے ہوئے میدان میں کھڑا ہو جاتا اور دیر تک چاند کو دیکھا کرتا اور جب میں اس کے پاس پہنچ جاتا تو وہ یہی کہتا۔ ''دادا جس رات یہ چاند پورا ہو گیا۔ اسی رات سلمٰی اس تباہ شدہ شہر میں پہنچ جائے گی۔''

میں اس کو سمجھاتا اور یہ کہتا کہ ہر ایک لڑکی کو سلمٰی تصور کر لینا بہت بڑی غلطی ہے۔ ہم گن گن کر دن گزار رہے تھے اور چاند بڑھتا جا رہا تھا۔ ابھی اس کے پورے ہونے میں ایک دن باقی تھا کہ سرور مجھے لے کر ان کھنڈروں میں پہنچ گیا۔ اس دوران میں محکمہ آثار قدیمہ کے چند افسران سے ملاقات کر کے میں نے تباہ شدہ علاقے کے متعلق مزید تحقیق کر لی تھی۔ ان کے ذریعہ پتہ چلا کہ آج سے تقریباً ساڑھے پانچ ہزار برس پہلے یہاں ایک خوب صورت شہر آباد تھا۔ جو شاہان اشوریہ کا دارالسلطنت تھا۔ اس جگہ کئی خاندانوں نے یکے بعد دیگرے حکومت کی تھی۔ عہد قدیم کے بادشاہوں میں سے کسی جلیل القدر بادشاہ نے ایک مندر تعمیر کرایا تھا جس میں پجاری رہتے تھے اور کسی دیوی کی پوجا ہوتی تھی اس مندر کے نیچے ایک تہہ خانہ بنایا گیا تھا جو کافی طویل اور عریض تھا۔ اس تہہ خانے کو ان دنوں عقوبت خانے کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا جب کسی خاص شخص کو اذیت دے کر مارنا مقصود ہوتا تو اس کو اس کے اندر پہنچا دیا جاتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس ملک پر ایک خوب صورت ملکہ نے بھی حکومت کی تھی جو بہت بہادر اور محبت کی دیوی تھی

جس کا نام سمی رامیس تھا۔ اس نے اپنی فتوحات کی بدولت عظیم شہرت حاصل کرلی تھی۔ اہل ایشوریہ اس کو دیوی سمجھنے لگے تھے۔ اس نے ہند پر حملہ کیا مگر ہاتھیوں کی فوج کے باعث اس کو شکست ہوگئی۔ واپسی پر اس کو اس ملک کے ایک بڑے پجاری نے کسی نامعلوم عداوت کی بنا پر اس تہہ خانے میں پہنچادیا۔ ملکہ داخل ہونے کے بعد کبھی بھی اس عقوبت خانے سے باہر نہ آسکی۔ گویا کہ اسے اسی جگہ ہلاک کردیا گیا اس کی روح فاختہ بن کر اس زمین دوز تہہ خانے سے باہر نکلی اور اڑ گئی۔

اس واقعہ کے بعد اس جگہ ایک عرصہ ملکہ سمی رامیس کی پوجا ہوتی رہی۔ ہر سال عورتوں کا میلہ لگا کرتا تھا۔ مدتوں کے بعد یہی مندر زہرہ دیوی یعنی دیوی آشتر کا مندر کہلایا۔ جہاں عام طور پر کنواری لڑکیاں اپنے لئے شوہر حاصل کرنے کی غرض سے بیٹھی رہتی تھیں۔ اس عہد کی رسم کے مطابق جب کوئی شخص ان سے کسی کنواری لڑکی کو ایک رات کے لئے اپنے گھر لے جاتا اور صبح رخصت کے وقت اس کو کچھ عنایت کردیتا۔ تب اس کنواری لڑکی کو شادی کا حق مل جاتا تھا۔ یہ گھناؤنی اور ناپاک رسم ایک عرصہ تک بابل اور آشوریہ میں رائج رہی۔

جو بت مندر کے دروازے پر کھڑا تھا۔ اس کی نسبت صرف اس قدر علم ہوسکتا کہ وہ کسی دیوتا کا مجسمہ نہیں بلکہ وہ کسی بہادر آشوری جرنیل کا بت ہے جسے اس مندر کے پجاریوں نے عقوبت خانے میں پہنچا کر سخت سزا دی تھی۔ مندر کے دروازے پر جرنیل کا بت بنوا کر اس لئے رکھ دیا گیا کہ لوگ اسے دیکھ کر درس عبرت حاصل کریں۔ محکمہ آثار قدیمہ میں چند ایسے لوگ بھی موجود تھے جو یہ جانتے تھے کہ ایک کارواں ہر سال اس جگہ آتا ہے اور اس کی ایک لڑکی اس آشوری جرنیل کے سامنے رقص کرتی ہے۔

میں نے جو کچھ معلوم کیا تھا وہ سرور کو بتلادیا۔ جب اس نے پہلی مرتبہ اس معلومات کو سنا تو وہ کچھ کھوسا گیا اور اس کے سنجیدہ چہرہ سے ایسا معلوم ہوا کہ گویا وہ کچھ یاد کرنے کی فکر میں ہے اس نے بتلایا کہ اس کو کچھ یاد آتا ہے لیکن جو یاد آتا ہے وہ فوراً ہی اس کے دماغ سے نکل جاتا ہے۔ اس روز بھی ہم اسی مندر کے دروازے کے پاس ٹھہر گئے اور جو مجسمہ وہاں موجود تھا اسے بغور دیکھنے لگے واقعی وہ کسی جرنیل کا بت تھا کیونکہ وہ ہتھیار بھی لگائے ہوئے تھا۔ سرور نے اس کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ”دادا کبھی وہ شخص بھی اس دنیا میں زندہ ہوگا جس کا یہ مجسمہ خاموش کھڑا ہے کون جانتا ہے کہ وہ کس قدر بہادر ہوگا؟“

”ہاں بیٹا۔ ہزاروں سال پہلے کی بات ہے.....“

اس کے تاریخی واقعات گہری تاریکی میں چھپے ہوئے ہیں اور آج دنیا کا کوئی شخص بھی اس بت کے کارناموں پر روشنی نہیں ڈال سکتا۔ جو مخطوطے اس تہہ خانے سے برآمد ہوئے ہیں ان کو اگرچہ آج پڑھ لیا گیا ہے لیکن ان میں سے کسی پر بھی اس جرنیل کا ذکر موجود نہیں ہے۔ تاریخی حیثیت سے اس کی کچھ بھی قدر و قیمت نہیں ہے۔“

سرور نے کہا۔ ”دادا مجھے یقین ہے کہ جو لڑکی ہر سال اس کے سامنے رقص کرنے آتی ہے۔ اسے ضرور اس کا علم ہوگا ورنہ اس کے آنے کی ضرورت بھی کیا تھی۔“

میں نے اس کو دوسری طرف لاتے ہوئے کہا۔

”سرور تمہاری باتیں عجیب ہوتی ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس لڑکی کو کن ذریعے سے اس کا علم ہوا ہوگا۔ آج تم یہ کہہ رہے ہو کہ اسے اس بت کے متعلق پورا علم ہوگا۔ کل شاید یہ بھی کہنے لگو کہ اس سے قبل از تاریخ کے دور میں اس جرنیل اور اس ناچنے والی لڑکی کے آپس میں تعلق بھی تھے.....“ اس کی دونوں آنکھیں تیزی سے مجسمہ کی طرف گئیں اس نے اس کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”لیکن ایسا ہونا کوئی عجیب بات نہیں اور نہ میں اسے حیرت انگیز سمجھتا ہوں۔ لڑکی بلاوجہ اس بت کے سامنے رقص نہیں کرسکتی.....“

ہم دونوں دیر تک گفتگو کرتے رہے، یکایک میری توقع کے خلاف سرور نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”دادا۔ اس چاند کو دیکھو۔ خدا نے چاہا تو کل

تک یہ بدر کامل بن جائے گا۔“

”بے شک کل رات اس کی روشنی بھی اپنے پورے عروج پر ہوگی اور اس کے بعد چاند گھٹنا شروع ہوجائے گا لیکن میں یہ سوچ رہا ہوں کہ اگر وہ کل تک اس جگہ نہ آئے تب کیا ہوگا۔“

”کیوں نہیں آئیں گے..... جبکہ وہ ہر سال اس طرف آتے ہیں تو اس مرتبہ بھی ان کو لازمی طور پر آنا چاہئے اگرچہ مجھے بھی سرور کی طرح یقین تھا کہ کارواں معمول کے مطابق کل رات تک ضرور آجائے گا۔ اب تک مجھے یہی معلوم ہوا تھا کہ کسی سال بھی ایسا نہیں ہوا کہ وہ نہ آتے۔

اس رات میں نے کسی کو ان کھنڈروں میں سے گزرتے دیکھا۔ چونکہ وہ زیادہ فاصلے پر تھا اس لئے پتہ نہیں چل سکا کہ وہ کون تھا لیکن اتنا مجھے ضرور معلوم ہوگیا کہ اس نے متعدد مرتبہ گردن موڑ موڑ کر ہماری طرف دیکھا ضرور..... وہ بہت آہستہ آہستہ گزرتا ہوا دور نکل گیا۔ چاندنی رات میں میری نظریں دور تک اس جانے والے کا تعاقب کرتی رہیں۔ میں نے سرور کو دکھانا ضروری نہ سمجھا.....

وقت گزرتا گیا اور انتظار کی گھڑیاں ختم ہوتی گئیں۔ یہاں تک کہ دوسرا دن بھی ختم ہوگیا اور جس رات کے ہم منتظر تھے وہ آگئی۔

چودھویں شب کا چاند کامل اپنی نورانی کرنیں زمین کی طرف پھینک رہا تھا۔ ہر طرف نور ہی نور پھیلا ہوا تھا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا کہ قدرت اس رات بڑی فراخ دلی سے کرہ ارض کے ہر ذرے کو نواز رہی ہے۔ ابھی رات کا صرف ایک چوتھائی حصہ گزرا تھا کہ ایک کارواں اس جگہ آگیا۔ انہوں نے جلدی جلدی اپنے خیمے لگادیئے۔ ہم دونوں ایک طرف خاموش کھڑے تھے۔ سرور نے میرے کندھے کو ہلاتے ہوئے کہا۔

”کیوں دادا.....“

”بیشک آپ نے ٹھیک کہا تھا..... یہ وہی کارواں ہے.....“

”وہ لڑکی بھی ان ہی میں ہوگی..... ہوسکا تو ناچ کے بعد میں میر کارواں سے مل کر اس سے سلمیٰ کو حاصل کرنے کی کوشش کروں گا۔ کاش وہ سلمیٰ ہی ہو۔“

اس وقت میرے دل پر ہیبت طاری ہوتی جارہی تھی۔ میں اس خوب صورت لڑکی کی نحوست سے ڈرتا اور لرزتا تھا۔ ضرورت تو اس بات کی تھی کہ سرور اس نحوست پسند لڑکی کے سایہ سے بھی نفرت کرتا لیکن وہ بری طرح گرویدہ ہوچکا تھا۔ اگر اس رات میں خود اسے روکنے کی کوشش نہ کرتا تو وہ ناچ سے پہلے ہی وہاں پہنچ کر سلمیٰ کی تلاش شروع کردیا۔ میں نے اسے سمجھایا کہ جب اس کارواں کی لڑکی رقص کرے گی تو چمکتی ہوئی چاندنی میں وہ ہمارے سامنے ہوگی اور ہم اس کو زیادہ قریب سے دیکھ کر آسانی سے شناخت کرلیں گے..... ہر طرف چاندنی نے احاطہ کیا تھا۔ آسمان پر چمکنے والے ستارے اس کا رقص دیکھنے کے اس قدر مشتاق تھے کہ وہ اسی طرف دیکھ رہے تھے۔

یہ لوگ تھوڑی دیر تک آرام کرتے رہے۔ ان کے بولنے کی آوازیں ہم سن رہے تھے۔ ٹھیک آدھی رات کے وقت آسمان سے ایک ٹوٹا ہوا ستارہ دکھائی دیا جو آتشی لکیر کی طرح مشرق سے بڑی تیزی کے ساتھ مغرب کی طرف گزرتا دکھائی دیا۔ خانہ بدوش اسی وقت اٹھ کر کھڑے ہوئے اور وہ اس بت کے سامنے نصف دائرے کی صورت میں کھڑے ہوگئے۔ ”آؤ دادا۔ ہم بھی چلیں۔“

میں نے اسے روکنا چاہا لیکن اس نے میرے بازو کو پکڑ کر اپنی پوری قوت سے اس طرف کھینچنا شروع کردیا۔ یہ لوگ ناچ دیکھنے سے ہم کو نہیں روک سکتے۔ اس وقت سرور پر جنون کی سی کیفیت طاری ہوچکی تھی چنانچہ میں خاموشی کے ساتھ ان لوگوں کے پاس پہنچ گیا۔ خانہ بدوشوں میں عورتیں اور لڑکیاں بھی شامل تھیں انہوں نے ہمیں دیکھ کر کسی قسم کا اعتراض نہیں کیا بلکہ سالار کارواں نے خوش آمدید کہا اور ہم دونوں کو اپنے پاس کھڑا ہونے کی دعوت دے دی۔ سرور نے سردار

سے گفتگو کا سلسلہ شروع کردیا۔ سردار بوڑھا ہونے کے باعث کافی مضبوط تھا اس نے سرور کو بتلایا کہ وہ زندگی کا مقصد سمجھتے ہیں اور یہ سفر اس وقت تک جاری رہنا چاہئے جب تک کہ منزل مقصود نظر نہ آئے۔

سرور نے کہا۔ ''سردار آخر منزل مقصود کون سی ہے.....''

اس نے سنجیدگی سے کہا۔ ''ملک عدم! ہم سب نے ایک نہ ایک دن مرنا ہے۔ منزل ایک ہے مقام بھی ایک ہے اور مقصد بھی ایک..... چنانچہ اسی لئے ہم نے کارواں کی صورت اختیار کرکے اس مقدم سفر کو جاری رکھنا ہے۔ ہم سب نے ایک نہ ایک دن ملک عدم تک پہنچ جانا ہے۔ فنا آخر فنا..... بقا صرف خدا کے لئے ہے۔''

''میں نے سرور کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا۔ ''آپ ہر سال اس موسم میں اس جگہ آجاتے ہیں۔''

''جی ہاں..... یہ صرف ایک لڑکی کی خواہش ہے وہ جب سے ہمارے کارواں میں شریک ہوکر ہمارے ساتھ سفر کررہی ہے ہم اس کی خوشنودی کی خاطر ہر سال اس جگہ پہنچ جاتے ہیں۔ اس نے اپنی شرکت کے وقت مجھ سے اس بات کا وعدہ لے لیا تھا چنانچہ نہ صرف میں بلکہ پورا گاؤں آج تک اپنے اس عہد پر قائم ہے۔

سرور نے پوچھا۔ ''وہ لڑکی کون ہے؟''

سردار نے کہا۔ ''وہ خواہ کوئی بھی کیوں نہ ہو لیکن یہ ماننا ہی پڑے گا کہ اس نے ناچ میں اتنا کمال حاصل کرلیا ہے کہ اس سے پتھر کا یہ بت بھی متاثر ہوکر رونے لگتا ہے۔ آج آپ خود اپنی آنکھ سے اس ناقابل یقین حقیقت کو دیکھ لیں گے.....'' اس وقت میں اپنے دل ہی دل میں دعا مانگ رہا تھا کہ ناچنے والی لڑکی سلمیٰ نہ ہو..... کیونکہ میں اسے نحوست کی ماں سمجھے ہوئے تھا۔

اچانک لڑکیاں دف لے کر اس بت کے سامنے پہنچ گئیں۔ ایک خوب صورت لڑکی نے دائیں طرف کھڑے ہوکر نے کو اپنے منہ سے لگایا اور بجانا شروع کردیا۔ اس وقت یوں معلوم ہوا کہ خانہ بدوش لڑکی نے نوازی میں اپنا جواب نہیں رکھتی۔ آسمان سے چاند چاندنی نچھاور کررہا تھا۔ پھولوں کی خوشبو اپنے دامن میں لئے بادنسیم گزر رہی تھی۔ ستاروں کی آنکھیں زمین پر لگی ہوئی تھیں۔ نے کی دلکش آواز نے رات کا گہرا سکوت توڑ دیا۔ خاموشی کا طلسم پاش پاش ہوگیا۔ اس کے بعد دوسری چار لڑکیوں نے اپنے دف ہلائے اور ان کو بجانا شروع کردیا..... نے اور دف کی روح پرور آواز نے فضا میں کیف کی مستی پیدا کردی۔

اس وقت میرے دل کی دھڑکن زوروں پر تھی۔ دماغ میں ہیجان سا برپا ہوگیا۔ لیکن سرور پوری محویت کے عالم میں خاموش کھڑا تھا۔ کچھ دیر تک یہ ساز بجتے رہے۔ اس کے بعد ایک خنجر بکف نازنین اچھل کر ان چاروں لڑکیوں کے درمیان آکھڑی ہوئی۔ اس کے سر پر سبز رنگ کا رومال بندھا ہوا تھا اور سنہری تتلیاں اس کی خوب صورت پیشانی پر جھلملا رہی تھیں۔ جونہی میں نے اسے دیکھا۔ میرا دم سا نکل گیا کیونکہ وہ منحوس سلمیٰ ہمارے سامنے موجود تھی۔ جس کے لئے نسرین کی زندگی سے ہاتھ دھونے پڑے۔ میں نے سرور کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ خوشی سے سرخ ہوگیا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر تبسم رقص کررہا تھا۔

خطرہ پورے شباب کے عالم میں ہمارے سامنے آگیا۔ سرور نے کہا۔ ''دادا دیکھو..... اور بغور دیکھو.....'' شاید اس کی آواز اس پراسرار لڑکی نے بھی سن لی تھی کیونکہ یکا یک آنکھیں پھرا کر اس نے اس کی طرف دیکھا اور پھر وہ ٹکٹکی باندھے اسے دیکھتی رہی۔ اس وقت میرے دل پر غم کے آرے چل رہے تھے۔ جس منحوس لڑکی سے خدا خدا کرکے دامن چھڑایا تھا وہ پھر قریب آچکی تھی۔

اس نے ناچنا شروع کردیا۔ پہلے وہ بت کے سامنے ناچتی رہی اس کے بعد وہ سرور کے سامنے ناچنے لگی۔ اس تبدیلی کو دیکھ کر خود سردار بھی حیران ہوا اس رات جو اس نے رقص پیش کیا اسے شاید آسمان پر رہنے والے فرشتے بھی جھانک جھانک کر دیکھ رہے ہوں گے۔ وہ کبھی بت کے سامنے ناچتی اور کبھی سرور کے آگے۔

سردار نے میرے کان میں کہا۔ ''میں اس لڑکی میں پہلی مرتبہ اس قسم کی تبدیلی پارہا ہوں۔ ورنہ یہ تو کسی کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنا بھی پسند نہیں کرتی۔'' اس لڑکی کے دونوں پاؤں بڑی تیزی سے زمین پر تھرک رہے تھے۔ ناچتے ناچتے اس پر وجدانی کیفیت طاری ہوگئی اور وہ بازو بلند کرکے پورے جوش و خروش سے ناچنے لگی۔ اس کے اٹھے ہوئے ہاتھ میں خنجر کا روپہلی پھل چمک رہا تھا۔ نے کی آواز تیز ہوگئی تھی، دف بھی تیز ہوگئے تھے۔ اس وقت اس ہوش ربا ناچ نے سب کو مردہ کی طرح خاموش کردیا تھا اور وہ ناچتے ناچتے سرور کے سینے سے ٹکرائی اور اس کے بعد اس کا چمکدار خنجر کا کچھ حصہ سینے میں داخل ہوچکا تھا۔

چیخ کی آواز کے ساتھ خون کی دھار نکلی۔ بت کی آنکھوں سے آنسو گرے اور ناچنے والی خطرناک لڑکی لڑکھڑانے والے انداز میں سرور کے قدموں پر گرکر بے ہوش ہوگئی۔ میں نے اور سردار نے سرور کو سنبھالا۔ اسے اٹھا کر ایک خیمہ میں پہنچادیا۔

سردار نے مشعل روشن کی اور زخم کو دیکھا۔ وہ کافی گہرا تھا۔ ابھی تک خون بہہ رہا تھا۔ اس واقعہ سے سنسنی سی پیدا ہوگئی۔ خونی ناچ کے باعث میرا دماغی توازن بگڑ گیا۔ میرے سامنے میرا آقا زادہ خون میں نہایا ہوا پڑا تھا اس کی دونوں آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ سردار اس کے زخم سے نکلنے والے خون کو بند کرنے کی کوشش کررہا تھا۔

میں نے چلا کر کہا۔ ''تم لوگ اب جا نہیں سکتے..... میں تم سب کو گرفتار کرلوں گا۔ تمہاری اس لڑکی نے اپنے خونی ناچ کے ذریعے ایک قیمتی جان لے لی ہے۔''

سردار نے جو اتنا سنا تو وہ کانپ گیا۔ اس نے کہا۔ ''جناب اس میں ہم لوگ بے خطا ہیں۔ قصوروار لڑکی ہے صرف لڑکی.....''

''میں کچھ نہیں جانتا..... میں اس وقت غصے میں پاگل ہوا جارہا تھا۔ سرور کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔

فرمان خدا

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو جب تک کہ گھر والوں کی اجازت نہ لے لو اور گھر والوں پر سلام نہ بھیج لو۔ یہ طریقہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ توقع ہے کہ تم اس کا خیال رکھو گے۔''

خیر و برکت کے کمالات

کوئی کام شروع کرو تو کہو..... بسم اللہ

چھینک آئے تو کہو..... الحمدللہ

خدا کے نام پر دو تو کہو..... فی سبیل اللہ

کچھ کرنے کا ارادہ ہو تو کہو..... انشاءاللہ

کوئی اچھی خبر سنو تو کہو..... سبحان اللہ

کسی کو تکلیف ہو تو کہو..... یا اللہ

کسی کی تعریف کرو تو کہو..... ماشاءاللہ

سو کر اٹھو تو کہو..... لا الہ الا اللہ

کسی کو رخصت کرو تو کہو..... فی امان اللہ

شکریہ ادا کرنا ہو تو کہو..... جزاک اللہ

جب خوشگواری ہو تو کہو..... تبارک اللہ

جب ناگواری ہو تو کہو..... نعوذ باللہ

غلط کام پر افسوس کرنا ہو تو کہو..... استغفراللہ

موت کی خبر سنو تو کہو..... انا للہ وانا الیہ راجعون

(انتخاب: حافظ عابد علی۔ کراچی)

سردار ہاتھ جوڑ کر منت کرنے لگا۔ اس وقت سرور کے دونوں ساکت ہونٹوں پر جنبش پیدا ہوئی۔ یوں معلوم ہوا کہ گویا وہ بولنے کی کوشش کررہا ہے۔ کچھ دیر بعد ہم نے اس کی کمزور آواز کو سن لیا۔

''اگر سردار اس ناچنے والی لڑکی کو مجھے بخش دو تو میں اس قصور کو معاف کردوں گا۔''

''لیکن تم شاید زخمی ہو سرور۔ لڑکی کا مطالبہ فضول ہے۔''

''شاید میں زندہ رہ سکوں.....''

اس کی نظریں اس وقت میر کارواں کے چہرہ پر لگی ہوئی تھیں۔ اس کی گہری خاموشی رقاصہ کا مطالبہ کررہی تھی۔ سردار اور اس کے ساتھی اس واقعہ کو دیکھ کر بوکھلا اٹھے تھے اور یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ زخمی نوجوان جانبر نہ ہوسکے گا کیونکہ جو زخم لگاوہ کافی گہرا تھا۔

''میرا مطالبہ سردار.....''

''مجھے منظور ہے..... میں سب کو گواہ کرتا ہوں اور اس لڑکی کو تم کو بخشتا ہوں۔''

''میں نے تمہیں معاف کردیا سردار..... اور اس کو بھی معاف کردیا.....''

اس وقت سردار کے خشک ہونٹوں پر مسکراہٹ نظر آرہی تھی۔ سرور سب کے سامنے اس سرکش لڑکی کو معاف کرچکا تھا۔

اس کے بعد سرور کے زخم کو دھو کر مرہم پٹی چڑھادی گئی۔ ابھی تھوڑی سی دیر ہوئی تھی کہ وہی لڑکی پاگلوں کی طرح بھاگتی ہوئی اس جگہ آ گئی۔ ''کہاں ہے میرا زخمی'' اس نے اس کی طرف دیکھا اور دبے لفظوں میں حال پوچھا۔

''آگ لگی ہوئی دل میں..... خلش ہے زخم جگر میں۔''

سردار کے ذریعے یہ معلوم ہوچکا تھا کہ اس لڑکی کا نام سلمٰی ہے۔ اس نے ہمارے روکنے اور منع کرنے کے باوجود سرور کے زخم سے پٹی اتار دی اور اس کے بعد اس نے اپنے ریشمی بالوں کی ایک لٹ اس کے زخم پر رکھ دی.....

''کہیے.....'' وہ اس کی طرف دیکھ رہی تھی.....

''جلن کم ہوچکی ہے..... درد بھی اتنا معلوم نہیں ہوتا۔'' سرور نے آہستہ آہستہ کہا۔ سلمٰی نے اپنے کالے بالوں کی دوسری لٹ زخم پر لگادی۔

اس وقت میرے دل میں غم کا طوفان برپا تھا۔ میں اسے بالکل خاموش کھڑا اس کے چہرہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ میں نے سرور کو بے لفظوں میں یہ کہتے سنا۔

''میں بچ جاؤں گا دادا..... میری سلمٰی کے مہکتے بال مرہم جان بخشی کا کام کررہے ہیں۔ شاید میں بچ جاؤں.....'' اس کے بعد سرور پر غنودگی سی طاری ہوگئی۔

''تم سب باہر چلے جاؤ.....''

چنانچہ سلمٰی کے کہنے کے مطابق اس خیمے کو خالی کردیا گیا۔ مجبوراً مجھے بھی باہر آنا پڑا۔ مجھے ابھی تک سلمٰی کی طرف سے خطرہ تھا چنانچہ میں نگرانی کی غرض سے اس خیمے کی پشت کی طرف پہنچ گیا اور پھر چھوٹا سا سوراخ تلاش کرکے اس میں سے دیکھنے لگا۔ اندر مشعل روشن تھی۔ میں نے سوراخ کے ساتھ ایک آنکھ لگادی۔ سلمٰی سرور کی طرف جھکی ہوئی تھی۔

اچانک اس نے اس کے زخم پر اپنے خوب صورت ہونٹوں کو جمادیا۔ یوں معلوم ہورہا تھا کہ گویا وہ سرور کے زخم کو چوم رہی ہے۔ سرور بھی بے ہوشی کے عالم میں پڑا تھا..... سلمٰی نے مدھم سی آواز میں کہا۔ ''تم بچ جاؤ گے میرے محبوب..... تم یقیناً بچ جاؤ گے۔ میں تمہیں مرنے نہ دوں گی۔ میں قصوروار ہوں سرور..... خطا کار ہوں میں تمہیں دیکھ کر رقص کے دوران میں پاگل ہوچکی تھی۔'' اس نے اپنا رخسار سرور کے گال پر رکھ دیا۔ سلمٰی کی دونوں آنکھیں بند ہوچکی تھیں۔ میں نے سنا وہ کہہ رہی تھی۔ ''میرا محبوب مجھے یقیناً معاف کرے گا۔''

دوسرے روز ہم کو اندر جانے کی اجازت مل گئی۔ سرور ہوش میں آچکا تھا اس کے چہرہ پر کمزوری کی علامت موجود تھی۔ سلمٰی نے اس کا زخم کھول کر مجھے دکھاتے ہوئے کہا۔ ''یہ یقیناً تندرست ہوجائیں گے۔''

میں اس زخم کو دیکھ کر حیران ہوگیا حالانکہ وہ کافی گہرا زخم تھا اور خون بھی بڑی مقدار میں نکل چکا تھا لیکن صرف اتنی ہی دیر کے علاج کے بعد یہ ثابت ہوگیا کہ اس کا زخم بھر رہا ہے۔

تین روز کے قیام کے بعد مسافران عدم کا انوکھا کارواں اس تباہ شدہ شہر سے کوچ کرچکا تھا۔ سرور کے سینے کا زخم قریب قریب بھر چکا تھا اور اس کے بچ جانے کی قطعی توقع ہوگئی تھی سرور چلنے پھرنے کے قابل ہوگا تھا میں ان دونوں کو لے کر اس جگہ سے اسی چھوٹے قصبے میں پہنچ گیا۔ سلمٰی خوش تھی اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ سرور کی پوجا تک کرنے کے لئے تیار ہے۔ اس جگہ پہنچ کر سرور نے مجھے اپنا پروگرام بتلادیا تھا قاہرہ میں اس کا دوست تھا وہ اس جگہ سے کوچ کرنے کے بعد مصر میں بود و باش اختیار کرنے کا فیصلہ کرچکا تھا اگر وہ جسمانی لحاظ سے کمزور نہ ہوگیا ہوتا تو ہم جلدی کوچ کرجاتے۔

☆.....☆.....☆

ہم کو اس قصبے میں آئے ابھی چھ روز ہوئے تھے کہ ہماری بستی کے ایک شخص سے ہماری ملاقات ہوگئی۔ اتفاق سے جہاں ہم ٹھہرے ہوئے تھے۔ وہ بھی وہاں ہی پہنچ گیا اس نے سرور اور سلمٰی کو دیکھ کر حیرت کا اظہار کیا۔ اس نے کہا۔ ''سرور ہم نے تو سنا تھا کہ تم اپنی عمارت جلادینے کے بعد کسی دوسرے براعظم میں چلے گئے ہو اور سلمٰی سے بھی کنارہ کشی اختیار کرلی ہے۔ لیکن تم دونوں کو اس قصبہ میں دیکھ کر مجھے بڑی حیرت ہوئی۔''

سرور نے کہا۔ ''جو کچھ تم نے سنا تھا وہ ٹھیک تھا اور جو کچھ آج دیکھ رہے ہو یہ بھی ٹھیک ہے لیکن یقین رکھو کہ سرور اپنی خودداری میں فرق نہ آنے دے گا اس نے جس بستی کو چھوڑ دیا ہے وہ دوبارہ اپنے منحوس قدم لے کر وہاں نہ جائے گا باقی رہا یہ قصبہ اس جگہ تو میں صرف دو چار دن اور ہوں۔'' اور گفتگو کا سلسلہ ختم ہوگیا۔

سرور اور سلمٰی کی اس قصبے میں موجودگی کے انکشاف سے مجھے بہت دکھ ہوا کیونکہ اس طرح اب ان دونوں کے متعلق ہماری بستی کے لوگوں کو علم ضرور ہوجائے گا۔ وہاں فیروز اور چند ایسے دوسرے لوگ ابھی تک موجود ہیں جو سخت دشمن ہیں میرے خیال کے مطابق سرور نے یہ ظاہر کرکے کہ اس نے قاہرہ میں، قیام کرنا ہے سخت غلطی کی ہے اس طرح اس نے ایک نفرت بھرے خطرہ کو وہاں تک پہنچنے کی خود ہی دعوت دے دی ہے۔

ہماری بستی سے آنے والا شخص ایک روز قیام کے بعد واپس لوٹ گیا اس کے چلے جانے کے بعد میں نے سرور کو یہاں سے کوچ کرنے کا مشورہ دیا جسے اس نے فوراً ہی منظور کرلیا اسی روز ہم اس جگہ سے روانہ ہوگئے ایک اہم بات، جسے مجھ کو پہلے ہی بیان کردینا چاہئے تھا ابھی تک باقی تھی۔

چنانچہ میں اسے بھی ظاہر کردینا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ آپ کو یہ علم ہوسکے کہ سلمٰی اور میر کارواں کی ملاقات کب اور کن حالات میں ہوئی۔ میں نے خود اس بات کو میر کارواں سے معلوم کیا تھا اس کے رخصت ہونے سے قبل میں اسے ایک طرف لے گیا وہاں ہم دونوں کے سوا کوئی اور نہ تھا میں نے سرور سے کہا۔ ''سردار اس لڑکی کے متعلق جو کچھ معلوم ہو وہ بیان کردو مجھے تو یہ بہت ہی پراسرار معلوم ہوتی ہے۔''

سردار نے کہا۔ ''چونکہ ہمارا اس لڑکی سے رشتہ سفر اب منقطع ہوچکا ہے لہٰذا اس کے متعلق جو کچھ میں جانتا ہوں بیان کرسکتا ہوں اور آپ کو بتلاسکتا ہوں۔''

میں نے کہا۔ ''سردار اب چونکہ اس لڑکی کا تعلق ہم لوگوں سے ہوچکا ہے اسی لئے میں اس کے متعلق معلومات کی ضرورت محسوس کررہا ہوں۔''

اس نے کہا۔ ''دوست آج سے تقریباً تیرہ سال پہلے ہماری اس سے عجیب حالات میں ملاقات ہوئی اور میں نے جس وقت اس کو پہلی مرتبہ دیکھا تو میں سوچ بھی نہ سکا کہ یہ زندہ لڑکی ہوگی۔ ہماری ملاقات نہایت ہی عجیب بے حد پراسرار اور نہایت ہی ہوشربا ماحول میں ہوئی بہت کچھ باتیں ہم لوگوں نے اس کو زبان کو نہ صرف یاد کیا بلکہ ان کو لکھنا اور پڑھنا بھی سیکھ لیا میں یقین

دلاتا ہوں کہ سلمٰی جیسی ذہین اور سمجھ دار لڑکی آج تک میری نظروں سے نہیں گزری راست گو نیک خوش مزاج اور وہ اچھے خصائل کی مالک ہے اسے ہمارے ساتھ سفر کرنے میں اگرچہ تکلیفیں بھی اٹھانی پڑیں لیکن وہ شکوہ تک لب پہ نہ لاتی ہم نے آج تک اس کے متعلق نہ کوئی بری خبر سنی اور نہ کبھی بری حالت میں دیکھا وہ تنہائی پسند واقع ہوئی ہے اگرچہ ہمارے کارواں کی لڑکی اس کو گھیرے رہا کرتی تھیں۔ لیکن اس میں بہت کم بولنے کی عادت تھی وہ اتنی مدت ہمارے ساتھ رہنے کے باوجود بے تکلف نہیں ہوئی۔"

اس نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد دوبارہ کہنا شروع کیا ہم لوگ خانہ بدوش مسافر ہیں اور برابر ایک جگہ سے دوسری جگہ کوچ کرتے رہتے ہیں چنانچہ آج سے تیرہ برس پہلے بھی ہمارا یہی مشغلہ تھا اور ملک عدم کا سفر جاری تھا ہمارا چھوٹا سا قافلہ ایک پہاڑی کے دامن میں ٹھہرا ہوا تھا۔ ہوا زور سے چل رہی تھی ہم کافی رات گئے تک جاگتے رہے اس کے بعد سو گئے۔

اچانک ہم نے شدید دھماکے کی آواز سنی ہم سب لوگ گھبرا کر اٹھ بیٹھے..... میں باہر آ گیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا ہر طرف چاندنی پھیلی ہوئی تھی میں نے پہاڑی کی دوسری طرف روشنی دیکھی یوں معلوم ہوتا تھا کہ گویا آگ لگ گئی ہے۔ چنانچہ میں اپنے چند ساتھیوں کو ہمراہ لے کر اس طرف بڑھا ہمیں اس پہاڑی کے درمیان تقریباً دو گز گہرا شگاف نظر آ رہا تھا میں نے پہاڑی کے شگاف کے درمیان انسانی مجسمہ دیکھا۔ خیال پیدا ہوا کہ پتھر کا بت ہوگا اس وقت دو آدمی میرے ساتھ تھے چنانچہ ہم تینوں وہاں تک پہنچنے کی کوشش کرنے لگے جب اس شگاف کے قریب پہنچے تو ہمارے استعجاب کی حد نہ رہی کیونکہ میں نے اس کے درمیان اسی خوب صورت لڑکی کو کھڑے دیکھا وہ بے حس و حرکت آنکھیں بند کئے کھڑی تھی ہم یقین نہ کر سکے کہ یہ زندہ ہے چنانچہ میں نے اپنے آدمیوں کی مدد سے اس کو اس شگاف سے باہر نکالا۔ اس میں زندگی کی حرارت موجود تھی چنانچہ اس کو اپنے خیمہ میں لا کر لٹا دیا ایک ہفتے بعد اسے ہوش آیا اور ہمیں تعجب کی نظروں سے دیکھنے لگی۔ اس وقت اس کی زبان میں لکنت تھی اور وہ ایسے ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں بات کر سکتی تھی کہ گویا وہ کسی دوسرے ملک کی رہنے والی ہو وہ اپنے متعلق کچھ بتلانے سے قاصر تھی۔

ہوش میں آنے کے چند روز بعد اس نے بتلایا کہ وہ صرف اتنا جانتی ہے کہ وہ عرصہ دراز تک بھٹکتی رہتی ہے اور خواب میں بہت کچھ دیکھتی رہی ہے یہاں تک کہ یہ زبان جو وہ بول رہی ہے اس کے لئے زور رنج تھی جب بھی اس سے اس کے متعلق کچھ دریافت کرنے کی کوشش کی جاتی۔ وہ پریشان ہو کر بالکل نڈھال ہو جاتی۔ چنانچہ ہم نے اس سے دریافت کرنا ختم کر دیا اس کا نام سلمٰی بھی میں نے ہی رکھا تھا۔"

آپ سمجھ سکتے ہیں کہ میر کارواں نے جو کچھ پراسرار لڑکی کے متعلق بیان کیا اس کے ذریعے بھی اس عجیب لڑکی کے ماضی کے متعلق کوئی خاص علم نہ ہو سکا وہ کیا تھی یہ ہی ایک گہرا راز ہے۔ جو آج تک روشنی میں نہ آ سکا۔ سرور کو اگرچہ سلمٰی سے بے پناہ محبت تھی اور وہ اس کی طرف سے مطمئن تھا لیکن میری نظروں میں سلمٰی ایک نہ سمجھ میں آنے والا عجیب معمہ بنی ہوئی تھی میں نہیں جانتا کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے۔

سلمٰی کا چہرہ اگرچہ نہایت ہی معصوم نظر آتا تھا لیکن اس لڑکی کے دامن میں نت نئی آفتیں قسم قسم کی بربادیاں اور نہ جانے کیا کچھ چھپا ہوا تھا وہ جب بھی میرے سامنے آ جاتی تو میرا دل بے اختیار دھڑکنے لگتا تھا۔

کچھ عرصہ کے بعد ہم لوگ مصر کے دارالخلافہ قاہرہ میں پہنچ گئے ابوجلیل سرور کا گہرا دوست تھا چنانچہ اس نے اپنے فرض کی ادائیگی میں کسی قسم کی کسر باقی نہ چھوڑی۔ اس نے اپنا ایک مکان ہم لوگوں کے لئے صاف کرا دیا۔ سرور خوش تھا اور جس مکان میں ہم مقیم ہوئے خود سلمٰی کو بھی پسند تھا۔ وہ جدید طرز کا بنا ہوا تھا۔ آرام کا تمام سامان اس میں موجود تھا۔ میری ان کے

لئے یہی دعا تھا کہ وہ سکون کی زندگی اس جگہ بسر کر سکیں۔

دو ماہ بعد..... ایک رات مجھے اس بات کا احساس ہوا کہ سلمٰی کی خواب گاہ سے رات کے وقت عجیب قسم کی خوشبو خارج ہوتی ہے۔ میں نے اس خوشبو کو شروع میں سینٹ کی بو خیال کیا لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ وہ سینٹ اور عطر استعمال نہیں کرتی تو پھر میں ضرور چکر میں پڑ گیا۔

تیسرے مہینے رات کے وقت میں نے کچھ عجیب قسم کی پراسرار آوازوں کو سنا۔ ایک روز یوں معلوم ہوا کہ کہیں نسرین کی والدہ چھپی ہوئی رو رہی ہے۔ وہ دونوں اگرچہ بے خبر ہو کر سو جاتے تھے لیکن میرے لئے راتوں کا خواب بھی حرام ہو گیا تھا۔ میں دیر تک جاگتا رہتا اور یہ سوچا کرتا تا کہ خداوند عالم ان پراسرار آوازوں کا کیا مقصد ہے؟ وہ دونوں اگرچہ خوش و خرم تھے لیکن میرے دل پر غم کی بدلی چھائی ہوئی تھی میں کافی حد تک پریشانیوں میں مبتلا تھا۔

ایک رات جب کہ رات کا صرف ایک چوتھائی حصہ باقی تھا میں نے سرور کی خواب گاہ سے اس کی چیخ کو سنا چنانچہ میں اپنی جگہ سے اٹھ کر بے تابی کے ساتھ ان کے کمرہ کے دروازہ پر پہنچ گیا۔ دروازہ اندر سے بند نہیں تھا وہ میرے ذرا سے سہارے سے کھل گیا۔ جونہی میں کمرہ میں داخل ہوا حیران رہ گیا۔ کمرہ میں خون بہہ رہا تھا اور سرور سلمٰی کے پلنگ کے پاس کھڑا دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھامے رو رہا تھا۔ میں اپنی لڑکھڑاتی ہوئی ٹانگوں سے چل کر وہاں پہنچ گیا۔ خاموشی سے پلنگ پر نظر ڈالی۔

نازآفرین سلمٰی چت پڑی تھی۔ وہ خون میں نہائی ہوئی تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ گویا کسی نے اسے قتل کر دیا ہے اس کا تمام لباس خون میں شرابور ہو رہا تھا۔ میں نے روندھی ہوئی آواز میں پوچھا۔ "یہ کیا ہوا سرور.....؟"

"کوئی سلمٰی کو قتل کر کے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ دادا میں بڑا ہی بدقسمت ہوں اسے حاصل کرنے میں تو ضرور کامیاب ہو گیا لیکن میں اس کی حفاظت نہ کر سکا..... میں بے خبر سوتا رہا اور کوئی جلاد دشمن میری غفلت سے فائدہ اٹھا کر اس کو قتل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔"

سلمٰی کے سینے پر گہرا زخم موجود تھا جس سے ابھی تک خون نکل رہا تھا۔ میں نے اس کی پتھرائی ہوئی آنکھیں دیکھ کر یہ سمجھ لیا کہ سلمٰی اب زندہ نہیں ہے۔

"اسے کس نے قتل کیا.....؟"

سرور نے کہا۔ "دادا۔ اس کا میں کیا جواب دے سکتا ہوں اگر میں یہ جانتا تو جس ستم گر نے اس بے گناہ کو قتل کیا ہے میں اگر اس کو دیکھ لیتا تو اس کو ایسا کرنے کی کیوں اجازت دیتا....."

اس لڑکی کے دردناک قتل پر بھی راز کا پردہ پڑا رہا۔ سرور اس کے غم میں دیوانہ ہوا جا رہا تھا اور وہ بچوں کی طرح رو رہا تھا۔ میں نے اس کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ "بیٹا صبر کرو۔ ضبط سے کام لو۔ جو قسمت میں لکھا تھا وہ پورا ہو چکا..... یاد کرو کیا اس سے قبل یا سمیں نے ہمیں اس قسم کا داغ مفارقت نہیں دیا آخر ہم نے اس کے غم کو بھی تو برداشت کیا ہے۔"

دوسرے روز میں نے شام کے وقت مصر کے بارونق بازار میں فیروز کی لاش دیکھی۔ اس کا سر پھٹا ہوا تھا اور اس کی لاش کو بہت سے آدمی گھیرے ہوئے تھے میں فیروز کی لاش دیکھ کر بدحواس ہو گیا۔ اس کی مصر میں موجودگی اس بات پر دلالت کر رہی تھی کہ سلمٰی کو قتل کرنے والا یہی جنونی انسان ہے۔ اس سے قبل نسرین اس کے ہاتھوں ملک عدم کو سدھار گئی تھی اور رات غمزدہ سلمٰی..... میں نے معلوم کیا کہ اسے کس نے اس حال کو پہنچایا ہے۔

ایک مصری نے بتلایا کہ ایک پاگل بڑھیا جو ام الاجل کہلاتی ہے اس نے صرف پتھر کے ایک ضرب سے اس کا سر پھاڑ دیا ہے۔ وہ پاگل ہے۔ بالکل پاگل۔ فاخر العقل..... یہ شخص صرف ایک ہی ضرب سے ہلاک ہو گیا۔

میرا دل ڈوب گیا۔ سلمٰی..... ام الاجل.....

فیروز اور سرور کسی نہ سمجھ میں آنے والے دائرے کے نقاط تھے۔

☆.....☆.....☆

سلمٰی کے قتل کے بعد میں نے سرور کی خواب گاہ میں اس کے ساتھ سونا شروع کردیا تھا۔ اس لڑکی کی موت نے اس کا دماغی توازن بگاڑ دیا تھا۔ میں سرور کو تنہا چھوڑنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ اس میں اس قدر تبدیلی آچکی تھی کہ وہ اب نہ زیادہ بولتا اور نہ کبھی مسکراتا تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ سلمٰی اپنے ساتھ سرور کی تمام خوشیاں بھی چھین کر لے گئی ہے۔ اس کے چہرہ پر پژمردگی کے آثار بالکل نمایاں تھے مجھے اس کی طرف سے ان دنوں بے حد تشویش تھی۔ وہ راتوں کو کمرہ سے باہر نکل جاتا اور صحن میں کھڑے ہوکر گھنٹوں اختر شماری کیا کرتا تھا۔ اسی لئے اس کی طرف سے مکان کے دروازے بند کرنے کی اجازت نہ تھی۔

ایک رات میں خاموش پڑا جاگ رہا تھا۔ دوسرے پلنگ پر خود سرور بھی جاگ رہا تھا۔ اس کو کروٹیں لیتے دیکھ کر مجھے یقین ہوگیا تھا کہ اس کی رات کی نیند بھی اڑ گئی ہے۔ میز پر رکھی ہوئی گھڑی کی ٹک ٹک کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اس رات ہوا زوروں پر تھی۔ آسمان بھی غبار آلود تھا۔ اچانک بڑے زور سے دروازہ کھل گیا۔ میں نے اٹھ کر اسے بند کرنا چاہا لیکن میں اٹھ نہ سکا یوں معلوم ہوا کہ میری پشت کو پلنگ نے تھام لیا ہے۔ سرور نے گردن موڑ کر میری طرف دیکھا لیکن میری آنکھیں بند دیکھ کر وہ خود اٹھا اور دروازہ بند کردیا۔ وہ واپس ہوا ہی تھا کہ دروازہ دوبارہ کھل گیا۔ اس نے پھر خود کو اس کو بند کرنے کے لئے آگے بڑھایا لیکن وہ کسی نہ نظر آنے والے ہاتھوں کے ذریعے دور دھکیل دیا گیا۔ میں نے اٹھنے کی بار بار کوشش کی لیکن ناکام رہا۔

اس وقت سرور بے حد بھونچکا سا تھا اور وہ حیرت بھری نظروں سے دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ یکا یک ہوا کے ایک تیز و تند جھونکے کے ساتھ کسی لڑکی کا لطیف ترین جسم یا عکس سا اندر آ گیا۔ میں نے دیکھا۔ کمرہ کے درمیان سلمٰی خاموش کھڑی سرور کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے سینے کے زخم سے خون رس رہا تھا..... سرور بے چین ہوگیا۔

اس طرف سے پروقار لہجے میں کہا گیا۔ ''پلنگ پر بیٹھ جاؤ اور جو میں کہوں وہ سنو.....'' اس لڑکی کی آواز میں اس حد تک تحکم موجود تھا کہ سرور لرزتا ہوا پلنگ پر بیٹھ گیا۔ اب سلمٰی کمرہ کے درمیان میں کھڑی تھی۔

اس نے اپنی درد بھری آواز میں کہنا شروع کردیا۔ ''سرور تم نے کئی بار مجھ سے میرے متعلق دریافت کیا لیکن میں نے اس لئے ظاہر نہیں کیا کہ شاید تم خود ہی مجھے پہچان لو گے لیکن ایسا ممکن نہ ہوا۔ میں اس وقت تمہارے سوال کا جواب دینے آئی ہوں اور اس کے ساتھ ہی ساتھ مایوسیوں کی تاریکی سے بھی تم کو بچانا چاہتی ہوں۔ ذرا غور سے سنو اور میری نصیحت پر عمل کرو.....

سرور تم آج تک جسے سلمٰی کہتے رہے وہ دراصل سرزمین آشوریہ کی وہی فاتح ملکہ سمی رامیس ہے۔ میری پیدائش عجیب حالات میں ہوئی۔ میں نے پانی میں جنم لیا اور میری ماں نے جب میں جوان ہوگئی مجھے خشکی پر پہنچا دیا اور ہدایت کی کہ میں شاہی خاندان کے کسی فرد کو اپناؤں..... میری ماں سمندر کی دیوی تھی اس کی خواہش تھی کہ اس کی پوجا سمندر کے علاوہ خشکی پر بھی ہو۔

میں جھاڑیوں میں چھپی ہوئی تھی۔ شام قریب تھی۔ اچانک ایک جرنیل وہاں سے گزرا اس نے مجھے دیکھ کر اپنے گھوڑے کو روک لیا اور اس کے بعد وہ میری خوب صورتی پر فریفتہ ہوکر مجھے اپنے ساتھ اپنے مکان میں لے گیا۔ شاہی فوج میں وہ چوٹی کا آفیسر تھا۔ وہ مجھ سے بے حد محبت کرنے لگا۔ میرے دل میں اگرچہ اس کے لئے گنجائش نہ تھی۔ لیکن میں نے یہ ظاہر نہ ہونے دیا۔ رفتہ رفتہ میں نے اسے ایشوریہ کے بادشاہ کے خلاف ابھارا، اور پھر میں بادشاہ کی نظروں میں آ گئی۔

میں بے حد حسین اور صاحب جمال تھی۔ وادی فرات کی کوئی لڑکی خوب صورتی میں میرا مقابلہ نہ کرسکتی

تھی۔ چنانچہ اس طرح آشوریہ کے بادشاہ کے دل میں میری محبت چٹکلیاں لینے لگی۔ اسی دوران میں جرنیل کی بغاوت کا حال بادشاہ پر ظاہر ہوگئی۔

جرنیل اور شاہی فوجوں میں مقابل ہوا اور انجام کار جرنیل گرفتار ہوکر بادشاہ کے دربار میں پیش ہوا۔ بادشاہ نے اس کے لئے سزائے موت تجویز کی۔ وہ پھانسی کے پھندے پر لٹکا دیا گیا اور مجھے بادشاہ کے آدمیوں نے شاہی محل میں پہنچا دیا۔ بادشاہ چونکہ مجھے دل سے چاہتا تھا لہٰذا اس نے مجھ سے برائے نام شادی کرلی اور تھوڑے دنوں کے بعد وہ بھی موت کی آغوش میں پہنچ گیا۔

آشوریہ کے اس بادشاہ کی موت کے بعد اس عظیم الشان سلطنت کے تاج و تخت کی میں وارث بنی اور مطلق العنان ملکہ بن گئی۔ میں نے بہترین حکمت عملی سے کام لے کر لوگوں کو اپنا لیا۔ ان دنوں آشتر دیوی کے مندر کے پجاری بڑی قوت کے مالک تھے اور بادشاہ تک ان سے ڈرتے تھے۔ میں نے طاقت حاصل کرتے ہی فتوحات کا سلسلہ شروع کردیا۔ میں جس طرف بھی جاتی تھی فتح و نصرت میرے قدم چوم لیتی تھی۔ لوگ مجھے دیوی سمجھنے لگے تھے۔

آشتر دیوی کے مندر کے نیچے ایک تہہ خانہ بھی تھا جسے عقوبت خانے کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ میں اپنے ہر دشمن کو اسی تہہ خانے میں بھیج دیتی تھی۔ جہاں وہ بڑی اذیت سے ہلاک ہوجاتا تھا..... فوج کا نیا جرنیل پوعیری تھا جو بے حد خوب صورت اور نوجوان تھا۔ میں اس کی بہادری سے متاثر ہوچکی تھی اور قدر کی نظروں سے اسے دیکھنے لگی تھی۔ آشتر دیوی کے مہا پجاری نے اپنی طاقت بڑھانے کی غرض سے اپنی لڑکی کو پوعیری سے منسوب کردیا۔ میں نے بھی اس خبر کو سن لیا چنانچہ میں اس کا توڑ سوچنے لگی۔ پجاری کی لڑکی اگرچہ جوان اور خوب صورت تھی لیکن وہ میرا مقابلہ کرنے کے قابل نہ تھی۔ میں خود بھی براہ راست لڑائیوں میں شرکت کرتی تھی۔ ایک مرتبہ ہم کو ایک سخت جنگ پر جانا پڑا۔ دشمن بڑا طاقتور تھا۔ ہمیں کئی مہینے اپنے ملک سے باہر رہنا پڑا۔ میرے دل میں پوعیری کی محبت کی شمع روشن ہوچکی تھی چنانچہ ایک رات جبکہ ہم دونوں ایک ہی خیمے میں تھے۔ نوجوان پوعیری نے خود پر زیادہ مہربانی پا کر سوال کیا۔ ''میں ملکہ آشوریہ کو خود پر کافی مہربان پا رہا ہوں۔''

میں نے کہا۔ ''یہ ٹھیک ہے اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ جرنیل پوعیری اپنی شجاعت کے باعث ایک جلیل القدر فاتح ملکہ کے دل پر حکومت کر رہا ہے۔'' اس نے گھبرا کر میری طرف دیکھتے ہوئے کہا لیکن.....''

میں نے پوعیری کی بات کو فوراً کاٹتے ہوئے کہا۔ ''پوعیری تمہیں ملکہ کے لئے اس پجاری کی دختر کو نظر انداز کرنا پڑے گا۔ اسے بھول جانا ہوگا اس کو ملکہ سمی رامیس کے لئے ٹھکرا دینا ہوگا۔''

''میں کوشش کروں گا ملکہ.....''

اس نے میرے دونوں ہاتھوں کو فرط عقیدت سے چوم لیا۔ ہم دیر تک باتیں کرتے رہے۔ اس وقت تک قوی دشمن کو شکست نہ ہوئی تھی۔ پوعیری نے کہا۔ ''میں اپنی محبت کا امتحان دیکھنے کے لئے کل اس ارادے سے دشمن پر حملہ کروں گا کہ میں فتح حاصل کرلوں..... اے ملکہ اگر اس مقصد میں مجھے کامیابی ہوئی تو میں یہ سمجھوں گا کہ ہماری محبت لازوال ہے..... اور غیر فانی.....''

چنانچہ اسی مقصد کے پیش نظر دوسرے روز علی الصبح جرنیل پوعیری نے دشمن پر حملہ کردیا اور اتفاق کی بات ہے کہ دشمن کو شکست ہوگئی۔ مفتوح بادشاہ قید کرلیا گیا۔ جرنیل پوعیری دشمن بادشاہ کو لے کر میرے سامنے آیا اور جوش میں کہنے لگا۔

''ملکہ ہماری محبت لازوال اور غیر فانی ہے۔''

چنانچہ ہم فاتحانہ شان و شوکت سے واپس لوٹے۔ ہماری آمد کی خبر ملک میں پہنچ چکی تھی۔ ان دنوں لوگ نوجوان پوعیری کی بہادری کے گیت گا رہے تھے۔ مہا پجاری کی لڑکی پھول لے کر پوعیری کے استقبال کے

لئے شہر سے باہر آ گئی۔ اس نے بڑی محبت کے ساتھ پھولوں کا نذرانہ پیش کیا مگر پوعیری نے ان پھولوں کو اپنے پاؤں سے روندتے ہوئے کہا۔ ''لڑکی..... اپنی حیثیت اور جرنیل اعظم کے رتبہ کا خیال کر.....'' اس لڑکی کا دل ٹوٹ گیا۔ اس کے چہرہ کا رنگ اڑ گیا۔ وہ مایوس ہو کر واپس لوٹ گئی۔ اس بڑے پجاری کو اس رقت انگیز واقعہ کا اس وقت علم ہوا جب کہ اس کی بیٹی نے ملکہ آشتر کے بت کے سامنے خودکشی کی اور یہ بتلایا کہ ''وہ اپنی محبت میں ناکام ہو کر اس دنیا سے دور جا رہی ہے۔ اتنی دور کہ جہاں تک پوعیری کا تصور بھی نہ پہنچ سکے۔'' پجاری کو اس وقت سے بہت دکھ ہوا۔ اس نے دیوی کے سامنے اقرار کیا کہ وہ آخر تک ملکہ کے خلاف زہر اگلتا رہے گا۔

ان دنوں ہم ایک اور ملک پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے تھے۔ اس حملے میں بھی جرنیل پوعیری میرے ساتھ تھا۔ ہماری محبت پروان چڑھ رہی تھی اور ہم دونوں دریائے کیف میں غرق ہوئے جا رہے تھے۔ ایک طرف پاک محبت استحکام حاصل کر رہی تھی۔ دوسری طرف آشتر دیوی کا مہا پجاری میرے اور پوعیری کے خلاف زہر پھیلا رہا تھا۔ اس پجاری کی دونوں آنکھیں زہریلے ناگ سے مشابہ تھیں اور پلک جھپکائے بغیر دیکھ سکتا تھا۔ میرا ارادہ تھا کہ فتح ہند کے بعد اپنے ملک میں پہنچ کر میں شادی کا باقاعدہ اعلان کر دوں۔

ہم سندھ کے میدان میں پہنچ گئے۔ اسی جگہ کے راجہ سے ہمارا مقابلہ ہوا۔ وہ ہمارے مقابلے میں کوہ پیکر ہاتھیوں کی فوج لے آیا۔ یہ ہمارے لئے ایک نئی اور عجیب طاقت تھی اس کے ہاتھیوں نے ہماری فوج کو اپنے پاؤں میں روند ڈالا چنانچہ اس طرح سندھ کے میدان میں پہلی مرتبہ مجھے بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ فوج کا بڑا حصہ کام آ چکا تھا اگر میں پوعیری کو اپنے ہمراہ لے کر وہاں سے فرار نہ ہوتی تو قید ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ ہم بہرحال پریشان اپنی راجدھانی میں پہنچ گئے۔ شکست کی خبر نے ان لوگوں کے دلوں میں بدگمانی پیدا کر دی۔ جو لوگ مجھے دیوی سمجھ کر پوجنے لگے تھے ان کے عقیدے متزلزل ہو گئے۔ دوسری طرف نوجوان پوعیری کے خلاف ایک شرمناک تحریک شروع کر دی گئی۔

آشتر دیوی کے مہا پجاری نے تمام ملک میں یہ بات پھیلا دی کہ جرنیل پوعیری نے آشوریہ کے تاج و تخت کے لئے ملکہ سمی رامیس پر اپنی محبت کے جال پھینکے اور اس کو غفلت شعار بنا دیا۔ سندھ میں جو بدترین شکست ہوئی وہ صرف اسی گناہ آلود رومان کا نتیجہ ہے۔ اس طرح ہم دونوں کے خلاف غم و غصہ پیدا ہو گیا اور لوگ کھلم کھلا بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔

ایک رات ایک بوڑھی دایہ نے..... جس نے پوعیری کو پرورش کیا۔ پوشیدہ طور پر میرے محل میں داخل ہو کر مجھے بتلایا کہ مہا پجاری نے جھوٹ بول کر پوعیری کو تہہ خانے میں بھیج دیا ہے۔ اسے کہا گیا تھا کہ خود ملکہ سمی رامیس نے اسے وہاں یاد کیا ہے..... بڑھیا نے بتلایا کہ وفا شعار پوعیری جو میری محبت کے نشے میں سرشار تھا وہ بلا جھجک اس تہہ خانے میں چلا گیا اور پھر پلٹ کر واپس نہیں لوٹا۔

اس وحشت ناک خبر کو سن کر میرے سینے پر سانپ لوٹنے لگے۔ میں اس کی محبت میں پاگل ہو رہی تھی۔ میں نے سمجھ لیا کہ مہا پجاری نے اس فرشتہ محبت کو اس عقوبت خانے میں بھیج دیا ہے کہ جہاں سے کوئی زندہ بچ کر نہیں آتا۔

پس میں بے تاب ہو کر سیدھی مندر کے دروازے پر پہنچ گئی۔ پجارن لڑکیاں وہاں پر موجود تھیں۔ وہ مجھے دیکھ کر میری تعظیم کے لئے جھک گئیں۔ میں نے انہیں حکم دیا کہ وہ تہہ خانے کا راستہ چھوڑ دیں تاکہ میں اندر جا سکوں۔

میں اس وقت ملکہ تھی۔ آشوریہ کی مطلق العنان ملکہ..... پس میرے لئے دروازہ کھول دیا گیا اور میں پتھریلے زینے کو طے کرتی ہوئی تاریک ترین تہہ خانے میں اترتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ اس مقام پر پہنچ گئی جہاں مجرموں کو اذیت میں مبتلا کیا جاتا تھا۔ تہہ خانے

کے ایک گوشہ میں ایک حبشی مشعل لئے کھڑا تھا۔ کچھ روشنی ہو رہی تھی۔ میرے سامنے ایک ستون موجود تھا اور پوعیری اس سے جکڑا ہوا تھا۔ اس کے جسم پر ہنٹروں کے نشان پڑے ہوئے تھے۔ اسے برہنہ کر کے پیٹا جا رہا تھا۔ میں نے جو یہ دیکھا تو بے چین ہو گئی۔ میں چلا اٹھی۔ ''پوعیری۔ پوعیری۔''

اس نے اپنی بند آنکھیں کھول دیں۔ میری طرف دیکھا اور درد بھری آواز میں کہا۔ ''آپ یہاں کیوں آ گئیں..... یہ نہ دیکھو کہ محبت کرنے والوں کا حشر کیا ہوتا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن پوعیری تم یہاں کس لئے آئے تھے؟''

''آپ کا حکم ملا۔ میں اس کی تعمیل کس طرح نہ کرتا۔ سرکاری حسن کا حکم ملا اور میں سب کچھ جانتے ہوئے سر کے بل اس عقوبت خانہ میں آ گیا۔''

''دھوکا ہوا ہے..... میں نے ہرگز ہرگز کسی سے یہ نہیں کہلایا۔ یہ مہا پجاری کی شرارت معلوم ہوتی ہے۔ وہ ہماری پاک محبت کے درمیان ایک پہاڑ بن کر حائل ہو چکا ہے۔''

''لیکن تمہیں یہاں نہیں آنا چاہئے تھا..... یہ تم نے کیا کیا ملکہ؟''

''جو کچھ بھی کیا وہ محبت کے لئے ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے وہ بھی محبت کے واسطے ہوگا..... ہماری محبت کی بقا اسی میں ہے کہ ہم دکھ اور موت کے وقت بھی ساتھ ساتھ رہیں۔'' اتنا کہنے کے بعد میں ان سیاہ فام حبشیوں کی طرف متوجہ ہوئی جن کی سفید سفید آنکھیں چمک رہی تھیں اور موٹے موٹے ہونٹ لٹک رہے تھے۔ ''جرنیل کو چھوڑ دو۔'' میں چلائی..... ان میں سے ایک حبشی نے آگے بڑھ کر کہا۔ ''اے عورت یہاں صرف مہا پجاری کا حکم چل سکتا ہے۔'' اچانک میں نے اپنی پشت کی طرف سے قہقہے کی آواز سنی۔ سانپ کی سی آنکھوں والا مہا پجاری میری پشت کی طرف کھڑا تھا۔ اس نے حکم دیا۔ ''آگ روشن کر دو.....''

پس آگ کے شعلے پوعیری کے چاروں طرف بھڑک اٹھے اور اسے آہنی سلاخوں سے داغنا شروع کر دیا۔ پوعیری فرط اذیت سے چلایا۔ ''مجھے مار ڈالو۔ مجھے مار ڈالو.....''

مہا پجاری نے پلک جھپکائے بغیر مجھ سے کہا۔ ''سرزمین نینوا پر دیوی کی طرح پوجی جانے والی فاتح ملکہ تمہاری محبت کا شرمناک انجام تمہارے سامنے ہے۔ تمہارا محبوب موت چاہتا ہے مگر مر نہیں سکتا..... اور وہاں اب اس عقوبت خانے سے وہ عورت بھی نہیں نکل سکتی جس نے خود اپنے اقدس کو برباد کر لیا۔ جس نے آشوریہ کی پاک سرزمین کو شکست کے داغ سے داغدار بنا دیا۔''

اس وقت میری آنکھوں سے غصے میں چنگاریاں نکل رہی تھیں۔ لیکن میں ملکہ ہوتے ہوئے بھی عقوبت خانے میں بالکل مجبور تھی۔ پوعیری پر اس قدر ظلم ہو رہا تھا کہ میں تاب نظارہ نہ لا سکی۔ وہ چلایا۔ ''ملکہ تم ہی میری اذیت کا خاتمہ کر دو۔'' ناپاک پجاری کے قہقہے تہہ خانے سے گونج رہے تھے۔ ناپاک تاریکیوں کے درمیان سیاہ دل حبشیوں کے دانت باہر نکلے پڑے تھے اور آنکھیں چمک رہی تھیں۔

پجاری نے کہا۔ ''میں ملکہ کو ایسا کرنے کی اجازت دے سکتا ہوں.....''

''خدا کے لئے سمی رامیس۔ مہا پجاری کی اجازت سے فائدہ اٹھاؤ اور مجھے اذیت کی موت مرنے سے بچا لو اور میرا اسی وقت خاتمہ کر دو۔''

اس وقت میری دونوں آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ میں نے خنجر نکالا اور ناچنا شروع کر دیا۔ ناچتے ناچتے مجھ پر وجدانی کیفیت طاری ہو گئی۔ اس کے بعد میرے خنجر کا پھل میرے محبوب کے سینے میں داخل ہو چکا تھا اور اس کی اذیت بھری آخری چیخ اس اندھیرے تہہ خانے میں گونج رہی تھی۔ وہ لڑکھڑا کر گرا اس کے بعد میں خود بھی جرنیل پوعیری کے قدموں پر گر کر بے ہوش ہو گئی۔ بے ہوش بھی اس طرح ہوئی کہ پھر ہوش میں نہ آئی۔ نہ جانے اس دکھ بھری دنیا کے سینے پر کتنے خونی ڈرامے کھیلے گئے۔ کس قدر عذاب نازل

ہوئے۔ انقلاب آئے اور گزر گئے لیکن میں اسی حال میں رہی یہاں تک کہ میں خواب سا دیکھنے لگی۔

ہوش میں آنے کے بعد میں نے جسے سب سے پہلے دیکھا وہ میر کارواں تھا اس سے قبل مجھے خواب میں یہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ پوعیری کا مجسمہ مندر کے دروازے پر رکھ دیا گیا ہے۔

اس ہوش ربا واقعہ کی یاد تازہ رکھنے کے لئے میں نے سال میں ایک رات اس مجسمے کے سامنے اپنے رقص کے لئے مقرر کر لی۔

جاں نواز سرور ہوش میں آنے کے بعد میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ جس طرح میں اس دنیا میں موجود ہوں اسی طرح میرا محبوب پوعیری بھی ہوگا۔ ہمارا عہد ایک ہی ہے۔

پس میں نے اپنے محبوب کی تلاش شروع کی۔ یہاں تک کہ میں نے تم کو پالیا۔ میں نہیں کہہ سکتی کہ تم سرور ہو یا پوعیری...... لیکن تم میں وہی خصائل موجود ہیں جو میرے محبوب جرنیل میں تھے۔ جس روز میں نے تمہارے سامنے رقص کیا۔ اس روز مجھے رقص کے دوران میں یوں معلوم ہوا کہ میں پوعیری کے سامنے ناچ رہی ہوں...... اسی عقوبت خانے کی تصویر میری نظروں کے سامنے آ گئی اور وہی آوازیں سنی گئیں چنانچہ میں نے وہی کام کیا جو اس سے پہلے عقوبت خانے میں کر چکی تھی۔ میں اس وقت یوں محسوس کر رہی تھی کہ گویا میں عقوبت خانے میں محو رقص ہوں اور میرا محبوب پوعیری سنگین ستون سے بندھا ہوا شعلوں میں گھرا کھڑا ہے یہاں تک کہ اس وقت میرے کان میں اسی کی آواز بھی آنے لگیں۔ اس وقت جبکہ میں وجدانی حالت میں ناچ رہی تھی۔ کوئی آہستہ آہستہ کہہ رہا تھا۔ ''میری زندگی ختم کرو...... مجھے اس عذاب سے نجات دلاؤ......'' پس بے خودی کی حالت میں جو کچھ مجھے نہ کرنا چاہئے وہ میں کر گزری......

میرے محبوب تمہیں اب یقین ہو چکا ہوگا کہ میرا خنجر کس وجہ سے آپ کے سینے میں داخل ہوا...... میں نے تمہارے لئے دعا کی۔ زندگی مانگی۔ خدا نے میری سن لی اور تم بچ گئے۔ مجھے توقع تھی کہ ہم قاہرہ میں اطمینان کی حالت میں زندگی بسر کر سکیں گے۔ لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ قاہرہ کی فضا ہمارے لئے سازگار ثابت نہ ہوئی۔ ایک بے درد کے خنجر نے ہم دونوں کو پھر عارضی طور پر ایک دوسرے سے جدا کر دیا۔''

اس وقت اس کی خوب صورت آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے۔ عارضی وقفے کے بعد اس نے کہا۔

''سرور مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ میری روح عالم بالا کی طرف جانے کے بجائے ابھی اسی فضا میں بھٹک رہی ہے......''

جو ارواح اپنی راہ سے بھٹک چکی ہیں۔ وہ ابھی تک عالم ارواح میں نہیں پہنچ سکیں...... اس جگہ بھی بھٹکتی ہوئی روحوں کا ایک خاص مسکن ہے...... اور میں بھی ان دنوں اسی جگہ ہوں...... وہ میدان جو بصرہ کے جنوب میں پھیلا ہوا ہے وہاں جو بگولے نظر آتے ہیں۔ ان میں روحیں بھی ان ہی کی صورت میں بھٹکتی پھرتی ہیں...... لوگ نہیں جانتے کہ ان بگولوں میں روحیں بھی ہیں۔ وہی بھٹکتی ہوئی روحیں ہیں جو ابھی تک عالم ارواح تک نہیں پہنچ سکیں...... ان سب کا تعلق ایک مقدس شعلے سے ہے...... رات کے وقت اسی شعلے کے گرد ہم سب کی ارواح وہاں جمع ہو جاتی ہیں لیکن سرور تمہیں اس طرف متوجہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے تم کو میری واپسی کا انتظار کرنا چاہئے۔ اتنا انتظار کرو کہ میں دوبارہ تم سے مل سکوں۔''

اس وقت ہم دونوں مردوں کی طرح خاموش تھے۔

بعد ازاں ہم نے اس کو آہستہ آہستہ کہتے سنا۔''...... یوں معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے میری روح کو روک رکھا ہے۔ فضا کے کسی غیر معمولی دباؤ کے باعث میرے لئے بلند ہونا ناممکن معلوم ہوتا ہے......''

اچانک سرور چیخ پڑا...... ''سلمیٰ مجھے تباہ کر کے مت جاؤ...... میں تم سے علیحدہ نہیں رہ سکتا۔ خدا کے لئے اپنا ٹھکانہ تو بتلا جاؤ۔''

''لیکن تمہیں میرا پیچھا نہ کرنا چاہئے...... وہ مقام جہاں میں رہتی ہوں۔ ہر زندہ جسم کے لئے خطرناک

ہے...... یقین کرو سرور...... میری بات کا یقین کرو۔ کوئی بھی زندہ جسم اس مقام پر پہنچ کر سلامت نہیں رہ سکتا...... تم انتظار کرو...... تمہیں میرے کہنے کے مطابق میرا انتظار کرنا ہی چاہئے۔ میں یقیناً تم سے ملنے کی کوشش کروں گی۔ صبر و ضبط کی ضرورت ہے۔ ہماری ملاقات کا انحصار صرف تمہارے استقلال اور انتظار پر ہے......''

''لیکن مجھے تمہاری قرار گاہ کا تو علم ہونا چاہئے...... مجھے اپنے اطمینان کے لئے یقین پختہ کی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر شاید میں انتظار نہ کر سکوں......''

اچانک سلمیٰ کے چہرہ پر خوفزدگی کے آثار پیدا ہونے لگے اور وہ سکوت کی حالت میں نظریں گاڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ میں نے بار بار مداخلت کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا...... میں نے سلمیٰ کو یہ کہتے سنا......

''بصرہ کے جنوب کی طرف وسیع میدان بھٹکتی روحوں کی ایک عام گزرگاہ ہے۔ جو لوگ رات کے وقت ادھر سے گزرتے ہیں وہ ان کی آوازیں سن کر ڈر جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان دنوں اس میدان کے متعلق لوگوں میں غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں۔

اس میدان سے آگے ایک دو میل لمبا تنگ سا راستہ شروع ہو جاتا ہے۔ تمام روحیں اس میدان میں سے گزر کر اسی تنگ راہ سے گزرنے لگتی ہیں۔ اس تنگ راستے کے دونوں طرف چٹانیں کھڑی ہیں جو چار سو فٹ سے لے کر سات سو فٹ تک اونچی ہیں اور جب یہ راستہ ختم ہو جاتا ہے تو پھر ایک مستطیل شکل کا میدان آ جاتا ہے جہاں پہاڑ اور اونچی چٹانیں ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر دور ہو جاتے ہیں۔

اس جگہ ایک ایسی چٹان بھی واقع ہے جو چوٹی سے تہہ تک کھدی ہوئی نظر آئے گی۔

جس مقام کا میں نے ذکر کیا ہے کبھی اس جگہ ایک نہایت ہی خوب صورت شہر پٹیرا آباد تھا جو بصرہ کی نسبت زیادہ خوشنما اور عظیم الشان تھا۔ عہد قدیم میں پٹیرا نہ صرف تجارتی مرکز تھا بلکہ اس جگہ بہت سے راستے بھی ملتے تھے۔ سوداگروں اور مسافروں کے قافلے وہاں سے گزرا کرتے تھے۔ ان دنوں پٹیرا محض ڈیسیٹ پتھروں کا ایک بڑا ڈھیر ہے...... اس میدان میں ٹوٹی پھوٹی قبریں، پرانے معبد اور درس گاہیں نظر آتی ہیں لیکن گردش زمانہ کے ہاتھوں وہ سب تباہی کے آخری دور میں داخل ہو چکی ہیں۔

وہاں کچھ زمین دوز عمارتیں بھی نظر آئیں گی۔ آگے بڑھ کر ایک چٹان پھٹی ہوئی نظر آئے گی جس کے درمیان صرف سوا دو فٹ چوڑا شگاف موجود ہے...... یوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ چٹان کسی حادثے کے باعث پھٹ گئی ہے۔

شگاف کے بعد ایک ایسا حصہ آ جاتا ہے جو لمبی گلی کی مانند دور تک چلا گیا ہے۔ دونوں طرف اونچی اونچی پہاڑیوں کا سلسلہ حد نظر چلا جاتا ہے۔ تنگ راستہ اگر چھٹا ہوا ہوتا تو وہ غار کی شکل اختیار کر لیتا۔

عام لوگ اس طرف جانے سے ڈرتے اور گھبراتے ہیں کیونکہ بہت سی غلط روایات اس مقام کے متعلق پھیل چکی ہیں...... اس تنگ راستہ کے آخر میں ایک پوشیدہ مقام پر شعلہ روشن ہے۔ مقدس شعلہ...... بھٹکتی ہوئی روحیں اس شعلے کے گرد گھومتی اور روتی ہیں...... میں نے دیکھا۔ سلمیٰ کا عکس تیزی سے لطیف ترین ہو کر دروازے کی طرف ہٹنے لگا۔ دروازہ کھلا اور وہ تصویر کمرہ سے باہر نکل گئی۔ اس کے اس جگہ سے جانے کے بعد میں اٹھنے اور بولنے کے قابل ہو چکا تھا۔

سرور نے تیزی سے دوڑ کر دروازہ کھولا اور وہ باہر نکل گیا۔

''سلمیٰ...... سلمیٰ......'' سرور چلا رہا تھا۔ ''ذرا تو ٹھہر جاؤ سلمیٰ......''

میں نے خود کو اس کے پاس پہنچا دیا اور سرور کو بازو سے پکڑ کر کھینچنا شروع کر دیا۔

''دادا۔ مجھے چھوڑ دو...... خدا کے لئے مجھے چھوڑ دو...... میں سلمیٰ کا تعاقب کرنا چاہتا ہوں...... وہ دیکھو...... وہ جا رہی ہے...... اسے دیکھ لیا تم نے؟''

کوئی کافی فاصلے پر جاتا نظر آ رہا تھا۔ ہم اس

طرف دیکھتے رہے اور وہ..... حد نظر سے بھی دور ہوگیا.....وہ یقیناً روح سلمٰی تھی۔

اس وقت سرور کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو گر رہے تھے۔اس کا جسم لرز رہا تھا۔اس وقت جب کہ میں اسے کمرہ میں لے جانے کی کوشش کررہا تھا۔اس نے نہایت ہی معصومانہ انداز میں کہا۔"دادا مجھے یوں معلوم ہورہا ہے کہ کوئی میری روح کو اندر سے کھینچ رہا ہے....."

میں نے اس کو کمرہ میں لاکر پلنگ پر لٹادیا اور اس کے ٹھنڈے جسم پر چادر ڈالتے ہوئے کہا۔"سرور تم خواب دیکھ کر ڈر گئے ہو۔"

"کیا کہا خواب؟" اس نے چادر اتار دی اور خود اٹھ بیٹھا۔وہ اس وقت غصیلی نظروں سے مجھے گھور رہا تھا۔"..... کیا تم اسے بھی خواب کہو گے..... محض خواب.....ہم دونوں نے اس جگہ کیا کچھ نہیں دیکھا۔ کیا ہم نے اس کی باتیں نہیں سنیں۔"

میں نے سرور کو دوبارہ لٹاتے ہوئے کہا۔"بیٹا غصہ نہ کرو..... ذرا ٹھنڈے دل سے غور کرو اور سوچو۔ قتل ہونے کے بعد سلمٰی اس کمرہ میں کس طرح آسکتی ہے.....ہوسکتا ہے کہ وہ ہمارا فریب نظر ہو....."

"نہیں دادا نہیں..... میں اسے فریب نظر کس طرح کہہ سکتا ہوں..... تم تسلیم کیوں نہیں کرتے کہ اس جگہ سلمٰی کی روح آچکی ہے..... اس نے بہت کچھ ہمیں بتلایا ہے اب اس تک پہنچ سکتا ہوں.....اس تنگ راستہ تک جہاں ایک مقدس شعلہ روشن ہے۔"

میں نے سرور کی پیشانی پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "لیکن اس نے ہمیں اس طرف آنے سے منع کیا ہے۔ اس نے روک دیا ہے۔ اگر ایسا کیا جائے تو یہ حرکت سلمٰی کے لئے موجب رنج ہوگی..... اس نے چلتے چلتے منع کیا ہے۔صبر وضبط کی تلقین کی ہے اور انتظار کے لئے التجا کی ہے..... بیٹا اگر تم اس پاک روح کو خوش رکھنا چاہتے ہو تو اس کے کہنے پر عمل کرو.....اور سلمٰی کی واپسی کا انتظار کرو..... مجھے یقین ہے کہ سلمٰی اپنے وعدے کے مطابق ایک بار پھر ہم سے ملنے میں کامیاب ہوجائے گی۔"

سرور نے اپنی بھرائی ہوئی آواز میں کہنا شروع کردیا۔

"آئی اور چلی بھی گئی.....ایسا آنا بھی کیا آنا.....آہ سلمٰی میرے دل کے رستے ہوئے زخموں کے لئے مرہم کی ضرورت تھی۔میری بیتابیوں کو فنا کرنے کے لئے تمہارے قیام کی ضرورت تھی۔میری پیاسی آنکھیں تمہارے جمال پر جلال کی زیارت کے لئے بے تاب تھیں۔"

"سرور اس قدر بیتابی اچھی نہیں..... استقلال اور صبر کی ضرورت ہے۔" میں نے کہا۔

"نہیں دادا۔ میں اب اپنے لئے ان موہوم سہاروں کی بالکل بھی ضرورت نہیں سمجھتا۔ ہم دونوں کے درمیان تقدیر کا منحوس سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔کوئی شیطانی قوت محض اس لئے ہمارے خلاف کام کررہی ہے کہ ہم آپس میں مل نہ سکیں لیکن میں ہمت ہارنے والا نہیں ہوں۔روح سلمٰی کی آمد نے مجھے نئی قوت بخش دی ہے۔اس نے میرے ارادے میں مضبوطی اور یقین میں استقلال پیدا کردیا ہے۔وہ گو علیحدہ ہوچکی ہے لیکن اسے بھی ملنے کا اشتیاق ہے۔میں نے اس کی غم آلود آنکھوں میں پاک محبت کے شفاف چشمے ابلتے دیکھے ہیں۔وہ خواہ جسم سے ان دونوں محروم کیوں نہ ہو.....لیکن میں اس کا قرب حاصل کرنے کی برابر کوشش کروں گا۔ خواہ میری راہ کی قدر کٹھن کیوں نہ ہو۔تقدیر میری راہ گزر میں نوکیلے کانٹے کیوں نہ بکھیر دے۔ پہاڑ سینہ بہ سینہ ہو کر راستہ روکنے کی بھی کوشش کریں لیکن جو قدم سلمٰی کی تلاش میں بڑھے گا وہ واپس نہ ہٹ سکے گا۔"

"پاگل مت بنو سرور.....غور تو کرو۔تمہاری زندگی مجھ ضعیف نمک خوار کے لئے کس قدر ضروری ہے۔ایک بڑے خاندان کے اب صرف تم ہی تو ایک چراغ باقی رہ گئے ہو۔ایسا نہ ہو کہ تمہیں تاریکی دبوچ لے....."

"لیکن میں سلمٰی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔دادا بہت سی ایسی باتیں ہیں کہ جن کو میں فی الحال زبان پر بھی نہیں لاسکتا۔"

(جاری ہے)

عجیب وقت

نینا خان-کراچی

اور پھر ایک دن یہ انکشاف ہوا کہ گھر میں جو کالی بلی آتی تھی، وہ دراصل بلی نہیں بلکہ ایک جنی تھی جو کہ گھر کے افراد کی اجازت سے وہ بلی بچے کو اپنی دنیا میں لے گئی۔

آتا ہے یاد مجھ کو گزرا ہوا زمانہ.....اس کے مصداق دل شکستہ اور دل گرفتہ حقیقت

قارئین کرام: ہمیشہ سے میری کوشش رہی ہے کہ میں اپنے قارئین کے لئے کچھ ایسی کہانی لکھوں جس میں کوئی سبق، تجسس اور حقیقت ہو جو صرف کہانی نہ ہو بلکہ حقیقت پر مبنی ہو جس سے کہانی پڑھنے والوں کو کچھ سیکھنے کو ملے اور وہ اپنی آئندہ زندگی میں اس حقیقت سے استفادہ حاصل کرسکیں۔

درحقیقت آج کی یہ کہانی چند پراسرار واقعات پر مبنی ہے۔ پہلا واقعہ میری ایک دوست کا ہے جو اس کے ساتھ کچھ یوں پیش آیا۔اس کی زبانی سنیئے۔

یہ بات ان دنوں کی ہے جب میں اسکول میں پڑھا کرتی تھی میری بیسٹ فرینڈ نازیہ جو کہ بہت الگ تھی میرے ساتھ میری کلاس میں ہی پڑھا کرتی تھی نازیہ تین بہنیں تھیں ان کا کوئی بھائی نہیں تھا نازیہ اپنی دونوں بہنوں سے چھوٹی تھی اس لئے بچپن سے ہی نازیہ لڑکوں کی طرح رہتی لڑکوں کے لباس پہننا لڑکوں کی طرح باتیں کرنا اپنی دونوں بڑی بہنوں پر بھائیوں والا رعب جمانا یہاں تک کہ نازیہ کا چلنا پھرنا بیٹھنا اٹھنا اور بولنا سب لڑکوں کی طرح تھا۔

کلاس کے باقی سب اسٹوڈنٹس نازیہ کے بولنے اور چلنے کا مذاق بناتے تھے یہی وجہ تھی کہ نازیہ سب سے لڑتی جھگڑتی تھی اور اس کی کبھی کسی کلاس میٹ سے دوستی تک نہیں ہوئی اور رہی میری بات تو یہ بات سچ ہے کہ مجھے نازیہ کا بولنا، چلنا لڑکوں کی طرح ملنا جلنا بہت پرکشش لگتا تھا اس لئے ہم

دونوں بیسٹ فرینڈز تھیں اسکول کی اکثر لڑکیاں ہمیں لیلہ مجنوں کی جوڑی کہہ کر پکارتی تھیں میں تو یہ سن کر ہنس دیا کرتی تھی مگر نازیہ کا پارا ہر وقت ہائی رہتا تھا وہ سب سے لڑنے لگ جاتی تھی بالکل لڑکوں کی طرح جذباتی تھی جب بھی میں اس کو سمجھاتی کہ "نازیہ پلیز اتنا جذباتی ہونا ٹھیک نہیں ہے کچھ تو لڑکیوں والی بات لاؤ خود میں تھوڑی نزاکت لاؤ"

میری بات سن کر وہ ہر بار کی طرح ایک ہی جواب دیتی "یہی تو پرابلم ہے، نینا کاش میں لڑکی نہیں لڑکا ہوتی اور خدا نے مجھے لڑکی کی جگہ لڑکا بنایا ہوتا۔"

مجھے اس کی یہ بات ہمیشہ سے کفر معلوم ہوتی تھی میرا موڈ خراب ہوجاتا تو میں اسے سمجھاتی۔

"نازیہ اس طرح کی بات نہیں کرتے خدا کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی مصلحت ہوتی ہے یہ کفر ہے"

میری بات سن کر وہ کہتی۔

"اوہ پلیز! نینا بس میں اتنا جانتی ہوں کہ مجھے لڑکی نہیں لڑکا ہونا چاہئے تھا اس طرح ماما پاپا کو ایک بیٹا بھی مل جاتا"

میں ہمیشہ ہار مان کر بس اتنا ہی کہہ پاتی کہ "نازیہ میڈیم پوری دنیا ادھر سے ادھر ہوسکتی ہے مگر تم ہمیشہ اپنی بات ہی اوپر رکھنا۔"

میری بات سن کر ہنس کر کہتی۔ "ہاہاہا..... اسے کہتے ہیں مردوں والی بات مرد بننا چاہئے اور تم بھی نزاکت چھوڑو مرد بنو بالکل میری طرح" اور میں ہنس کر اتنا ہی کہتی۔ "اچھا تم جیتی اور میں ہاری۔"

زندگی کے دن یونہی ہنستے کھیلتے اسکول لائف بھرپور انجوائے کرتے گزر رہے تھے کہ ہم میٹرک کے فائنل ایگزام کی تیاری میں مصروف ہوگئے ایک دن پیپر سے متعلق کلاس ٹیچر سمجھا رہی تھی کہ کلاس میں نازیہ کی اچانک طبیعت خراب ہوگئی وہ اپنا پیٹ پکڑ کر زور زور سے درد کی وجہ سے چلا رہی تھی شدید درد اس کے پیٹ میں اٹھ رہا تھا اور وہ بری طرح تڑپ رہی تھی میں اس کے لئے خاصا پریشان ہوگئی تھی کہ ایگزام کی تاریخ قریب ہے اور نازیہ کی یہ حالت، بہرحال کلاس ٹیچر نے نازیہ کی امی کو کال کر کے بلالیا۔ نازیہ رقیہ آنٹی کے ساتھ چلی گئی جب دو دن نازیہ طبیعت کی وجہ سے اسکول نہ آسکی تو میں اپنی امی کے ساتھ نازیہ کے گھر گئی جو کہ ہمارے گھر سے کافی فاصلے پر تھا۔ جب میں اس کے ساتھ نازیہ کے گھر پہنچی تو نازیہ کی امی نے بتایا کہ "انہوں نے نازیہ کو اس کی خالہ کے گھر چھوڑ دیا ہے وہ یہاں نہیں ہے۔"

میں نے جھٹ سے کہا "لیکن آنٹی نازیہ کو آخر ہوا کیا ہے؟ اور اب تو ایگزام بھی ہونے والے ہیں کیا وہ ایگزام سے پہلے آجائے گی؟" رقیہ آنٹی نے بتایا "جب تک اس کا علاج چل رہا ہے کچھ کہہ نہیں سکتی مجھے اپنی بہن کے گھر جانا ہے نازیہ کے پاس"

رقیہ آنٹی کی بات سن کر میں اور امی گھر واپس آگئے، مجھے نازیہ کی بہت فکر تھی اتنا ہنسنے بولنے اور لڑنے جھگڑنے والی لڑکی کو آخر ہوا کیا ہے۔ رقیہ آنٹی کے جوابات مجھے مطمئن نہیں کرسکے تھے اور چند دن کے بعد ہی ایگزام شروع ہوگئے اور میں اپنے ایگزام کی تیاریوں میں مصروف ہوگئی پھر بھی مجھے نازیہ کا خیال تھا کیونکہ وہ پیپر دینے بھی نہیں آرہی تھی۔

ایگزام سے فارغ ہوکر جب میں دوبارہ نازیہ کے گھر گئی کہ آج تو نازیہ سے لازمی ملاقات ہوجائے گی اب تو اس کی طبیعت بھی ٹھیک ہوچکی ہوگی آج میں اسے خوب ڈانٹوں گی وہ سب سے لڑتی جھگڑتی ہے نا آج میں اس سے لڑوں گی بھلا دوست سے اتنی دوری بھی رکھا جاتا ہے۔

انہی سوچوں میں جب میں نے نازیہ کے گھر کا گیٹ کھٹکھٹایا تو ایک انجان خاتون نے گیٹ کھولا میرے پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ یہ گھر ہم نے ابھی ایک ہفتہ پہلے ہی خریدا ہے جو لوگ یہاں رہتے تھے وہ تو یہ گھر بیچ کر چلے گئے کہاں گئے ہیں یہ ہمیں نہیں معلوم۔

ان خاتون کی بات سن کر میں پریشانی اور تجسس میں پڑ گئی کہ آخر ایسی کیا بات ہوگئی کہ نازیہ مجھ سے ملے بغیر چلی گئی ہم تو بیسٹ فرینڈ تھے اس نے تو مجھے اپنی طبیعت پوچھنے تک کا موقع نہیں دیا مجھ سے ملنے تک نہیں آئی ان تمام سوالوں نے مجھے تجسس اور پریشانی میں مبتلا کر رکھا تھا ان سوالوں کے جوابات اگر کوئی دے سکتا تھا تو وہ نازیہ تھی اور نازیہ نجانے کہاں چلی گئی تھی۔

میٹرک کا رزلٹ آنے میں ابھی وقت تھا تو ابو نے کہا۔ "میں نے ٹرین کی ریزرویشن کروالی ہے تم سب اپنا سامان پیک کرلو کل ہم سب حیدر آباد جارہے ہیں بزنس کلاس سے۔"

ابو کی بات سن کر ہم سب خوش ہوگئے کیونکہ وہاں ہمارے کافی رشتے دار رہتے ہیں میری اپنی کزن انوشہ ہے اس کی اور میری کافی دوستی ہے اگلے دن ہم حیدر آباد کے لئے روانہ ہوگئے اور پھر حیدر آباد پہنچ گئے۔ وہاں انوشہ سے مل کر مجھے بہت خوشی ہورہی تھی ہم نے خوش ہوکر خوب باتیں کیں، شام کی چائے پینے کے بعد جب ہم چھت پر پہنچے تو پڑوس کے گھر کی چھت پر میں نے رقیہ آنٹی کو دیکھا جو کچھ کام کر کے فوراً ہی نیچے چلی گئیں۔ میں نے انوشہ سے پوچھا۔ "انوشہ یہ تمہارے پڑوس میں جو آنٹی ابھی چھت سے نیچے گئی ہیں، وہ تو رقیہ آنٹی ہیں ناں"

انوشہ نے حیران ہوکر مجھ سے پوچھا۔ "نینا تم رقیہ آنٹی کو کیسے جانتی ہو، ابھی تو ہم انہیں ٹھیک سے نہیں جانتے 15 دن پہلے ہی تو یہ لوگ یہاں شفٹ ہوئے ہیں۔"

میں بہت حیران تھی میں نے فوراً ہی انوشہ سے پوچھا۔ "ان کی چھوٹی بیٹی نازیہ سے ملاقات ہوئی تمہاری؟"

میری بات سن کر انوشہ حیران ہوئی۔

"نازیہ! کون نازیہ رقیہ آنٹی کی فیملی میں کوئی نازیہ نامی لڑکی نہیں ان کی دو بیٹیاں فرحت اور امبر ہیں تیسرا سب سے چھوٹا بیٹا ہے جس کا نام عمار ہے وہ بھی 17-16 سال کا ہوگا۔" انوشہ کی یہ بات میرے لئے قیامت سے کم نہیں تھی رقیہ آنٹی کا تو کوئی بیٹا تھا ہی نہیں پھر یہ عمار کون ہے؟ اور یہ انوشہ نازیہ کا ذکر کیوں نہیں کررہی مجھے مزید تجسس اور خوف سد محسوس ہونے لگا کہ کہیں نازیہ کو کچھ ہو تو نہیں گیا وہ کہیں.....

میں نے چائے کا کپ نہ صرف خود رکھا بلکہ انوشہ کے ہاتھ سے لے کر بھی رکھ دیا اور کہا۔ "مجھے ابھی رقیہ آنٹی کے گھر جانا ہے انوشہ تم مجھے ابھی لے کر چلو۔" انوشہ حیرانگی سے بولی "پر ہوا کیا ہے اچانک کچھ تو بتاؤ۔"

"میں زبردستی انوشہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے پڑوس کے گھر میں لے گئی میں نے گیٹ کھٹکھٹایا تو رقیہ آنٹی نے گیٹ کھولا میں ڈائریکٹ اندر چلی گئی فرحت اور امبر بھی رقیہ آنٹی کی طرح مجھے اپنے گھر میں دیکھ کر حیران پریشان تھیں جیسے ہی میں نے وہاں بیٹھے لڑکے کو دیکھا تو وہ زور زور سے زاروقطار رونے لگا مجھے عمار کو پہچاننے میں ذرا وقت نہ لگا کیونکہ وہ ہو بہو نازیہ کی شکل تھی، بس چہرے پر داڑھی کے ہلکے ہلکے بال آگئے تھے اور مونچھوں کے بال جو کہ اسے لڑکا ظاہر کررہے تھے جیسے نئے نئے جوان ہوئے لڑکے کے چہرے پر رونما ہوتے ہیں میں حیران پریشان اور تجسس بھرے انداز میں اس لڑکے کو دیکھ رہی تھی اندر سے ایک انجانہ خوف محسوس کررہی تھی کہ اچانک وہ میرے قریب آیا اور میرے گلے لگ کر خوب رونے لگا اور اپنی ہلکی مردانہ آواز میں روتے ہوئے کہنے لگا۔

"تم اکثر مجھ سے کہتی تھیں کہ خدا ناراض ہوتا ہے ایسی باتیں مت کرو نازیہ اور میں کبھی تمہاری بات نہیں سنتا تھا کہ کاش! خدا نے مجھے لڑکا بنایا ہوتا مجھے لڑکی نہیں لڑکا ہونا چاہئے تھا خدا نے شاید مجھے اسی چیز کی سزا دی ہے تم ٹھیک کہتی تھیں نینا کہ یہ کفر ہے جو میں بولتا ہوں آج مجھے کفر بکنے کی سزا مل چکی ہے۔

اس دن کلاس میں جو میرے پیٹ میں درد اٹھا تھا نا اور مجھے اسپتال لے جایا گیا تو پتا چلا کہ میرا جینڈر تبدیل ہوچکا ہے اور میں ایک لڑکی سے ایک لڑکا بن گیا ہوں بس اسی وجہ سے ہم لوگ وہ شہر چھوڑ کر آگئے ایک احسان کرنا مجھ پر نینا آج کے بعد مجھ سے ملنے مت آنا اور نہ ہی اس بات کا ذکر کسی سے کرنا پلیز یہاں سے چلی جاؤ میں وہ سب کچھ یاد نہیں کرنا چاہتا۔ پلیز! چلی جاؤ تم"

اس کی بات سن کر میں رونے لگی اور انوشہ کو لے کر وہاں سے گھر آگئی اور انوشہ کے پوچھنے پر میں نے اسے سب کچھ بتادیا اور اس سے وعدہ بھی لیا کہ وہ اس بات کا ذکر کبھی کسی سے نہ کرے۔

مجھے نازیہ کے لئے واقعی دکھ تھا وہ کس اذیت سے گزر رہی ہوگی اپنے گھر آنے کے بعد میں کبھی پھر نازیہ سے نہیں ملی۔ بس جس وقت نازیہ نے یہ کہا کرتی کہ "میں لڑکی کی جگہ

لڑکا ہوتا کاش! خدا نے مجھے لڑکا بنایا ہوتا۔" وہ وقت ہی عجیب تھا شاید۔ دوسرا حیرت انگیز قصہ کچھ یوں ہے۔

جب بھی ہم سب بہن بھائی ابو کے ساتھ بیٹھتے ہیں تو میں اکثر ابو سے حیرت اور پر تجسس قصے سننے کی فرمائش کرتی ہوں تاکہ مجھے کہانی لکھنے کے لئے سچویشن مل جائے۔

خیر میرے کہنے پر ابو نے ایک بوڑھی عورت کا قصہ سنایا جس کا تھیم میری دوست نازیہ کے ساتھ پیش آنے والے حیرت انگیز واقعہ سے ملتا جلتا تھا۔ تو قصہ کچھ یوں ہے۔

پہلے وقتوں کی بات ہے ایک گاؤں میں ایک بوڑھی عورت اپنی جھونپڑی میں اپنے بوڑھے شوہر کے ہمراہ رہتی تھی گزر بسر بڑی مشکل سے ہوتی تھی، کوئی اولاد بھی نہ تھی گھر میں زیادہ کچھ سامان بھی نہیں تھا ایک آٹا پیسنے کی چکی تھی وہ بوڑھی عورت آٹا پیستے وقت دن رات یہی دعا کرتی کہ اللہ تعالیٰ اس چکی کو سونے کا کردے۔ اسے سونے کا بنادے۔"

اس دعا پر اس کا شوہر اس پر ہنستا تھا کئی سالوں سے وہ دن رات یہی دعا کرتی تھی مگر اس کی دعا تھی کہ قبول نہیں ہو رہی تھی ایک دن اس بوڑھی عورت کو بہت غصہ آیا تو غصے میں اس نے کہا۔

"اے خدا سونے کا نہیں تو اس چکی کو لوہے کا ہی بنادے۔" وہ وقت ہی عجیب تھا شاید کہ اس بڑھیا کی بات پوری ہوگئی اور وہ چکی اسی وقت لوہے کی ہوگئی۔ اب وہ بڑھیا آٹا پیسنے کی کوشش کرے تو وہ چکی تو چل کر ہی نہ دے، لوہے کی بن جانے کی وجہ سے وہ جام ہوگئی اور بڑھیا اپنا سر پکڑ کر رہ گئی۔ اس کے شوہر نے جب یہ سب دیکھا تو کہنے لگا۔

"ارے نیک بخت اتنے سالوں سے جو دعا مانگ رہی تھی اس پر قائم تو رہتی اگر تو قائم رہتی تو آج یہ چکی سونے کی ہوتی اور ہم اسے بیچ کر اپنے بڑھاپے کا سامان کر لیتے اب آٹا پیسنے کا سہارا بھی گیا۔"

یہ قصہ حیرت ختم ہونے پر ابو نے بتایا کہ "انسان کو ہر وقت اللہ سے اچھی دعائیں مانگنی چاہئیں۔" میں نے ابو سے کہا۔ "وہ وقت عجیب تھا شاید بڑھیا کے لئے جبھی تو اس کے منہ سے ایسے الفاظ ادا ہو گئے اللہ تعالیٰ ہمیں اچھے کلمات منہ سے ادا کرنے کی توفیق دے۔" (آمین)

پھر میں نے ایک اور قصے کی فرمائش کردی تو ابو نے سنایا کہ "ہمارے دور کے جاننے والوں کے گھر قریب قریب تین بچے پیدا ہوئے تینوں بچے چھوٹے ہی تھے سب سے چھوٹا بیٹا فرمان بہت ضدی تھا اور روتا ہی رہتا تھا کم عمری کی شادی پھر جلدی جلدی بچوں کی پیدائش پر ماں پریشان رہتی کہ بچوں کو کیسے سنبھالوں اور فرحان تو انتہائی ضدی اور رونے والا بچہ ہے تو تنگ آ کر ماں ایک ہی بات کہتی رہتی کہ "یہ جو کالی بلی ہے نا میں تجھے اسے دے دوں گی کالی بلی لے جا فرحان کو یہ بہت تنگ کرتا ہے روتا ہے۔"

ان کے گھر میں ایک کالی بلی کا آنا جانا تھا جب بھی ماں اپنے بچے کو چپ کروانے کے لئے ایسا کہتی کہ "کالی بلی لے جا فرحان کو یہ بہت تنگ کرتا ہے روتا ہے۔"

تو بلی اسے دیکھتی، چند مہینوں میں اس بات کا اثر ایسا ہوا کہ وہ کالی بلی سب کی آنکھوں کے سامنے ایک ہیولہ سا بن کر فرحان کو اپنے ساتھ لے گئی، فرحان کے ماں باپ اسے روکتے رہ گئے مگر وہ تو کہیں نظروں سے اچانک غائب ہی ہوگئی۔

ماں باپ نے کئی عاملوں سے معلوم کیا تو عاملوں نے بتایا کہ "آپ کے گھر میں جو کالی بلی آتی تھی دراصل وہ کالی بلی کے روپ میں ایک جن تھی جو آپ کی اپنی اجازت سے آپ کے بیٹے فرحان کو لے کر چلی گئی، اب اس بچے کا ملنا ناممکن ہے اب اس بچے کی واپسی ناممکن ہے۔"

ماں باپ روتے رہ گئے اور اس بچے کا کچھ پتا نہ چل سکا کیونکہ وہ بچہ اس دنیا سے جنوں کی دنیا میں پہنچ گیا تھا۔

قارئین کرام! میری آپ سب سے گزارش ہے کہ اس حیرت ناک کہانی کو لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ یا ہم نہیں جانتے کہ کون سا وقت ہمارے لئے اچھا ہے اور کون سا عجیب وقت ہے لہذا جو بھی بولیں ہمیشہ سوچ سمجھ کر بولیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے حفظ وامان میں رکھے اور نادیدہ قوتوں سے ہماری حفاظت فرمائے۔ (آمین)

پراسرار بوڑھا

ملک فہیم ارشاد۔ ڈجکوٹ فیصل آباد

اندھیرے کا سینہ چیرتی اور قرب و جوار پر سکتہ طاری کرتی اچناک دل و دماغ کو دہلاتی ہوئی فلک شگاف چیخ قبرستان میں گونجی تو قبرستان میں موجود شخص کے رونگٹے کھڑے ہوگئے مگر پھر اچانک دوسری چیخ نے تو.....

قبرستان پر مسلط ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دینے والے اندھیرے میں مبہوت کرتی حقیقی کہانی

انسپکٹر انیل کی آنکھیں کھلیں تو اس نے حیرت سے اردگرد دیکھنا شروع کردیا وہ یہ سمجھنے کی کوشش کررہا تھا کہ وہ نیند سے کیوں جاگا تھا اور پھر اسے وجہ معلوم ہو ہی گئی۔ انسپکٹر انیل کا کوارٹر تھانے کی عقبی سائیڈ پر تھا۔ جس کا ایک دروازہ تھانے کی حدود میں کھلتا تھا اور دوسرا دروازہ گاؤں کی طرف کھلتا، دروازے پر تیز دستک کی آواز تھی جس کی وجہ سے انسپکٹر انیل کی نیند میں خلل پڑا تھا۔ انسپکٹر انیل چارپائی پر اٹھ کر بیٹھا اور چارپائی کے پاس پڑے اپنے جوتے پہنے اور تھانے کی طرف بڑھا، دروازے کے قریب پہنچنے تک مزید دو دفعہ دستک دی جاچکی تھی۔

"لگتا ہے کوئی سمسیا ہوگئی ہے....." انسپکٹر نے فکرمندانہ لہجے میں کہا اور ساتھ ہی دروازے کی کنڈی گرادی اور دروازہ کھول دیا، سامنے اے ایس آئی رمیش

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
وقار عظیم

کھڑا تھا۔'' تھانیدار صاحب وہ قبرستان کا گورکن آیا ہے اور کہہ رہا ہے قبرستان میں کوئی سمسیا کھڑی ہوگئی ہے۔'' رمیش نے تیز لہجے میں کہا۔

''سمسیا..... کیسی سمسیا؟'' انسپکٹر انیل نے سوالیہ نگاہوں سے رمیش کی طرف دیکھا۔

''وہ تو مجھے پتہ نہیں تھانیدار صاحب۔ گورکن کافی گھبرایا ہوا ہے بس یہی کہے جارہا ہے۔ قبرستان میں کوئی گڑبڑ ہے۔''

''آپ میرے ساتھ چلیں اور خود ہی پوچھ لیں۔'' رمیش نے کہا تو انسپکٹر انیل نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''ٹھیک ہے تم چلو میں وردی پہن کر آتا ہوں۔''

رمیش نے اثبات میں سر ہلایا اور واپس مڑ گیا۔ انسپکٹر انیل نے جلدی سے وردی پہنی اور تھانے کے برآمدے میں پہنچ گیا، برآمدے میں گورکن کھڑا تھا اور رمیش اس سے باز پرس کررہا تھا۔ ''کیا بتایا گورکن نے رمیش؟'' انسپکٹر انیل نے رمیش سے پوچھا۔

''تھتھ..... تھانیدار صاحب..... وہ..... وہ قبرستان میں کوئی بوڑھا انسان اسلم کی بیوی کی قبر کھود رہا تھا!!!'' گورکن نے پریشان لہجے میں ہکلاتے ہوئے بتایا۔

''اسلم کی بیوی کی قبر کھود رہا ہے۔'' کون ہے وہ بوڑھا؟ اور کیوں اسلم کی بیوی کی قبر کھود رہا ہے؟'' انسپکٹر انیل نے گورکن پر سوالوں کی بوچھاڑ کردی۔

''وہ..... وہ تو مجھے نہیں پتہ تھانیدار جی آپ..... جج..... جلدی چلیں تھانیدار جی.....'' گورکن نے درخواست کی۔

''اچھا ٹھیک ہے۔'' چلو پھر۔'' انسپکٹر نے اثبات میں سر ہلایا اور پھر انسپکٹر رمیش دو کانسٹیبل اور گورکن پیدل ہی قبرستان کی طرف چل پڑے۔ کیونکہ قبرستان تھانے سے زیادہ دور نہیں تھا۔ انہوں نے دو عدد لالٹین بھی ساتھ لے لی تھیں۔

یہ ایک چھوٹا سا گاؤں تھا جس میں ہندو اور مسلمان اکٹھے رہتے تھے۔ گاؤں کے اختتام پر ایک طرف مسلمانوں کا قبرستان تھا تو دوسری طرف ہندوؤں کا شمشان گھاٹ تھا۔ یہ ٹولہ قبرستان میں داخل ہوا اور گورکن پولیس پارٹی کو لالٹین کی روشنی میں اسلم کی بیوی کی قبر کے پاس لے گیا جو آدھی کھدی ہوئی تھی لیکن کھودنے والا وہاں موجود نہیں تھا۔

''بوڑھا کہاں چلا گیا۔'' گورکن نے حیرانگی سے اردگرد دیکھتے ہوئے کہا۔

''رمیش پورا قبرستان اور شمشان گھاٹ چان مارو، وہ بوڑھا قبرستان میں نہیں تو شمشان گھاٹ میں تو ضرور ہوگا کیونکہ راستے میں تو ہمیں کوئی انسان نظر نہیں آیا۔ جلدی کرو اور ایک لالٹین مجھے دے دو۔'' انسپکٹر نے حکم دیا تو رمیش نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے ایک لالٹین گورکن کو پکڑا دی اور خود کانسٹیبل کے ساتھ قبرستان میں اس بوڑھے کو ڈھونڈنے لگا۔ ''بوڑھا اس قبر کو کیوں کھود رہا تھا۔'' انسپکٹر نے گورکن سے پوچھا۔

''پپ، پپ، پتہ نہیں تھانیدار صاحب میں تو سو رہا تھا۔ پھر میری اچانک آنکھ کھلی تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی قبرستان میں ہے میں نے اپنے مکان میں پڑی لالٹین اٹھائی اسے روشن کیا اور اپنے مکان سے باہر نکل آیا۔ تھانیدار صاحب رات کا عالم ہے انسان تو انسان جانور اور پرندوں کی آواز بھی اس وقت نہیں آتی اور مجھے قبرستان میں ایسی آواز آرہی تھی جیسے کوئی قبر کھود رہا ہو۔

میرے کان کھڑے ہوئے اور میرے دل نے مزید دھڑکنا شروع کردیا اور میرا وجود بھی لرزنے لگا۔

''تھانیدار صاحب گاؤں میں اگر اس وقت کوئی مرجاتا ہے تو پہلی بات تو یہ ہے کہ کوئی اس وقت مردے کو دفناتا نہیں ہے اور اگر ایسی ضرورت پڑ بھی جائے تو گاؤں والوں نے مجھ سے ہی کہنا تھا گاؤں میں کسی کو قبر کھودنا ہی نہیں آتا۔ میں قبرستان میں چلتے چلتے ٹھٹک کر رکا کیونکہ اسلم کی بیوی کی قبر کی حالت ایسی تھی جیسے اسے کھودنے کی کوشش کی گئی ہے۔ لیکن کھودنے والا کوئی نہیں تھا۔ وہ شاید میرے قدموں کی آہٹ سن کر بھاگ کھڑا ہوا تھا۔ اب میں نے لالٹین کی روشنی میں پورا قبرستان چھان مارا

لیکن مجھے قبر کھودنے والا کہیں نظر نہیں آیا۔

میں شش و پنج میں مبتلا دوبارہ اپنے مکان میں آیا اور وہاں سے بیلچہ اٹھایا اور اسلم کی بیوی کی قبر کی مٹی برابر کی اور اپنے مکان میں واپس آگیا۔ بیلچہ اور لالٹین رکھنے کے بعد میں دوبارہ چارپائی پر لیٹ گیا۔ لیٹ تو میں گیا تھا۔ تھانیدار صاحب لیکن نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی، میں اسلم کی بیوی کی قبر کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ قبر کھودنا تھانیدار صاحب میرے باپ دادوں کا کام ہے اور یہ کام مجھے بھی وراثت میں ملا ہے۔

میں سوچوں میں غرق تھا کہ ایک مرتبہ پھر مجھے محسوس ہوا جیسے پھر کوئی قبرستان میں موجود ہے، میرے دل نے ایک مرتبہ پھر دھڑکنا شروع کردیا، میں نے ایک مرتبہ پھر چارپائی سے اٹھ کر اپنی چپل پہنی جان کے ڈر سے میں نے اس مرتبہ کلہاڑی اپنے ساتھ لے لی اور لالٹین نہیں لی کیونکہ وہ جو کوئی بھی تھا لالٹین کی روشنی دیکھ کر پھر بھاگ کھڑا ہوتا میں اپنے مکان سے باہر آیا اور محتاط قدموں سے اسلم کی بیوی کی قبر کی طرف بڑھنے لگا۔ مجھے پختہ یقین تھا کہ وہ جو کوئی بھی تھا اس کا مقصد اسلم کی بیوی کی قبر ہی تھا۔

اور جب میں وہاں پہنچا تو مجھے حیرت کا ایک شدید جھٹکا لگا کیونکہ کالی چادر میں چھپا ایک شخص اسلم کی بیوی کی قبر کدال سے کھود رہا تھا اس بوڑھے نے کافی حد تک خود کو کالی چادر کے اندر چھپانے کی کوشش کی تھی۔''

گورکن بتا رہا تھا کہ انسپکٹر انیل نے اسے ٹوکا۔

''کوشش۔''

''جی ہاں کوشش۔ تھانیدار صاحب اس کی بائیں کنپٹی پر سفید بال بھی نظر آرہے تھے اور کنپٹی پر بنا کالے رنگ کا مسا بھی اس بوڑھے نے قبر کے پاس ہی لالٹین رکھی ہوئی تھی۔ جس کی روشنی میں وہ اسلم کی بیوی کی قبر کھود رہا تھا۔ اس مرتبہ وہ بوڑھا اپنے کام میں اس قدر مصروف تھا کہ اسے میرے آنے کا احساس تک نہ ہوا اور اگر ہوجاتا تو وہ پھر پہلے کی طرح بھاگ جاتا۔

مجھے اس بوڑھے سے بہت زیادہ خوف محسوس ہوا اور میرے دل کی دھڑکنوں کی رفتار مزید تیز ہوگئی۔ میں نے ہمت کرکے اس بوڑھے کو اس کام کو روکنے کے لئے جیسے ہی منہ کھولنے کی کوشش کی۔ تھانیدار صاحب ایک عجیب بات ہوئی۔'' یہاں تک کہہ کر گورکن رکا۔

''کیا؟'' انسپکٹر انیل نے پوچھا۔

''تھانیدار صاحب میرے منہ سے آواز ہی نہ نکل سکی، مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میری زبان تالو سے چپک گئی ہے، مجھے بڑی حیرت ہوئی، میں نے دو تین مرتبہ کوشش کی..... لیکن کامیاب نہ ہوسکا، کلہاڑی چلانے کی مجھ میں ہمت نہیں تھی، تھانیدار صاحب اس لئے میں دبے قدموں واپس مڑا کلہاڑی اپنے مکان کے پاس رکھی اور آپ کو اطلاع کرنے تھانے چلا آیا۔'' گورکن یہاں تک کہہ کر خاموش ہوگیا۔

''ہوں۔'' انسپکٹر نے ایک گہری سانس کھینچی۔'' لگتا ہے پہلی دفعہ کی طرح اس مرتبہ بھی وہ بوڑھا بھاگ گیا۔''

''جی تھانیدار صاحب لیکن اس مرتبہ وہ قبر کافی حد تک کھود چکا ہے۔'' گورکن نے قبر کی طرف اشارہ کیا۔

''اس کا مطلب ہے ہم صحیح سمے پر پہنچے ہیں۔'' انسپکٹر نے گورکن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔'' پر نتو وہ بوڑھا یہ قبر کیوں کھود رہا تھا؟''

''یہ تو مجھے نہیں پتہ تھانیدار صاحب۔ لیکن ایک بات میرے ذہن میں آرہی ہے۔'' گورکن نے دماغ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''کیا۔'' انسپکٹر نے بے چین لہجے میں پوچھا۔ وہ سمجھا کہ گورکن کوئی انکشاف کرنے لگا ہے۔

''یہی کہ تھانیدار صاحب میں نے اس بوڑھے کو کہیں دیکھا ہے۔ وہ کالے رنگ کا کنپٹی پر مسا سفید بال۔'' گورکن نے دماغ پر مزید زور دیتے ہوئے کہا۔

''کہاں..... جلدی بتاؤ۔'' انسپکٹر نے اضطراری لہجے میں پوچھا۔

''یہی تو مسئلہ ہے تھانیدار صاحب کہ دماغ پر زور دینے کے باوجود مجھے یاد نہیں آرہا کہ میں نے اس پراسرار بوڑھے کو کہاں دیکھا ہے۔'' گورکن نے ہار مانتے

ہوئے کہا۔

"پراسرار بوڑھا۔" انسپکٹر نے سوالیہ نگاہوں سے گورکن کی طرف دیکھا۔

"پراسرار ہی تو ہے تھانیدار صاحب جو رات کے اس وقت بے خوف ہو کر کسی عورت کی قبر کھود رہا ہے۔" گورکن نے کہا، اس سے پہلے کہ مزید کوئی بات ہوتی رمیش اور وہ دونوں کانسٹیبل ناکام واپس لوٹے۔"

تھانیدار صاحب ہم نے قبرستان کا اور شمشان گھاٹ کا چپہ چپہ چھان مارا۔ پر نتو ہمیں وہ بوڑھا کہیں نہیں ملا۔" رمیش نے کہا۔

"لگتا ہے وہ بوڑھا جو کوئی بھی ہے اب دوبارہ واپس تو نہیں آئے گا۔" انسپکٹر نے پختہ لہجے میں کہا۔

"اور اگر وہ آ گیا تو۔" گورکن نے خوفزدہ نگاہوں سے انسپکٹر کی طرف دیکھا۔

"تم چنتا مت کرو۔ میں حوالدار کاشی رام کو یہیں چھوڑ جاتا ہوں۔" انسپکٹر نے گورکن کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"جج.....جی یہ اچھا ہے۔ حوالدار کی موجودگی میں وہ بوڑھا یہاں نہیں آئے گا۔" گورکن نے مطمئن ہوتے ہوئے کہا۔

☆.....☆.....☆

انسپکٹر انیل کے جانے کے بعد گورکن کو اس بات کی تسلی تھی کہ قانون کا ایک سپاہی اس کے پاس ہے گورکن نے اپنے مکان سے لکڑی کا ایک اسٹول حوالدار کاشی رام کو لا کر دیا تو کاشی رام اس اسٹول پر بیٹھ گیا اور لالٹین اسٹول کے پاس ہی رکھ دی۔ گورکن کاشی رام کے سامنے زمین پر بیٹھ گیا۔

"چاچا تو نے رات کے اس سے یہ کیا بکھیڑا کھڑا کر دیا ہے۔" کشی رام کا موڈ کافی خراب تھا۔

"میں نے.....نہیں جناب اس میں میرا تو کوئی قصور نہیں ہے۔" گورکن نے حیرانی سے کاشی رام کی طرف دیکھا۔

"تو اور کیا میرا قصور ہے۔ اس قبر میں کون سا کوئی خزانہ دبا ہوا تھا جو تو نے پورے تھانے کو پریشانی میں ڈال دیا۔" کاشی رام نے اکھڑے ہوئے لہجے میں کہا۔

"حوالدار صاحب میں نے آپ لوگوں کے پاس نہیں آنا تو پھر اور کس کے پاس جانا تھا۔ اگرچہ خدانخواستہ اسلم کی بیوی کی قبر کے ساتھ کچھ ہو جاتا تو اسلم کے گھر والوں نے اور آپ نے تو مجھ سے ہی پوچھنا تھا۔" گورکن کا لہجہ دکھ بھرا تھا۔

"اور کیا برا ہونا تھا اسلم کے ساتھ، اس کی بیوی تو مرگئی ہے۔" کاشی رام نے کہا۔ "چاچا تو نے تو کوئی خواب تو نہیں دیکھ لیا تھا۔"

"تو کیا اسلم کی بیوی کی آدھی قبر میں نے خواب میں کھود دی۔" گورکن کو بھی غصہ آ گیا۔

"حوالدار صاحب میں اتنا ضرور کہوں گا کہ اس قبر کو کھودنے کے پیچھے اس کا مقصد نیک نہیں تھا۔"

"مجھے تو وہ بوڑھا پاگل لگتا ہے۔ قبروں میں کون سا کوئی قیمتی چیزیں دفن ہوتی ہیں۔" کاشی رام نے کہا۔

"یہ تو مجھے نہیں پتہ جناب کہ وہ بوڑھا پاگل ہے یا صحیح۔" گورکن نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ "لیکن میں ایک مرتبہ پھر کہوں گا کہ اس بوڑھے کا مقصد نیک نہیں تھا۔"

"چاچا میری تو تھانیدار صاحب نے یہاں ڈیوٹی لگائی ہے۔ تمہاری کون سی مجبوری ہے۔ تم اٹھو اور جا کر سو جاؤ۔" کاشی رام نے گورکن سے جان چھڑاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے جی پھر میں چلتا ہوں۔" گورکن نے اٹھتے ہوئے کہا۔ لیکن کاشی رام نے کوئی جواب نہ دیا اور گورکن اپنے مکان کی طرف بڑھ گیا۔

"کاشی رام نے ناگواری سے گورکن کی طرف دیکھا اور پھر جیب سے سگریٹ نکال کر سگریٹ سلگانے کے بعد گہرے گہرے کش لینے لگا۔ اچانک کاشی رام کو کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی تو کاشی رام نے لالٹین کی روشنی میں ایک آدمی کا سایہ دیکھا جس نے ہاتھ میں کچھ پکڑ رکھا تھا اس سے پہلے کہ کاشی رام اسٹول سے اٹھتا سامنے کھڑے اس بوڑھے نے اپنے ہاتھ میں پکڑی کدال کاشی رام کے سر پر دے ماری تو کاشی رام کو چیخنے کا

موقع بھی نہ ملا۔

لالٹین کی روشنی میں بوڑھے کے چہرے پر شیطانی مسکراہٹ نظر آئی، بوڑھے نے زمین پر پڑی لالٹین اٹھالی، اب بوڑھے کا رخ گورکن کے مکان کی طرف تھا، بوڑھے نے ہولے سے گورکن کے مکان کا دروازہ کھولا اور ہلکے قدموں کے ساتھ مکان کے اندر داخل ہو گیا۔ قدموں کی آہٹ سن کر گورکن نے آنکھیں کھولیں اور اپنے سامنے اس بوڑھے کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔

بوڑھا اب چادر کی قید سے آزاد تھا۔ "آ..... آپ!!!" حیرت کے باعث گورکن کے منہ سے نکلا۔ اس مرتبہ وہ اس بوڑھے کو پہچان گیا تھا۔

"تم بار بار میرے راستے میں سمسیا کھڑی کر رہے ہو، اس لئے تمہاری مرتیو اب ضروری ہوگئی ہے۔" بوڑھے نے سرخ آنکھوں سے گورکن کو گھورتے ہوئے کہا، ساتھ ہی اس نے کدال کا ایک وار گورکن کے سر پر بھی کر دیا، گورکن کا انجام بھی کاشی رام جیسا ہی ہوا۔

بوڑھا گورکن کے مکان سے باہر آیا اور اپنی مطلوبہ قبر کے پاس پہنچا، بوڑھے نے لالٹین زمین پر رکھی اور اسلم کی بیوی کی قبر کو تیسری مرتبہ کھودنے لگا، اس مرتبہ اسے کسی کا ڈر نہیں تھا، کافی دیر کھودنے کے بعد بوڑھے نے کدال ایک طرف رکھی اور قبر کے گڑھے میں اتر گیا۔ اب وہ ہاتھوں سے مٹی ہٹانے لگا، جلد ہی قبر کی مٹی سے ایک خوب صورت عورت کا چہرہ برآمد ہوا، جسے دیکھ کر بوڑھے کے چہرے پر شیطانی مسکراہٹ نمودار ہوگئی۔

☆.....☆.....☆

"سر.....وہ.....کاشی رام اور گورکن کی ہتھیا ہوگئی ہے!!!" رمیش نے کہا تو انسپکٹر انیل کا گلا خشک ہونے لگا۔ "کک.....کیا!!!" انسپکٹر کا انداز چلانے والا تھا۔

"جی صاحب اور، اور اسلم کی بیوی کی لاش بھی اس قبر سے غائب ہے!!" رمیش نے ایک اور حیران کن خبر انسپکٹر کو سنائی اور حیرت کے باعث انسپکٹر کے منہ سے پھر وہی لفظ نکلا۔ "کیا!!!"

"مم.....مجھے تو یہ اسی بوڑھے کا کام لگتا ہے۔ رمیش نے اپنا خدشہ ظاہر کیا۔" میں اس خبیث کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" انسپکٹر آگ بگولہ ہو کر بولا۔ "یہ تو بہت غلط ہو گیا۔"

"جی ہاں صاحب بالکل۔ وہ بوڑھا ضرور کوئی پاپی ہے۔ تھانیدار صاحب اب ہمیں جلدی کرنی ہوگی اور اسے ڈھونڈنا ہوگا۔" رمیش نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

وہ موقع واردات پر پہنچے کاشی رام اور گورکن زندگی کی قید سے آزاد تھے۔ اسلم کی بیوی کی لاش بھی قبر سے غائب تھی۔ "رمیش تمہیں ان ہتھیاؤں کے بارے میں کیسے پتہ چلا؟" انسپکٹر نے رمیش سے پوچھا۔

"پھر رمیش گویا ہوا۔" آپ کے کوارٹر میں جانے کے بعد میں آپ کے کمرے میں آ کر بیٹھ گیا اور میں نے حوالدار کامے کو بھی وہیں بلوالیا۔" کامے یہ بوڑھے کا کیا چکر شروع ہو گیا۔" میں نے کامے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ تو میری سمجھ سے باہر ہے رمیش صاحب۔" کامے نے کہا۔ "اس بوڑھے کا ملنا بہت ضروری ہے۔ مجھے خطرے کی زبردست بو آ رہی ہے۔" میں نے اپنے دل کی بات کامے کو بتائی۔

"بوڑھا کے ملنے کی امید تو صبح ہی ہو سکتی ہے۔ رات کے اس سے اندھیرے میں دینو اس بوڑھے کا کھرا تلاش نہیں کر سکے گا۔" کامے نے کہا۔

"ہاں.....اور مجھے صبح کا بڑی بے چینی سے انتظار ہے۔ پر نتو۔" رمیش کہتے کہتے رکا۔

"پر نتو کیا؟" کامے نے بھی بے چینی سے پوچھا۔

"پر نتو رات ڈھلنے اور صبح ہونے میں بھی کافی سمے ہے۔" میں نے کامے کو اپنی حالت بتائی۔

"جی ہاں، یہ تو ہے۔"

"کامے ایک سگریٹ تو پلاؤ۔"

"رمیش صاحب ایسی بات نہیں سگریٹ تو شام کے ختم ہو گئے تھے۔ اور میں لینا بھول گیا تھا۔ آپ کو تو معلوم ہے میں زیادہ سگریٹ نہیں پیتا اور جب دو تین سگریٹ لینے ہوں تو کسی سے دکاندار کے پاس سگریٹ

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام وقار عظیم

کی خالی ڈبی نہیں ہوتی۔ بس اسی کارن میں خالی ڈبی نہیں پھینکتا۔'' کامے نے تفصیلی کارن کے بتایا تو میں مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

''پرنتو میرا تو اس سے سگریٹ پینے کو بہت من کررہا ہے۔'' میں نے کامے کو اپنے من کی بات بتائی۔

''رمیش صاحب۔ پورے تھانے میں آپ، میں اور کاشی رام ہی سگریٹ پیتے ہیں۔ اب بچا کاشی رام تو اس کے پاس تو ہر سے سگریٹ ہوتی ہی ہے۔'' کامے نے کہا۔

''تو قبرستان یہاں سے کون سا دور ہے۔ تم جاؤ اور کاشی رام سے دو تین سگریٹ لے آؤ۔ ہماری رات بھی کٹ جائے گی کیونکہ جب تک یہ معاملہ حل نہیں ہوتا مجھے تو نیند نہیں آتی۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کامے سے کہا تو وہ بھی مسکراتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا اور کمرے سے باہر نکل گیا، اب میری سوچ اس بوڑھے کے گرد گھومنے لگی تھی۔ ''تھوڑی دیر بعد بدحواسی میں کامے کمرے میں داخل ہوا میں چونکا۔ ''کیا ہوا کامے؟.....'' میں نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

''وہ..... وہ..... تب..... قبرستان میں کاشی رام..... کاشی رام کی لاش پڑی ہے!!''

''کک..... کیا!!'' میں اپنی کرسی پر زور سے اچھلا۔

''جج..... جی..... صاحب'' کامے ہکلایا۔

میں نے مزید دو بندے ساتھ لئے۔ اور قبرستان پہنچا۔ کاشی رام واقعی مر چکا تھا۔ میں نے باقی دونوں بندوں کو قبرستان چھاننے کو کہا تو پتہ چلا گورکن کی بھی ہتھیا ہو چکی ہے۔ اور اسلم کی پتنی کی لاش بھی قبر سے غائب ہے۔ تھانیدار صاحب یہ سارا کام اسی پراسرار بوڑھے کا ہے۔ اور پھر میں آپ کو اطلاع کرنے چلا آیا۔'' یہاں تک کہہ کر رمیش خاموش ہو گیا۔

''رمیش تھانے میں جتنا عملہ ہے سب کو ساتھ لے لو اور پورے گاؤں میں پھیل جاؤ اور گاؤں سے باہر جانے والے راستے بھی چیک کرو۔ مجھے جلد از جلد وہ بوڑھا چاہئے۔'' انسپکٹر انیل نے سخت لہجے میں رمیش کو کہا تو رمیش نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

☆.....☆.....☆

وہ ایک بڑا سا کمرہ تھا جس کے وسط میں ایک بڑے سے میز پر ایک خوب صورت عورت لیٹی ہوئی تھی عورت کے چہرے کے تاثرات سے لگتا تھا کہ وہ زندگی کی قید سے آزاد ہے ٹیبل کے ایک طرف لمبے سفید بالوں اور لمبی سفید داڑھی والا ایک بوڑھا کھڑا تھا جس کے ماتھے پر لال رنگ کا ایک ٹیکا لگا ہوا تھا اور اس کی دائیں کنپٹی پر ایک کالے رنگ کا بڑا سا مسا تھا بوڑھے نے اورنج کلر کا کرتا اور دھوتی پہن رکھا تھا اور وہ آنکھیں بند کر کے منہ میں کچھ پڑھ رہا تھا۔

میز کے دوسری طرف ایک خوب صورت نوجوان کھڑا تھا جو بوڑھے کی طرف حسرت بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا تھوڑی دیر بعد اس بوڑھے نے آنکھیں کھولیں تو وہ خون کی طرح سرخ تھیں اس نے مسکراتے ہوئے نوجوان کی طرف دیکھا۔ ''آپ کی پتنی اب ہمیشہ کے لئے آپ کو ملنے والی ہے۔ اب آپ اپنا کام کریں۔''

بوڑھے نے نوجوان سے مودبانہ لہجے میں مخاطب ہوتے ہوئے کہا تو نوجوان نے اثبات میں سر ہلایا اور میز پر پڑے چاقو کو اٹھایا اور اپنا دوسرا ہاتھ میز پر پڑی اس عورت کی لاش کے اوپر کیا اور چاقو اپنی ہتھیلی پر پھیرنے لگا، ہاتھ کی ہتھیلی سے خون نکل کر عورت پر گرنے لگا۔

''بس ٹھیک ہے اب آپ ہاتھ پیچھے کرلیں۔'' بوڑھے نے اس نوجوان سے کہا تو لڑکے نے اپنا ہاتھ پیچھے کرلیا۔ اب بوڑھا دوبارہ آنکھیں بند کر کے پھر منہ میں کچھ پڑھنے لگا۔

اسی وقت اس کمرے میں رمیش، کچھ کانسٹیبلز اور چند دیہاتی اندر داخل ہوئے۔ ''خبردار اگر کسی نے اپنی جگہ سے ہلنے کی کوشش کی تو اسے گولیوں سے بھون دیا جائے گا۔'' رمیش نے اپنی پستول اور کانسٹیبلوں نے اپنی بندوقوں کا رخ بوڑھے اور اس خوب صورت نوجوان کی طرف کیا اس خوب صورت نوجوان کا چہرہ دیکھ کر وہاں موجود سب لوگوں کو حیرت کے شدید جھٹکے لگے سوائے

اس پراسرار بوڑھے کے جو اپنی آنکھیں کھول چکا تھا۔

''انیل صاحب آپ!''

رمیش نے حیرانگی سے اس نوجوان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جو انسپکٹر انیل تھا، وہاں موجود سب لوگوں کے چہرے پر بھی حیرت تھی۔

''مم..... مم..... میں اس بوڑھے یعنی اس پنڈت کو گرفتار کرنے آیا ہوں۔'' انسپکٹر انیل نے تو اس بوڑھے یعنی اس گاؤں کے مندر کے پنڈت نے حیرانگی سے انسپکٹر کی طرف دیکھا۔

''مورکھ یہ کیا کہہ رہا ہے تو۔ یہ سب تو میں تیرے لئے ہی کر رہا ہوں۔ یاد نہیں۔ اس دن جب تو مندر میں میرے پاس آیا تھا اور کافی پریشان تھا۔'' کیا ہوا تھانیدار صاحب۔'' میں نے تم سے پوچھا۔

''پنڈت جی دنیا میں جیون کے ساتھ مرتیو کیوں ہے؟'' تم نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔

''تھانیدار صاحب یہ جیون اور مرتیو زندگی کا حصہ ہیں جو جان دنیا میں آتی ہے وہ دنیا سے جاتی بھی ہے۔ یہی بھگوان کی اچھا ہے۔'' میں نے تمہیں بتایا۔

''پرنتو پنڈت جی جن سے ہم پریم کرتے ہیں جن کے بغیر ہمارا ایک پل نہیں گزرتا ہم ان کے بغیر اپنی بچی کھچی زندگی کیسے گزاریں۔'' تم نے جیون سے بیزار لہجے میں کہا۔

''ایسے نراش نہیں ہوتے تھانیدار صاحب۔'' جیون گزارنے کے اور بھی کئی طریقے ہیں۔ سے ہر زخم بھر دیتا ہے۔ ایسا آپ کے ساتھ کیا ہوا؟ جو آپ جیون سے اتنا نراش ہو گئے ہیں۔'' میں نے تم سے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

''میرا جیون، میری ہر چیز ختم ہو گئی، پنڈت جی، میں دنیا میں جس سے سب سے زیادہ پریم کرتا تھا میری پتنی راگنی مجھے ہمیشہ کے لئے تنہا چھوڑ گئی۔'' اتنا کہہ کر تم رونے لگے۔ ''وہ میرا سب کچھ تھی پنڈت جی، مجھے اب زندگی بالکل بے کار لگ رہی ہے، پنڈت جی کیا مرے ہوئے لوگوں کو دنیا میں لانے کا کوئی اپائے نہیں ہے؟''

''اپائے..... اپائے تو ہے، تھانیدار صاحب۔'' میں نے غور سے تمہاری طرف دیکھتے ہوئے کہا تو تم نے حیرانگی سے میری طرف دیکھا۔ ''کیا واقعی..... پنڈت جی کوئی اپائے ہے۔''

''تمہیں وشواس نہیں ہوتا۔ اپائے تو ہے۔ پرنتو تمہارے قانون کے دائرے سے باہر ہے۔'' میں نے کہا۔

''اپ اپائے بتائیں۔ میں اپنی پتنی کے سامنے کسی قانون کو نہیں مانتا، آپ اپائے بتائیں۔''

''تم نے بے چین لہجے میں کہتے ہوئے پوچھا۔

''آپ کر پائیں گے تھانیدار صاحب۔'' مجھے تمہاری باتوں پر وشواس نہیں آ رہا تھا۔

''بالکل، پرنتو آپ کو وشواس ہے کہ آپ میری پتنی کو دوبارہ زندہ کر پائیں گے۔''

تم نے آس بھری نظروں سے میری طرف دیکھا۔ ''اس کے لئے آپ کو ایک جوان کنیا کے مردہ شریر کو مجھے دینا ہوگا۔'' میں نے کہا۔

''مردہ شریر۔ میں شریر کا پربند کیسے کروں گا۔'' تم نے میری طرف دیکھا۔

''چلو ٹھیک ہے تھانیدار جی۔ شریر کا پربند (بندوبست) بھی میں ہی کرلوں گا۔'' میں نے کہا۔

''پرنتو آپ کیسے پربند کریں گے۔'' تم نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

''مسلمانوں کے قبرستان سے، آپ نے بس یہ معلوم کرنا ہے کہ جس دن گاؤں میں کسی جوان عورت کا دیہانت ہو تو مجھے بتانا ہے۔'' میں نے کہا۔

''پرنتو آپ جوان شریر کا کیا کریں گے۔'' تم نے پوچھا۔

''اس شریر میں میں آپ کی پتنی کی آتما کو لاؤں گا۔ یہ آتما شریر سے الگ ہو کر شریر کی تلاش میں رہتی ہیں۔'' میں نے بتایا۔

''پنڈت جی کیا ایسا ممکن ہے؟''

''تمہیں اب بھی میری باتوں پر وشواس نہیں آ رہا

تھا۔'' بالکل ممکن ہے۔ آپ بس اپنے کان کھڑے رکھیں۔ کسی بھی نوجوان عورت کے دیہانت کا مجھے بتانا ہے۔ باقی سارا کام میرا ہے۔'' میں نے کہا اس بات کے کچھ دنوں بعد یعنی آج صبح اسلم کی پتنی کا دیہانت ہوگیا تو تم نے مجھے بتایا میں اسلم کی پتنی کی لاش قبرستان سے نکالنے گیا تو گورکن میرے کام میں رکاوٹ بننے لگا، باقی کی کہانی تم جانتے ہو۔

گورکن اور اس حوالدار کی ہتھیا کرنے کے بعد میں اسلم کی پتنی کی لاش نکال کر مندر میں لے آیا اور یہ تھانیدار صاحب (انسپکٹر انیل) تم لوگوں کو میری تلاش میں بھیج کر یہاں چلا آیا تاکہ اس کی پتنی کی آتما کو میں اسلم کی پتنی کا شریر دے سکوں۔''

''پرنتو مجھے حیرت ہے کہ تم یہاں تک کیسے پہنچے۔'' پنڈت نے ساری بات بتاتے ہوئے رمیش کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

''جرم کی ترکیب چاہے جتنی مرضی مضبوط ہو پنڈت جی، پرنتو مجرم سے کوئی نہ کوئی غلطی ضرور ہوتی ہے۔ تمہیں گورکن نے پکڑوایا ہے۔ اس نے میری مدد کی ہے!!!'' رمیش نے ایک عجیب بات کہی۔

''تو پنڈت اور انسپکٹر انیل کو حیرت کا ایک جھٹکا لگا۔ ''گورکن! پرنتو میں نے تو اس کی ہتھیا کردی تھی۔'' پنڈٹ کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔

''کبھی کبھی لاشیں بھی کام دے جاتی ہیں، پنڈت جی جب مجھے انیل صاحب نے تمہیں ڈھونڈنے کا کہا تو میں تمہیں ڈھونڈنے کے لئے نکلا، تبھی مجھے گورکن کی وہ بات یاد آئی، گورکن نے تمہارا جو حلیہ بتایا تھا کہ اس بوڑھے کی دائیں کنپٹی پر بڑا سا کالے رنگ کا مسا ہے اور میں نے اس بوڑھے کو پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔''

''تب میرے ذہن میں آیا کہ ایسا بڑا مسا تو صرف پورے گاؤں میں مندر کے پنڈت کی کنپٹی پر ہے، جب مجھے یاد آیا تو میں یہ بات انیل صاحب کو بتانے تھانے پہنچا تو ایک حوالدار نے بتایا کہ ''تھانیدار صاحب اپنے کوارٹر میں ہیں۔''

پھر میں انیل صاحب کے کوارٹر میں پہنچا تو وہاں ان کی وردی کھونٹی پر لٹکی ہوئی تھی، انیل صاحب کو یہاں آنے کی اتنی جلدی تھی کہ جو دروازہ تھانے کی حدود میں کھلتا تھا وہ بھی کھلا چھوڑ آئے تھے اور گاؤں کی طرف کھلنے والے دروازے سے یہاں چلے آئے۔ پرنتو اس کا رن بھی مجھے انیل صاحب پر کوئی شک نہیں ہوا۔ وہ تو یہاں پہنچ کر مجھے حیرت ہوئی۔

میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ قانون کا پاٹ پڑھنے والا ایک پڑھا لکھا ایسی بے معنی باتوں پر وشواس کرتا ہے۔ وشواس بھی کرتا ہے اور اس گھناؤنے جرم میں شامل بھی ہوتا ہے۔'' رمیش افسوس زدہ لہجے میں بولا۔

''یہ پنڈت جھوٹ بولتا ہے رمیش۔ میں تو اسے پکڑنے آیا تھا۔'' انسپکٹر انیل کھوکھلے لہجے میں بولا۔

''انیل صاحب آپ سب کے سامنے آچکے ہیں آپ کی کھوکھلی دلیلیں آپ کا ساتھ نہیں دے سکتیں۔ رمیش نے نفرت بھری نگاہوں سے انسپکٹر انیل کی طرف دیکھا۔

''پرنتو تم مجھے یہاں سے نہیں لے جا سکو گے۔ میرے بھگت تمہارا وہ حال کریں گے کہ تم یاد رکھو گے۔'' پنڈت نے مغرورانہ لہجے میں اپنی لمبی لمبی سفید داڑھی پر ہاتھ پھیرا تو رمیش مسکرا دیا۔

''پنڈت جی یہ بات مجھے اچھی طرح معلوم تھی کہ تم کو پکڑنا مشکل ہوگا اسی لئے میں آپ کی کرتوتیں دکھانے کے لئے آپ کے سب چاہنے والوں کو ساتھ لایا ہوں کچھ اس کمرے میں ہیں، کچھ مندر میں ہیں اور کچھ مندر کے باہر ہیں، تم نے گھبراہٹ کی وجہ سے اپنا اور انیل صاحب کا پردہ خود ہی فاش کردیا۔'' رمیش نے پنڈت کو لاجواب کرتے ہوئے کہا۔

تھوڑی دیر میں ہی انسپکٹر انیل اور وہ پنڈت حوالات میں تھے، اسلم کی بیوی کی لاش کو دوبارہ قبر میں دفنایا جاچکا تھا۔

خونی انتقام

سکندر حبیب گجر۔ سیالکوٹ

اچانک جب ایک شخص کا خون ہوگیا تو چشم زدن میں ایک روح نمودار ہوئی اس کی آنکھوں میں گہری چمک تھی اور لبوں پر مسکان، اس کے لب ہلے اور وہ گویا ہوئی۔ "اچھا ہوا یہ پاپی نرک میں چلا گیا۔"

کوئی کسی کا سکون برباد کر کے کیسے خوش رہ سکتا ہے، اسی کے مصداق دل گرفتہ کہانی

ان دنوں راجہ کا پایا تخت گوالیار ہوا کرتا تھا میرے والد صاحب انگریز سرکار کے زیر تابع ایک اعلیٰ عہدے پر فائز تھے انہیں فوجی چھاؤنی میں بہت سے سپلائی آرڈر اور ٹھیکے ملا کرتے تھے اس کے علاوہ بہت بڑے شکاری بھی تھے ان کی دیانتداری اور ایمانداری کی وجہ سے گوری چمڑی والے ان پر بہت مہربان رہتے یہی وجہ تھی کہ ہمارے گھر میں ضرورت زندگی کی ہر چیز ہر وقت موجود رہتی تھی۔

میں برائے نام ہی اسکول کی طرف گیا تھا پھر پڑھائی کو چھوڑ چھاڑ کر والد صاحب کے ساتھ ان کے کام میں مصروف ہوگیا ان دنوں پوری دنیا دوسری عالمی جنگ کی زد میں آچکی تھی ہر طرف بھوک، افلاس اور مفلسی اپنا ناچ دکھانے لگی بہت سے لوگ اس کی چکی میں پسنے لگے مگر یہی جنگ ہمارے لیے خوشحالی اور باعث رحمت بن

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
محمد وقار عظیم

کر آئی فرنگی سرکار کی طرف سے والد صاحب کو جنگل کی لکڑیوں کا بڑا ٹھیکہ مل گیا جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر انہیں مختلف فوجی چھاؤنیوں میں بھیجا جانے لگا۔

گھانی ٹاپو کا جنگل گوالیار کا مشہور جنگل بڑا وسیع و عریض بہت زیادہ رقبے پر پھیلا ہوا تھا شہر کی جنوبی سمت میں یہ جنگل اپنی شہرت آپ رکھتا تھا جس میں چیتا، سانبھر، نیل گائے، ہرن، جنگلی سور کثرت سے پائے جاتے تھے اس کے علاوہ شیر، ہاتھی، جنگلی بھینس، دریائی گھوڑے، تیندوا، بھیڑیئے بھی کافی تعداد میں ملتے تھے سانپ نیولا کے علاوہ دیگر کئی انواع اقسام کے پرندے بھی لاتعداد موجود تھے پرندوں میں ایک خاص قسم کا پرندہ جو کہ خوبصورت گہرا سبز اور آواز اتنی سریلی اور مدہوش کن تھی کہ سننے والے مبہوت ہو کر رہ جاتے وہ اکثر صبح چڑھتے سورج کے وقت اپنا راگ الاپتا تھا۔

جنگل کے ساتھ ساتھ ایک بڑی ندی بہتی تھی جس کی ایک طرف مزدوروں نے اپنی عارضی بستیاں بنا رکھی تھیں ایک طرف جنگل دوسری طرف مزدوروں کی بستیاں اور درمیان میں وہ ندی تھی جنگلی جانور اسی ندی میں آ کر پانی پیا کرتے تھے مگر اس پار آ کر انہوں نے مزدوروں کو کبھی تنگ نہیں کیا تھا مزدوروں نے قدرتی پل کے علاوہ دو تین متبادل پل مزید بنا رکھے تھے جس سے جنگل میں آمدورفت کا سلسلہ وسیع ہو گیا تھا میں نے ہمیشہ ایک ہی شوق کو پالا تھا وہ تھا شکار..... یعنی مجھے جنون کی حد تک شکار کھیلنا پسند تھا اپنے والد صاحب سے نشانے بازی اور تجربہ سیکھنا شروع کیا، میں جب بھی جنگل میں جاتا کوئی نہ کوئی شکار مار کر ضرور لاتا جب کوئی بڑا شکار کرتا تو مزدوروں کو ان کا حصہ باقاعدہ دیتا اس وجہ سے مزدور مجھ سے بہت خوش تھے اور ہمیشہ میری عزت کیا کرتے مزدوروں کی عورتیں اور بچے بھی ان کے ساتھ ہی ہوا کرتے تھے اور شانہ بشانہ ان کے ساتھ کام کاج میں ہاتھ بٹاتے۔

ان مزدوروں کا باقاعدہ ایک لیڈر تھا جس کا نام ''گھنشام'' تھا بہت مکار، چالباز اور گھٹیا شخصیت کا مالک تھا، آئے دن اس کی شکایتیں ملتی رہتی تھیں وہ ہر ایک عورت پر بری نظر ڈالنے کا عادی تھا میں نے کئی بار اسے ڈانٹا بھی، والد صاحب بھی اکثر اسے آڑے ہاتھ لیتے مگر وہ ڈھیٹ کی طرح معافی مانگ کر ایک کان سے سنتا دوسرے سے اڑا دیتا۔

مجھے تمام مزدوروں میں صرف ایک شخص سے دلی لگاؤ تھا اور وہ تھا نوما..... جس کا اصل نام مجھے بھی معلوم نہیں تھا سب اسے نوما ہی کہا کرتے تھے وہ گورے چٹے رنگ کا گھبرو مضبوط تر خوبصورت نوجوان تھا اس کی چوڑی چھاتی اور رعب دار آنکھوں سے ہمیشہ میں مرعوب رہتا، وہ مسلمان تھا مگر اس نے ایک سکھ لڑکی سے شادی کی تھی جس کا نام پاربتی کور تھا پاربتی انتہائی خوبصورت حسین لڑکی تھی گھنے سیاہ بال، کشادہ آبرو، تیکھے نقوش واقعی اس کا حسن لاجواب اور بے مثال تھا۔

''کہنے والے کہتے ہیں نوما اور پاربتی میں شادی سے پہلے محبت کی داستان ارقم تھی دونوں نے متضاد مذہب کی دیوار پھاند کر شادی کی تھی دونوں کا تعلق پنجاب کے ایک دیہات سے تھا ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے تھے دونوں کی جوڑی خوب تھی۔

میں جب بھی جنگل میں شکار کھیلنے جاتا تو نوما میرے ساتھ ہوتا میرے ساتھ ہمارا خاص ملازم موج سنگھ بھی ہوتا نہ جانے اس کے ماں باپ نے کس موج میں آ کر اس کا نام موج سنگھ رکھ دیا تھا وہ اکہرے وجود کا بہادر انسان تھا مگر سکھوں والی عادتیں اس میں عام پائی جاتی تھیں وہ جاٹ اور مذہبی قسم کا سکھ تھا لیکن نوما اور پاربتی کی شادی سے اسے کوئی اعتراض نہ تھا وہ خود مسلمانوں میں پل بڑھ کر جوان ہوا تھا اس لیے اس کی نظر میں مسلمان ہندوؤں سے زیادہ بہتر تھے۔

میں جب بھی نوما کو اپنے ساتھ شکار پر لے جاتا تو گھنشام دل مسوس کر رہ جاتا اس کا خیال تھا کہ وہ نوما سے زیادہ عقل مند ہے اسے حیثیت میں بھی برتری حاصل ہے لہٰذا اسے ساتھ لے کر چلنا چاہئے مگر نوما ایک بہترین شکاری ہی نہیں..... ایک اچھا گائیڈ بھی تھا

وہ جنگل کے چپے چپے سے اس طرح واقف تھا جیسے یہاں پل بڑھ کر جوان ہوا ہو وہ جانوروں کی بولیاں اور آوازیں بھی بخوبی سمجھ لیتا تھا اس کے علاوہ وہ بہت اچھا نشانے باز تھا اس کا نشانہ کبھی خطا نہ ہوتا حالانکہ اس بے چارے کے پاس گن بھی نہ تھی ایک بار میں نے اس سے پوچھا ''تمہارے پاس گن بھی نہیں پھر تم نے اتنا اچھا نشانہ لگانا کہاں سے سیکھا.....؟

اس نے جواب دیا ''جب بھی کوئی شکاری آتا ہے تو میں اس سے معاوضہ لے کر جنگل میں اس کے ساتھ جاتا ہوں بطور گائیڈ وہ مجھے انعام بھی دے جاتے ہیں پھر دو تین گوروں کی بندوق سے میں نے نشانہ لگانا سیکھ لیا ہے۔''

میں ہمیشہ اس کی ذہانت دیکھ کر اسے داد دیتا، گھنشام کی مکاری اور کمینی عادت کا سب کو علم تھا دوسری عورتوں کے علاوہ اس کی گھناؤنی نظر نوما کی بیوی پاربتی پر بھی رہتی تھی مگر نوما کا رعب اور دبدبا دیکھ کر اس کی کبھی ہمت نہ پڑی، نوما کے مقابلے میں وہ بالکل زیرو تھا گھنشام کے علاوہ باقی کے تمام مزدور بھی نوما سے دب کے رہتے تھے۔

ایک دن میں مزدوروں کی بستی میں آیا اور ایک مزدور سے نوما کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا ''وہ جنگل کی طرف گیا ہے'' کچھ فاصلے پر گھنشام بھی کھڑا تھا وہ چلتا ہوا میرے پاس آ گیا۔

''خان صاحب اگر میرا اندازہ صحیح ہے تو آپ جنگل میں شکار کھیلنے کے لئے جا رہے ہیں'' وہ بولا۔

''ہاں..... وہ تو ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''آپ کبھی ہمیں بھی ساتھ لے کر جائیں ہماری قابلیت بھی دیکھ لیں مجال ہے جو شکار ہماری نظروں میں آ کر بچ جائے۔''

میں اس کی بات اچھی طرح سمجھ رہا تھا وہ کہاں سے بول رہا ہے وہ خود کو نوما کے مقابلے میں بہتر شکاری اور بہادر ثابت کرنے کی کوشش کر رہا تھا میں ہنس پڑا اور اس کو جواب دیا۔

''گھنشام وقت آیا تو ضرور آزمائیں گے فی الحال تو نوما ہی ہمارے لیے ٹھیک ہے'' میرا جواب سن کر وہ خاموش ہو گیا مگر اندر سے جل بھن کر رہ گیا۔

میں نے ایک مزدور کے ذریعے نوما کو اپنے پاس طلب کیا پھر ہم جنگل کی طرف چل پڑے جنگل میں مزدوروں کے پاس کٹائی کے وقت موج سنگھ بھی رہا کرتا میں کم ہی جایا کرتا تھا گن کے سوا باقی کا سامان نوما نے ہی اٹھایا تھا ابھی ہم جنگل کے اندر ہی داخل ہوئے تھے کہ..... ہمیں ایک موٹا تازہ ہرن دکھائی دیا میں نے اس کا نشانہ لے کر گن سیدھی کر لی مگر نوما نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے روک دیا۔

''خان صاحب! یہ مادہ ہرن ہے یقیناً اس کے بچے آس پاس ہوں گے اس کا شکار کرنا ہمیں زیب نہیں دیتا'' اس کا انداز تھا یا تیز نظر کا کمال.....

واقعی ساتھ والی جھاڑیوں میں ہمیں اس کا ننھا سا بچہ دکھائی دیا شاید وہ ہماری آواز سن کر اپنے بچے کو بچانے کے لئے ہمارے سامنے آ گئی تھی ممتا کی محبت کا یہ محیر العقول منظر دیکھ کر میں انگشت بدنداں رہ گیا کتنا احساس زدہ اور پرکشش رشتہ ہوتا ہے، یہ ماں خود تو مر سکتی ہے مگر بچے کو موت کے حوالے ہرگز نہیں کر سکتی میں نے نوما کی ذہانت پر اسے داد دی اور آگے نکل پڑے، جنگل کے بیچوں بیچ ایک آبشار بہتی تھی ہم اس طرف آ گئے آج میرا ارادہ ایک بڑا شکار مارنے کا تھا آبشار کافی اونچائی سے گر رہی تھی جس کی آواز کافی دور سے سنائی دینے لگتی تھی۔

اچانک نوما کے کان کھڑے ہو گئے وہ چوکنے ہرن کی طرح ادھر ادھر دیکھنے لگا اس نے کہا۔ ''نیل گائے کا جھنڈ اس طرف آ رہا ہے ہمیں چھپ جانا چاہئے اچھا شکار ہتھے چڑھ سکتا ہے۔'' اس کا مشورہ معقول تھا ہم ایک چٹان کی آڑ میں چھپ گئے کچھ دیر بعد نیل گائے کا کافی بڑا جھرمٹ اس طرف آ گیا پانی پی کر وہ واپس مڑتے جا رہے تھے وہ گردنیں اٹھا کر عجیب سی آوازیں نکالتے یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ محتاط ہو کر پانی پیو..... نوما نے

مجھے اشارہ کیا یہی وقت ہے ایک آدھا مار گرائیں۔ لیکن میرا خیال تھا جب سارے پانی پی کر واپس مڑ جائیں تو آخر میں کسی کو نشانہ بناؤں دوسرے تو آرام سے پانی پی لیں سب پانی پی کر جانے لگے صرف اکا دکا ہی نظر آرہے تھے میں نے بڑے آرام سے ایک موٹے تازے نر نیل گائے کا نشانہ لے کر فائر کردیا جو جھٹ سے اس کی گردن پر لگا باقی سب بھاگ کھڑے ہوئے درختوں پر بسیرا کیے پرندوں نے شور مچادیا وہ نیل گائے چند قدم چلا پھر چکرا کر گر پڑا ہم نے بھاگ کر اسے قابو کیا پھر میں نے نوما سے کہا تم واپس جاؤ اور چند مزدوروں کو ساتھ لے آؤ گائے اٹھا کر بستی میں لے چلتے ہیں نوما کو میں نے اپنا شکاری چاقو دے دیا تھا تاکہ کسی بھی خطرے کے پیش نظر وہ خود کی حفاظت کرسکے میں خود گن لے کر وہاں جمارہا تاکہ کوئی درندہ اس طرف نہ آسکے کئی اناڑی شکاری شکار مار کر لاپرواہی سے چھوڑ دیتے ہیں پھر پاس چھپے درندے یا چھوٹے جانور شکار اٹھا کر لے جاتے ہیں اور شکاری کو پتہ بھی نہیں چلتا۔

کچھ دیر بعد نوما چند مزدوروں کو ساتھ لیے آ گیا وہ سب گائے اٹھا کر بستی میں آئے پھر اس دن سب نے بڑی رغبت سے گوشت کھایا سوائے ان چند کٹر ہندوؤں کے جس میں گھنشام بھی شامل تھا۔

تیسرے دن جب میں مزدوروں کی بستی میں آیا تو سب ایک جگہ اکٹھے ہوکر آپس میں چہ میگوئیاں کررہے تھے میں حیران ہوا آج یہ کام پر کیوں نہیں گئے۔

"غضب ہ وگیا خان صاحب" گھنشام میرے قریب آ کر خوفزدہ اور بے بسی سے ملے جلے انداز میں بولا "ہماری بستی میں ایک خونخوار چیتے نے حملہ کردیا اور منگورام کی بھیڑ اٹھا کر لے گیا۔"

"یہ کب ہوا؟ کس نے دیکھا اس چیتے کو یہ بھی ہوسکتا ہے تمہارا وہم ہو" میں دیکھ رہا تھا چیتے کو لے کر تمام لوگ ہراساں تھے۔

"نہیں حضور یہ ہمارا وہم نہیں ہے" منگورام بولنے لگا۔ "ہم نے خود اپنی آنکھوں سے ایک لمبے تڑنگے چیتے کو بستی کی طرف آتے دیکھا ہے میں صبح صبح پیشاب کے لئے قریبی جھاڑیوں کی اوٹ میں جارہا تھا کہ ہم نے دیکھا ایک چیتا دبے پاؤں بستی کی طرف جارہا ہے پہلے ہم نے سمجھا کوئی قد آور کتا ہوگا مگر دوسرے ہی پل وہ ہماری بھیڑ کو منہ میں دبائے جنگل کی طرف بھاگ گیا ہم نے شور مچادیا مگر تب تلک وہ غائب ہوچکا تھا۔"

"تم لوگ کام پر جاؤ میں کچھ اقدام کرتا ہوں ہوسکتا ہے چیتا بھوکا ہو دوبارہ یہاں آئے" میں نے انہیں سمجھا بجھا کر کام پر بھیج دیا صرف نوما کو اپنے پاس رہنے دیا میں نے اسے چند ہدایتیں دے کر چیتے پر نظر رکھنے کو کہا اگر وہ دوبارہ یہاں آتا ہے تو اسے ماردو۔"

دوسرے دن چیتا دن دیہاڑے ایک بکری اٹھا کر لے گیا مزدوروں میں تشویش کی لہر دوڑ گئی پہلے سے دہشت زدہ مزدور چیتے کی دیدہ دلیری سے مزید سراسیمہ ہوگئے چیتے کی ہمت اسے آدم خور بنا سکتی تھی میرے لیے یہ اچھنبے اور تردد کی بات تھی ایک بار کسی درندے کے منہ انسانی خون لگ جائے تو وہ آدم خور ہوجاتا ہے میں نے تسلی و تشفی دی اور کہا "پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں میں یہاں رک کر چیتے کو دیکھتا ہوں آپ کے سامنے اسے گولیوں سے چھلنی کردوں گا" میں وہاں رک گیا لیکن وہ چیتا دو دن تک وہاں نہ آیا میں نے سوچا چیتے کو شکار ملنا شروع ہوگیا ہے اس لیے وہ اپنا راستہ بدل چکا ہے کیونکہ جنگلی درندہ اس وقت ہی انسانی آبادی پر حملہ کرتا ہے جب اسے شکار نہیں ملتا اور قدرے مطمئن ہوچکے تھے چیتا کسی اور طرف نکل گیا ہے۔

چند دن بستی میں رہنے کے بعد میں واپس آ گیا مگر چھٹے روز جو خبر مجھے ملی اس نے مجھے چکرا کر ہی رکھ دیا چیتے نے ایک عورت جس کا نام کوروتی تھا اس پر حملہ کردیا تھا، میں جلدی جلدی بستی میں پہنچا عورت کو ایک سایہ دار درخت کے نیچے چارپائی پر لٹا دیا گیا تھا اس کے بازو پر گہرے پنجوں کے نشان تھے اور درد کی وجہ سے کراہ رہی تھی شاید اس کی کچھ سانسیں باقی تھیں جو اس کی جان بچ گئی ورنہ چیتے جیسے درندے سے بچنا ناممکن ہی ہوتا ہے

میں نے عورت سے اس واقعہ کی تفصیل پوچھی اس نے بتایا۔ وہ کپڑے دھونے کے لئے ندی پر گئی تھی وہ اپنے خیالوں میں کپڑے دھونے میں مگن تھی کہ اچانک اسے قریبی جھاڑیوں سے چیتے کی غراہٹ سنائی دی وہ سمجھی کوئی کتا ہوگا مگر دوسرے لمحے چیتا اس کے سامنے آ گیا اور چشم زدن میں اس پر حملہ کردیا وہ شاید آج زندہ نہ ہوتی اگر اس کے ہاتھ میں کپڑے دھونے والا ڈنڈا نہ ہوتا، جو عموماً عورتیں کپڑے دھونے کے لئے ساتھ لے جاتی تھیں اس مضبوط ڈنڈے کا کمال یہ ہوتا تھا کہ پتھر پر کپڑے کو رکھ کر اوپر سے اس کی ضربیں لگانے سے میل نکل جاتا تھا کوروتی نے وہ ڈنڈا چیتے کی ناک پر مارا تھا اور شور مچانے سے چیتا وہاں سے بھاگ گیا، جاتے جاتے اپنے پنجوں کے نشان چھوڑ گیا۔

میں نے زخم مندمل کرنے والی مرہم عورت کو دے دی پھر چیتے سے دو دو ہاتھ کرنے کے لئے جنگل میں جانے کا فیصلہ کرلیا اس کے لئے میں نے موج سنگھ کو ساتھ لیا اور جنگل میں آ گئے چلتے چلتے ہم جنگل کے ایک ایسے سرے پر آ گئے جہاں کبھی پہلے نہ آئے تھے یہاں بھی ایک چھوٹی سی ندی بہہ رہی تھیں جس کا شفاف اور ٹھنڈا پانی دیکھ کر ہماری پیاس جاگ اٹھی ہم اس طرف آ گئے موج سنگھ شاید تھک چکا تھا پانی پینے کے بعد اس نے کہا۔ "کچھ دیر یہاں آرام کرنے کے بعد آگے چلتے ہیں۔" ہم ایک درخت کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔

خیر سارا دن جنگل میں خوار ہونے کے باوجود بھی چیتا نہیں مل سکا شام کے قریب ہم ناامید ہوکر لوٹ آئے۔

واپسی پر میں نے نوما کو طلب کیا اور اپنی پرانی گن اسے دیدی تاکہ وہ رات بھر بستی کی حفاظت کرے اچھے کارتوسوں کا ایک ڈبہ بھی دے دیا اور کہا "اگر تمہیں مزید ضرورت پڑے گی تو لادوں گا لیکن وہ چیتا بستی میں نہیں آنا چاہیے اگر موقع ملا تو اسے ماردینا" میں نے اس کی آمدنی بڑھا کر لکڑیاں کٹوانا بند کروادیں۔

گن پا کر وہ خود کو خوابوں کی دنیا میں تصور کرنے لگا وہ بار بار بندوق پر ایسے ہاتھ پھیرتا رہا تھا جیسے اس کی دیرینہ بڑی آرزو پوری ہوگئی ہو کئی بار اس کی دبی آواز کو محسوس کرچکا تھا آج اسے خواب کی تعبیر مل چکی تھی گھنشام یہ سب دیکھ کر جل بھون کر کباب ہوگیا اس نے اشارے کنایئے سے مجھے بتایا "گن تو مجھے ملنی چاہئے تھی نوما کو دے کر آپ نے بڑی غلطی کی ہے"

میں نے گھنشام سے کہا "ہر انسان ہر مہارت کا قائل نہیں ہوسکتا قابلیت ہر کسی کا ورثہ یا امتزاج نہیں ہوتا نوما میں اچھے شکاری اور نشانہ باز کے مکمل گن ہیں اس کے علاوہ وہ بے باک اور نڈر انسان ہے تم بھی جب اس قابل ہوجاؤ گے تو تمہیں بھی گن مل جائے گی۔"

"رہنے دو صاحب جی! یہ تو ویسے ہی نوما سے جلتا ہے کسی دن اس کا ہاتھ اس کی کنپٹی پر ہوگا تو ساری ہیکڑی باہر آجائے گی" موج سنگھ نے کھری کھری سنائی تو گھنشام نغلیں جھونکتا وہاں سے چلتا بنا۔

میں نے نوما کو کچھ باتیں سمجھا کر پرے بیٹھا دیا مگر کمال ہے جو چیتا تین چار دن اس طرف بھٹکا بھی ہو، دن ہو یا رات نوما چوکنے سپاہی کی طرح بستی کے اردگرد پہرا دیتا رہا ایک دن نوما نے بتایا کہ چیتا شام میں آیا ضرور تھا مگر مجھے گن کے ساتھ مستعد دیکھ کر بستی سے باہر ہی نو دو گیارہ ہوگیا لوگ مطمئن تو ہوچکے تھے لیکن ایک رات چیتا چپکے سے آیا اور بکری لے اڑا جس مزدور کی بکری تھی وہ چیتے کے پیچھے بھاگا بھی تھا مگر چیتے کی رفتار اس سے تیز تھی ندی کے پل سے ہوتا ہوا جنگل میں گھس گیا گھنشام نے اس واقعہ کو نوما کی نااہلی قرار دیا۔ میں نے اس مزدور سے تفصیلاً بات پوچھی اس نے بتایا کہ رات کو حسب معمول وہ سو رہا تھا جب اچانک کتوں نے زور زور سے بھونکنا شروع کردیا اس نے سمجھا کوئی لومڑ یا گیدڑ وغیرہ گھس آیا ہوگا مگر کتے مسلسل بھونکنے لگے مجھے کچھ شک ہوا اگر کوئی چھوٹا موٹا جانور ہوتا تو کتے اس کو بھگا دیتے ان کی آواز سے لگ رہا تھا وہ خود خوفزدہ ہیں میں اپنی کلہاڑی اور روشنی لے کر باہر نکلا تو ایک چیتا کتوں پر غرا رہا تھا پھر جیسے ہی کتے ڈر کر پیچھے ہٹے اس نے بکری

منہ میں دبائی اور بھاگ کھڑا ہوا پھر دیکھتے ہی دیکھتے جنگل میں گھس گیا۔

مجھے یقین ہوگیا یہ وہی چیتا ہے جس نے مزدوروں کے اندر خوف وہراس پھیلا دیا ہے میں نے نوما کے ساتھ کچھ مزید آدمی پہرے پر لگا دیئے نوما نے بتایا کہ رات کئی بار چیتے سے اس کا سامنا ہوا مگر وہ بہت مکار ہے میری گن سیدھی کرنے سے پہلے ہی رفو چکر ہوجاتا ہے نوما کے ساتھ پہرے داروں کے لگانے سے فائدہ یہ ہوا کہ چیتا اس طرف آتا مگر ان کو دیکھ کر بھاگ جاتا کئی بار نوما نے اسے نشانے پر لیا مگر وہ پہلے ہی بھاگ جاتا اب چیتے نے اس طرف آنا تقریباً بند ہی کر چکا تھا۔

مگر ایک دن ایسا ناخوشگوار واقعہ رونما ہوا جس نے میرے دل ودماغ کو تو کیا روح کو بھی جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ صبح صبح موج سنگھ نے ایسی خبر سنائی جسے سن کر بہت صدمہ ہوا اور ایسا دھچکا لگا کہ کھانا حلق سے نیچے نہ گیا۔

اس خونخوار چیتے نے نوما کی بیوی پاربتی کو اپنا شکار بنالیا تھا۔

ہم جلدی بستی میں پہنچے پاربتی کی لاش ندی کے کنارے پڑی ہوئی تھی کافی لوگ اس کے گرد جمع تھے نوما بھی ہمارے ساتھ ہی وہاں پہنچا تھا اس کی آنکھوں میں زار وقطار آنسو جاری تھے دونوں میاں بیوی ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے تھے ابھی چند دن قبل نوما نے مجھے باتوں باتوں میں بتایا تھا کہ وہ باپ بننے والا ہے پاربتی امید سے ہے، خوشی اس کے چہرے پر مزین تھی جس پر دھنک کے سات رنگ مچل رہے تھے، آج میرے علاوہ موج سنگھ اور دیگر لوگوں کے دل بھی افسردہ تھے۔

میں اور نوما لاش کے پاس بیٹھ کر اس کا معائنہ کرنے لگے اس کا نرخرہ پوری طرح ادھڑا ہوا تھا، چیتے نے تیز نوکیلے دانتوں سے اس کا نرخرہ اچھی طرح چبا ڈالا تھا مگر ایک بات نے مجھے فوری طور پر چونکا دیا پاربتی کی عصمت دری کی گئی تھی اس کی پھٹی ساڑھی بازوؤں اور گردن کے آس پاس خراشوں کے نشان گواہی دے رہے تھے کہ اس کی پہلے عصمت دری ہوئی ہے لیکن.....

ایک درندے کو کسی عورت کی عزت سے کیا غرض..... میں نے دوسری عورتوں سے اس واقعہ کے بارے میں پوچھا عورتوں نے بتایا کل شام ہم یہاں ندی میں کپڑے دھونے آئی تھیں پاربتی بھی ساتھ تھی ہم سب نے کپڑے دھولیے اور پاربتی سے چلنے کو کہا لیکن اس نے کہا ابھی چند کپڑے باقی ہیں تم جاؤ میں آجاتی ہوں ہم سب بستی میں آگئیں نوما یہاں نہیں تھا اس لیے کسی نے پاربتی کی طرف توجہ نہ دی، سب لوگوں نے سمجھا وہ آچکی ہے لیکن آج صبح یہاں آکر دیکھا تو اس کی لاش پڑی ملی۔

مجھے یاد آیا نوما کو میں نے کسی کام سے شہر بھیجا تھا اگر میں اسے نہ بھیجتا تو آج یہ دن نہ دیکھنا پڑتا ہوسکتا ہے اسے چیتے نے ہی مارا ہو کیونکہ اس کے منہ پر انسانی خون لگ چکا تھا مگر اس کی عصمت دری.....

یہ پراسرار معمہ میرے دماغ میں کسک پیدا کررہا تھا، نوما نے لاش پر سے کوئی چیز اٹھا کر جھٹ پٹ اپنی جیب میں چھپالی میں نے اٹھ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

''نوما مجھے بھی اس بات کا دکھ ہے مگر میں وعدہ کرتا ہوں بہت جلد اس خونخوار چیتے کو مار کر تمہاری پاربتی کا بدلہ ضرور لوں گا''

نوما نے معمولی سی سر کو جنبش دی'' خان صاحب اس درندے کو اب آپ نہیں ماروگے اسے میں ماروں گا اپنے ہاتھوں سے۔''

''میں تمہارے جذبات کی قدر کرتا ہوں ایک کام کرتے ہیں اس لاش کو یہی پڑا رہنے دیتے ہیں چیتے نے صرف اسے مار کر یہاں رکھا ہے ہوسکتا ہے اس وقت اس کا پیٹ بھرا ہوا گر وہ بھوکا ہوگا تو اس لاش کو کھانے ضرور آئے گا پھر ہم با آسانی اسے نشانے پر لے سکتے ہیں۔''

میں نے نامناسب سی رائے دی۔

نوما نے اشک بھری آنکھیں اٹھا کر میری طرف دیکھا اور بولا۔''ایک تو اس درندے نے میری بیوی کو چیر پھاڑ ڈالا، میں ایسا بے غیرت نہیں جو اس کی برہنہ لاش یوں سرعام پڑی رہنے دوں اگر وہ سکھ ہے تو میں تو مسلمان ہوں ٹھیک ہے اس نے اپنا نام نہیں بدلا پہچان نہیں بدلی لیکن دل سے وہ مسلمان تھی اور ایک مسلمان کی غیرت کبھی گوارا نہیں کرتی اس کی بیوی کی لاش یوں پڑی رہے اور درندے اس کی لاش کو نوچیں'' اس کا جواب سن کر مجھے اپنی نادانی پر افسوس ہوا۔

پاربتی کی لاش وہاں سے اٹھالی گئی بعد میں نماز جنازہ پڑھانے کے بعد دفنا دیا گیا، وہاں کٹر سکھوں اور ہندوؤں نے اس بات کا برا منایا کہ پاربتی کا انتم سنسکار کرکے جلانا چاہئے مگر میں نے سب کو ڈرا دھمکا کر خاموش کروادیا۔

میں نے موج سنگھ کو پیسے دیئے کہ وہ ایک موٹی تگڑی صحت مند بھیڑ لے آئے، شام تک موج سنگھ ایک بھیڑ لے آیا پھر ہم دونوں نے ندی کے پاس دو بڑے درختوں کے اوپر مچان باندھ لی چیتا عموماً اسی راستے پر آیا جایا کرتا تھا کچھ ہی فاصلے پر ایک کچا سا راستہ جنگل کی طرف جاتا تھا جہاں دھول پر چیتے کے پنجوں کے نشان پائے گئے میں نے بڑی مشکل سے پنجوں کا سراغ لگایا تھا۔

رات کے وقت میں اور موج سنگھ مچان پر بیٹھ گئے بھیڑ ہم نے نیچے باندھ دی ہمارا کامل یقین تھا کہ چیتا بھیڑ کی بو پاکر اس طرف ضرور آئے گا پھر ہم با آسانی اسے مار دیں گے میری اس ترکیب کو موج سنگھ نے خوب سراہا۔

چودھویں کے چاند کی روشنی ہر سو پھیلی ہوئی تھی دور دور تک ہر چیز شفاف آئینے کی طرح واضح دکھائی دے رہی تھی حشرات الارض ہر طرف شور مچا رہے تھے کبھی کسی شکاری سے پوچھیئے گا جب رات کو جنگل میں مچان باندھ کر بیٹھتے ہیں تو کیسا دلفریب اور پرکیف منظر ہوتا ہے ہم کافی دیر تک باتیں کرتے رہے سامنے ندی میں انواع واقسام کے جانور آتے پانی پی کر نکل جاتے اب ہمیں اندازہ ہوگیا کہ چیتا آنے والا ہے ہم چپ ہوگئے ایک اہم بات جب تک ہم باتیں کرتے رہے بھیڑ خاموش رہی جیسے ہی ہم چپ ہوئے وہ اپنی آواز کا جادو جگائے وہ سمجھ رہی تھی کہ ہم اسے تنہا چھوڑ کر جاچکے ہیں تنہائی چیز ہی ایسی ہوتی ہے جسے انسان تو کیا جانور بھی محسوس کرتے ہیں بھیڑ کا اس طرح شور کرنا ہمارے لیے فائدہ مند تھا چیتا اس کی آواز سن کر اس طرف ضرور آئے گا موج سنگھ کو بار بار بے چینی ہورہی تھی وہ چیتے کو جلد از جلد کیفر کردار تک پہنچانا چاہتا تھا میں نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

رات پچھلے پہر میں ڈھل چکی تھی یکا یک فضا پر عجیب سا تاثر پڑا جانوروں کی مختلف بولیاں اور پرندوں کی چہچہاتیں سنائی دیں پانی پینے والے جانور ندی سے ہٹتے چلے گئے یہ تاثر اس بات کی گواہی تھی کہ جنگل کا راجہ شیر ندی کی طرف پانی پینے آرہا ہے بھیڑ اور زور زور سے چلانے لگی ساتھ ہی وہ اچھل کود کر کے رسی تڑوانے کی پوری کوشش کررہی تھی موج سنگھ نے اپنی بندوق سیدھی کرلی شیر نے رک کر فضا میں سونگھنے کی کوشش کی پھر بھیڑ کی بو سونگھ کر اس کی طرف بڑھنے لگا بھیڑ پہلے سے زیادہ خود کو رسی سے چھڑوانے کے لئے کوشش کرنے لگی شیر بھیڑ کے قریب آکر رک گیا اور حیرانی سے اس کی طرف دیکھنے لگا جیسے سوچ رہا ہو یہ کہاں سے آگئی شیر کو قریب دیکھ کر بھیڑ کی آواز بند ہوگئی وہ خزاں رسیدہ پتے کی طرح تھر تھر کانپنے لگی۔

موج سنگھ اس پوزیشن میں تھا کہ شیر پر گولی چلا سکے میں نے اسے کہا وہ شیر پر گولی نہ چلائے کیونکہ اس علاقے میں شیر کا شکار ممنوع تھا گوری چمڑی کی حکومت تھی وہ جس چیز پر پابندی لگادیتے ماننا پڑتی ورنہ کچھ بھی ہوسکتا تھا مگر موج سنگھ جیسا جاٹ انسان کہاں سننے والا تھا اس نے غصے سے دانت پیستے ہوئے شیر پر گولی چلادی جو اس کی پچھلی ٹانگ پر لگی اور وہ چیختا چلاتا ایک طرف بھاگ گیا۔

''معاف کرنا خان صاحب ہم سکھ لوگ کرنے سے پہلے نہیں بلکہ کرنے کے بعد سوچتے ہیں یہ شیر ہمارا ماما لگتا تھا جو مفت کی بھیڑ کھا جاتا''

اس کی مضحکہ خیز بات سن کر میں نے قہقہہ لگایا۔ بھیڑ نے جب ہماری آواز سنی تو اسے اطمینان ہوا اس

کے بعد ہم نے ساری رات مچان پر بیٹھ کر گزار دی چیتے کو نہ آنا تھا نہ ہی آیا موج سنگھ پوری طرح بھنا چکا تھا وہ غصے سے بیچ وتاب کھاتا چیتے کو گالیوں سے نوازتا رہا سحری کے قریب ایک گیدڑ آیا اور بھیڑ کے قریب کھڑا ہو کر اسے بغور دیکھنے لگا موج سنگھ جو پہلے ہی غصے سے بھرا پڑا تھا فوراً گیدڑ پر فائر کر دیا گیدڑ بے چارے کو اگلا سانس لینا بھی نصیب نہ ہوا چکرا کر ایک طرف گر پڑا اور چڑھتے سورج کے ساتھ ہی ہم واپس آ گئے۔

مزدور پوری طرح خائف ہو چکے تھے انہوں نے چیتے کے ڈر سے کام پر جانا بند کر دیا ادھر گھنشام نے یہ اعلان کیا کہ وہ اکیلا ہی جنگل میں جائے گا اور اپنی لاٹھی سے چیتے کو مار ڈالے گا پھر کچھ لوگوں نے اسے اکیلے جنگل کی طرف جاتے دیکھا اگلے روز اس کی لاش بھی ایک درخت کے نیچے پڑی ملی جس کا گلا پوری طرح چبایا ہوا تھا اور تمام وجود سے تھوڑا تھوڑا گوشت اڑ چکا تھا اس کی لاش بھی پاربتی کی لاش جیسی تھی جسے ادھ موا کھا کر چیتے نے چھوڑ دیا، مجھے گھنشام کے مرنے پر کوئی دکھ نہ تھا مگر اس کی موت پر نوما بہت خوش نظر آ رہا تھا اس نے مجھ سے کہا ''گھنشام کی لاش کو یہیں پڑا رہنے دیتے ہیں چیتا اس کی لاش کھانے یہاں ضرور آئے گا'' مجھے نوما کی بات پر حیرانگی ہوئی اس دن جب میں نے یہ بات کہی تھی تو اس کا کیا ردعمل تھا۔

چیتے کی اس واردات کے بعد ہم نے یہ فیصلہ کیا کہ جنگل میں جا کر اس کا ہر حال میں کھوج لگایا جائے اور جتنی جلدی ممکن ہو سکے اسے مار دیا جائے لہٰذا اگلے دن تمام تیاری کے ساتھ میں نے موج سنگھ اور نوما کو ساتھ لیا اور جنگل کی طرف چلے آئے نوما گن لیے آگے اس کے پیچھے میں اور میرے پیچھے موج سنگھ تھا جس کے ہاتھ میں مضبوط دستے والی تلوار تھی۔

اچانک ایک جگہ رک کر نوما نے چیتے کا فضلہ دکھایا جو بالکل تازہ تھا آگے چل کر پنجوں کے نشان بھی واضح ہوتے چلے گئے یکا یک ایک جگہ رک کر نوما اپنے نتھنے پھیلا کر فضا میں کسی کی بو سونگھنے لگا خبردار..... چیتا آس پاس ہی ہے اس نے ہمیں اشارہ کیا چیتا یہیں کہیں ہے خود کو تیار رکھو میں مستعد ہو کر گن کے گھوڑے پر انگلی رکھے محتاط اور چوکنی نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

دفعتاً ہمیں چیتے کی غراہٹ سنائی دی میرے کان پھڑکے آواز کا تعاقب کر کے گردن گھما کر اس درخت کی طرف دیکھا جس کی موٹی شاخ پر ایک قد آور چیتا کھڑا دائرے میں دم ہلا رہا تھا یہ اس بات کا شگون تھا کہ وہ ہم پر حملہ کرنے والا ہے اس سے پہلے کہ میں اس کو اپنا نشانہ بناتا اس نے موج سنگھ جو اس کے پاس ہی کھڑا تھا اس پر جست لگا دی چیتے نے اس کی گردن دبوچنے کی کوشش کی تھی مگر اس کی بڑی پگڑی نے اس کی جان بچالی اس کے بڑے بڑے بال بکھر کر اس کے چہرے پر آ گئے البتہ اس کے بازوؤں پر خراشوں کے نشان ضرور آ چکے تھے۔

چیتا ہمارے درمیان آ گیا میں نے ایک لمحے کی تاخیر کیے بغیر اس پر فائر داغ دیا جو بالکل اس کی گردن پر لگا اس نے غراہٹ کے لئے منہ کھولا تو اس کے نوکیلے دانت دکھائی دیئے دوسرا فائر نوما کی گن سے نکلتا ہوا اس کے پیٹ میں لگا وہ لڑکھڑانے لگا پھر میرا اور نوما کا ایک ساتھ فائر اس کی کھوپڑی میں لگا چیتا زمین پر گرا کچھ دیر تڑپنے کے بعد ہمیشہ کے لئے ٹھنڈا ہو گیا۔

میں اور نوما موج سنگھ کے پاس گئے جو ابھی تک سکتے کی حالت میں کھڑا تھا اس کی گردن اور بازوؤں پر پنجوں کے نشان تھے میرے ہلانے سے اسے ہوش آ گیا میں نے اسے پانی دیا پانی پینے کے بعد جیسے ہی اس کے حواس بحال ہوئے اس نے بال درست کر کے دوبارہ پگڑی باندھ لی۔

ہم تینوں مردہ چیتے کے پاس بیٹھ کر اس کا معائنہ کرنے لگے وہ کافی عمر کا چیتا تھا جس کے پنجوں کے ناخن گھس چکے تھے سامنے کے دو بڑے دانت بھی ٹوٹے ہوئے تھے شاید وہ اب بوڑھا ہونے کی وجہ سے شکار کرنے کے قابل نہیں رہا تھا اس لیے وہ انسانی آبادی پر حملہ کرتا رہا تا کہ آسانی سے شکار ملتا رہے۔

''کیا چیتے کو اٹھا کر بستی میں لے چلیں'' موج سنگھ نے پوچھا۔

''اتنا بڑا چیتا اٹھا کر لے جانا ہمارے لیے ناممکن ہے اس کی کھال اتار کر لے جاتے ہیں مزدوروں کو دکھا کر بتائیں گے چیتا مار دیا ہے'' نوما کی تجویز اچھی تھی ہم نے چیتے کی کھال اتاری اور جا کر مزدوروں کو دکھا دی چیتے کی موت پر وہ بہت خوش ہوئے اس رات انہوں نے جشن منایا اور پھر کام پر لگ گئے دن تیزی سے گزرتے گئے پھر ٹھیکہ ختم ہو گیا اور مزدور واپس چلے گئے ان بیتے دنوں میں کیا کھویا کیا پایا بہت سی یادیں پیچھے ہیں۔

ایک دن موسم بڑا خوشگوار اور سہانا تھا میں اور نوما سیر کے لئے گھر سے نکلے باتیں کرتے کرتے کافی آگے نکل آئے نوما اس وقت بہت خوش تھا باتوں باتوں میں اس چیتے کا ذکر چھڑ گیا میں نے اس سے خوشی کی وجہ پوچھی تو اس نے بتایا۔

''خان صاحب میرے دل پر ایک بوجھ ہے جو میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں شاید پھر کبھی زندگی میں ملاقات ہو کہ نہ ہو، پاربتی کو چیتے نے نہیں مارا تھا بلکہ گھنشام نے مارا تھا۔''

نوما کی بات سن کر میں حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا ''تم کو یہ کیسے معلوم ہوا؟''

''اس دن جب پاربتی کی لاش پر موجود تھے'' نوما گویا ہوا ''تو اس کی مٹھی میں مجھے گھنشام کے گلے میں پڑی ڈوری نظر آئی جس میں ہاتھی دانت لٹکا رہتا تھا جسے وہ ہمیشہ گلے میں پہنتا تھا مجھے اس پر شک ہو گیا ایک دن اس کی غیر موجودگی میں، میں نے اس کے جھونپڑے کی تلاشی لی تو مجھے ایک صندوق میں ایک لوہے کا پنجہ نظر آیا میں نے وہ پنجہ اپنے پاس چھپا لیا پھر اگلے دن میں نے گھنشام کو لالچ دیا کہ ادھر جنگل میں قریب ہی جھاڑیوں میں ایک مردہ شیر پڑا ہے اگر ہم اس کی کھال اتار کر بیچ دیں تو بہت سے پیسے ملیں گے اور ہم بانٹ لیں گے وہ میرے ساتھ چلنے پر رضامند ہو گیا۔

میں وہاں جا کر پہلے سے چھپ گیا تا کہ کسی کو شک نہ ہو وہ جیسے ہی جھاڑیوں کے پاس آیا تو میں نے اس پر حملہ کر دیا لوہے کا پنجہ میں پہلے ہی ہاتھ پر چڑھا چکا تھا اس کا زخرہ میں نے ادھیڑ کر رکھ دیا پھر پنجے سے اس کا وجود تار تار کر دیا اس کے بازوؤں اور گردن سے تھوڑا تھوڑا گوشت نوچ ڈالا تا کہ لوگ یہی سمجھیں کہ چیتے نے گوشت کھایا ہے۔

اس سفاک انسان نے میری معصوم بیوی کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا تھا اس کی عزت لوٹنے کے بعد اس نے ساری سفاکی چیتے کے کھاتے میں ڈل دی تھی میں خوش ہوں میں نے اپنی پاربتی کا انتقام لے لیا۔

گھنشام سے جب میں نے انتقام لے لیا اور اس کی روح نے اس کا شریر چھوڑ دیا تو اسی وقت پاربتی کی روح میرے سامنے نمودار ہوئی وہ بہت خوش تھی اور اس کے ہونٹوں پر بڑی دلکش مسکراہٹ تھی۔

اس کی نظر مجھ پر تھی پھر وہ گویا ہوئی۔ ''نوما تم نے بہت اچھا کیا کہ اس پاپی کو نرک میں بھیج دیا اس نے ہماری ہستی بستی دنیا اجاڑ دی تھی تمہارے ایسا کرنے سے میں بہت خوش ہوں مجھے یاد رکھنا اب میں جا رہی ہوں اب میرے جانے کا سمے ہو گیا ہے میری آتما اب تک یہاں بھٹک رہی تھی اب اس پاپی کے مرنے کے بعد مجھے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے شانتی مل گئی ہے۔'' اور پاربتی ہاتھ ہلاتے ہوئے ہوا میں تحلیل ہو کر غائب ہو گئی۔

''خان صاحب میں پاربتی کو خوش دیکھ کر اور گھنشام سے اپنی پاربتی کا انتقام لے کر بہت خوش ہوں۔''

نوما کی بات سن کر میں سوچ میں پڑ گیا انسان واقعی بہت بڑا درندہ ہے جنگل میں رہنے والے درندوں سے کہیں زیادہ خونخوار اور وحشی..... جنگل کا قانون ہے کہ طاقتور کمزور کو کھا جاتا ہے، انسانوں میں بھی وہی مماثلت پائی جاتی ہے وہ ایک لمحے کے لئے بھی نہیں سوچتا کہ سامنے کون ہے؟ بس اپنی ہوس کو مٹانے کے لئے انسانیت چھوڑ کر درندگی پر اتر جاتا ہے جہاں وقت گزرنے کے بعد سوائے پچھتاوے کے اسے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

اسرار

محمد خالد شاہان - صادق آباد

قسط نمبر 17

نقطہ نقطہ لفظ لفظ سطر سطر خوف و ہراس کے لبادے میں لپٹی اپنی نوعیت کی ناقابل یقین اور ناقابل فراموش جسم و جاں کو انگشت بدنداں کرتی اور دلوں کو تھراتی ہوئی خونچکاں بھونچکاں اور لہولہان کہانی جو کہ پڑھنے والوں پر سکتہ طاری کردے گی۔

صدیوں پر محیط سوچ کے افق پر چنگھاڑتی گھٹاٹوپ اندھیرے میں جنم لینے والی کہانی

ایک جگہ سے آم کے درخت کی ٹہنی کوٹھی کے اندر چلی گئی تھی شاہان اس وقت درخت کی ٹہنی پر چڑھ گیا۔ تو اس نے دیکھا کہ برآمدے کے باہر ایک کالا گھوڑا درخت سے بندھا ہوا تھا اسی سکھ فوجی کا گھوڑا تھا شاہان ٹہنی سے اتر کر باغ میں داخل ہو گیا اور دیوار کے پیچھے سے ہوتا ہوا پھر اسی کوٹھی کے برآمدے کے قریب آکر چھپ کر بیٹھ گیا اس نے دو فوجیوں کو دیکھا کہ باتیں کرتے برآمدے سے نکل رہے تھے ایک لمبا تڑنگا تھا اور بڑے ہی ادب سے دوسرے سے جھک کر بات کر رہا تھا دوسرا موٹا تازہ بھاری بھرکم دیو کی طرح تھا۔ سر پر بھاری پگڑی تھی فوجی اس سے کہہ رہا تھا ”مہاراج اب شہزادی آپ کے حوالے ہے چاہے اس سے خزانہ حاصل کریں چاہے اس سے بیاہ کر لیں“

جاگیردار سکھ نے جھومتے ہوئے کہا ”ہم اس کے خزانے کا بھی پتہ لگائیں گے اور اس سے بیاہ بھی کریں گے اب تم ادھر کا رخ نہ کرنا تم نے اپنے پیسے لے لیے ہیں یہاں سے اب دفع ہو جاؤ۔“

ٹھیک مہاراج“ اور وہ فوجی گھوڑے پر سوار ہو کر باغ سے باہر نکل گیا شاہان جھاڑیوں میں چھپا موٹے جاگیردار سکھ کی طرف غور سے دیکھ رہا تھا وہ شکل و صورت سے بہت خوفناک اور ظالم شخص نظر آ رہا تھا اس نے گلا پھاڑ کر کسی کو آواز دی تو چھ سات سکھ جنہوں نے تلواریں اور نیزے اٹھا رکھے تھے سامنے آکر جھک گئے ”حکم مہاراج“

”ہماری کوٹھی کے اردگرد سخت پہرہ لگا دو“ یہ سنتے ہی وہ سب ادھر ادھر پھیل گئے شاہان گھبرایا کیونکہ ایک سکھ تلوار ہاتھ میں لیے اس کی طرف ہی آ رہا تھا سورج غروب ہو چکا تھا شام کے سائے لمبے ہو چکے تھے اور باغ میں ہلکا ہلکا اندھیرا پھیل چکا تھا پہرے دار تلوار لہراتا ہوا گانا بھی گاتا ہوا جھاڑی کی طرف آ رہا تھا جس کے پیچھے شاہان چھپا ہوا تھا ”کم بخت یہ تو ادھر کو ہی چلا آ رہا ہے“ شاہان نے سوچا اور مزید جھاڑی کے اند سمٹ گیا۔

سکھ تلوار لہراتا اس کے قریب سے گزرا تو شاہان کو چھینک آ گئی سکھ پہرے دار نے غضب ناک ہو کر پیچھے دیکھا جھاڑیوں میں اسے ایک اجنبی چہرہ نظر آیا تو اس نے تلوار اوپر اٹھائی کہ شاہان کا دھڑ دو ٹکڑے کر دے مگر شاہان اس سے پہلے ہی اپنی جگہ سے اچھل کر سکھ کی گردن دبوچ کر اسے جھاڑیوں میں گرا چکا تھا۔ سکھ نے تلوار والا ہاتھ پوری طاقت سے شاہان کی گردن پر بار بار مارا وہ گلہ بند ہونے کی وجہ سے بول نہیں سکتا تھا اور یہی شاہان چاہتا تھا دو سیکنڈ کے بعد سکھ کی لاش جھاڑیوں میں پڑی تھی۔

شاہان کو ایک انوکھی ترکیب سوجھی اس نے جلدی جلدی اپنے کپڑوں کے اوپر اس سکھ پہریدار کا لمبا نیلا کرتا پہنا اور سر پر اس کی بھاری بھرکم پگڑی رکھی اور اس کا ایک پلہ منہ کے آگے کرلیا تاکہ اس کی مونڈھی ہوئی داڑھی دیکھ کر کسی کو شک نہ پڑے۔

کھڑکی کھلنے اور دروازہ ٹوٹنے کی آواز ایک ساتھ بلند ہوئی کمرے میں شمع جل رہی تھی مسہری پر رسیوں سے جکڑی ہوئی شہزادی نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا اندر کوئی اور نہیں تھا شاہان نے جلدی سے دروازہ بند کرلیا اور ہونٹوں پر انگلی رکھ کر شہزادی کو خاموش رہنے کی ہدایت کی۔

شہزادی کی مسہری کے سرہانے کی طرف ایک شمع جل رہی تھی شاہان نے شہزادی کے پاس جاکر اس کے ہاتھ پاؤں کی رسیاں کھول دیں اور کہا ''خاموشی سے میرے پیچھے چلی آؤ'' شہزادی کی آنکھوں سے آنسوؤں کے نشان تھے۔اور چہرے کا رنگ خوف سے زرد ہوچکا تھا۔

وہ مسہری سے اتھی ہی تھی کہ ساتھ والے کمرے کے اندرونی برآمدے میں سے کسی کے جوتوں کی چاپ سنائی دی جو ادھر ہی آتی ہوئی محسوس ہورہی تھی شاہان نے فوراً شہزادی کو اسی طرح مسہری پر لٹا کر اس کے ہاتھ باندھ دیئے اور سرگوشی میں کہا ''اس طرح خاموشی سے لیٹی رہو اور خود ایک بڑے صوفے کے پیچھے چھپ گیا۔

بغلی کمرے کا ریشمی پردہ ہٹا اور وہی بھاری بھرکم سکھ جاگیردار اپنی مونچھوں کو موڑتا ہوا بڑے غور سے اپنی گردن اکڑائے اندر داخل ہوا اس نے مسہری کے قریب کھڑے ہوکر شہزادی کی طرف دیکھ کر گرج دار آواز میں کہا ''میں مسلمان لڑکیوں کا دشمن ہوں میں تمہیں اپنی لونڈی بنا کر یہاں رکھوں گا نہیں تو بتادو کہ شاہی خزانہ کس جگہ دفن ہے؟''

شہزادی حورعین کو ابھی تک شاہان کی خفیہ طاقت کا علم نہیں تھا وہ یہی سمجھ رہی تھی کہ اس کے ساتھ شاہان کی زندگی بھی خطرے میں ہے اس لئے وہ بڑی منت سماجت کے انداز میں کہنے لگی ''مجھے چھوڑ دو میں کسی خزانے کو نہیں جانتی''

سکھ جاگیردار نے بڑی تیزی سے اپنے کرتے میں سے چھوٹا سا خنجر نکال کر شہزادی کی گردن پر رکھ کر اسے دبوچ لیا اور غراتے ہوئے بولا ''میں تجھے ابھی جان سے ماروں گا نہیں تو بتادے کہ خزانہ کس جگہ دفن ہے؟''

بے چاری شہزادی کا تو دم ہی گھٹ گیا تھر تھر کانپنے لگی اس نے اپنے دونوں ہاتھ اپنی گردن پر رکھ لئے ''نہیں نہیں مجھے نہ مارو، میں بے گناہ ہوں۔''

اچانک سکھ جاگیردار کو احساس ہوا کہ میں تو اس کے دونوں ہاتھ باندھ کر گیا تھا یہ کس نے کھول دیئے وہ پلٹ کر اٹھ کھڑا ہوا پھر اس نے گردن گھما کر دروازے کی طرف دیکھا تیز تیز قدموں سے جاکر دروازہ دیکھا تو وہ اندر سے کھلا تھا اور کنڈی ٹوٹی پڑی تھی اس کی آنکھوں میں غضب اتر آیا ''کون آیا تھا اندر، کس نے یہ کنڈی توڑی؟'' وہ چیخا۔

اب شاہان کے لئے انتظار کرنا مشکل تھا کیونکہ یہ ظالم شخص سارے نوکروں کو کمرے میں بلاسکتا تھا شاہان نے اپنے سر سے سکھ والی پگڑی اتار دی تھی اور نیلا کرتا بھی پھینک دیا تھا وہ صوفے کے پیچھے چھپا بیٹھا تھا جب سکھ جاگیردار خنجر لے کر دوسری بار شہزادی کی طرف بڑھا تو اس کی آنکھوں میں خوف اترا ہوا تھا شاہان صوفے کے پیچھے سے نکل آیا۔

سکھ جاگیردار جو ایک اجنبی مسلمان کو اپنے خاص کمرے میں دیکھا تو غصے سے پاگل ہوگیا اس نے شاہان سے کچھ پوچھے بغیر اسی جگہ سے کھڑے کھڑے خنجر شاہان کی طرف پھینکا شاہان اپنی جگہ سے بالکل نہ ہلا خنجر اس کے سینے سے ٹکرا کر گر پڑا جاگیردار نے پلٹ کر مسہری کے نیچے سے خم دار تیز پھل والی تلوار نکال لی اور شاہان پر لپکا۔ ''تمہیں میرے کمرے میں داخل ہونے کی جرأت کیسے ہوئی بدبخت اب مرنے کے لئے تیار ہوجا۔''

شہزادی حورعین نے جب دیکھا کہ شاہان جواب میں کوئی حرکت نہیں کررہا اور ویسے ہی کھڑا جاگیردار کی طرف کھڑا دیکھ کر مسکرا رہا ہے تو خوف سے اس کی گھگھی

بندھ گئی سمجھ گئی کہ یہ اپنی جان سے گیا اور یہ جاگیردار اسے زندہ نہیں چھوڑے گا اس کی قسمت اچھی تھی کہ خنجر کے وار سے بچ گیا پھر جاگیردار نے تلوار کا بھرپور وار کیا تلوار سیدھی شاہان کی کھوپڑی میں لگی اسے یقین تھا کہ اس کا سر دو ٹکڑے ہوکر نیچے گر پڑے گا کیونکہ شاہان اپنی جگہ پر بے حس و حرکت کھڑا تھا اس نے اپنی تلوار سے وار بھی روکنے کی کوشش نہ کی تھی لیکن ایسا نہ ہوا۔

جاگیردار نے جب دیکھا کہ شاہان کی کھوپڑی کو کچھ نہیں ہوا ہے تو بلکہ الٹا اس کی تلوار شاہان کے فولادی سر سے ٹکرانے کے بعد ذرا ٹیڑھی ہوگئی ہے تو وہ پریشان ہوگیا پھر اس نے سوچا کہ شاید شاہان نے سر پر فولادی ٹوپی پہن رکھی ہے اس نے دوسری بار پہلے سے زیادہ طاقت کے ساتھ وار کیا تلوار ایک بار پھر شاہان کے سر پر پڑی اور ٹوٹ گئی۔

شاہان نے مسکرا کر کہا ''پہلے تو اپنی حسرت پوری کرلے پھر میں وار کروں گا''

ٹوٹی ہوئی تلوار کا دستہ سکھ جاگیردار کے ہاتھ میں تھا اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے شاہان کو تک رہا تھا اچانک اس نے بھاگ کر دیوار سے ایک خنجر اتارا اور نعرہ لگا کر شاہان کے پیٹ میں گھونپ دیا خنجر کے شاہان کے پیٹ سے ٹکراتے ہی خنجر ٹیڑھا ہوکر سکھ کے ہاتھ سے گر پڑا۔

اب تو شہزادی بھی ہکا بکا ہوکر رہ گئی اور عجیب نظروں سے شاہان کو دیکھ رہی تھی جیسے وہ کوئی ماورائی مخلوق ہو۔

شاہان نے جاگیردار کے کندھے پر اپنا فولادی پنجہ رکھا اور اسے ذرا سا ہلا کر کہا ''اب میرے وار سہنے کے لئے تیار ہوجاؤ''

جاگیردار نے شور مچایا ہی تھا کہ شاہان نے تلوار اس کے دل میں گھونپ دی سکھ جاگیردار نے دل کو تھام لیا خون کا فوارہ اس کے سینے سے اُبل پڑا وہ اسی طرح دل تھامے لڑکھڑایا اور قالین پر بے جان ہوکر گر پڑا۔

شاہان نے تلوار نیام میں ڈالی اور شہزادی سے کہا ''ہوسکتا ہے کہ اس کی آواز کسی نوکر نے سن لی ہو ذرا دیر انتظار کرو'' اور ایسا ہی ہوا۔

بغلی کمرے کے برآمدے میں سے گزرتے ہوئے ایک سکھ پہریدار نے اپنے مالک کی آواز سن لی تھی وہ نیزہ تانے چھلانگ لگا کر کمرے میں آگیا۔ شاہان پردے کے ساتھ ہی کھڑا تھا اس نے ٹانگ آگے کردی سکھ پہریدار نیزہ سمیت منہ کے بل گر پڑا شاہان نے اس کا نیزہ چھین کر اس کے پیٹ میں گھونپ دیا ''یہاں سے بھاگ چلیں آئیں'' شاہان نے اپنے ساتھ شہزادی کو لے کر دوسری منزل کے برآمدے میں آگیا وہاں اندھیرا تھا۔

باغ میں سکھوں کی جولاشیں پڑی تھیں اس کی ابھی تک کسی کو خبر تک نہیں ہوئی تھی اب یہاں سے فرار ہونا ذرا مشکل کام تھا کیونکہ حویلی کے اردگرد باغ میں پہرہ لگا تھا دروازے پر بھی سکھ سپاہی پہرہ دے رہے تھے شاہان نے سوچا کہ اسی درخت کی ٹہنی سے باہر نکلنا چاہئے وہ شہزادی کو لے کر باغ کی دیوار کے پاس آگیا، درخت کی ٹہنی نیچے جھکی ہوئی تھی شاہان نے اسے نیچے کھینچ لیا اور شہزادی سے کہا ''اسے پکڑ لیں باہر نکلنے کی کوشش کریں''

شہزادی کو موت کے خوف نے بہادر بنادیا تھا اس نے اچھل کر درخت کی ٹہنی کو تھاما اور پھر شاہان کی مدد سے درخت پر چڑھ گئی اور دیوار کی دوسری طرف اتر گئی اس کے ساتھ ہی شاہان بھی دوسری طرف آگیا۔

رات کافی گزر چکی تھی آسمان ستاروں سے روشن تھا چاروں طرف خاموشی تھی شاہان نے شہزادی کو ساتھ لیا اور بستی کی طرف چل پڑا ایک باغ میں سے گزرتے ہوئے انہیں درخت کے ساتھ گھوڑا بندھا دکھائی دیا شاہان نے شہزادی کو گھوڑے پر بٹادیا اور خود اس کی بھاگ تھام کر ساتھ ہولیا پوری بستی اندھیرے میں ڈوبی دکھائی دے رہی تھی صرف ایک مکان میں دیا جل رہا تھا جس کی روشنی ٹمٹما رہی تھی بستی کی گلیاں سنسان تھیں شاہان نے بستی کے باہر ہی سے گھوڑے کو واپس دوڑا دیا تھا تاکہ وہ باغ میں اپنے مالک کے پاس پہنچ جائے۔

بابا نے آہستہ سے ڈیوڑھی کے دروازے کے پیچھے سے پوچھا ''کون ہے؟''

''میں ہوں بابا'' شہزادی حورعین کی آواز سن کر بابا نے خدا کا شکر ادا کیا اور دروازہ کھول دیا وہ تیزی سے ایک کوٹھڑی میں آ گئے شاہان نے دروازہ بند کرلیا بابا نے شہزادی کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا ''یا اللہ تیرا شکر ہے کہ شہزادی صاحبہ واپس آ گئیں نہیں تو محشر کے دن بادشاہ سلامت کو کیا جواب دیتا۔''

شاہان نے کہا ''بابا اس وقت یہاں خطرہ ہی خطرہ ہے'' پھر اس نے ساری رام کہانی سنا ڈالی اور بتایا کہ اس وقت یہاں سے چند کوس کے فاصلے پر سکھ جاگیردار کی حویلی میں اور اس کے باغ میں کتنی ہی لاشیں پڑی ہیں صبح ہوئی تو سب کو پتا چل جائے گا اور سکھ فوجی ہماری تلاش میں یہاں پہنچ جائیں گے اس صوبے کا راجہ اس بہانے تم دونوں کو پھانسی چڑھا دے گا۔''

شہزادی نے کہا ''یہاں سے فوراً فرار ہو جانا چاہئے''

''مگر آپ لوگ کہا جائیں گے؟'' شاہان نے سوال کیا اس کے جواب میں بابا نے اسے جواب دیا کہ ''وہ فرار ہو کر سمرقند شہر روانہ ہونا چاہتے ہیں جو شہزادی کے آباؤ اجداد کا اصل وطن ہے''

یہ بات شاہان کو پسند آئی کیونکہ صرف سمرقند یا ایران پہنچ کر ہی شہزادی اور شاہی ہار محفوظ ہو سکتا تھا لیکن سوال یہ تھا کہ یہاں سے فرار ہو کر کس طرف جایا جائے۔

''یہ بعد میں سوچیں گے کہ راجہ سنگھ کے جاسوس سے کیونکر بچ کر نکلا جائے پہلے یہاں سے نکلنا ضروری ہے۔''

بابا بولا ''تو پھر ہمیں رات کے اندھیرے سے فائدہ اٹھانا چاہئے''

''یہی میں بھی چاہتا ہوں'' شاہان نے کہا ''افسوس میں نے گھوڑے کو واپس بھگا دیا شہزادی ہمارے ساتھ زیادہ دور تک پیدل نہ جا سکے گی۔''

شہزادی نے کہا ''میں آزادی اور زندگی کی خاطر بڑی سے بڑی تکلیف اٹھا سکتی ہوں آپ میری فکر نہ کریں''

''تو پھر تیار ہو جائیں'' بابا نے کہا ''ہم تیار ہیں۔''

''تو پھر میرے ساتھ آئیں'' شاہان بولا۔ شاہان نے ان دونوں کو ساتھ لیا اور مکان کے پچھلے دروازے سے نکل کر رات کے اندھیرے میں بستی کے کھیتوں میں آ گئے رات کا پچھلا پہر تھا ستاروں سے بھرا ہوا آسمان بڑا روشن تھا ستاروں کی روشنی دور تک پھیلے ہوئے نظر آ رہی تھی یہ لوگ راتوں رات دریائے چناب کراس کر کے جہلم کی پہاڑیوں کی طرف نکل جانا چاہتے تھے تاکہ وہاں کسی پہاڑی غار میں آرام کر کے آگے جانے کی اسکیم تیار کر سکیں۔

شہزادی کو یہ علم ہو چکا تھا کہ شاہان کے پاس جادو کی کوئی غیر معمولی طاقت ہے جس کی وجہ سے اس کے اوپر خنجر تلوار اور نیزے کا کچھ اثر نہیں ہوتا تھا وہ اس جادو کے بارے میں شاہان سے کچھ سوال کرنا چاہتی تھی مگر کسی سکون کی جگہ پہنچنے کے بعد، ابھی تو اسے اپنی جان کی فکر پڑی تھی پھر بھی اسے شاہان کی جادوگری پر بڑا بھروسہ تھا کہ وہ ان دونوں کی حفاظت کر سکتا ہے۔

ستاروں کی دھیمی دھیمی روشنی میں وہ تینوں بستی سے دور نکل آئے اب وہ کلکتہ سے پشاور تک جاتی شیر شاہ سوری کی بنائی ہوئی شاہراہ پر سے ذرا ہٹ کر مگر اس کے ساتھ ساتھ آگے بڑھ رہے تھے کھیتوں کی پگڈنڈی پر چلتے چلتے شہزادی تھک گئی تھی اسے پیدل چلنے کی عادت نہیں تھی پھر بھی یہ خیال اسے حوصلہ دے رہا تھا کہ وہ اپنی عزت اور زندگی کی خاطر یہ قربانی دے رہی تھی۔

بابا نے ذرا فاصلے پر شیر شاہ سوری کی بڑی سڑک کے کنارے اُگے ہوئے درختوں کے جھنڈ دیکھے تو کہا ''ہمارے لیے یہ سڑک خطرناک ثابت ہو سکتی ہے وہاں ہمارے پکڑے جانے کا ڈر ہے''

شاہان بولا ''اس لیے میں اس کے ساتھ ساتھ چل رہا ہوں مگر اس طرف کا رخ نہیں کر رہا۔''

شہزادی نے کہا ''سوال یہ ہے کہ ہم دریائے چناب تک یونہی پیدل چلتے چلے جائیں گے۔''

شاہان بولا ''دن چڑھنے سے پہلے پہلے ہم کوشش کریں گے کہ کہیں سے گھوڑے مل جائیں اگر ایسا نہ ہو سکا تو پھر ہم جنگل میں جا کر آرام کریں گے اور جب رات ہو گی تو گھوڑوں کا بندوبست کر لیں گے۔''

بابا نے کہا ''سڑک پر جو سرائے پڑتی ہیں وہاں سے ہم گھوڑے خرید سکتے ہیں میرے پاس سونے کے کچھ سکے محفوظ پڑے ہیں۔''

شاہان نے کہا ''یہاں کے جو سکھ سپاہی گھوڑے لیے پھرتے ہیں وہ بھی ہم مسلمانوں کے ہی ہیں ہم ان سے ہتھیانے کی کوشش کریں گے'' اس طرح وہ باتیں کرتے وہ کافی دور نکل آئے تھے۔

بڑی سڑک پر جب بھی کوئی سرائے آتی تو انہیں دور سے اس کے باہر جلتی مشعل کی روشنی نظر آ جاتی بابا نے پانی سے بھری ہوئی چھاگل اور ستو اٹھائے تھے شہزادی نے دو تین مرتبہ پانی پیا ذرا آرام کیا اور دوبارہ سفر شروع کر دیا۔

ابھی دن نہیں نکلا تھا کہ شاہان کو گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز سنائی دی شاہان نے کہا ''آواز سڑک کی طرف سے آ رہی ہے میرا خیال ہے کہ کوئی سوداگر گھوڑے بیچنے دوسرے صوبے میں جا رہا ہے آپ اسی جگہ ٹھہر کر میرا انتظار کریں'' وہ جانے کے لئے مڑا تو شہزادی نے کہا ''تم کہا جا رہے ہو؟''

شاہان نے جاتے جاتے کہا ''گھوڑوں کا انتظام کرنے'' شاہان رات کی دم توڑتی تاریکی میں گم ہو گیا رحیم بابا اور شہزادی ایک جگہ درختوں کے سائے میں جھاڑیوں کی اوٹ میں ہو کر بیٹھ گئے شاہان کھیت میں سے ہو کر شاہراہ پر آ گیا اونچے اونچے گھنے درختوں کے سائے میں بڑی سڑک خاموش تھی یہ پتھر اور اینٹوں کو ساتھ ساتھ جوڑ کر بنائی گئی تھی ہر پانچ کوس کے فاصلے پر کنواں اور سرائے ملتی تھی جہاں بیٹھ کر مسافر آرام کرتے تھے اور تازہ دم ہو کر آگے سفر کرتے تھے یہ بھی ایک چھوٹی سی سرائے تھی جس کا دروازہ بند تھا اندر سکھ سپاہی شور مچا رہے تھے۔

سرائے کے دروازے پر مشعل جل رہی تھی جو بجھنے کے قریب تھی ایک سکھ سپاہی بیٹھا پہرہ دے رہا تھا شاہان اوپر سے ہو کر سرائے کے پیچھے آ گیا وہ دبے پاؤں چلتا پہریدار کے قریب آ کر رک گیا پاس ہی چھ ساتھ گھوڑے کھڑے تھے ان کے آگے چارہ ڈال دیا گیا تھا جسے وہ مزے سے کھا رہے تھے شاہان کے پیر سے ایک پتھر ٹکرا کر لڑھک گیا آہٹ پر پہریدار اٹھ کر شاہان کی طرف آیا شاہان دیوار کی اوٹ میں ہو گیا اس کے ہاتھ میں نیزہ تھا کمر کے ساتھ تلوار لٹک رہی تھی اور بڑی سی پگڑی کے ساتھ چکر باندھے ہوئے تھے جب یہ سکھ سپاہی شاہان کے بالکل قریب سے گزرا تو شاہان نے پیچھے سے اس کے سر پر ایک ہاتھ مارا اور وہ وہاں پر بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

شاہان جلدی سے گھوڑوں کے پاس آیا اسے ایک ہی ڈر تھا کہ کہیں گھوڑے آواز نہ پیدا کریں اس خیال سے شاہان نے قریب آ کر گھوڑوں کو پیار کیا ذرا سا پچکارا اور پھر بڑے ہی آرام سے تین گھوڑے کھولے اور انہیں لے کر کھیتوں کی طرف چل پڑا گھوڑے بڑے ہی شریف تھے کسی نے ذرا سا بھی اعتراض نہ کیا شاید وہ بھی سکھوں کے پاس رہ رہ کر تنگ آ چکے تھے۔

بابا اور شہزادی نے دور سے تین گھوڑوں کو آتے دیکھا تو جھاڑیوں سے باہر آ گئے شاہان نے قریب آ کر کہا ان پر سوار ہو کر یہاں سے جتنی جلدی ہو سکے نکل چلیں۔

تینوں گھوڑے سرپٹ دوڑے جا رہے تھے کہ شاہان نے دور سے دریائے چناب کے پل والی چوکی کو دیکھا جہاں ایک مشعل جل رہی تھی اس چوکی پر ہر شخص کی پڑتال ہوتی تھی اس زمانے میں ٹیلی فون یا وائرلیس تو تھا نہیں کہ چوکی والوں کو شہزادی کے فرار کی خبر مل گئی ہوتی پھر بھی پڑتال کرنے پر وہاں کے سپاہیوں کو شک پڑ سکتا تھا شاہان نے کہا ''میرا خیال ہے کہ ہم کسی دوسری جگہ سے دریا پار کرتے ہیں۔''

بابا کہنے لگا ''میرا خیال ہے کہ سوائے ان کشتیوں کے پل کے دریا پر دوسرا کوئی پل نہیں ہے''

شاہان نے کہا ''اس پل کی چوکی پر تو شہزادی کو پہچان لیا جائے گا''

بابا نے کہا ''ہم کوشش کرتے ہیں کہ سپاہیوں کو جل دے کر نکل جائیں''

''شہزادی نے شاہان سے کہا کیا تمہارا جادو

یہاں سے نہیں نکال سکتا۔''

بابا نے پوچھا ''کون سا جادو'' پھر شہزادی نے بابا کو بتایا کہ شاہان بہت بڑا جادوگر بھی ہے اس پر تلوار نیزہ اور خنجر کوئی اثر نہیں کرتا۔ بابا نے شاہان سے پوچھا ''کیا شہزادی صاحبہ سچ کہہ رہی ہیں شاہان بیٹا''

شاہان نے جواب میں کہا ''کسی حد تک سچ کہہ رہی ہیں مگر میرا جادو کبھی کبھی چلتا ہے اور پھر میں اپنے آپ کو تو جادو کے زور سے بچا سکتا ہوں کسی دوسرے کو نہیں بچا سکتا۔''

بابا مسکرایا ''چلو کوئی بات نہیں ہمارا بچانے والا خدا جو ہے جادو ہمارے دین میں حرام ہے'' اور وہ تینوں دریا کی چوکی میں آ گئے جو پل کے پاس ہی بنی ہوئی تھی۔

صبح کی ہلکی ہلکی روشنی اب پھیلنے لگی تھی اور دریا کا پاٹ صاف دکھائی دے رہا تھا ہوا چل رہی تھی۔ چوکی کے باہر دو سکھ سپاہی پہرہ دے رہے تھے انہوں نے پرانے زمانے کی دو لمبی لمبی نالیوں والی توڑے بندوقیں کندھوں پر لگا رکھی تھی چوکی کے اندر ایک منشی مغلیہ طرز کی پگڑی باندھے بیٹھا سامنے زرد کاغذوں کا دستہ رکھے کام کر رہا تھا۔ بابا کوٹھڑی میں چلا گیا شاہان شہزادی کے پاس کھڑا رہا بابا نے منشی کو بتایا کہ وہ اپنی بیٹی اور بیٹے کے ساتھ جہلم گھوڑے خریدنے جا رہا ہے اور وہ گھوڑے کا سوداگر ہے منشی نے چراغ کی روشنی میں بڑے غور سے بابا کو دیکھا دو چار سوال کئے اور کہا جاؤ دریا پر سے گزرتے ہوئے شاہان نے بابا سے کہا ''اگر ان لوگوں کے پاس ٹیلی فون ہوتا تو اس جگہ فوراً گرفتار کر لیے جاتے''

ٹیلی فون وہ کیا ہوتا ہے؟'' شہزادی نے کہا شاہان نے مسکرا کر کہا ''یہ آپ کی سمجھ میں نہیں آئے گا'' بابا نے کہا ''پھر بھی کچھ بتاؤ تو سہی'' شاہان نے انہیں بتایا کہ ٹیلی کیا ہوتا ہے۔

بابا اور شہزادی اس کی باتیں یوں سن رہے تھے جیسے وہ کوئی انوکھی کہانی سنا رہا ہو شہزادی نے کہا ''تمہیں ان ساری چیزوں کی کیسے خبر ہوگئی'' شاہان نے کہا ''میں ترقی یافتہ دنیا سے آ رہا ہوں۔'' بابا ہنس پڑا ''بیٹا تمہاری باتیں سن کر مجھے گمان ہونے لگا ہے کہ شاید تمہارے دماغ میں خلل سا پڑ گیا ہے'' شہزادی نے کہا ''یہ تو کسی دوسرے سیارے کی باتیں لگتی ہیں شاہان بولا ''شہزادی صاحبہ یہ اسی سیارے اور اسی زمین کی ہیں کئی برس بعد یہ بستی ترقی کرتی جائے گی میں کئی برس پہلے آ گیا ہوں'' بابا نے دل میں طے کر لیا کہ دریا پار کر کے ضرور آرام کرنا چاہئے۔

بہرحال دریا کا پل انہوں نے پار کر لیا تھا اب دن نکل آیا تھا سامنے جہلم کی پہاڑیاں تھیں شاہان نے دیکھا کہ کچھ زیادہ ہی خشک اور بنجر نظر آ رہی تھیں وہ بڑی پتھریلی سڑک پر گھوڑے دوڑاتے چلے گئے آگے ایک اور سرائے آ گئی یہاں انہوں نے آرام کیا غسل کیا ناشتہ کیا اور تازہ دم ہو کر دوبارہ سفر پر روانہ ہو گئے رحیم بابا شہزادی اور شاہان اسی طرح سفر کرتے رہے انہیں تین دن گزر گئے جہلم کی پہاڑیوں میں انہوں نے دو روز آرام کیا اور پھر آگے روانہ ہو گئے اس طرح وہ سفر کرتے کرتے پشاور کی سرحد کے قریب آ گئے یہاں انگریزوں نے ایک زبردست قلعہ بنا رکھا تھا اس جگہ شہزادی اور رحیم بابا کی فرار کی اطلاع تیز رفتار گھڑ سواروں کی وجہ سے پہنچ چکی تھی اور سرحد پار کرنے والے ایک ایک مسافر کی پوری طرح سے جانچ پڑتال کی جا رہی تھی۔

شاہان نے دور سے خطرے کی بو سونگھ لی تھی اس نے گھوڑے یہاں فروخت کر دیئے اور کارواں سرائے میں جا کر اتر گئے رحیم بابا اور شہزادی کو اس نے خطرے سے آگاہ کر دیا کہ یہاں ان کے فرار کی اطلاع پہنچ چکی ہے ''اب کیا کریں؟'' شاہان نے کہا۔ ''ادھر بھی انگریز اور سکھ فوج گشت کرتی رہتی ہے آپ لوگوں کی زندگی کو خطرہ ہوگا۔''

پھر تمہارا کیا خیال ہے بابا نے پوچھا شاہان بولا ''میرا تو خیال ہے کہ ہمیں اس طرح پڑے رہنا نہیں چاہئے بھیس بدل کر سرحد کی چوکی سے گزرنے کی کوشش کرنی چاہئے'' یہ خیال سب کو پسند آیا۔

دوسرے روز بابا اور شہزادی نے فقیروں کا بھیس بدلا گلے میں منکے ڈالے اور سرحد کے دروازے پر

جا پہنچے ان دنوں سرحد پر اتنی زیادہ چیکنگ نہیں ہوا کرتی تھی لیکن اگر کوئی مفرور قیدی یا مجرم ملک سے بھاگ رہا ہو تو سرحد پر جانچ پڑتال سخت ہو جاتی تھی پاسپورٹ تو اس زمانے میں نہیں ہوتا تھا نہ ہی ویزا لینا پڑتا تھا شاہان دور کھڑا ان دونوں کو سرحد کے دروازے میں کھڑے دیکھ رہا تھا انگریزوں کو بھی ان کے جاسوسوں نے پوری پوری خبر دی تھی کہ بابا اور شہزادی آج سرحد پار کرنے کی کوشش کریں گے انگریز کپتان کے ساتھ ایک سکھ سپاہی بھی کھڑا تھا انہوں نے بڑے غور سے بابا اور شہزادی کی طرف دیکھا شہزادی نہیں چاہتی تھی کہ وہ فقیروں کا بھیس بدلے مگر اسے ان لوگوں نے مجبور کر کے فقیر بنا دیا تھا پھر بھی اس کی نیلی آنکھوں میں وہی وجاہت اور شاہی خاندان کی کشش تھی مکار تجربہ کار انگریز کپتان نے ایک ہی نظر میں اسے پہچان لیا۔

شاہان نے نو لکھا ہار اپنے پاس لے کر رکھ لیا تھا اس نے دیکھا کہ انگریز کپتان نے سکھ سپاہی کو اشارہ کیا سکھ سپاہی نے آگے بڑھ کر شہزادی اور بابا کو گرفتار کر لیا اور ان دونوں کو پکڑ کر قلعے کے اندر لے گئے۔

شاہان ایک دم پریشان سا ہو گیا کہ انہوں نے کیا سوچا تھا اور کیا ہو گیا نو لکھا ہار لے کر شاہان نے حفاظت سے چھپا رکھا تھا اب اسے شہزادی کی فکر ہوئی کیونکہ انگریز تو اسے فوراً واپس لاہور پہنچا دیں گے اور شاہی قلعے میں لے جا کر قید میں ڈال دیں گے۔ جہاں سے وہ ساری زندگی رہا نہ ہو سکے گی شام تک شاہان یہی سوچتا رہا کہ قلعے کے اندر کس طرح اور کس طرف سے داخل ہوا جائے اسے یہی خطرہ تھا کہ اس کی وجہ سے شہزادی کو اور بابا کو کوئی نقصان نہ پہنچ جائے انہیں فرار ہوتا دیکھ کر انگریز یا سکھ سپاہی انہیں گولی مار کر بھی ہلاک کر سکتے تھے شام کو قلعے کا دروازہ بند کر دیا گیا اب صرف چھوٹی سی کھڑکی کھلی تھی شاہان کارواں سرائے سے نکل کر باہر درختوں کے نیچے آ کر گھاس پر بیٹھ گیا دو ایک جگہوں میں شمع جل رہی تھیں جن کی روشنی میں کچھ مسافر بیٹھے کھانا کھا رہے تھے اور کچھ کھانا پکانے کی تیاریاں کر رہے تھے۔

شاہان کو اچانک محسوس ہوا کہ جیسے کسی نے اس کے قریب آ کر گہرا سانس لیا ہے شاہان ایک دم چونک پڑا ''شریم کیا یہ تم ہو؟''

شاہان کو کسی کی ہنسی کی آواز سنائی دی شاہان کو اپنے پیارے دوست بھائی شریم کی ہنسی پہنچانے میں ذرا بھی دیر نہ لگی شریم نے اس کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ چونکہ شریم کسی کو دکھائی نہیں دیتا تھا وہ سب کو دیکھ سکتا تھا مگر کوئی اسے دیکھ نہیں سکتا تھا شاہان شریم کا ہاتھ تو نہیں دیکھ سکتا تھا مگر اس کے ہاتھوں کی گرمائش کو فوراً پہچان گیا ''شریم میرے بھائی تم آ گئے۔''

''ہاں شاہان بھائی''

شاہان نے کہا ''خدا کا شکر ہے کہ تم سے ملاقات ہو گئی۔''

شریم نے پوچھا ''ناگنی بہن کہاں ہے کیا وہ ملی نہیں ابھی تک''

شاہان نے کہا ''ہاں ناگنی بھی مل گئی ہے وہ اس وقت میرا خیال ہے کہ ہائی کو لے کر اس کے ماں باپ کی طرف جا رہی ہوگی شریم نے پوچھا تم یہاں کیا کر رہے ہو شاہان نے شریم کو شروع سے لے کر آخر تک سارے واقعات ایک ایک کر کے سنائے شریم اسے دکھائی تو نہیں دے رہا تھا لیکن اسے معلوم تھا کہ وہ اس کے قریب ہی بیٹھا اس کی باتیں بڑے غور سے سن رہا ہے۔

شاہان آہستہ آہستہ بول رہا تھا تاکہ کوئی دوسرا اسے دیکھ کر یہ نہ سوچے کہ یہ کوئی پاگل ہے کیا جو اکیلا بیٹھا اپنے آپ سے باتیں کر رہا ہے اور آخر ہوا بھی ایسا ہی ایک نوجوان لڑکا دیکھ رہا تھا کہ شاہان اکیلا بیٹھا اپنے آپ سے باتیں کر رہا ہے وہ بڑا حیران ہوا کہ یہ شخص کس کے ساتھ بیٹھا گفتگو کر رہا ہے جبکہ اس کے آس پاس تو کوئی بھی نہیں بیٹھا وہ شاہان کے قریب آ گیا اور ہنس کر بولا ''معاف کرنا کیا آپ کو اپنے آپ سے باتیں کرنے کی عادت ہے''

شریم مسکرانے لگا اور شاہان نے ذرا کھانس کر کہا ''میں اپنے بھائی سے باتیں کر رہا ہوں'' نوجوان نے

حیران ہوکر کہا ''کہاں ہے آپ کا بھائی مجھے تو یہاں سوائے آپ کے کوئی نظر نہیں آرہا۔''

شاہان نے کہا ''آپ میرے بھائی سے ملیں گے'' وہ نوجوان ہنسنے لگا سمجھ گیا کہ یہ کوئی پاگل شخص ہے چلو اس کی ہاں میں ہاں ملا لیتے ہیں ذرا خوش ہوجائے گا نوجوان نے شاہان سے ہنستے ہوئے کہا چلو بھائی سے ملا دو شاہان نے کہا مجھے اپنا ہاتھ دو اس نوجوان نے اپنا ہاتھ بڑھا کر شاہان کے ہاتھ میں دے دیا شاہان نے چپکے سے وہ ہاتھ شریم کی طرف بڑھا کر کہا ''بھائی اس شخص سے ہاتھ ملاؤ'' شریم نے آگے ہوکر نوجوان کا ہاتھ تھام لیا جب اس نوجوان نے اپنے ہاتھ میں ایک انسان کا ہاتھ محسوس کیا جسے وہ دیکھ نہیں سکتا تو دہشت سے اسے پسینہ آگیا اس پر ستم یہ ہوا کہ شریم نے آہستہ سے اس کا ہاتھ دبا کر کہہ دیا ''کیا حال ہے بھائی جان'' شریم کی آواز سن کر اس نوجوان نے چیخ ماری اور بھوت بھوت کہتا وہاں سے ایسا بھاگا پھر پیچھے پلٹ کر نہ دیکھا۔

شریم اور شاہان ہنسنے لگے شاہان نے شریم سے کہا ''اب تمہیں قلعے کے اندر جا کر شہزادی حورعین اور بابا کو وہاں سے نکالنا ہے یہ کام اگرچہ مشکل ہے مگر میں جانتا ہوں کہ سوائے تمہارے اور کوئی یہ کام نہیں کرسکتا۔''

شریم بولا ''تم ایسا کرو کہ اس کارواں سرائے سے ہٹ کر کوئی ایک فرلانگ کے فاصلے پر ایک پرانی کوٹھڑی کھیت میں ہے تم وہاں جا کر میرا انتظار کرو جب تک میں نہ آؤں تم وہاں سے مت جانا''

تم کب تک واپس آسکو گے؟''

یہ قلعہ کے حالات دیکھ کر ہی اندازہ ہوسکے گا بہرحال تم مجھے جانتے ہو کہ میں جلد از جلد آنے کی کوشش کروں گا اب میں جارہا ہوں شریم کے جاتے ہی شاہان کارواں سرائے کے پیچھے سے ہوکر کھیتوں میں شریم کی بتائی ہوئی کوٹھڑی کی طرف چل پڑا یہ ایک کھیت میں کچی کوٹھڑی تھی جہاں دن میں شاید گوالے لوگ آکر بیٹھا کرتے تھے وہاں اندھیرا تھا شاہان کوٹھڑی کے باہر ایک جگہ بیٹھ گیا۔

شریم چونکہ غیبی حالت میں تھا اس لئے وہ بڑی آسانی سے قلعہ کے اندر داخل ہوسکتا تھا اور اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا بس وہ بڑے آرام سے قلعے کے دروازے پر پہنچ گیا قلعہ کا بڑا دروازہ تو بند تھا ہاں اس کی ایک ہی کھڑکی تھی جس کے اندر کی جانب ایک سکھ سپاہی بیٹھا پہرہ دے رہا تھا اور جب کوئی اندر سے باہر یا باہر سے اندر جاتا تو کھڑکی کو وہ بند کردیتا تھا جب شریم وہاں پہنچا تو کھڑکی بند تھی اس نے دروازہ پر دستک دی اندر بیٹھے ہوئے پہرے دار نے کھڑکی کھول کر پوچھا ''کون ہے؟'' پھر اس نے باہر جھانکا وہاں کوئی بھی نہ تھا مگر اس دوران میں شریم بڑے آرام سے کھڑکی میں سے اندر داخل ہوچکا تھا۔

قلعہ کے اندر ایک لمبی ڈیوڑھی تھی جہاں دونوں جانب چبوتروں پر شمعیں روشن تھیں آگے گول میدان تھا جس کے تینوں طرف برآمدہ تھا اور کوٹھڑیاں بنی ہوئی تھیں ان کوٹھڑیوں میں دو ایک جگہ پر روشنی ہورہی تھی شریم نے برآمدے کا چکر لگایا اور ہر کوٹھڑی میں جھانک کر دیکھا وہاں سوائے انگریز یا سکھ سپاہیوں کے اور کوئی نہیں تھا شاہان نے شریم کو شہزادی اور بابا کا پورا پورا حلیہ بتا رکھا تھا۔

شریم نے سوچا کہ شہزادی کو انگریزوں نے یا تو قلعہ کے کسی برج میں یا پھر کسی تہہ خانے میں قید کر رکھا ہوگا سب سے پہلے شریم اوپر ایک برج میں گیا وہ خالی تھا قلعے کے چار برج تھے چاروں ہی خالی تھے اور وہاں پہرے دار بیٹھے پہرہ دے رہے تھے۔ اب شریم تہہ خانے کو جانے کا راستہ تلاش کرنے لگا اسے یہ راستہ کہیں بھی دکھائی نہ دیا وہ برآمدے کے ستون کے پاس کھڑا تھا کہ ایک سکھ سپاہی اس کے قریب سے گزرا اس کے ہاتھ میں ایک ٹین کا ڈبہ تھا جس کے اندر شاید کچھ کھڑی تھی شریم نے سوچا کہ یہ اس کا اپنا رات کا کھانا ہوگا مگر ایک کوٹھڑی کا دروازہ کھلا تو ایک انگریز افسر باہر نکلا اسے دیکھ کر ایک سکھ سپاہی نے سلیوٹ کیا انگریز افسر نے کہا ''کھانا لے آئے قیدیوں کا''

''یس سر..... آؤ میرے ساتھ شریم سمجھ گیا کہ یہ

لوگ جن قیدیوں کا کھانا لے کر جارہے ہیں وہ ضرور شہزادی حورعین اور بابا ہی ہیں شریم ان کے پیچھے پیچھے چل دیا برآمدے میں سے گزر کر یہ دونوں ایک گول کمرے میں داخل ہوگئے یہاں ایک چکردار پتھریلا زینہ تھا جو نیچے جاتا تھا سپاہی شمع روشن کرکے آگے ہوگیا اس کی روشنی میں شریم بھی ان کے ساتھ ہی نیچے اترنے لگا کافی نیچے جا کر ایک تنگ سا تہہ خانہ آگیا جس میں ایک چراغ ٹمٹما رہا تھا اس چراغ کی روشنی میں شریم نے دیکھا کہ سامنے دیوار کے ساتھ خشک گھاس پر ایک بوڑھا اور ایک نوجوان لڑکی غمزدہ ہوکر بیٹھے ہیں اس کا لباس بھکاریوں جیسا ہے چہرے پر پریشانی ہے انگریز افسر نے سکھ سے کہا ''انہیں کھانا دے دو'' سکھ سپاہی نے کھانے کا ڈبہ ان کے آگے کردیا کونے میں مٹی کا مٹکا پڑا ہوا تھا۔

بابا اور شہزادی نے کچھ کھڑی کو ہاتھ بھی نہ لگایا انگریز افسر نے کہا ''ہمارے جاسوسوں نے ہمیں خبر دی ہے کہ تم لوگوں کے پاس ایک قیمتی ہار ہے جو کہ بادشاہ کی آخری نشانی ہے وہ ہار ہمارے حوالے کردو یا ہمیں بتادو کہ وہ ہار تم لوگوں نے کہاں چھپا رکھا ہے اگر تم نے مکاری سے کام لیا تو تم دونوں کو توپ کے آگے باندھ کر اڑا دیا جائے گا میں تمہیں آج رات کی مہلت دیتا ہوں کل صبح پھر آؤں گا اگر تم نے ہار کا سراغ بتا دیا تو تمہیں واپس لاہور بھجوادوں گا اگر نہ بتایا تو اس قلعے میں توپ مار کردیا جائے گا'' اس کے بعد انگریز افسر سکھ سپاہی کے ساتھ چلا گیا۔

شہزادی اپنا سر بانہوں میں چھپا کر سسکیاں بھرنے لگی بابا نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا ''بیٹی خدا کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہئے زندگی اور موت تو اسی کے اختیار میں ہے'' شہزادی نے دوپٹے سے آنکھیں پونچھتے ہوئے کہا۔

''ایسے لگتا ہے کہ یہ رات ہماری آخری رات ہے خدا معلوم شاہان کیا سوچ رہا ہوگا کیا وہ ہماری مدد نہیں کرسکتا اس کے پاس تو جادو بھی ہے'' بابا کہنے لگے وہ بے چارہ کیا کرسکتا ہے خدا کا شکر ہے کہ شاہی ہار اس کے پاس رہ گیا کہ کم از کم وہ نوجوان اسے واپس بادشاہ سلامت تک پہنچا دے گا اگر میرے پاس ہوتا تو انگریز اسے چھین چکے ہوتے اور یوں ہم مغلیہ خاندان کی آخری نشانی سے بھی محروم ہوجاتے۔

شریم نے دیکھا کہ شہزادی اور بابا کے پاؤں کے ساتھ لوہے کی زنجیریں بندھی ہیں شریم نے سوچا کہ وہ ان کے سامنے اپنا آپ کس طرح ظاہر کرے کہ وہ کہیں ڈر نہ جائیں پھر اسے خیال آیا کہ یہ شاہی خاندان کے لوگ ہیں یہ یونہی نہیں گھبرا جاتے ٹھیک اس طاق میں رکھے ہوئی دیئے کی لو پھڑ پھڑانے لگی شہزادی نے کہا ''بابا دیئے کو بجھنے نہ دیں اس کی لو اونچی کردیں'' بابا ابھی اٹھ ہی رہا تھا کہ شریم نے آگے بڑھ کر انگلی سے دیئے کی لو کو اونچا کردیا کوٹھڑی میں روشنی زیادہ ہوگئی شہزادی اور بابا دیئے کی بڑھتی ہوئی لو کو دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے یہ اپنے آپ اونچی کیسے ہوگئی بابا'' شہزادی نے حیرانی سے پوچھا۔

بابا نے کہا ''بیٹی دیئے کی لو کبھی کبھی اپنے آپ ہی اونچی ہوجایا کرتی ہے۔

اس پر شریم نے کہا ''اسے میں نے اونچا کیا ہے'' شریم کی آواز سن کر دونوں کو ایک جھٹکا لگا اور وہ اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھے بیٹھے خوف سے اچھل پڑے اور ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے شہزادی تو سہم کر بابا کے ساتھ لگ گئی۔ ''یہ کس کی آواز تھی بابا''

بابا نے کلمہ پڑھنا شروع کردیا ''گھبراؤ نہیں بیٹا کوئی جن بھوت لگتا ہے میں اللہ کے کلام ورد کررہا ہوں ابھی بلا دور ہوجائے گی۔''

شریم نے کہا ''اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ کے کلام میں بڑا اثر ہے لیکن بابا میں جن بھوت یا کوئی بدروح نہیں ہوں'' بابا خاموش تھا شہزادی بھی خاموش تھی بابا برابر پڑھ پڑھ کر پھونکے جارہے تھے۔

شریم نے کہا ''بابا میرا نام شریم ہے اور مجھے میرے بھائی شاہان نے آپ کے پاس بھیجا ہے''

''شاہان نے بھیجا ہے'' بابا نے اچھل کر کہا۔

''کہاں ہے وہ اور کس حال میں ہے کہیں وہ بھی انگریزوں کے قبضے میں تو نہیں آگیا۔''

شریم نے کہا ”نہیں بابا وہ خیریت سے ہے اور آپ کا انتظار کررہا ہے میں آپ کو یہاں سے نکالنے آیا ہوں۔“ اب شہزادی نے بھی ڈرتے ڈرتے پوچھا ”تم.....تم کون ہو“ شریم نے مسکرا کر کہا ”یہ بڑی لمبی کہانی ہے کہ میں کون ہوں اور غائب کیوں ہوں آپ لوگوں کے لئے اتنا ہی جاننا بہت ہے کہ میں آپ کی طرح کا ایک انسان ہوں فرق صرف اتنا ہے کہ ایک خاص منتر پھونکنے کی وجہ سے میں غائب ہوگیا ہوں میں تو لوگوں کو دیکھ سکتا ہوں مگر لوگ مجھے نہیں دیکھ سکتے میرا نام شریم ہے۔“

بابا نے کہا ”مگر بیٹا شریم تم ہمیں یہاں سے کیسے نکالو گے اوپر تو قدم قدم پر پہرہ لگا ہوا ہے۔“

شریم نے کہا ”یہ آپ مجھ پر چھوڑ دیں میں اوپر کے حالات معلوم کرکے آتا ہوں اور اب میں جارہا ہوں“

شریم نے اوپر جاکر سارے حالات کا جائزہ لیا وہاں پہرا بڑا ہی سخت تھا ان لوگوں کو قلعے سے نکال لے جانا خاصا مشکل کام تھا لیکن شریم نے فیصلہ کرلیا تھا کہ وہ ہر حالت میں آج رات انہیں وہاں سے نکال کر لے جائے گا کیونکہ ہوسکتا تھا کہ وہ پاگل انگریز افسر کل ان دونوں کو توپ کے آگے باندھ کر اڑا دے قلعے کی ڈیوڑھی میں کئی سپاہی پہرہ دے رہے تھے یہاں سے نکلنا مشکل تھا شہزادی اور بابا فوراً پکڑے جاتے آخر شریم نے یہی سوچا کہ ان دونوں کو قلعے کی فصیل سے نیچے اتارا جائے سب سے پہلے تو اس نے رسا تلاش کیا یہ مضبوط رسا اسے ایک کوٹھڑی میں پڑا ہوا مل گیا شریم رسا لے کر اوپر قلعے کی فصیل پر گیا اس نے ایک برجی کے ساتھ رسے کو مضبوطی سے باندھا اور اسے باہر کی جانب پھینک دیا یہ فصیل کافی اونچی تھی اور نیچے ایک کھائی تھی جس میں پانی نہیں تھا خشک جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں اس کام سے فارغ ہوکر شریم نیچے آگیا اب اسے راستہ صاف کرنا تھا راستے میں برآمدہ آتا تھا پھر دروازہ جس میں دو سپاہی پہرہ دے رہے تھے اسے یہ بھی خیال تھا کہ شور بالکل نہ ہو کیونکہ اگر شور مچ گیا تو قلعے کی ساری فوج وہاں آجائے گی۔

رات گہری ہوچکی تھی یہ سب کچھ صرف رات کے اندھیرے میں ہی ہوسکتا تھا شریم نے سب سے پہلے اسی پہرے دار سے نمٹنے کا فیصلہ کیا جو تہہ خانے کے اوپر والے دروازے پر پہرہ دے رہا تھا اس نے آوازیں دینا سروع کردی ”بچاؤ بچاؤ.....سانپ“ پہرے دار نے سنگین والی بندوق لی اور دروازہ کھول کر نیچے دیکھا

”کیا ہوگیا ہے“

”سانپ.....سانپ بچاؤ اسے مارو دو.....“ شریم نے پکارا۔

”کیا مصیبت ڈال رہے ہو بڈھے“ یہ کہہ کر پہرے دار بندوق تانے نیچے سیڑھیاں اترنے لگا شریم اس کے سامنے سیڑھیوں پر کھڑا تھا مگر وہ اسے نہیں دیکھ سکتا تھا جب وہ اس کے قریب سے گزرنے لگا تو شریم نے اپنی ٹانگ آگے کردی سپاہی منہ کے بل لڑھکڑایا اور سیڑھیوں سے لڑھکتا ہوا نیچے جاگرا اس کی بندوق اس کے ہاتھ سے نکل کر دور جاگری شریم نے لپک کر بندوق اٹھالی شریم کے ہاتھوں میں بندوق کے جاتے ہی وہ بھی غائب ہوگئی۔

سامنے شہزادی اور بابا دیوار کے ساتھ لگے سہمے ہوئے تھے اور یہ سارا ڈرامہ دیکھ رہے تھے سپاہی سر کر سہلاتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا اور کہا ”کہاں ہے سانپ“ اس نے دیکھا کہ نہ وہاں سانپ ہے اور نہ ہی اس کی بندوق وہ حیران و پریشان تھا کہ بندوق کہاں غائب ہوگئی خوف کے مارے اس کے منہ سے نکلا میری بندوق کہاں گئی شریم نے کہا میرے پاس ہے یہ کون بول رہا ہے سپاہی نے گھبرا کر شریم کی آواز کی جانب دیکھا وہاں کوئی بھی نظر نہ آیا اس عرصے میں شریم نے پوری طاقت سے بندوق کا دستہ گھما کر سپاہی کے سر پر دے مارا تو وہ چکرا کر گرا اور گرتے ہی بے ہوش ہوگیا۔

شریم نے شہزادی سے کہا ”شہزادی میرے ساتھ تہہ خانے کی سیڑھیوں پر چلیں جلدی کریں وقت کم ہے“ بابا اور شہزادی نے کہا ”ہمارے پاؤں زنجیروں میں

بندھے ہوئے ہیں۔“

”ارے یہ تو میں بھول ہی گیا تھا“ شریم نے اتنا کہہ کر بندوق کے دستے مار مار کر زنجیریں توڑ ڈالیں شہزادی اور بابا تہہ خانے کی سیڑھیوں میں کھلے سلاخ دار دروازے کے پاس آکر رک گئے شریم انہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا لیکن اس کی آواز برابر دونوں کی رہنمائی کررہی تھی یہاں ٹھہر کر میرا انتظار کرو اوپر جانے والی سیڑھیوں پر دو سکھ سپاہی پہرہ دے رہے تھے شریم کے راستے کی رکاوٹ یہی دو پہرے دار تھے اب اسے ان دونوں سے نمٹنا تھا۔

شریم نے ایسا کیا کہ خاموشی سے ان کے درمیان سے ہوکر اوپر فصیل کی طرف جانے والی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر جاکر اس نے سیڑھیوں کی جانب منہ کرکے کہا ”بچاؤ مجھے بچاؤ“ اوپر سے جب کسی کی آواز آئی اور جو مدد کے لئے پکار رہا تھا تو ایک سکھ سپاہی بندوق لیے اوپر کو بھاگا دوسرا نیچے پہرہ دیتا رہا سکھ سپاہی نے فصیل کے پاس جاکر ادھر ادھر دیکھا کہ آواز دینے والا کہاں ہے مگر وہاں کوئی دکھائی نہ دیا حالانکہ شریم بالکل اس کے قریب کھڑا تھا وہ واپس جانے لگا تو شریم نے ذرا پرے ہٹ کر اندھیرے میں پھر اسے آواز دی ”بچاؤ مجھے بچاؤ“ سپاہی ادھر کو بھاگا یہاں شریم بالکل تیار کھڑا تھا سپاہی اندھیرے میں فصیل کے پاس آیا شریم نے اس کی گردن پر ایک زوردار ہاتھ مارا سپاہی کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی اور وہ قلابازیاں کھا کر فصیل سے نیچے کھائی میں گر پڑا شریم لپک کر دوبارہ سیڑھیوں کے پاس آکر کھڑا ہوگیا اس نے پھر آواز دی ”بچاؤ.....بچاؤ“ وہ برج جس میں چھ سات سپاہی پہرہ دے رہے تھے وہاں سے دور تھے جس کی وجہ سے وہ سپاہی شریم کی آواز نہیں سن سکتے تھے دوسرے پہرے دار نے جب دوبارہ آواز سنی تو بڑا حیران ہوا کہ اس کے ساتھ کیا گزری کہ یہ بھی مدد کے لئے پکار رہا ہے وہ بھی بھاگ کر سیڑھیاں چڑھتا ہوا اوپر آگیا۔

اوپر آتے ہی اس نے اپنے ساتھی کو آواز دی کوئی جواب نہ ملا ابھی اس نے آواز نکالی ہی تھی کہ اس کی گردن پر جیسے کوئی بہت وزنی شے زور سے ٹکرائی اور اس کی گردن ایک طرف لڑھک گئی میدان صاف تھا شریم بھاگ کر سیڑھیاں اترتا ہوا شہزادی کے پاس پہنچ گیا اور بولا ”راستہ صاف ہوگیا ہے مگر تم دونوں کو دیوار کے ساتھ ساتھ ہوکر فصیل کی دیوار تک جانا ہوگا کسی کی نظر پڑ گئی تو پھر میں تمہاری جان کی ذمہ داری نہیں لوں گا آؤ میرے ساتھ میں تمہارے آگے آگے چل رہا ہوں۔“

بابا اور شہزادی تہہ خانے کے دروازے سے نکل کر برآمدے میں آگئے یہاں اندھیرا تھا پھر بھی وہ دیواروں کے ساتھ لگ کر آگے بڑھنے لگے اوپر جانے والے زینے کا دروازہ کھلا تھا وہاں اوپر ایک شمع جل رہی تھی شریم نے سرگوشی کی تیزی سے اوپر چلو شہزادی اور بابا بھاگ کر سیڑھیوں پر آگئے پھر اوپر قلعے کی چھت کے پاس آکر رُک گئے شریم نے آہستہ سے کہا ”میرا ہاتھ پکڑ کر بیٹھ کر میرے پیچھے پیچھے چلو کیونکہ اٹھ کر چلنے سے برج میں پہرہ دینے والے سپاہی کی نظر ادھر پڑ سکتی ہے اگرچہ وہاں روشنی کہیں نہیں تھی پھر بھی ستاروں کی چمک میں برج کے سپاہیوں کو حرکت کرتے سائے نظر آسکتے تھے شریم ان دونوں کو لے کر فصیل میں اس جگہ آگیا جہاں اس نے رسی باندھ کر باہر کو لٹکا رکھی تھی رات کی تاریکی میں قلعے کے نیچے میدان میں پہاڑیوں پر گہری خاموشی چھائی تھی شریم نے آرام سے بابا سے کہا یہاں سے لٹک کر نیچے اتر جاؤ سب سے پہلے بابا نے رسی کو تھاما اور قلعے کی دیوار کے ساتھ پاؤں لٹکا کر نیچے اتر گیا کھائی کے کنارے اتر کر اس نے رسا کو ہلایا شریم نے آہستہ سے شہزادی سے کہا ”شہزادی صاحبہ اب آپ اتر جائیے“ یہ زندگی اور موت کا سوال تھا شاید اسی لئے شہزادی بے خوف ہوکر رسا کے ساتھ دسری طرف اترنے لگی اندھیرے کی وجہ سے اسے کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا اگر دن کی روشنی ہوتی تو ہوسکتا تھا کہ وہ قلعے کی دیوار کی اونچائی دیکھ کر ڈر جاتی کھائی کے کنارے پہنچ کر اس نے زمین پر پاؤں لٹکائے تو بابا نے اسے سنبھال لیا شہزادی کا خوف سے جسم سرد ہورہا تھا۔

اب شریم بھی رسہ کی مدد دے نیچے اتر آیا، وہ ابھی کھائی میں اترے ہی تھے کہ انہوں نے گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز سنی شریم نے جلدی سے چھپ جانے کو کہا اندھیرے میں تین گھڑ سوار نیزہ پکڑے ان کے سامنے سے گزر گئے یہ سپاہی رات کے گشت پر تھے جب وہ قلعے کے دروازے کی جانب سے کافی آگے نکل گئے تو شریم نے کہا ''جلدی سے یہاں سے نکل چلو'' کھائی سے نکل کر شریم انہیں ساتھ لے کر بنجر میدان کا ایک چکر لگوا کر بڑی کچی سڑک عبور کر کے کھیتوں میں لے گیا جہاں کوٹھڑی میں شاہان ان کا انتظار کر رہا تھا وہاں پہنچ کر شریم نے شاہان سے کہا ''شاہان بھائی میں تمہاری امانت تمہارے پاس لے آیا ہوں''

شاہان نے کہا ''یقیناً انہیں تم سے مل کر خوشی ہوئی ہوگی'' شہزادی تھکی ہوئی تھی کہنے لگی ''شاہان بھائی اگر مجھے شریم بھائی نظر آتے تو انہیں ان کا شکریہ ادا کرتی''

شریم نے کہا ''شہزادی آپ اب بھی میرا شکریہ ادا کر سکتی ہیں۔'' بابا بولا ''بیٹے وہ تو ہم سب تمہاری شکر گزار ہیں اگر اس وقت تم ہماری مدد نہ کرتے تو خدا جانے صبح ہمارے ساتھ کیا گزرتی۔

اسی رات شاہان نے شریم شہزادی اور بابا کو ساتھ لیا اور کافی آگے جا کر سرحد عبور کی اور پھر کابل کی سرزمین میں داخل ہو گئے۔ اب وہ محفوظ تھے دوسرے دن وہ ایک کارواں سرائے میں آرام کرتے رہے شام کو وہ ایک قافلے میں شامل ہو کر کابل پہنچ گئے کابل میں شاہان نے نولکھا ہار شہزادی کے حوالے کیا اور ایک ایسے قافلے میں شامل کر دیا جو سمرقند کی طرف جا رہا تھا بابا نے شاہان کو گلے لگا لیا...... شہزادی نے شاہان کا شکریہ ادا کیا اور قافلہ سمرقند کی طرف روانہ ہو گیا ان کے جانے کے بعد شاہان نے شریم سے پوچھا ''اب ہمارا کیا پروگرام ہے۔'' پھر شاہان نے خود ہی کہا مجھے یقین ہے کہ ناگنی ہامی کو لے کر لندن پہنچ گئی ہوگی اب ہمیں بھی لندن کی طرف کوچ کر جانا چاہئے'' اگلے روز شریم اور شاہان انگلستان کی طرف روانہ ہو گئے جہاں وہ ناگنی سے ملاقات کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔

دوسری طرف ناگنی اور مامی والا بحری جہاز میں ولایت کی بندرگاہ پر لگ چکا تھا مسافر اتر کر اپنی اپنی منزل کو روانہ ہو چکے تھے ناگنی بھی ہامی کے ساتھ شہر کی ایک سڑک پر بندرگاہ سے باہر کھڑی بگھی کا انتظار کر رہی تھی ایک بگھی ان کے قریب آ کر رکی اس میں سوار ہو کر دونوں لندن شہر آ گئیں ہامی کے ماں باپ لندن شہر سے تھوڑی دور ایک قصبے کے پرانے قلعے کے پاس رہتے تھے لندن سے وہ ایک اور بند بگھی میں بیٹھ کر اپنے قصبے کی طرف روانہ ہوئی رات کے پچھلے پہر وہ پرانے قلعے کے قریب سے گزری بڑا ہی پراسرار قلعہ تھا فصیل کی برجیاں رات کے اندھیرے میں بھوتوں کی طرح دکھائی دے رہی تھیں بگھی ایک پرانے مکان کے آگے جا کر کھڑی ہو گئی ہامی بھاگ کر اپنے گھر میں داخل ہوئی ناگنی نے بگھی والے کو کرایہ دے کر رخصت کر دیا۔

ہامی کو دیکھ کر اس کے ماں باپ سکتے میں آ گئے پھر انہوں نے روتے ہوئے اپنی بچی کو گلے لگایا وہ تو یہ سمجھے ہوئے تھے کہ ہانی جہاز کے ساتھ ہی سمندر میں ڈوب گئی ہوگی ہامی نے اپنے ماں باپ سے ناگنی کو ملوایا اور کہا ''ڈیڈی ناگنی مجھے موت کے منہ سے نکال کر یہاں تک لائی ہے'' ہامی کے ماں باپ نے ناگنی کا بے حد شکریہ ادا کیا وہ رات قصبے میں بسر کرنے کے بعد ناگنی نے اجازت لی اور لندن چلی آئی وہ لندن میں رہ کر شاہان کا انتظار کرنا چاہتی تھی کیونکہ اسے معلوم تھا کہ شاہان اس سے ملاقات کرنے رنگون شہر سے سیدھا لندن آئے گا۔

لندن شہر میں ان دنوں ایک ایسے قاتل نے دہشت پھیلا رکھی تھی جو آدھی رات کے اندھیرے میں لندن کی پراسرار گلیوں میں نکلتا تھا اور صرف جوان لڑکیوں کو پکڑ کر ان کی گردن کاٹ کر ان کا خون پی جاتا تھا لندن کی پولیس اور سراغ رساں اس بے رحم جوان لڑکیوں کا خون پینے والے قاتل کی بڑی سرگرمی سے تلاش کر رہے تھے مگر یہ ایسا چالاک قاتل تھا کہ پولیس کے قابوں میں نہ آ رہا تھا یہ دوسری اور تیسری رات کو لندن کی کسی نہ کسی گلی

روحانی
شمع جنتری
2018
مؤلف۔ اقبال احمد مدنی

مسلسل کامیابیوں کا تیئیسواں سال

پاکستان کی واحد منفرد اور مستند جنتری جس میں دیئے گئے مستقل اور نئے عنوانات آپ کو ہر وقت چونکا دیتے ہیں اور جسے پڑھ کر آپ پر حیرت طاری ہو جاتی ہے کہ پاکستان میں چھپنے والی جنتریوں اور تقاویم میں سارے مضامین یکجا نہیں ہوتے اور اگر ہوتے ہیں تو بھی اس سے قارئین مکمل استفادہ حاصل نہیں کر سکتے ان کے علم کی پیاس نہیں بجھتی۔ اس سال کے عنوانات مندرجہ ذیل ہیں۔ جنتری اولیات، (پیری ریس کا نقشہ) مذہبی تقریبات و تعطیلات، خواتین کے مزاج پر چاند کے اثرات، اثرات قمر، تواریخ ماہ، آج کا دن کیسا گزرے گا، ہر کام میں کامیابی یا ناکامی کے لئے سعد اور نحس تاریخیں، قمر در عقرب اوقات داخلہ کی جدول، 2018ء میں یہ کام کریں یا نہ کریں، نقشہ سحر و افطار، تاریخ عیسوی سے دن معلوم کرنے کا طریقہ، تاریخ ہجری سے دن معلوم کرنے کا طریقہ، 176 سالہ شمسی ہجری کلینڈر، فہرست عرس ہائے بزرگان دین، تسویت البیوت مختصر، تسویت البیوت پاکستان، تعارف رفتار سیارگان، یونانی رفتار سیارگان کو ہندی رفتار سیارگان میں تبدیل کرنا، جدول نظرات سیارگان، انعامی بانڈ یا انعامی اسکیموں سے لکھ پتی یا کروڑ پتی بنے گا کون، 2018ء علم الاعداد کی روشنی میں، نو روز عالم افروز (عالمی پیشنگوئیاں) نو روز ہجری کا پھل، نو روز عددی کا پھل، نوراتہ کا پھل، نو روز کا پھل، نو روز چینی کا پھل، چینی سال کیسا رہے گا۔ آیات قرآنی سے مشکلات کا حل، خواب اور تعبیر خواب، واٹس ایپ اپنے موبائل نمبر کے بغیر استعمال کریں، ٹرو کالر ایپلی کیشن کیسے کام کرتی ہے، اسمارٹ فون کے لئے کچھ حفاظتی طریقے، کچھ میوہ جات کے تین راز جو آپ نہیں جانتے ہیں۔ رجعت سیارگان کے اثرات، نقشہ یا تحویلات کواکب، آپ کامیابی کیسے حاصل کریں، اپنے اسم اعظم اور اسمائے نبوی کے حروف باطن معلوم کیجئے، سات دن میں ہمزاد کو قابو کرنے کا عمل، شرف و ہبوط سیارگان، شرف و ہبوط قمر، رجعت و استقامت سیارگان، صحت مند بننے کے لئے کیجئے 13 ننھی منی تبدیلیاں، عالم اسباب، اسمارٹ فون اور ٹیبلٹ کے لئے 360 سیکورٹی ایپ، ہر شے میں ہے جلوہ گر ہے نام محمد، چاند کے طلوع و غروب کے اوقات 2018ء، بارہ برجوں کے حالات 2018، مجھے امید ہے کہ اتنے سارے عنوانات سے آپ کے علم کی پیاس یقیناً بجھ جائے اور آپ مزید مفید مشوروں سے مجھے نوازیں گے تا کہ جنتری کو بہتر سے بہتر خطوط پر استوار کیا جائے اور آپ کے استفادوں کا کارواں یونہی رواں دواں رہے۔

دعا گو
اقبال احمد مدنی

شائع ہو گئی ہے
قریبی بک اسٹال سے طلب کریں

قیمت-/150 روپے

شمع بک ایجنسی
نوید اسکوائر اردو بازار کراچی
021:32773302

میں کسی جوان لڑکی کی لاش اس حالت میں مل جاتی تھی کہ اس کی گردن کٹی ہوتی تھی اور مردہ جسم میں خون کا ایک قطرہ نہیں ہوتا تھا لندن کے اخبار حکومت پر زور دے رہے تھے کہ شہر کے پولیس انسپکٹر کو تبدیل کر کے اس کی جگہ کوئی ایسا تجربہ کار انسپکٹر لایا جائے جو اس بھیانک قاتل سے شہریوں کو نجات دلا سکے۔ حکومت بھی سرتوڑ کوشش کر رہی تھی مگر قاتل درجن بھر لڑکیوں کا خون پینے کے بعد بھی گرفتار نہیں ہوا تھا۔

ناگنی شہر کے ایک ہوٹل میں آ کر ٹھہر گئی اس نے اخبارات میں خونی قاتل کے بارے میں پڑھا اور لوگوں سے بھی سنا ناگنی نے محسوس کیا کہ سارے شہر میں ایک دہشت پھیلی ہوئی ہے اور رات کو کوئی عورت گھر سے باہر نہیں نکلتی تھی اب قاتل نے یہ کرنا شروع کر دیا تا کہ وہ کسی نہ کسی کے گھر میں داخل ہو جاتا اور وہاں سے سب سے نوجوان لڑکی کو بے ہوش کر کے اٹھا کر لے آتا اور باہر کسی ویران جگہ پر لے جا کر اس کی شہ رگ کاٹ کر سارا خون پی جاتا اور لاش کو وہیں پھینک کر فرار ہو جاتا ایک بار کسی شہری نے اپنے گھر کی کھڑکی سے اسے دیکھ لیا کہ وہ ایک لڑکی کو اٹھائے اندھیری گلی میں داخل ہو رہا ہے اگلے روز اسی گلی میں لڑکی کی لاش ملی اس آدمی کو پولیس اپنے ساتھ لے گئی اور اس سے اس قاتل کا حلیہ دریافت کرنے لگی۔

اس شخص نے بتایا کہ میں نے اس کی پشت دیکھی ہے وہ چوڑے شانوں والا ایک اونچا لمبا آدمی ہے جس نے سیاہ لمبا گرم کوٹ اور سر پر کالا ہیٹ پہن رکھا تھا اور میرا خیال ہے کہ اس نے اپنے ہاتھوں پر بھی کالے دستانے چڑھا رکھے تھے دوسرے دن اس کا بیان لندن کے سارے اخباروں میں چھپ گیا لوگ اونچے چوڑے شانوں والے آدمی کو شک کی نگاہوں سے دیکھنے لگے پولیس بھی ایک بار ایک نئے جوش سے باہر نکل آئی مگر نتیجہ وہی نکلا کہ پولیس ناکام اپنی جگہ پر بیٹھی رہی اور قاتل خون پر خون کرتا چلا گیا۔

ناگنی نے سوچا کہ اس خونی اور بے رحم قاتل کے ظلم سے شہر کے لوگوں کو نجات دلانی چاہئے کیوں ناں اسے میں ہی تلاش کروں۔ اسی روز ناگنی لندن کے ایک جاسوسی کے دفتر پہنچ گئی اور وہاں کے بڑے افسروں سے ملاقات کی اور کہا کہ ”میں بھی خونی قاتل کو گرفتار کرنے میں آپ کی مدد کرنا چاہتی ہوں“ انسپکٹر وان ایک بھاری بھرکم اور ادھیڑ عمر کا تجربہ کار شخص تھا وہ کرسی پر بیٹھا بڑے آرام سے مزے سے گرم گرم کافی کی چسکیاں لے رہا تھا اونچی کھڑکی میں لندن شہر کی پرانی عمارتیں دکھائی دے رہی تھیں ”لڑکی تمہارا نام کیا ہے تم کہاں سے آئی ہو تم کیوں آئی ہو کیا تمہیں وقت ضائع کرنے کے لئے سارے لندن شہر میں ایک میں ہی نظر آیا ہوں“ انسپکٹر وان نے ریچھ کی آواز میں غراتے ہوئے ناگنی پر کئی سوال کر دیئے اور کہا کہ ”وہ جہاں سے آئی ہے وہیں واپس چلی جائے ہم ایک مکار قاتل کو پکڑنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں، مچھلیاں پکڑنے یہاں نہیں آئے اس لیے ہمارا وقت ضائع مت کرو اور واپس جاؤ۔“

ناگنی نے بڑے ہی ادب سے کہا ”جناب میرا نام ناگنی ہے اور میں ملک مصر کی رہنے والی ہوں اور لندن شہر کی سیر کرنے آئی ہوئی ہوں میں نے اخباروں میں خونی قاتل کے بارے میں پڑھا اور آپ کی مدد کرنے یہاں آ گئی۔“

انسپکٹر وان نے کافی کی پیالی زور سے میز پر رکھی اور قہر آلود آنکھوں سے ناگنی کو گھور کر دیکھا اور اپنے غصے کو دباتے ہوئے پوچھا ”تم ہماری کیا مدد کر سکتی ہو؟“

ناگنی نے کہا ”اگر آپ اپنی تفتیش میں مجھے بھی شامل کر لیں اور یہ بتائیں کہ قاتل عام طور پر کن کن علاقوں میں وارداتیں کرتا ہے تو میرا خیال ہے کہ میں اسے پکڑ کر آپ کے حوالے کر سکتی ہوں۔“

انسپکٹر نے غرا کر کہا ”وہ کیسے تم خود ایک لڑکی ہو اور کمزور بھی ہو ایسا کیسے کر سکتی ہو۔“

”جی میں ایسا بھی کر سکتی ہوں“ انسپکٹر نے اپنا سر تھام لیا پھر گھنٹی بجا کر چپڑاسی کو بلایا اور کہا اس میڈیم کو باہر سڑک پر چھوڑ آؤ اور اگر ہو سکے تو پاگل خانے کی طرف جانے والی بس میں سوار کرا دو۔“

”یس سر“ اور چپڑاسی نے ناگنی کو باہر جانے کا اشارہ کیا ”چلو لڑکی۔“

ناگنی کو بڑا غصہ آیا کہ میں تو ان لوگوں کی مدد کرنا چاہتی ہوں اور یہ مجھے دھکے دے کر اپنے دفتر سے نکال رہے ہیں پھر بھی وہ اپنے غصے کو پی گئی کیونکہ وہ موقع غصہ دکھانے کا نہیں بلکہ کوئی کام کر دکھانے کا ہے ناگنی نے افسر کی طرف دیکھا اور کہا ”افسر بہت جلد تم مجھ سے اپنے رویئے کی معافی مانگو گے۔ افسر نے اس کا کوئی جواب نہ دیا اور سامنے رکھی ہوئی فائل کے اوراق الٹنے لگا۔

ناگنی کو چپڑاسی نے سڑک پر لا کر کہا ”میڈیم گیارہ ایل نمبر کی بس سیدھی پاگل خانے جاتی ہے“ اور ہنستا ہوا واپس دفتر کی سیڑھیاں چڑھتا اوپر چلا گیا۔

ناگنی سڑک کے کنارے فٹ پاتھ پر ایک کھمبے کے ساتھ لگ کر خاموش کھڑی ہو گئی پھر وہ آہستہ آہستہ فٹ پاتھ پر ٹاور برج کی طرف روانہ ہو گئی اس کے پاس پیسے بھی ختم ہو رہے تھے اس کے کپڑے بھی پرانے تھے شاید یہی وجہ تھی کہ کسی نے اچھی طرح سے اس کے ساتھ بات نہ کی تھی۔ ابھی اسے شاہان کا بھی انتظار کرنا تھا نہ جانے اسے کتنے دن اور لندن میں رہنا پڑے۔ ہوٹل کا بل ادا کرنے کے لئے بھی اسے روپوں کی ضرورت تھی اس نے سوچا کہ اپنی زمین کے اندر والے بینک سے کچھ رقم نکلوا لینی چاہئے بس وہ شہر سے ذرا دور دریا کے کنارے ایک پرانے اور اجڑے ہوئے باغ میں آ کر بیٹھ گئی اس کے ایک جانب لندن برج تھا اور دوسری طرف دریا بہہ رہا تھا وہ گھنے درختوں کی چھاؤں میں بیٹھی تھی موسم ابر آلود تھا جس کی وجہ سے بڑی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی ناگنی کو گرم کپڑوں کی بھی ضرورت تھی اس نے اپنے دائیں بائیں دیکھا وہاں کوئی نہ تھا۔

ناگنی نے آنکھیں بند کر کے ایک خاص منتر پڑھا اور اپنے اردگرد پھونکیں ماریں ابھی دو منٹ بھی نہیں ہوئے ہوں گے کہ ایک جانب گھاس پر ایک سلیٹی رنگ کا پانچ فٹ لمبا سانپ رینگتا ہوا ناگنی کے حضور آ کر ادب سے سر جھکاتے ہوئے بولا ”اے ناگنی دیوی، اے عظیم دیوی میرے لیے کیا حکم ہے۔“

ناگنی نے کہا ”یہاں زمین کے اندر کہیں کوئی خزانہ دفن ہے۔“ سانپ نے کہا ”دیوی اس دریا کے پل کے نیچے ہنری ہشتم کے وقتوں کا ایک بیش بہا قیمتی خزانہ دفن ہے یہ خزانہ کئی لوہے کی بڑی بڑی پیٹیوں کی صورت میں ہے جو ہیرے جواہرات اور سونے کے شاہی زیورات سے بھری ہوئی ہیں۔

ناگنی نے بے نیازی سے کہا ”مجھے خزانے کی ضرورت نہیں ہے تم ایسا کرو کہ اس خزانے میں سے صرف سونے کا ایک ہار مجھے لا کر دے دو۔“

”جو حکم ناگنی دیوی“ سانپ جدھر سے آیا تھا تیزی کے ساتھ واپس چلا گیا ناگنی باغ میں درختوں کے سائے میں بیٹھی اسی کا انتظار کرنے لگی تھوڑی دیر بعد وہ سانپ واپس آ گیا اس کے منہ میں ایک سونے کا بے حد چمکیلا لاکٹ دبا ہوا تھا۔ یہ لاکٹ سانپ نے ناگنی کے قدموں میں لا کر رکھ دیا اور کہا ”عظیم ناگنی دیوی آپ کے حکم کے مطابق سونے کا ہار آپ کی خدمت میں پیش ہے۔“

شکریہ میرے دوست، اب تم جا سکتے ہو۔“ سانپ نے ادب سے سر جھکایا اور واپس چلا گیا ناگنی نے لاکٹ کو دیکھا سونے کی زنجیر کے ساتھ پان کی شکل کا سونے کا لاکٹ تھا جس کے درمیان میں شیر کی شکل بنی ہوئی تھی اس میں چھوٹے چھوٹے ہیرے بھی جڑے ہوئے تھے یہ لاکٹ کس قدر قیمتی تھا اس کا ناگنی کو احساس نہیں تھا لاکٹ اس نے جیب میں ڈالا اور لندن شہر کے صرافہ بازار میں آ کر ایک جوہری کی دکان میں داخل ہو گئی جوہری نے لاکٹ کو دیکھا اور اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی ناگنی کا حلیہ بھی کسی چور سے کم نہ تھا وہ سمجھ گیا کہ اس لڑکی نے یہ لاکٹ ضرور چوری کیا ہے کیونکہ وہ لاکٹ ہنری ہشتم بادشاہ کی بیوی کا خاص لاکٹ تھا اور اس کی قیمت اس وقت لندن بازار میں پچاس لاکھ ڈالر تھا۔

ناگنی نے جوہری کی طرف دیکھ کر کہا ”کیا دیں گے آپ اس لاکٹ کا؟“ جوہری اپنے خاص نوکر کو آنکھ کا اشارہ کر چکا تھا اور وہ پولیس کو بلانے جا چکا تھا جوہری

اب ناگنی کو باتوں میں لگا کر وہیں روکنا چاہتا تھا اس نے مسکرا کر کہا ''میڈیم آپ جو کہیں میں وہ پیش کروں گا۔''

ناگنی نے کہا ''بس مجھے اتنی رقم چاہئے کہ میں نئے گرم کپڑے بنوالوں اور لندن شہر کے ہوٹل کا مہینہ دو مہینہ کا خرچ برداشت کرسکوں اس سے زیادہ مجھے پیسوں کی ضرورت نہیں ہے۔''

جوہری نے تھوڑی دیر ناگنی کو باتوں میں لگائے رکھا اتنی دیر میں پولیس اچانک آدھمکی اور اس نے آتے ہی ناگنی کے ہاتھوں میں ہتھکڑی ڈال دی انسپکٹر وان پولیس کے ساتھ تھا کیونکہ معاملہ ہنری ہشتم کے لندن میوزیم سے چرائے گئے قیمتی لاکٹ کا تھا اس نے جو ناگنی کو دیکھا تو چنگھاڑتا ہوا ناگنی کے اوپر آ کر بولا ''اچھا تو یہ تم ہو میڈیم میں پہلے ہی سمجھ گیا تھا کہ تم کوئی آوارہ گرد لڑکی ہو لے جاؤ اسے اور حوالات میں بند کردو۔''

ناگنی ایک ایک کا منہ دیکھ رہی تھی اسے حیرت بھی ہو رہی تھی اور غصہ بھی آ رہا تھا کہ یہ آفیسر بھی اس کے لئے ایک مصیبت بن کر آ گیا تھا اب ناگنی نے بھی دل میں فیصلہ کرلیا تھا کہ وہ اسے تھوڑا سا مزہ ضرور چکھائے گی، آفیسر نے ناگنی کا لاکٹ اپنے قبضے میں لے لیا اور ناگنی کو گرفتار کر کے حوالات میں بند کردیا۔

حوالات میں بند ہوئے اسے چند منٹ ہی ہوئے تھے کہ ناگنی نے آنکھیں بند کر کے اس سانپ کو اپنی زبان میں آواز دی جس نے ناگنی کو خزانے میں سے قیمتی لاکٹ لاکر دیا تھا ناگنی کی خاموش آواز کے ساتھ ہی کمرے کی زمین ایک جگہ سے شق ہوئی اور وہی سانپ زمین میں سے نکل کر ناگنی کے حضور پیش ہوگیا اس نے اپنا سر زمین پر رکھا اور کہا ''کیا حکم ہے ناگنی دیوی''

ناگنی نے اس سے کہا ''اس کا دیا ہوا لاکٹ آفیسر وان کے کمرے کی الماری میں ہے وہاں سے لاکٹ لے کر واپس چلے جاؤ اور جب تک میں تمہیں دوبارہ نہ بلاؤں نہ آنا۔'' سانپ نے سر جھکا کر سلام کیا اور زمین کے اندر غائب ہوگیا وان اکیلا اپنے کمرے میں میز کے سامنے بیٹھا لاکٹ سامنے رکھے اسے غور سے دیکھ رہا تھا بالکل اصلی لاکٹ تھا وہ حیران تھا کہ اتنا قیمتی لاکٹ ناگنی کو کہاں سے مل گیا کیونکہ لندن میوزیم والوں نے کہہ دیا تھا کہ یہ لاکٹ ان کے پاس کبھی بھی نہیں تھا وان کا خیال تھا کہ ناگنی کے ہاتھ کوئی خفیہ خزانہ لگ گیا ہے جہاں سے وہ لاکٹ نکال کر فروخت کرنا چاہتی تھی اس نے لاکٹ کو میز پر رکھی طشتری میں رکھ دیا اور جیب سے گھڑی نکال کر وقت دیکھا شام کے چار بج رہے تھے وہ چائے پینے کے لئے اٹھنے ہی لگا تھا کہ اچانک اسے ایک زبردست پھنکار کی آواز سنائی دی یہ آواز سانپ کی تھی وان کرسی پر سے اچھل کر پرے ہٹ گیا اور پھر ساتھ ہی سانپ نے چھلانگ لگا کر وان کے سامنے میز پر پھن پھیلا کر جھومنے لگا وان کو سخت سردی میں بھی پسینہ آ گیا سانپ اس کی آنکھوں میں اپنی لال لال آنکھیں ڈال کر گھور رہا تھا اور بار بار اپنی زبان نکال کر لہرا رہا تھا وان تو اپنی جگہ پر پتھر بن کر کھڑا تھا۔

سانپ کنڈلی مارے پھن اٹھائے آہستہ آہستہ لاکٹ والی طشتری کی طرف آ گیا اس نے جھک کر لاکٹ منہ میں رکھا اور رینگتا ہوا میز سے نیچے اتر گیا اس کے نیچے اترتے ہی وان نے شور مچایا سارے لوگ بھاگ کر اندر آ گئے مگر سانپ کا کہیں نشان تک نہیں ملا وہ تو جیسے غائب ہو چکا تھا وان تو غم سے نڈھال ہوگیا تھا قیمتی لاکٹ جس کی قیمت پچاس لاکھ روپے تھی اس کی میز پر سے گم ہوا تھا اس پر مقدمہ بھی چل سکتا تھا۔

ناگنی کو حوالات کے اندر ہی معلوم ہوگیا تھا کہ لاکٹ سانپ لے گیا ہے وہ بہت خوش ہوئی اب اس نے بھی وان کو مزا چکھانے کے لئے ایک ترکیب سوچی۔

ناگنی حوالات میں گدے پر لیٹی تھی باہر ایک سپاہی پہریدار اسٹول پر بیٹھا پہرہ دے رہا تھا کبھی کبھی وہ اٹھ کر ٹہلنے لگتا تھا ناگنی کو وہاں سے باہر جانے کے لئے اس کی منت سماجت کرنے کی ضرورت نہیں تھی اس نے لیٹے لیٹے ایک ہلکی سی پھنکار ماری ایک سبز رنگ کی چھوٹی سی ناگن بن کر فرش پر رینگتی ہوئی بند دروازے کے سلاخوں کے نیچے سے گزر کر باہر نکل آئی ناگنی ٹھنڈے فرش پر

رینگتی ہوئی سیدھی وان کے کمرے میں چلی گئی وان کمرے میں پریشانی کی حالت میں کاغذوں سے بھری ہوئی فائلیں دیکھ رہا تھا ناگنی کو کمرے میں داخل ہوتے ایک پہریدار نے دیکھ لیا تھا اس نے سانپ سانپ کا شور مچا دیا وان اپنی کرسی سے ایک بر پھر سانپ کا نام سن کر اچھل پڑا سپاہی اندر آ گئے۔

ناگنی ایک الماری کے پیچھے چھپ گئی سانپ کی تلاش شروع ہوگئی وہ کہیں نہ ملا تو سپاہیوں کو وان نے واپس بھیج دیا اور خود کرسی پر بیٹھ کر دوبارہ کاغذات دیکھنے لگا وہ بہت ہی پریشان تھا تاریخی لاکٹ کے کھو جانے سے اس پر مصیبت نازل ہوسکتی تھی اس کی نوکری اور عزت کا سوال تھا ناگنی اب الماری کے پیچھے سے نکل کر وان کی کرسی پر پیچھے سے چڑھی اور وان کے موٹے گرم کوٹ پر سے ہوتی ہوئی اچانک اس کی گردن کے گرد لپٹ کر اپنا منہ وان کی طرف کھول کر پھنکارنے لگی وان جیسے بیٹھا تھا ویسے ہی بیٹھا رہ گیا خوف سے اس کی آنکھوں کی پتلیاں پھیل گئیں اور ہونٹ کپکپانے لگے موت اس کے سامنے پھنکار رہی تھی ناگنی نے انسانی آواز میں کہا ''وان تم نے مجھے پہچانا'' پھر خود ہی کہا ''تم مجھے نہیں پہچان سکتے لیکن شاید میری آواز سن کر تمہیں احساس ہو کہ تم نے یہ آواز پہلے بھی سنی ہے میں ناگنی ہوں ناگنی'' اور پھر ناگنی وان کی گردن پر سے اتر کر میز پر آ گئی ایک ہلکی سی پھنکار ماری اور انسان کی شکل میں ظاہر ہوگئی۔

وان کے سامنے بڑی میز پر ناگنی آلتی پالتی مارے بیٹھی تھی وان کا دل اچھل کر اس کے حلق میں آ گیا اس نے ایسی جادوگری پہلے کبھی نہ دیکھی تھی ناگنی میز پر سے نیچے اتری اور کرسی پر بیٹھ گئی۔ ''اب تمہیں یقین آ گیا ہوگا کہ میں انسان نہیں ہوں اور میں خونی قاتل کو گرفتار کرنے میں تمہاری مدد کرسکتی ہوں''

وان کی زبان پر جیسے تالا لگا تھا وہ ابھی تک اس حیرت سے باہر نہیں نکلا تھا کہ یہ لڑکی ناگن کیسے بن گئی اور پھر سانپ سے انسان کیسے بن گئی۔

ناگنی نے مسکرا کر کہا ''میں ایک جادوگر ہوں اور جو شکل چاہوں اختیار کرسکتی ہوں تم نے میرے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا مگر میں تمہیں زیادہ پریشان نہیں کروں گی کیونکہ تم واقعی دیانتدار افسر ہو میں تمہارا لاکٹ واپس منگوائے دیتی ہوں۔''

پھر ناگنی نے آنکھیں بند کر کے سلیٹی رنگ کے سانپ کو آواز دی تھوڑی دیر بعد ہی کمرے کے کونے میں سے وہی سانپ منہ میں تاریخی لاکٹ لیے آن موجود ہوا ناگنی نے اس کے منہ سے لاکٹ لے لیا اور سانپ کو واپس جانے کا حکم دیا اور لاکٹ وان کی طرف بڑھا کر بولی ''یہ لاکٹ میں نے چوری نہیں کیا بلکہ زمین کے اندر بے شمار خزانے دفن ہیں میں جس خزانے سے جتنی دولت چاہے حاصل کرسکتی ہوں یہ لاکٹ بھی میرے غلام سانپ نے مجھے اسی زمین کے نیچے دفن شدہ خزانے سے لا کر دیا ہے چونکہ اب تمہاری عزت کا مسئلہ ہے اس لئے اسے میں تمہارے حوالے کرتی ہوں۔''

وان نے ماتھے کا پسینہ پونچھا اور خشک آواز میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک سپاہی لپک کر اندر آیا اور بولا ''سر حوالات میں سے لڑکی ناگنی غائب ہے۔'' وان نے مسکرا کر اپنے سامنے بیٹھی ہوئی ناگنی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ''ناگنی میرے پاس ہے تم جاؤ'' سپاہی واپس چلا گیا۔

وان نے لاکٹ لے کر دراز میں رکھ لیا اور کہا ''ناگنی میں تمہارا یہ احسان ساری زندگی نہیں بھولوں گا اب میرا ایک کام اور کرو اور کسی طرح اس خونی قاتل کو گرفتار کروا دو جو کتنی ہی معصوم لڑکیوں کو قتل کر کے ان کا خون پی چکا ہے۔''

ناگنی نے کہا ''میں یہ کام تو خود کرنا چاہتی تھی بہرحال میں اب بھی تمہاری مدد کروں گی مجھے یہ بتایا جائے کہ قاتل شہر کے کس علاقے میں زیادہ حملے کرتا ہے۔''

وان ناگنی کو دیوار میں لگے ہوئے نقشے کے قریب لے گیا اور سمجھانے لگا کہ قاتل نے پچھلے دنوں کس جگہ سے ایک لڑکی کو قتل کر کے اس کا خون پیا تھا وان نے ناگنی کو اگلے روز نئے گرم گرم کپڑے خرید کر دیئے ناگنی

لمبے گرم اور کوٹ میں ملبوس سر پر کالا گول ہیٹ رکھ کر آدھی رات کے اندھیرے میں لندن کے ایک ایسے علاقے میں نکل آئی جہاں دو منزلہ فلیٹ بنے ہوئے تھے آخری قتل اسی علاقے میں ہوا تھا سردی کی وجہ سے یہاں درختوں اور مکانوں کے باغوں میں دھند پھیلی ہوئی تھی ناگنی ہیٹ کو ماتھے پر ذرا آگے کیے۔

دونوں ہاتھ کوٹ کی جیبوں میں ڈالے مکانوں کے پچھواڑے والی سڑک پر چلی جارہی تھی مکانوں میں کہیں کہیں ہلکی روشنی تھی اچانک ناگنی ایک لمبے انسانی سائے کو باغ میں درختوں کے پیچھے جاتے دیکھا ناگنی جلدی سے ایک طرف اندھیرے میں ہوگئی اس نے دیکھا کہ ایک اونچا لمبا سایہ ایک مکان کے پچھواڑے جارہا ہے ناگنی نے اس کا تعاقب شروع کردیا سایہ مکان کی دیوار پھاند گیا ناگنی نے آہستہ سے دیوار کے اوپر چڑھ کر دیکھا سایہ آنگن میں کہیں نہیں تھا وہ یقیناً مکان میں داخل ہوچکا تھا جہاں اندھیرا چھایا ہوا تھا صرف اوپر والے کمرے میں مدہم روشنی ہورہی تھی۔

ناگنی نے بھی چھلانگ لگادی وہ مکان کی دوسری منزل کی سیڑھیوں میں چڑھنے لگی یہاں بڑا گہرا اندھیرا تھا ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا ناگنی کو اوپر والے کمرے سے کسی عورت کی دل دہلا دینے والی چیخ سنائی دی۔

وہ دیوانہ وار اوپر کی طرف بھاگی بیڈروم کا دروازہ اندر سے بند تھا ناگنی دروازہ توڑ کر اندر داخل ہوگئی ایک سائے کو اس نے کھلی کھڑکی میں سے باہر باغ میں چھلانگ لگاتے ہوئے دیکھا ناگنی لپک کر کھڑکی کے پاس آئی سایہ جھاڑیوں میں گم ہوگیا تھا۔

ناگنی نے دیکھا کہ لیمپ کی روشنی میں پلنگ پر ایک خوبصورت نوجوان عورت کی لاش پڑی تھی خون اس کی گردن سے ابھی تک سفید بستر پر ٹپک رہا تھا ناگنی نے اسے وہیں چھوڑا اور پھنکار مار کر کبوتر کا روپ بدلا اور کھڑکی میں سے پھڑپھڑاتی ہوئی باہر اڑ گئی وہ خونی قاتل کی تلاش میں جھاڑیوں اور درختوں سے ہوتی ہوئی اندھیری رات میں باہر دریا کے اوپر اڑنے لگی پھر اسے دور پل کی طرف ایک لمبا سایہ بھاگتا دکھائی دیا ناگنی بڑی تیزی سے اس سائے کی طرف اڑی۔

رات کی تاریکی میں دریا خاموشی سے بہہ رہا تھا دریا کی سطح پر دھند پھیلی ہوئی تھی پرانے پل کے دونوں ٹاور اندھیرے میں بھوتوں کی طرح منہ پھاڑے کھڑے تھے قاتل کے سائے کو ناگنی نے اسی ٹاور کے قریب پل کے نیچے جاتے دیکھا تھا ناگنی کبوتر کی شکل میں ٹاور کے اوپر چکر لگانے لگی ٹاور کی چھت خالی پڑی تھی وہ پل کے نیچے آگئی یہاں پل کے چھت کی وجہ سے دریا کے بہنے کی آواز آرہی تھی۔

ناگنی اسی وقت کبوتر سے انسانی شکل میں آگئی کیونکہ اب خونی قاتل کا کھوج لگانے کی ضرورت تھی پل کے نیچے دریا نے تھوڑا سا کنارا چھوڑ دیا تھا یہاں اونچی اونچی دلدلی گھاس اگی تھی اندھیرے میں یہ گھاس دھندلی دھندلی دکھائی دیتی تھی اندھیرے کی وجہ سے ناگنی یہاں قدموں کے نشان بھی نہ دیکھ سکتی تھی پل کے دیوار کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے ناگنی کو ایک جگہ سے دیوار کی اینٹ اکھڑی ہوئی نظر آئی اس نے جھک کر دیکھا ناگنی میں یہ خوبی تھی کہ اندھیرے میں اسے ہر شے دکھائی دے جاتی تھی صرف درخت اور سبزہ اسے دھندلا نظر آتا تھا کیونکہ اصل میں وہ ناگن تھی اور انسان کے روپ میں چل رہی تھی جہاں سے اینٹیں اکھڑی ہوئی تھیں۔

وہاں ایک سوراخ ہوگیا تھا اور ایک زنگ آلود زینہ اندر کو اترتا تھا ناگنی سمجھ گئی کہ خونی قاتل کا ٹھکانہ اسی پل کے نیچے کسی تہہ خانے میں ہے اس نے انسان بن کر نیچے اترنے کے بجائے ناگن بن کر جانے کا فیصلہ کیا اور ایک چھوٹی سی ناگن بن کر سوراخ سے نیچے اتر گئی نیچے زمین گیلی تھی ناگنی کا دل اسے آگے چلنے کے لئے کہہ رہا تھا۔

ناگنی ناگن کی شکل میں آگے بڑھتی چلی گئی آگے سرنگ ذرا چوڑی ہوگئی تھی۔ یہاں ہلکی ہلکی تازہ ہوا آرہی تھی ذرا آگے جانے کے بعد ناگنی نے ہلکی سی روشنی دیکھی یہ روشنی ایک نیچی جگہ سے آرہی تھی ناگنی رینگتی ہوئی ایک دیوار پر چڑھ گئی دوسری طرف دیکھا کہ ایک

دالان سا بنا ہوا تھا جس کی ایک جانب کوٹھڑی بنی ہوئی تھی دالان تنگ سا تھا اور کونے میں ایک تیل کا چراغ سا روشن تھا ناگنی دیوار پر سے رینگتی ہوئی نیچے دالان میں آگئی وہ پتھریلے فرش پر بل کھا کر کوٹھڑی کے ادھ کھلے دروازے میں داخل ہوئی۔

تھوڑی دیر بعد قدموں کی چاپ کے ساتھ ناگنی کو اب ایسی آواز سنائی دی جیسے کوئی بھاری شے کو زمین پر گھسیٹ کر لا رہا ہے پھر اسے دو آدمیوں کے باتیں کرنے کی آواز سنائی دی جلدی کرو جم..... دالان میں دیئے کی روشنی میں ناگنی نے دیکھا دو آدمی کسی بھاری بھرکم عورت کی لاش کو گھسیٹتے ہوئے آرہے تھے دالان کے بیچ میں لاکر انہوں نے لاش کو چھوڑ دیا اور سانس درست کرنے لگے دونوں دبلے پتلے آدمی تھے اور انہوں نے سروں پر کالی ونی ٹوپی پہن رکھی تھی ایک آدمی نے ہاتھ میں پکڑا ہوا لمبا چاقو بند کرکے جیکٹ کی جیب میں رکھ لیا عورت ادھیڑ عمر کی تھی جس کی لاش پر جگہ جگہ خون کے بڑے بڑے دھبے پڑے ہوئے تھے دونوں لاش کے قریب ہی پتھروں پر بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔

''ہمیں دن نکلنے سے پہلے پہلے یہ لاش ڈاکٹر کے گھر تک پہنچا دینی چاہئے'' پھر دوسرا بولا ''ڈاکٹر تو کہتا ہے کہ ہمیں تجربے کے لئے جوان عورت کی لاش چاہئیں۔ بوڑھی لاشوں کی اب ہمیں ضرورت نہیں ہے اس لیے اب ہمیں آئندہ کسی جوان لڑکی کو قتل کرکے اس کی لاش ڈاکٹر کے ہاں لے جانا ہوگی پھر ہم اس سے دو سو پاؤنڈ فی لاش کی بات کرسکتے ہیں۔''

پہلا کہنے لگا ''کم بخت ایک تو اس قاتل نے شہر میں دہشت پھیلا رکھی ہے جو عورتوں کو قتل کرکے اس کا خون پی کر لاش وہیں چھوڑ جاتا ہے'' دوسرا بولا ''اگر یہ ڈریکولا کا بچہ خون نہ پیئے تو اس کی چھوڑی ہوئی لاش بھی ہمارے کام آسکتی ہیں۔ لیکن ڈاکٹر کہتا ہے کہ جس لاش کے جسم سے سارا خون نکل چکا ہو وہ اس کے کسی کام کی نہیں ہے تو پھر اسے اٹھا کر ڈاکٹر کے پاس لے کر چلتے ہیں چلو یار اس موٹی لاش کو اٹھاؤ جس وقت ہم اس عورت کو اٹھا رہے تھے تو تمہیں یاد ہے اس کی جوان بیٹی جاگ رہی تھی اور اس نے بھی شور مچایا تھا۔''

ہاں لیکن وہ پولیس کو لے کر یہاں کہاں پہنچ سکتی ہے بھلا۔''

اتنے میں ایک لڑکی کی آواز آئی ''ممی..... ممی..... ممی تم کہاں ہو میری ممی کو چھوڑ دو میری ممی کو چھوڑ دو۔''

دونوں ہی ایک دم چونک پڑے یہ تو وہی لڑکی ہے ہاں اس عورت کی لڑکی آنے دو آج ہم اس بوڑھی لاش کے ساتھ ایک جوان لڑکی کی لاش بھی ڈاکٹر کے پاس لے جائیں گے اس عورت کی لاش کو ادھر کونے میں چھپا دو جلدی جلدی کرو۔''

ناگنی دیوار کے ساتھ یہ سارا بھیانک کھیل دیکھ رہی تھی وہ تو خونی قاتل کی تلاش میں آئی تھی مگر یہاں اسے دوسرے قاتلوں سے واسطہ پڑ گیا تھا یہ لوگ قبروں سے تازہ لاش چرا کر ڈاکٹروں کے پاس فروخت کرتے تھے ان دنوں لندن میں یہ وارداتیں بھی اکثر ہوتی تھیں ڈاکٹری تجربے کے لئے ڈاکٹروں کو لوگ اپنی خوشی سے اپنے دوستوں یا عزیزوں کی لاشیں نہیں دیتے تھے چنانچہ جرائم پیشہ لوگوں نے قبروں سے تازہ لاشیں چرا کر ڈاکٹروں کے پاس فروخت کرنی شروع کردی اور کچھ پرانے خونی قاتلوں نے لاشیں حاصل کرنے کے لئے زندہ لوگوں کو قتل کرنا شروع کردیا یہ دونوں بھی ان ہی قاتلوں میں سے تھے۔

اتنے میں اس مردہ عورت کی جوان بیٹی جس کی عمر تیرہ چودہ سال ہوگی سہمی سہمی اپنی ماں کو آوازیں دیتی وہاں آگئی معلوم ہوا کہ اس سرنگ کا کوئی دوسرا راستہ بھی تھا قاتلوں نے پہلے اس لڑکی کی ماں کو لوٹا اور پھر سرنگ کے اندر لاکر قتل کردیا لڑکی پیچھا کررہی تھی اور اس نے ان کو سرنگ کے اندر جاتے ہوئے دیکھ لیا اور وہاں پہنچ گئی۔

دونوں قاتلوں کو اپنے سامنے دیکھ کر لڑکی کے چہرے کا رنگ فق ہوگیا قاتلوں نے مسکراتے ہوئے لڑکی کا استقبال کیا اور کہا ''آؤ آؤ، اچھا ہوا تم آگئیں تمہاری ممی کو خونی قاتل اور اس کے ساتھی اٹھا کر لے

گئے ہیں ہم نے بڑی ہی مشکل سے تمہاری ماں کو چھڑایا ہے فکر نہ کرو تمہاری ممی بالکل ٹھیک ہے اور اندر آرام کر رہی ہے۔"

لڑکی کو ان کی باتوں کا یقین نہیں آ رہا تھا وہ وہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی لیکن وہ مصیبت میں پھنس چکی تھی اب وہ وہاں سے اچانک بھاگ بھی نہیں سکتی تھی اس کے پاؤں من من بھاری ہو رہے تھے پھر بھی اس نے ذرا سا ہلنے کی کوشش کرتے ہوئے ان دونوں کا جھوٹ موٹ شکریہ ادا کیا اور یہ کہتے ہوئے واپس مڑی کہ میں ابھی آتی ہوں ایک قاتل نے لپک کر لڑکی کو دبوچ لیا "ایسی جلدی بھی کیا ہے آئی ہو تو اپنی ماں سے بھی ملتی جاؤ وہ اندر کوٹھڑی میں ہے آؤ تمہیں اس سے ملاتے ہیں" لڑکی کانپ اٹھی تھی اس نے دونوں ہاتھ اپنے سینے پر رکھے ہوئے تھے آنکھیں دہشت سے پھٹی ہوئی تھیں اسے اپنی موت سامنے نظر آ رہی تھی ماں کی لاش اندھیرے میں پتھروں کے ڈھیر کے پاس پڑی تھی جسے اس نے کن انکھیوں سے دیکھ کر پہچان لیا تھا اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا "مجھے جانے دو مجھے کچھ نہ کہو میں اسکول میں پڑھتی ہوں مجھے صبح اسکول جانا ہے۔"

دونوں قاتل قہقہہ لگا کر ہنس پڑے ایک نے لڑکی کی نازک گردن پر انگلی پھیر کر اپنے ساتھی سے کہا "میں نے نشان لگا دیا ہے جم اب تم جانو اور تمہارا کام" لڑکی جیسے بت بن کر رہ گئی موت کے ٹھنڈے ہاتھ نے اس کی گردن پر اپنی انگلیاں رکھ دی تھیں۔ دوسرے قاتل نے اپنی جیکٹ سے چاقو نکال کر اسے کھول لیا لڑکی کی چیخ نکل گئی "مجھے نہ مارو مجھے صبح اسکول جانا ہے مجھے نہ مارو ممی مجھے بچاؤ۔" اس کی بدنصیب ماں تو خود مردہ پڑی تھی وہ بے چاری اپنی بے بس بچی کو کیسے بچاتی لیکن اسے بچانے کے لئے وہاں ناگنی موجود تھی ایک انتہائی زہریلے سبز اور سیاہ رنگ سانپ کے روپ میں وہاں موجود تھی جس کا زہر ان دونوں کے پورے خاندان کو موت کی نیند سلا سکتا تھا۔

ناگنی دیوار کے ساتھ ناگن بن کر موقع کا انتظار کرنے لگی وہ لڑکی بہت معصوم سی تھی جو اپنی ماں کی بے رحمانہ قتل کی وجہ سے سخت غمزدہ تھی اب اسے اپنی گردن کی طرف تیز دھار والا چاقوں آتا نظر آ رہا تھا بے چاری اس قدر خوفزدہ تھی کہ اس کے حلق سے چیخ بھی نہیں نکل رہی تھی ایک قاتل اس کے سر پر کھڑا تھا اور دوسرے قاتل نے لڑکی کو پکڑ کر زمین پر گرا لیا تھا اور اس کی گردن پر چاقو چلانے ہی والا تھا اور اس سے پہلے کہ وہ لڑکی کی گردن پر چاقو چلاتا اور اسے ذبح کرتا ناگنی اپنا پہلا فرض ادا کر چکی تھی اس قاتل کا اوپر کو اٹھتا ہوا چاقو والا ہاتھ اوپر ہی رہ گیا اس کے ناک اور منہ سے اچانک خون بہنا شروع ہو گیا اور چاقو اس کے ہاتھ سے گر پڑا اور وہ ایک بے جان ریت کی بوری کی طرح نیچے کو فرش پر لڑھک گیا جو قاتل کھڑا تھا اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آیا کہ اسے کیا ہو گیا ہے۔

ناگنی نے اس کی شہہ رگ پر ڈس لیا تھا لڑکی نے جب قتل کرنے والے کو خود ہی کتے کی موت مرتے ہوئے دیکھا تو ایک دم اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور ایک طرف کو بھاگنے لگی لیکن اب دوسرے قاتل نے اسے دبوچ لیا اور فرش پر گرا کر اس کا گلہ دبانا شروع کر دیا۔

خوف کی وجہ سے لڑکی کے حلق سے عجیب آوازیں نکلنے لگیں پھر ناگنی دوسرے قاتل کی طرف بڑھی اچانک قاتل کی نظر ناگنی پر پڑی اسے اپنے ساتھی کی موت کی وجہ سمجھ آ گئی لڑکی کو اس نے وہیں چھوڑا اور قریب سے ایک پتھر اٹھا کر ناگن پر دے مارا پتھر ناگن کے بالکل قریب آ کر پڑا تو ناگنی تڑپ کر ایک طرف ہو گئی قاتل اس کے پیچھے پتھر لے کر بھاگا وہ اپنی موت کو خود آواز دے رہا تھا۔

ناگنی نے اندھیرے میں جاتے ہی ایک زوردار پھنکار ماری اور دوسرے ہی لمحے وہ ایک بہت بڑے اژدھے کی شکل میں آ گئی لڑکی اژدھے کو دیکھتے ہی بے ہوش ہو گئی۔ قاتل حیران ہو کر پیچھے کو ہٹا کہ وہاں اچانک اتنا بڑا اژدھا کہاں سے آ گیا اژدھا ایک بہت بڑے ہاتھی کی سونڈ کی طرح کا تھا اور اس کا منہ کھلا ہوا تھا قاتل بھاگ کھڑا ہوا اژدھے نے منہ کھول کر سانس اندر کی

طرف کھینچا، قاتل سرنگ کے دوسرے دروازے کے پاس پہنچ چکا تھا کہ اپنے آپ پیچھے کی طرف کھسنے لگا وہ آگے کو جھک کر دوڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ اپنے آپ ایک ایک قدم پیچھے آ رہا تھا یہاں تک کہ وہ اژدھے کے منہ کے پاس پہنچ گیا اور اژدھے کی لرزتی پھنکارتی زبان اور گرم گرم سانس اس کی گردن کو چھونے لگا اژدھے نے ایک ہی سانس میں قاتل کو سالم کا سالم نگل لیا اور غائب ہو گیا اب اس کی جگہ ناگنی انسانی شکل میں موجود تھی معصوم لڑکی بے ہوش پڑی تھی ناگنی اسے ہوش میں لائی تو اس نے کپکپاتے ہونٹوں کے ساتھ اژدھے کے بارے میں پوچھا تو ناگنی نے اسے بتایا کہ اژدھا دونوں قاتلوں کو ختم کر کے جا چکا ہے۔

اپنی ماں کی لاش دیکھ کر لڑکی دھاڑیں مار مار کر رونے لگی ناگنی لڑکی اور اس کی ماں کی لاش کو اس کے گھر لے آئی اور پولیس کو اطلاع کر دی انسپکٹر وان نے قاتل کی لاش کو قبضے میں لے کر دوسرے قاتل کے بارے میں پوچھا تو ناگنی نے آہستہ سے رازداری کے ساتھ کہا اسے میں اژدھا بن کے نگل گئی وان سہم کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا پھر اس نے ذرا سا مسرا کر ناگنی سے کہا کیا ہضم کرایا قاتل کو کب کا.....

اسی رات خونی قاتل نے ایک اور لڑکی کو اس کے بیڈ روم میں ہلاک کر کے اس کی شہہ رگ کاٹ کر سارا خون پی لیا وان نے پھر اگلے روز ناگنی کو بلا کر مشورہ کیا کہ قاتل کو گرفتار کرنے کی کیا ترکیب ہو سکتی ہے ناگنی نے کہا کم بخت وہ میرے سامنے آ جائے تو پھر مجھ سے بچ کر نہیں جا سکتا اس رات دکھائی بھی دیا میں اس کے پیچھے بھی گئی مگر وہاں لاشوں کے قاتل چورمل گئے وان کہنے لگا ان کا سراغ لگانا بھی ضروری تھا پھر کچھ سوچ کر بولا۔ "یہ جو خونی قاتل ہے یہ عام طور پر شمالی لندن کے علاقے میں آدھی رات کو ایسی عمارتوں میں داخل ہو کر واردات کرتا ہے جس کے بیڈ روم میں روشنی دیر تک رہتی ہو" ناگنی نے چٹکی بجا کر کہا "کیوں نہ میں بھی اسے دھوکہ دے کر پھنسالوں۔" بڑا اچھا خیال ہے ناگنی مگر اس میں تمہاری جان کا بھی خطرہ ہے اس کی تم پرواہ نہ کرو وان۔ انسانیت کی خاطر میں اپنی جان کی بازی بھی لگا سکتی ہوں۔

"تو پھر ٹھیک ہے یہ راز میرے اور تمہارے درمیان رہے گا"

اسی روز شمالی لندن میں وان نے ایک بلڈنگ کا دوسرا فلیٹ کرائے پر لے لیا اور بیڈ روم کو تمام ضروری چیزوں سے سجا دیا گیا شام کو وان ناگنی سے ملنے آیا تو ناگنی بن سنور کر بڑی ہی خوبصورت لگ رہی تھی، وان نے کہا ہم تمہیں تنہا نہیں چھوڑیں گے تم سے پچاس قدم کے فاصلے پر تمہاری حفاظت کر رہے ہوں گے۔"

"میرا خیال ہے کہ تم مجھ سے دور ہی رہو تو بہتر ہو گا میں اپنی حفاظت خود کر لوں گی"

"جیسے مرضی مگر ہمیں بھی تو اپنی ڈیوٹی دینی ہے"

بہرحال جب آدھی رات ہو گئی تو ناگنی نے اپنے بیڈ روم کا لیمپ جلتا چھوڑا اور ایک نوجوان لڑکی کا روپ دھار کر وہ بلڈنگ سے نکل کر لندن کے شمالی علاقے میں گھوم رہی تھی اور اس کا خیال تھا کہ وہ خونی قاتل اسی علاقے میں گھوم رہا تھا اور وہ اسے اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتی تھی قاتل کے بجائے ایک ناٹے قد کا گول مٹول ادھیڑ آدمی اس کے پیچھے لگ گیا جہاں وہ جاتی یہ آدمی اس کے پیچھے پیچھے لگ جاتا راستے میں جہاں اندھیرا آ گیا اس نے ناگنی کا بازو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور گندے گندے دانت نکال کر ہنسا۔

ناگنی نے کہا "میری جان ذرا باغ میں چل کر باتیں کرتے ہیں" وہ آدمی بڑا خوش ہوا جھٹ ناگنی کا بازو تھام کر باغ میں آ گیا اور کہنے لگا تم بہت خوبصورت ہو ناگنی نے کہا ہاں اور اس کے بعد ناگنی نے ہلکی سی پھنکار ماری اور انسان سے ناگن کا بھیس بدل لیا۔

اپنے سامنے ایک خوبصورت لڑکی کے بجائے ناگن کو پھن اٹھائے پھنکاریں مارتا دیکھ کر وہ تو وہیں بے ہوش ہو گیا ناگنی دوبارہ انسانی روپ میں آئی اور ہنستی ہوئی باغ سے نکل کر چھوٹی سڑک پر آ گئی اور چہل قدمی کرنے لگی خونی قاتل باغ کی شمالی دیوار کی اوٹ میں کھڑا تھا اس

کا قد لمبا اور شانے چوڑے تھے اور اس نے سیاہ چغہ پہن رکھا تھا سر پر سیاہ ہیٹ تھا جیب میں لمبا چاقو تھا۔

وہ آدھی رات کو اپنے شکار پر نکلا تھا اس نے ایک خوبصورت اور نوجوان لڑکی کو باغ کے ایک کونے میں کھڑے دیکھا تو اس کی آنکھیں چمکنے لگیں کہ اس کا شکار اس کے سامنے تھا لڑکی باغ کی چھوٹی سڑک پر سامنے والی بلڈنگ کی طرف چلنے لگی۔

خونی قاتل نے اس کا تعاقب کرنا شروع کر دیا یہ لڑکی کوئی اور نہیں بلکہ ناگنی تھی اور وہ بلڈنگ میں داخل ہو کر اپنے بیڈ روم میں آ گئی اس نے بھی دیکھ لیا تھا کہ ایک لمبا سا سایہ اس کا پیچھا کر رہا ہے۔

ناگنی نے کتنی ہی دیر خونی قاتل کا انتظار کیا مگر وہ نہ آیا اصل میں خونی قاتل نے اپنے پیچھے تعاقب کرتے پولیس کو دیکھ لیا تھا خطرے کی بو پا کر خونی قاتل وہاں سے ایک طرف مڑ گیا ناگنی سڑک پر آئی تو وان اسے ملا یہ ہو نہیں سکتا کہ قاتل مجھے دیکھ کر میرے بیڈ روم میں نہ آتا ضرور اس نے تمہیں دیکھ لیا ہوگا اب تم واپس چلے جاؤ میں خود اس کو تلاش کر کے ہلاک کر دوں گی تم میری فکر نہ کرنا وان کو وہاں سے بھیج کر ناگنی پھر سے باغ میں آ گئی اور جدھر اس نے خونی قاتل کو دیکھا تھا ادھر کو روانہ ہوئی۔

خونی قاتل اس رات شکار کے خیال کو دل سے نکال کر واپس شمالی لندن کے پرانے قبرستان کی طرف جا رہا تھا کہ ناگنی نے اسے ایک ٹھیلے پر کھڑے ہو کر دیکھ لیا ناگنی اندھیرے میں بھی دیکھ سکتی تھی وہ ایک خطرناک قاتل کے پیچھے آئی اور قبرستان میں داخل ہوگئی یہ قبرستان کوئی پانچ برس پرانا تھا راستے میں گھاس اور جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں اور قبروں کے ٹوٹے ہوئے پتھر بکھرے ہوئے تھے خونی قاتل کو معلوم نہیں تھا کہ وہ اس کا پیچھا کر رہی ہے قبرستان میں رات کا اندھیرا خاموشی سے کچھ زیادہ ہی خوفناک تھا۔

لمبے اور گھنے درخت چڑیلوں کی طرح بازو پھیلائے قبروں پر جھکے ہوئے تھے خونی قاتل ایک ٹوٹے ہوئے کھنڈر بنے ایک گرجا گھر میں داخل ہوگیا اس گرجا گھر کی دیواروں پر دراڑیں پڑی ہوئی تھیں، اور یہاں کوئی کبھی عبادت کرنے نہیں آتا تھا دروازے کا ایک پٹ ٹوٹ کر زمین پر گرا پڑا تھا اور دوسرا پٹ آدھا زمین میں دھنسا ہوا تھا۔

ناگنی اندھیرے میں ہر شے اچھی طرح سے دیکھ رہی تھی جھاڑیوں کی اوٹ سے نکل کر وہ بھی گرجے کے اندر داخل ہوگئی آگے ایک ڈھلانی راستہ تھا جس کے آخر میں ایک دیوار کھڑی تھی دائیں بائیں دو کوٹھڑیاں بنی ہوئی تھیں جن کے دروازے غائب تھے ایک زینہ بائیں طرف کو جاتا تھا خونی قاتل اسی زینے سے اتر کر نیچے گیا تھا ناگنی نے سوچا کہ اب انسانی شکل میں جانے سے خونی قاتل کو پتہ چل جائے گا بہتر یہی ہے کہ ناگن کی شکل میں جایا جائے پس اسی وقت ناگنی نے ایک سیاہ ناگن کا روپ بدلا اور زینے کی دیوار کے ساتھ رینگ کر نیچے اتر گئی وہ ایک اونچی اور شکستہ دیواروں والے کمرے میں آ گئی جہاں ایک چبوترے پر ایک تابوت پڑا تھا خونی قاتل کہیں نظر نہ آ رہا تھا ناگنی رینگتی ہوئی دیوار پر آئی سامنے والی دیوار میں ایک شگاف پڑا ہوا تھا جو شاید کسی زلزلے کا نتیجہ تھا اس شگاف میں ہلکی سی روشنی ہوئی جیسے کسی نے اندر موم بتی روشن کی ہو ناگنی شگاف کی طرف بڑھنے ہی لگی تھی کہ کھٹکا سا ہوا ناگنی نے اپنی ناگن کی آنکھوں سے پیچھے دیکھا اور پھر دیکھتی ہی رہ گئی۔

چبوترے پر جو تابوت رکھا تھا اس کا ڈھکنا آہستہ آہستہ اپنے آپ اوپر اٹھ رہا تھا پھر تابوت کے اندر سے مٹی اور کیچڑ میں لتھڑا ہوا ایک ہاتھ باہر نکل آیا ناگنی دیوار پر سے اتر کر چبوترے کی طرف آ گئی وہ یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ تابوت میں سے نکلنے والی لاش کس کی ہے اب تابوت میں سے دوسرا ہاتھ بھی باہر آ گیا اور پھر ایک سر اوپر آیا جس کی دونوں آنکھیں پتھرائی ہوئی بے جان تھیں اس لاش کے سر پر سیاہ بالوں کا گھنا جنگل تھا اور اس کے دانتوں میں ایک خنجر چمک رہا تھا خنجر کو لاش نے اپنے منہ میں پکڑ رکھا تھا۔

ناگنی پیچھے کی طرف سے چبوترے پر چڑھ گئی وہ تابوت کے اندر جھانک کر دیکھنا چاہتی تھی پھر اس نے

اپنی گردن اندر ڈال کر دیکھا جونہی اس نے اپنی گردن تابوت میں ڈالی ایک تیز بو جو کسی خطرناک گیس کی طرح تھی اس کے نتھنوں سے ٹکرائی اور وہ بے ہوش ہو کر تابوت کے اندر نیچے جاتی لوہے کی چکردار سیڑھی پر سے اچھلتی ہوئی نیچے تہہ خانے کے گندے فرش پر آ پڑی۔

ناگنی ناگن کے روپ میں بے ہوش ہو چکی تھی لاش کو ناگن کی کوئی خبر نہ ہوئی اسے خبر ہو بھی نہیں سکتی تھی اس کی پتھرائی ہوئی آنکھیں تو اس خونی قاتل کو تلاش کر رہی تھیں جس نے اسے مار کر اس کا خون پی کر تابوت کے نیچے والے خفیہ خانے میں پھینک رکھا تھا اس لاش میں ابھی اتنی جان باقی تھی کہ وہ اپنے قاتل تک پہنچ سکے۔

لاش تابوت میں سے نکل کر چبوترے پر سے اتری اور دیوار کے شگاف سے آتی روشنی کی طرف چلی لاش نے خنجر اب اپنے سیدھے ہاتھ میں مضبوطی سے پکڑ لیا تھا شگاف کے پاس آ کر لاش نے آہستہ سے جھانک کر دیکھا اندر لمبا تڑنگا سیاہ لبادے والا خونی قاتل پتھر کی بڑی میز کے آگے بیٹھا تھا میز پر کسی بچے کی تازہ لاش پڑی تھی اور وہ چاقو سے اس کے بازو کا گوشت کاٹ کر کھا رہا تھا۔

لاش کی پتھرائی ہوئی آنکھوں میں بجلی سی چمک گئی یہ زندگی کی آخری چمک تھی اس نے اپنے مردہ جسم میں ایک زبردست طاقت محسوس کی اور خنجر پر ہاتھ کی گرفت اور مضبوط ہوگئی۔

خونی قاتل کی شگاف کی جانب پیٹھ تھی میز پر موم بتی جل رہی تھی دیوار پر خونی قاتل کا بھیانک سایہ لہرا رہا تھا لاش آہستہ سے شگاف کے اندر داخل ہوگئی خونی قاتل بچے کا گوشت کھانے میں مشغول تھا، لاش آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی خونی قاتل کے پیچھے جا کر کھڑی ہوگئی۔

لاش کا خنجر والا ہاتھ اوپر کو اٹھا اچانک خونی قاتل نے مڑ کر دیکھا اس کی آنکھیں دہشت زدہ ہوگئیں لاش نے پوری طاقت سے خنجر کو خونی قاتل کی گردن میں گھونپ دیا پھر چیخ قاتل کے منہ سے نکل کر گرجا گھر کی ویران فضاؤں میں گونج کر رہ گئی خونی قاتل نے اپنی گردن میں دھنسا ہوا خنجر نکال کر لاش کے پیٹ میں گھونپ دیا لیکن لاش کا کیا بگڑ سکتا تھا قاتل نے دو تین بار لاش کے پیٹ میں وار کیے لاش اپنی جگہ پر کھڑی مسکرا رہی تھی لاش نے اپنا انتقام لے لیا تھا کیونکہ خونی قاتل کی گردن سے خون کا فوارہ نکل پڑا تھا اب وہ لاش پر وار کرتے کرتے لڑکھڑانے لگا تھا اس نے خنجر پھینک کر دونوں ہاتھوں سے اپنی گردن کے خون کو روکنے کی کوشش کی مگر اس کی شہ رگ کٹ چکی تھی اور خون بڑی تیزی سے اس کی انگلیوں کے درمیان سے ابل ابل کر بہہ رہا تھا۔ وہ کمزوری کی وجہ سے لڑکھڑا کر گر پڑا۔

لاش اس کی طرف آئی اس نے جھک کر اپنے ٹھنڈے سفید ہونٹ خونی قاتل کی گردن پر اس جگہ رکھ دیئے جہاں سے لال لال خون ابھی تک ابل رہا تھا لاش کے ہونٹ ایک دم سرخ ہوگئے لاش نے ایک کتے کی طرح خونی قاتل کی گردن کا ابلتا ہوا خون چاٹنا شروع کر دیا قاتل نے آخری بار اپنے لمبے بازو اوپر اٹھائے اور لاش کی گردن کو دبوچنا چاہا اس کے ٹھنڈے ہاتھ لاش کی گردن تک آئے اور پھر بے جان ہو کر نیچے گر پڑے۔

خونی قاتل مر چکا تھا لاش نے جب سارا خون پی لیا تو وہ آہستہ آہستہ اٹھ کر پیچھے اٹھ گئی زمین پر پڑا ہوا خنجر اٹھایا خونی قاتل کے مردہ جسم کے پاس آ کر اسے جگہ جگہ سے کاٹنا شروع کر دیا لاش شاید اسے اس پیارے مردہ بچے کا بدلہ لے رہی تھی اس نے خونی قاتل کا سر تن سے جدا کر دیا اس کے دونوں بازو کاٹ کر ان کا تھوڑا سا گوشت کھایا پھر اس کا سینہ کھول کر دل باہر کھینچ لیا اور اس کو خنجر سے کاٹ کر کھانا شروع کر دیا، لاش کے انتقام کی آگ سرد ہوئی تو وہ اٹھ کر اس میز پر آئی جس پر اس پیارے بچے کی کٹی پھٹی لاش پڑی تھی۔

لاش کی پتھرائی ہوئی آنکھوں میں آنسوؤں کے دو موتی جھلملائے ایک کمزور سی بھیانک چیخ اس کے حلق سے نکلی اور وہ دو ایک بار آگے پیچھے لہرا کر دھڑام سے فرش پر گری اور لاش بھی ہمیشہ کے لئے ختم ہو چکی تھی۔

ادھر وان دو پولیس والوں کے ساتھ ساری رات

باغ اور پرانے پارکوں میں ناگنی کو تلاش کرتا پھرتا رہا اس نے سوچا کہ یہاں بھی دیکھ لیا جائے وان قبرستان میں آ گیا قبرستان میں رات کے پچھلے پہر اندھیرا اور ویرانی تھی گرجے کا کھنڈر دیکھ کر وان نے اپنے سپاہیوں سے کہا کہ وہ باہر ٹھہریں اور خود ہاتھ میں پرانے زمانے کی پستول لے کر گرجے کے اندر داخل ہو گیا اندر جا کر بائیں جانب والا زینہ اتر کر تہہ خانے میں آ گیا یہاں چبوترے پر ایک تابوت پڑا تھا وان نے تابوت کی طرف کوئی دھیان نہ دیا وہ یہی سمجھا کہ یہ کسی کی پرانی قبر ہے اسے سامنے دیوار کے شگاف میں روشنی نظر آئی وہ شگاف کے اندر داخل ہو گیا اندر جاتے ہی اس نے جو منظر دیکھا اس سے اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے سامنے پتھر کے میز پر موم بتی جل رہی تھی اسی میز پر ایک بچے کی کٹی پھٹی لاش پڑی تھی میز کے پاس ہی فرش پر ایک عورت کی لاش بھی پڑی تھی۔ جس کے ہونٹوں پر سرخ خون جما ہوا تھا اور پیٹ میں زخم کے گہرے شگاف تھے اس سے ذرا آگے خونی قاتل کی لاش پڑی تھی اس نے لمبا سیاہ چغہ سیاہ ہیٹ پہن رکھا تھا جو خون میں لتھڑ چکا تھا وان نے سیٹی بجا کر پولیس والوں کو اندر بلا لیا تینوں لاشیں وہاں سے اٹھا دی گئیں وان نے ناگنی کو بہت تلاش کیا وہ اسے کہیں بھی نہ ملی وان لاشوں کو لے کر پولیس اسٹیشن آ گیا۔

اگلے روز سارے شہر میں شور مچ گیا کہ خونی قاتل کو کسی نے قتل کر دیا ہے اس کی لاش کی تصویر اخبار میں چھپ گئی تھی لوگوں نے سکھ کا سانس لیا مگر وان ناگنی کے لئے پریشان تھا کہ وہ کہاں گم ہو گئی ہے پورے پندرہ دن تک وان نے سارا لندن چھان مارا ناگنی کا کچھ بھی پتہ نہ چل سکا ناامید ہو کر وان نے ناگنی کی تلاش چھوڑ دی۔

دوسری طرف شریم اور شاہان ایک قافلے کے ساتھ سفر کرتے یورپ کی سرحدوں کے اندر پہنچ گئے یہاں انہیں گھوڑا گاڑیاں سفر کے لئے مل گئیں جو زیادہ تیز تھیں سفر جلدی طے ہونے لگا پورے ایک مہینے بعد شاہان اور شریم ملک فرانس میں پہنچ گئے شاہان اور شریم نے دو راتیں فرانس کے شہر پیرس میں بسر کیں شریم کے ساتھ رہ کر سفر کرنے سے شاہان کو بڑا ہی فائدہ رہتا تھا اسے ایک ہی آدمی کا کرایہ دینا پڑتا تھا اور ایک ہی کمرہ لینا پڑتا تھا۔ شاہان کے ساتھ شریم پیرس کے بازاروں اور ہوٹلوں میں سیر کرتا مگر شریم کو شاہان کے ساتھ کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا شریم کو شاہان بھی نہیں دیکھ سکتا تھا پھر بھی وہ ہوٹل میں جا کر دو آدمیوں کا کھانا منگواتا تاکہ شریم بھوکا نہ رہ جائے اسے خود تو اتنی کھانے پینے کی ضرورت نہ تھی بس وہ شریم کی وجہ سے منگوا لیتا تھا یہاں سے اب انہیں لندن جانا تھا کیونکہ ناگنی سے ملاقات لندن میں ہی ہو سکتی تھی۔

ایک شام کو فرانس کی بندرگاہ سے ایک چھوٹا سا بادبانی جہاز مسافروں کو لے کر انگلستان کی جانب روانہ ہونا تھا ایک ہفتے کی شام کو شاہان اور شریم بھی اس جہاز میں سوار ہو گئے اور سمندر عبور کر کے انگلستان پہنچ گئے بندرگاہ پر شاہان سے پوچھا گیا کہ وہ کون ہے کہاں سے آ رہا ہے اور لندن کس لیے جا رہا ہے شاہان کے پاس کاغذات تو کوئی نہ تھے بندرگاہ کے افسر نے شاہان کو روک لیا۔ ''تمہارے پاس ایک بھی کاغذ نہیں ہے میں تمہیں کیسے جانے کی اجازت دے سکتا ہوں'' بندرگاہ کے افسر نے کہا تو شاہان کہنے لگا ''میں جڑی بوٹیوں کا کاروبار کرتا ہوں ملک مصر کا رہنے والا ہوں میرے لندن میں جانے سے کئی مریضوں کو فائدہ ہوگا میں بیماروں کا علاج کرتا ہوں''

بندرگاہ کے افسر نے کہا ''میں تمہیں اجازت نہیں دے سکتا۔''

شاہان پریشان ہو گیا، شریم اس کے بالکل پاس ہی کھڑا تھا، افسر اسے نہیں دیکھ سکتا تھا شریم نے شاہان کے کان میں کہا ''میں بندوبست کرتا ہوں'' پھر وہ میز کے اوپر سے ہو کر افسر کے بالکل قریب جا کر کھڑا ہو گیا، وہ افسر ایک بڑے رجسٹر میں دوسرے مسافروں کے نام دیکھ رہا تھا، شریم نے اس کے ہاتھ سے قلم چھین لیا تو قلم غائب ہو گیا۔

(جاری ہے)

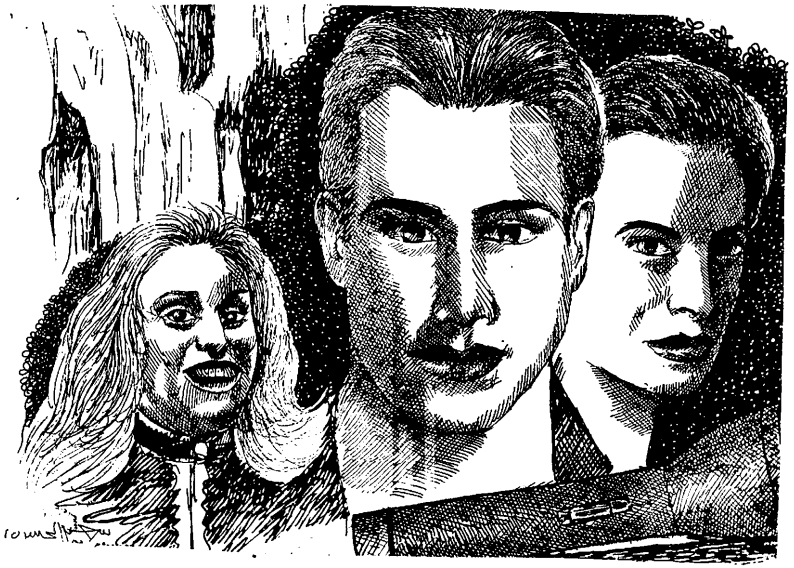

دشت موت

طارق محمود۔ کامرہ اٹک

جنگل سے ملحقہ میدان میں اچانک گولی چلنے کا دھماکہ ہوا مگر گولی چلانے والا کوئی بھی نہ تھا کہ چشم زدن میں ایک مرد اور ایک عورت نظر آئی ان کے لبوں پر مسکراہٹ تھی وہ گویا ہوئے "دراصل ہم روحیں ہیں۔"

خراماں خراماں ذہن کو مبہوت کرتی اور اچنبھے میں ڈالتی ذہن سے محو نہ ہونے والی کہانی

''مسٹر مائیکل یہ کام ہو جائے گا یا کسی اور سے رابطہ کروں'' مائیکل نام کا وہ آدمی جنگل میں ایک کھلے میدان میں بنے بہت سے ہٹس میں سے ایک میں بیٹھا فون سن رہا تھا اس کے چہرہ پر مکارانہ مسکراہٹ رقص کر رہی تھی کھڑکی سے باہر سرسبز و شاداب درخت اور ان میں اگی ہوئی ہری بھری گھاس کا بہت ہی پیارا نظارہ تھا جب ہوا چلتی تھی تو گھاس ہوا کے دوش پر ایسے لہریں لیتی جیسے کہ دریا کی لہریں آتی جاتی ہیں۔ ''مسٹر کام ہو جائے گا لیکن پیمنٹ میرے اکاؤنٹ میں پہلے ہی جمع کروا دو..... میں بینک سے کنفرم کر لوں گا اس کے بعد آپ کا کام تسلی بخش ہو جائے گا۔''

''اوکے اپنا اکاؤنٹ نمبر بتا دو'' دوسری طرف سے پوچھنے پر اس نے اپنا اکاؤنٹ نمبر بتایا اور پھر کال کاٹ دی اب اس کے چہرہ پر خوشی دیدنی تھی اور اسے

انتظار تھا صبح ہونے کا کہ جب وہ بینک میں کال کر کے اپنے اکاؤنٹ کے بارے میں جان کاری لیتا۔

ہرن درختوں کے نیچے بیٹھے آرام کر رہے تھے زیبروں کا ایک غول آپس میں ایک دوسرے سے چھیڑ چھاڑ کر رہا تھا رات کا اندھیرہ پھیل چکا تھا ان کے پاس ہی پانی کی ایک ندی گزر رہی تھی جو کہ کب سے بارش نہ ہونے کی وجہ سے اپنا پانی کم کرتی جا رہی تھی کبھی اس ندی میں پانی اتنا تھا کہ بڑے بڑے مگرمچھ اس میں چھپے رہتے تھے اسی لیے اس ندی کا نام کروکوڈائل ندی پڑ گیا تھا لیکن اب اس میں مینڈک تک صحیح طرح ڈبکی نہیں لگا سکتے تھے اس ندی کے سوکھتے ہی مگرمچھ بڑے دریا کی طرف چلے گئے تھے جانوران کے جانے سے بہت خوش تھے اب وہ آزادانہ اس ندی سے پانی پی سکتے تھے لیکن ان کی یہ کھلی آزادی بس چند ماہ کی ثابت ہوئی اب ان کے اندر یک اور ڈر آ گیا اور وہ ڈرتھا ایک بوڑھے شیر اور اس کے ساتھ دو شیرنیوں کا جو کہ شاید بڑے جنگل سے تنگ آ کر اس چھوٹے جنگل کے حصہ میں آ بسے تھے جہاں بہت سے جانوران کے شکار کو حاضر تھے بوڑھے شیر کی تو موج ہو گئی تھی۔

اچانک ارام کرتی ہرن اور زیبروں کے غول میں ہلچل مچ گئی انہیں کسی شکاری کے آنے کا احساس ہو گیا تھا اور یہ شکاری اور کوئی نہیں بلکہ وہی دونوں شیرنیاں تھیں جو کہ کب سے گھاس کے اندر سانس تھامے ان پر نظر رکھے ہوئے تھیں ہرن اور زیبرے ادھر ادھر افراتفری میں بھاگنے لگے وہ دونوں شیرنیاں ایک ہرن کے پیچھے بھاگیں لیکن وہ ہرن سیکنڈوں میں جھاڑیوں میں غائب ہو گیا اور ان کا شکار ایک زیبرہ بنا جو کہ غلطی سے کروکوڈائل ندی کی طرف بھاگ اٹھا اور اس کی دلدلی مٹی میں پھنس کر بے بس ہو گیا دونوں شیرنیوں نے جمپ لگا کر اس پر حملہ کر دیا ایک نے اسے پیچھے سے دانت گاڑ کر اسے گھیر لیا زیبرہ ان سے نکلنے کے لئے زور لگانے لگا۔

لیکن اس وقت بوڑھا شیر بھی ادھر پہنچ گیا تھا شیر اگر بوڑھا بھی ہو جائے تو اس کی دہشت اتنی ہی رہتی ہے، شیر کے آتے ہی زیبرہ نے کلبلانا شروع کر دیا لیکن شیر نے اس کے منہ پر اپنا پنجہ مارا جس سے اس زیبرہ کا سر بھی دلدلی مٹی میں گھس گیا پھر شیر نے اپنے دانت اس کے نرخرہ میں گاڑ دیئے زیبرہ کی مدافعت ختم ہو گئی تینوں نے ملکر زیبرہ کا تیہ پانچا کر دیا جب ان کے پیٹ بھر گئے تو وہ تینوں ایک طرف جا کر بیٹھ گئے اب اس زیبرہ کی بچی کھچی گوشت کے ٹکڑوں اور ہڈیوں پر لگڑ بھگے موج مستی کرنے لگے۔

☆.....☆.....☆

وہ چھوٹا سا جہاز اس جنگل کے اوپر اڑتا ہوا ایک میدان میں اترنے لگا جہاں ایک آدمی بڑی سی جیپ لیے شاید اس جہاز میں آنے والے لوگوں کا ہی انتظار کر رہا تھا اور پھر جہاز اس میدان میں اتر کر اس کی جیپ سے کچھ فاصلہ پر رک گیا اس نے آگے بڑھ کر جہاز کے دروازے کے باہر لگا ہینڈل گھمایا تو دروازہ کھل گیا اور ایک عورت جلدی سے اتری اور جہاز کے ایک طرف کھڑی ہو گئی۔ ''خوش آمدید مسٹر جانسن'' ریسیو کرنے والے نے اس عورت کے بعد اترنے والے مرد سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

''ہائے میرا نام جیم بٹلر ہے'' آنے والے نے مسکراتے ہوئے جانسن سے ہاتھ ملایا اس کے بعد ایک دس سال کا بچہ اترنے لگا ''ہیری احتیاط سے'' جیم نے اس لڑکے کا ہاتھ پکڑ کر کہتے ہوئے اسے نیچے اتار لیا اس کے بعد ایک چودہ سال کی خوبصورت سی لڑکی اترنے لگی ''جینی تم تو ٹھیک ہو نا'' جیم نے اس لڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا ''پاپا میں ٹھیک ہوں آپ اپنی بیوی کو سنبھالیے'' جینی نے منہ پھلا کر جواب دیا تو جیم سر جھٹک کر اپنی بیوی کی طرف بڑھ گیا جو کہ جہاز کے سفر سے الٹیاں کرنے لگی تھی ''جولیا'' جیم نے اتنا ہی کہا تھا کہ اس کی بیوی جولیا اٹھ کھڑی ہوئی ''او کے میں اب ٹھیک ہوں۔''

''چلیں سر آپ کے لئے گاڑی تیار ہے'' جانسن نے ان کا کچھ سامان اٹھاتے ہوئے کہا اور پھر وہ سب

اس بڑی سی جیپ میں بیٹھ گئے ہیری ضد کر کے آگے بیٹھا تھا اس کے پاس مووی کیمرہ تھا جس سے وہ جنگل میں فلم بنانے لگا ''ارے ہیری ادھر دیکھو ہاتھی'' جیم کے کہنے پر ہیری نے بائیں جانب دیکھا تو جھاڑیوں کے اندر ہاتھی جاتا نظر آیا تو اس نے اس کی بھی فلم بنالی ''جینی تم نے پہلے بھی کبھی ہاتھی دیکھا ہے۔''

''ہاں چڑیا گھر میں دیکھا ہے کتنی دفعہ'' جینی نے یہ کہتے ہوئے منہ پھیر لیا اور جیم کو کندھے اچکا کر آگے دیکھنے لگی دوسرے سے سفر کے بعد ایک موڑ مڑتے ہی لکڑی سے بنے ہٹس نظر آنے لگے جو کہ ان کی منزل تھی جینی دوسری شادی کرنے پر اپنے باپ سے منہ پھیلائے ہوئے تھی۔

رات انہوں نے ادھر ہی ایک ہٹ میں گزاری اور صبح ہوتے ہی ناشتہ سے پہلے وہ سوئمنگ پول پر پہنچ گئے ہیری اور جینی نہا کر باہر نکل کر سیڑھیوں میں سے ایک پر بیٹھ گئے جبکہ جولیا سوئمنگ پول میں نہا رہی تھی ''دیکھو تو نئی ممی نہاتے ہوئے کتنی اچھی لگ رہی ہیں'' ہیری نے جینی کو جو کہ واک مین لگائے گانے سن رہی تھی ٹھوکر دیتے ہوئے کہا جینی نے ہیری کی بات سمجھ کر طنز سے کہا ''اچھی لگ رہی ہے یا بری لگ رہی ہے بڈھی عورت'' ہیری نے منہ پر انگلی رکھ دی ''کوئی جا کر اسے بتائے تو سہی کہ اب وہ سولہ سال کی لڑکی نہیں۔''

''خدا کے لئے آہستہ بولو وہ سن لینگی'' ہیری نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ جیم ان دونوں کو ہیلو ہائے کرتا ہوا ایک طرف سے نمودار ہوا اور سوئمنگ پول کا نیکر پہن کر پول میں کود گیا۔ وہ دن انہوں نے اس ہٹس کیمپ میں آرام کرتے گزارہ اور پھر رات ہوتے ہی کھانا کھا کر وہ اپنے اپنے کمروں میں چل دیئے کیونکہ دوسری صبح جولیا، جینی اور ہیری نے جنگل کی سیر کرنی تھی جبکہ جیم برٹلر جو کہ ایک انجینئر تھا اور یہاں ایک ڈیم بنانے کے لئے اس کی خدمات حاصل کی گئی تھیں وہ اس دریا کا معائنہ کرنا چاہتا تھا تاکہ بہترین لوکیشن پر ڈیم کی بنیاد رکھی جا سکے۔

صبح صبح جیم دریا پر چلنے کے لئے تیار تھا اس کو لے جانے کے لئے ایک چھوٹا سا ہیلی کاپٹر سامنے ہی کھڑا تھا جیم باہر نکلا تو اسے جینی پیچھے درختوں کی طرف جاتی نظر آئی وہ اپنے دونوں بچوں سے بہت پیار کرتا تھا اسی لئے ان کا بہت خیال رکھتا تھا وہ تیز تیز قدموں سے جینی کے پیچھے چلا گیا جو کہ ایک چھوٹے سے ٹیلہ پر اداس بیٹھی تھی ''جینی پلیز بیٹا میں تم لوگوں کا اتنا خیال رکھتا ہوں تو ذرا اپنے بوڑھے باپ کا بھی خیال کروا ایسے کیوں رویہ اپنایا ہوا ہے۔''

''مجھے یہاں کچھ اچھا نہیں لگ رہا یہاں کی گرمی، یہاں کے جانور یہ جنگل اور۔''

''اور کیا'' جیم نے جینی کی بات روکتے ہوئے کہا۔

''اور یہ آپ کی دوسری بیوی..... بس میری اس سے کبھی نہیں بنے گی۔''

''لیکن بیٹا میں جولیا سے پیار کرتا ہوں''.....

''آئی لو یو پاپا..... آئی لو یو مام..... اور آپ تو پہلے مام سے پیار کرتے تھے میں اپنی مام اور آپ کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں'' جینی یہ کہتے ہوئے سسک پڑی۔ ''مجھے پتا ہے بیٹا لیکن اب یہ ممکن نہیں ہماری علیحدگی ہو چکی ہے'' جیم نے اپنی بیٹی کو گلے سے لگاتے ہوئے کہا۔

''پاپا یہاں میرا دل نہیں لگ رہا میں گھر جانا چاہتی ہوں'' جینی نے روتے ہوئے کہا تو جیم اسے پچکارنے لگا جیسے کسی چھوٹے بچے کو پچکارتے ہیں ''بس بیٹا کچھ دن کا کام ہے پھر ہم سب یہاں سے جائیں گے۔''

''اور ہو سکتا ہے یہاں کچھ دن رکنے سے تمہاری جولیا کے ساتھ انڈر اسٹینڈنگ ہو جائے'' جیم یہ کہہ کر اس کی پیٹھ سہلاتا رہا اور امید کر رہا تھا کہ ایسا ہی ہو کیونکہ وہ نہ تو اپنے بچوں کو چھوڑنا چاہتا تھا اور نہ ہی جولیا کو جس سے کہ اسے صحیح معنوں میں بیوی کا پیار ملا تھا اس کی پہلی بیوی کردار کے لحاظ سے اچھی نہ تھی اس نے بہت سمجھایا اور کمپرومائز کرنے کی کوشش کی لیکن بات نہ بن سکی۔

''سر ہم لیٹ ہو رہے ہیں'' جہاز کا پائلٹ اسے ڈھونڈتے ہوئے یہاں پہنچ گیا۔ جینی بس بیٹا اب تو خاموش ہو جاؤ اور ابھی تھوڑی دیر میں آپ لوگوں کو جنگل

میں گھمانے کے لئے مسٹر مائیکل آئیں گے مجھے یقین ہے کہ آپ لوگ جنگل میں خوب انجوائے کروگے۔''

جیم اسے سمجھا کر ہیلی کاپٹر میں بیٹھ کر چلا گیا اس کے جاتے ہی کچھ دیر بعد ہی ایک زیبرہ کلر کی بڑی جیپ جو کہ اپنی باڈی سے مضبوط لگ رہی تھی ان کے ہٹ کے سامنے آ کھڑی ہوئی جولیا نے ہیری اور جینی کو آواز دی ہیری پہلے ہی سے تیار تھا جبکہ جینی جو کہ چپکے چپکے اپنی ماں کو یاد کر کے رو رہی تھی جولیا کی آواز سن کر چپ ہوگئی اور سوچنے لگی کہ کچھ دن یہاں رہنا تو پڑے گا کیوں نہ جنگل کی سیر کر لی جائے ہوسکتا ہے کہ دل کو سکون ملے وہ تینوں تیار ہوکر اس زیبرہ کلر کی جیپ کے پاس جا پہنچے ''ہائے میں آپ کا گائیڈ مائیکل جب تک آپ لوگ یہاں ہیں میرا کام ہے آپ لوگوں کو پورے جنگل میں گھمانا اور جانوروں سے ملانا مطلب جانور آپ کو دکھانا'' جیپ کے پاس کھڑے ایک ہینڈسم سے آدمی نے مسکراتے ہوئے اپنا تعارف کرایا اس کے ساتھ ہی ایک اور موٹا اور خوش مزاج سا آدمی کھڑا تھا اور یہ ہے اس گاڑی کا ڈرائیور برین..... یہ گاڑی کو اونچے نیچے کچے پکے راستوں پر آسانی سے چلا سکتا ہے.....تو اب چلیں'' مائیکل نے ڈرائیور کا بھی تعارف کرادیا اور پھر وہ آگے ڈرائیور کے ساتھ جا بیٹھا جولیا اور بچے پیچھے بیٹھ گئے جیپ جنگل میں چل پڑی اونچے نیچے راستے جھاڑیاں درخت اور ان میں چھپتے ہوئے جانور جولیا اور ہیری خوب انجوائے کر رہے تھے گائیڈ مائیکل درختوں جانوروں اور اس جنگل کے بارے میں معلوماتی باتیں بتاتا رہا جینی کانوں پر واک مین چڑھائے ان سب سے بے پرواہ میوزک سن رہی تھی جیسے اسے اس جنگل اور ان لوگوں سے کوئی دلچسپی نہ ہو مائیکل ڈرائیور کو بائیں طرف اشارے کرنے لگا ''لیکن مائیکل اس طرف تو.....''

''ہاں اس طرف کروکوڈائل ندی کے پاس ہی تو وہ جانور ہیں جو کہ میں ان لوگوں کو دکھانا چاہتا ہوں۔'' مائیکل نے بات گھماتے ہوئے کہا برین لیکن لیکن کرتا رہا مائیکل نے اس کی ایک نہ سنی اور گاڑی کو کروکوڈائل ندی کی طرف لے گیا جو کہ گزرگاہ سے کافی ہٹ کر تھی ہیری مووی بنا رہا تھا ''تو دوستوں یہ ہے کروکوڈائل ندی بارش نہ ہونے کی وجہ سے جو کہ اب سوکھ گئی ہے لیکن جب بھی بارش ہو تو مختلف جانوروں کا جھنڈ کے جھنڈ اس ندی کے پاس نظر آتے ہیں'' مائیکل نے ندی کے پاس سے گاڑی کے گزرتے ہوئے انہیں ندی دکھائی۔

''یہاں مگرمچھ ہیں کیا'' ہیری نے جلدی سے سوال کیا۔

''بالکل ہیں'' مائیکل نے جواب دیا۔

''یہاں تم ہمیں جانور دکھانے کے لئے لائے ہو یا پھر اپنی بک بک سنانے کے لئے'' جینی نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔ ''اور تمہیں کیا لگتا ہے میں یہاں ٹائم پاس کر رہا ہوں'' مائیکل نے جلدی سے کہا۔ ''ہمیں تو ایسا ہی لگ رہا ہے'' اس مرتبہ جولیا نے جینی کا ساتھ دیتے ہوئے کہا تو جینی حیرانی سے دیکھ کر رہ گئی جبکہ جولیا کے چہرہ پر مسکراہٹ پھیل گئی شاید جینی کو یقین نہ تھا کہ اس کی سوتیلی ماں اس کا ساتھ دے گی۔ گاڑی بائیں جانب آگے بڑھ رہی تھی کہ اچانک مائیکل نے اونچی آواز سے ڈرائیور کو گاڑی روکنے کا کہا ڈرائیور اور باقی لوگ اس کی اچانک آواز نکالنے سے چونک کر اسے دیکھنے لگے ''ایک طرف سائیڈ پر کر کے گاڑی روک لو مجھے ذرا جانا ہے'' مائیکل نے ڈرائیور سے کہتے ہوئے چھوٹی انگلی کا اشارہ کیا تو ڈرائیور نے سر کو ہاں میں ہلاتے ہوئے گاڑی روک دی اور مائیکل ان سب کی طرف مسکراہٹ اچھالتا ہوا گاڑی سے اتر گیا ''مائیکل دیکھنا ذرا احتیاط سے'' ڈرائیور نے پیچھے سے اسے آواز دیتے ہوئے کہا لیکن مائیکل کوئی جواب دیئے بغیر کچھ گنگناتا سر کو ہلاتا جھاڑیوں میں گھس گیا اسے گئے ہوئے دس منٹ گزر گئے تو گاڑی میں بیٹھے لوگوں کو تشویش ہونے لگی اسی وقت ہیری بولا ''مجھے بھی جانا ہے میرے پیٹ میں سخت گڑبڑ شروع ہے۔''

''ہاں رات کو تم لوگوں نے باربی کیو زیادہ کھالیا تھا ناں'' جولیا نے کہا تو جینی اسے گھور کر رہ گئی۔ ''لیکن

ہمیں بہت احتیاط سے جانا ہوگا'' ڈرائیور نے ہیری کو نیچے اتار کر رائفل پکڑتے ہوئے کہا پھر ہیری آگے اور ڈرائیور رائفل پکڑے ہوئے اس کے تھوڑا پیچھے کسی انہونی بات کے لئے بالکل تیار تھا ''پلیز احتیاط سے'' جولیا نے ان دونوں کو پکارا۔

''بس ہم ابھی گئے ابھی آئے'' ڈرائیور نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔ ان کے دور جاتے ہی جولیا نے جینی کی طرف دیکھا جو کہ اس سے لاتعلق ہوکر ڈرائیور اور اپنے بھائی کی طرف دیکھ رہی تھی جولیا اس سے بات کرنے کے لئے مناسب الفاظ سوچنے لگی ''دیکھو جینی میں جانتی ہوں کہ تم ناراض ہو ہم دونوں کے لئے بہت مشکل ہے اس نے بات شروع کی لیکن جینی اس کی بات کی طرف دھیان نہیں دے رہی تھی بلکہ وہ تو اپنا سارا دھیان باہر اپنے بھائی اور ڈرائیور کی طرف دے رہی تھی جو کہ دونوں چلتے چلتے ایک جھاڑی کے پاس اٹینشن ہوکر رُک گئے تھے اور ڈرائیور اپنی رائفل کندھے سے لگا کر جھاڑی کے ساتھ ہی ہیری کے بالکل پیچھے بڑی بڑی گھاس کی طرف نشانہ لیے ہوئے تھا۔

''کچھ تو گڑبڑ ہے'' جینی نے ان کو یوں دیکھ کر بے چینی سے کہا۔

''ہاں.....وہی تو میں کہنا چاہ رہی تھی'' جولیا نے بے دھیانی میں اپنی بات پر زور دیا ''وہاں کچھ تو گڑبڑ ہو رہی ہے'' جینی نے باہر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور بے چینی سے پہلو بدلا اس بار جولیا کی نظر بھی باہر ڈرائیور اور ہیری کی طرف چلی گئی اور وہ دونوں کھڑکی کے شیشے کے ساتھ لگ کر ڈرتے ہوئے ادھر دیکھنے لگیں بلکہ جولیا نے گھاس میں سے اٹھتے ہوئے شیر کی جھلک بھی دیکھ لی اس کے منہ سے فوراً نکلا ''او مائی گاڈ''

گھاس میں سے نکلتے ہوئے شیر نے آہستہ آہستہ اپنے منہ سے عجیب سی آواز نکالنی شروع کردی ہیری نے پلٹ کر دیکھا اس سے کچھ ہی فاصلہ پر ایک جیتا جاگتا شیر اسے کھڑے ہوتے ہوئے گھور رہا تھا لیکن شاید اس کا انسانوں سے اس سے پہلے واسطہ نہ پڑا تھا اسی لئے وہ آگے بڑھ کر حملہ کرنے سے پہلے غراتے ہوئے کچھ سوچ رہا تھا۔

''آہستہ آہستہ چلتے ہوئے میرے پیچھے آجاؤ'' ڈرائیور نے رائفل کو کاک کرتے ہوئے ہیری سے سرگوشی میں کہا۔

''اب کیا ہوگا'' جینی نے اس شیر کو جو کہ اصل میں ایک شیرنی تھی کو گھاس سے باہر نکلتے ہوئے دیکھا تو کہا پھر اس کی نظر بائیں جانب چلی گئی جہاں جھاڑیاں ہل رہی تھیں وہاں سے وہ بوڑھا شیر غراتا ہوا اپنی چال چلتے ہوئے نکلا اور جھاڑیوں کے پاس کھڑے ہوکر جیپ کی طرف دیکھنے لگا اس کا دھیان ابھی ہیری اور ڈرائیور کی طرف نہیں گیا تھا ''اس طرف دیکھو وہاں بڑا شیر ہے'' جینی نے تشویش سے کہا جولیا کچھ سوچتے ہوئے پیچھے سے سیٹ پھلانگ کر ڈرائیونگ سیٹ پر چلی گئی تاکہ گاڑی چلا کر ہیری اور ڈرائیور کے پاس لے جا کر انہیں گاڑی میں بٹھا سکے اور ان کی جان ان شیروں سے بچا سکے لیکن چابی تو ڈرائیور اپنے ساتھ لے گیا تھا۔

ہیری آہستہ آہستہ اپنے آپ کو ڈرائیور کے پیچھے لے گیا ''آہستہ آہستہ پیچھے کی طرف چلتے جاؤ ایسے ہی چلتے ہوئے ہم کو گاڑی تک پہنچنا ہوگا'' ڈرائیور نے ہیری سے کہا لیکن اس کی نظر شیرنی پر ہی تھی اور پھر وہ دونوں پیچھے قدموں چلتے ہوئے گاڑی کی طرف کھسکنے لگے۔

''ہیری..... ہیری'' جینی چیختے ہوئے سیٹ پھلانگ کر اگلی والی سیٹ پر بیٹھتے ہی ہارن بجانے کی کوشش کرنے لگی تاکہ وہ ان لوگوں کو دوسرے شیر سے بھی ہوشیار کر سکے۔،،ہارن کیوں نہیں بج رہا'' جینی نے غصہ سے چیختے ہوئے کہا ''چابی جو نہیں ہے'' جولیا نے آہستہ سے کہا اس کا سارا دھیان ہیری اور ڈرائیور ہی کی طرف تھا جو کہ کھسکتے ہوئے جیپ کی طرف آرہے تھے جبکہ جولیا نے اچانک ایسی حرکت کی کہ جینی حیران رہ گئی جولیا دوسری طرف سے گاڑی سے اتر کر تھوڑا آگے جا کر شیر کی طرف دیکھتے ہوئے اچھل کود کرنے لگی تاکہ اس بڑے شیر کو اپنی طرف متوجہ کر کے ہیری اور ڈرائیور

کی طرف جانے سے کسی طرح روک سکے۔

"اے..... اے میں ادھر ہوں۔ ادھر دیکھو..... ادھر دیکھو" جولیا اچھل کود کرتے ہوئے آوازیں نکالنے لگی شیر نے اس کو دیکھ کر غراتے ہوئے اپنا جسم ایسے اکڑا لیا جیسے کہ وہ جولیا کی طرف حملہ کرنے کے لئے بھاگنا چاہتا ہے "او جولیا یہ تم کیا کر رہی ہو" جینی نے حیرت سے کہا شیر زور سے دھاڑا شیرنی بھی شیر کی دھاڑ سنتے ہی جیسے حملہ کرنے کے لئے تیار ہوگئی ڈرائیور کو آنے والے خطرہ کا احساس ہوگیا تھا اس نے ہیری کو آہستہ سے دھکیلتے ہوئے کہا "دوڑو" اور خود گولی چلانے کے لئے تیار ہوگیا۔

اور پھر اچانک ایک ہی وقت میں شیر اور شیرنی اپنے اپنے شکار کی طرف دوڑ پڑے، ہیری بھاگتا ہوا گاڑی تک پہنچا اور ادھر ڈرائیور نے شیرنی پر گولی چلادی لیکن ایک تو وہ کوئی شکاری نہ تھا اور دوسرا شیرنی کے بھاگتے ہی اس کے دل پر ڈر نے حملہ کر دیا۔

گولی شیرنی کے دائیں کان کے قریب سے گزر گئی، شیرنی کی دہشت سے ڈرائیور کے ہاتھ سے رائفل گر گئی اور وہ بھی پیچھے کی طرف جا الٹا شیرنی گولی کی آواز سے تھوڑی ٹھٹھک گئی اسی لئے ڈرائیور کو اٹھنے کا موقع مل گیا اور وہ بھاگتا ہوا گاڑی تک جا پہنچا لیکن ہیری اسی وقت گاڑی میں چڑھ رہا تھا اور اسی دروازہ سے ڈرائیور اس کے پیچھے گھسنے کی کوشش کرنے لگا، شیرنی دو ہی جستوں میں اس تک جا پہنچی ہیری کے گاڑی میں داخل ہوتے ہی ڈرائیور نے جلدی سے پاؤں اوپر رکھا لیکن شیرنی نے اسے زیادہ مہلت نہ دی اور اسے دوسری ٹانگ میں دانت گاڑ کر باہر کھینچ لیا گاڑی کے اندر ایک شور سا اٹھا وہ تینوں چیخنے لگے لیکن شیرنی ڈرائیور کو شکار بنا کر کھینچتے ہوئے گھاس کے اندر لے گئی جولیا نے جلدی سے دروازہ بند کر دیا جینی اور جولیا سسک پڑے جبکہ ہیری ڈر سے کانپ رہا تھا ڈرائیور کی چیخیں تھیں گاڑی میں سسکیاں تھیں رونے کی آوازیں تھیں اور پھر اداس سی خاموشی تھی کچھ ساعت بعد جولیا نے کھڑکیوں کے شیشے میں سے گھوم کر باہر جھانکنے لگی۔

اچانک باہر ہی چھپی شیرنی نے ایک طرف کھڑکی کے شیشے پر اچھل کر ہلکی سی ٹکر ماری تو اسے دیکھتے ہی اندر سے پھر چیخ و پکار شروع ہوگئی لیکن جیپ کے شیشے مضبوط ہونے کی وجہ سے شیرنی بس انہیں باہر سے دیکھتی رہ گئی اور پھر آہستہ آہستہ جھاڑیوں کی طرف چلی گئی جہاں اس نے ڈرائیور کو کھینچ کر پہنچایا تھا اس کے پنجوں پر لگا خون کھڑکی کے شیشوں پر رہ گیا۔

ادھر جیم برٹلر اس زمین کا بخوبی سروے کر رہا تھا جس پر ڈیم بنانے کے لئے کچھ بنیادی کام ہو چکا تھا کچھ کام کی اس نے تعریف کی لیکن کچھ کام کو نئے سرے سے اس کے طریقہ سے کرنے کا کہا۔

وہ سب جیپ میں اداس پریشان اور ڈرے بیٹھے تھے "مسٹر مائیکل نہ جانے کہاں چلے گئے" جینی نے آہستہ سے کہا "مجھے تو لگتا ہے کہ انہی شیروں کا شکار ہوگئے ہونگے" جولیا نے گھمبیر لہجے میں کہا اچانک جولیا نے سامنے سیٹ پر پڑا اپنا چھوٹا سا بیگ اٹھالیا اسے یاد آیا کہ اس کے پاس موبائل فون ہے اس نے فون نکال کر چیک کیا لیکن بے سود کیونکہ جنگل میں سگنل نہیں آرہے تھے جینی چپ ہوئی اور پھر رونے لگی جبکہ ہیری کھڑکی کے شیشے پر لگے خون کے نشانات کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا جولیا موبائل فون کو اوپر کر کے ادھر ادھر گھماتی رہی لیکن اسے مایوسی ہوئی وہ اس جنگل میں بری طرح سے پھنس گئے تھے "ہم تو یہاں پھنس کر رہ گئے ہیں" جینی نے روتے ہوئے کہا۔

"نہیں..... نہیں..... تمہارے پاپا ہم تک جلد پہنچ جائیں گے جب ہم کیمپ میں نہ پہنچے تو ضرور انہیں خطرے کا ادراک ہوجائے گا" جولیا نے ان کا حوصلہ بڑھانے کے لئے کہا۔ لیکن جینی تو اس سے خار کھائے بیٹھی تھی "اگر آپ کو اب بھی نہیں لگتا کہ ہم پھنس چکے ہیں تو آپ بہت بڑی بیوقوف ہیں میری ممی سچ کہتی تھیں" جولیا افسوس سے سر ہلا کر رہ گئی وہ عام گزرگاہ سے کافی ہٹ کر جنگل میں کھڑے تھے اگر انہیں کوئی

ڈھونڈنے بھی آتا تو وہ گزرگاہ کے دائیں بائیں ہی انہیں دیکھتا ان لوگوں کو بھی اس بات کا بخوبی علم تھا اسی لیے وہ تینوں زندگی سے مایوس ہونے لگے اور آپس میں تلخ کلامی کرنے لگے "وہ ہمیں کھا جائے گا..... وہ ہمیں کھا جائے گا" ہیری نے جیسے اس خوف کے ٹرانس سے نکلتے ہی تکرار شروع کر دی جولیا نے آگے بڑھ کر اسے گلے سے لگا کر سینے میں چھپالیا "نہیں..... نہیں ہیری..... ہم یہاں سے نکل جائیں گے ہم یہاں سے ضرور نکل جائیں گے۔"

اچانک شیر سامنے سے نمودار ہوا اور بونٹ کی طرف سے چھلانگ لگا کر جیپ کی ونڈ اسکرین سے ہوتا ہوا چھت پر چلا گیا اس کا وزن اتنا تھا کہ چھت جو کہ مضبوط تھی لیکن وہ چرچرانے لگی جیپ کے اندر پھر سے چیخ و پکار اور بے ہنگم شور سا اٹھا شیر جیپ کی چھت پر گھوم رہا تھا چھت نیچے کی طرف دبنے لگی جولیا اور جینی نے ہاتھ رکھتے ہوئے اپنی طرف سے زور لگا کر کوشش کی کہ چھت کہیں بیٹھ نہ جائے ساتھ ہی وہ دعائیں کرنے لگیں کہ شیر جلدی سے اتر جائے لیکن شیر نے اوپر سے اپنے پنجے مضبوطی سے مارنے شروع کر دیئے جس سے اوپر سے چھت میں چھید پڑنے لگے ایک آدھ چھید گہرا بھی ہوگیا اور اس میں سے شیر کے ناخن کے پنجے نظر آنے لگے۔

یہ دیکھ کر وہ تینوں پہلے سے زیادہ ڈر گئے اور پیچھے والی سیٹ پر ایک دوسرے سے چمٹ کر کانپنے لگے ان کے گلے سے بے ہنگم چیخیں نکلنے لگیں اسی وقت شیر کے وزن سے ونڈ اسکرین تڑخ گئی اب تو ان تینوں کو اپنی موت سامنے نظر آنے لگی آخر شیر ونڈ اسکرین کی طرف اتر گیا اور بونٹ پر کھڑے ہو کر ونڈ اسکرین سے اندر دیکھنے لگا، جولیا نے بچوں کو چپ کروایا اور وہ سب سیٹوں کے پیچھے دبک گئے جیپ کے اندر اچانک خاموشی چھا گئی شیر اندر دیکھتے ہوئے ہلکے ہلکے غرا رہا تھا اور پھر جیسے وہ اچانک آیا تھا ویسے ہی بونٹ سے بائیں چھلانگ لگا کر اترا اور ایک طرف مٹکتے ہوئے چل دیا، شیر کے جاتے ہی انہوں نے شکر ادا کیا اور جولیا نے اٹھ کر کھڑکی سے جھانکتے ہوئے جب باہر نزدیک شیر کو نہ پایا تو آہستہ سے کہا "لگتا ہے وہ چلے گئے" اس کے کہتے ہی جینی اٹھ کر بیٹھ گئی۔ "ہیری آؤ میرے پاس" جولیا نے ہیری کو اپنے سینے سے لگالیا۔

"وہ مسٹر مائیکل اور ڈرائیور کے ساتھ کیا ہوا" ہیری نے کھوئے ہوئے لہجے میں پوچھا "وہ دونوں مر گئے" جینی نے کہا "پھر ہم یہاں سے کیسے نکلیں گے" ہیری نے پوچھا۔

"ہم یہاں سے کبھی نہیں نکل سکتے" جینی نے مایوسی سے جواب دیا۔ شیر جیپ کے آگے پیچھے ٹہلتے رہے اور پھر بالکل سامنے ایک جھاڑی کے پاس اکٹھے بیٹھ کر سستانے لگے جہاں ادھر ادھر ڈرائیور کا خون پھیلا ہوا تھا ان شیروں کے منہ اور پنجوں پر بھی خون لگا ہوا تھا جسے ہیری ٹکٹکی باندھے گم صم دیکھ رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

جیم برٹلر جب ہیلی کاپٹر کے ذریعے واپس کیمپ میں پہنچا تو اسے یہ جان کر حیرت کا جھٹکا لگا کہ اس کی فیملی ابھی تک واپس نہیں آئی تھی اس کے اندر عجیب سی سوچیں ہلچل مچانے لگیں جیم اس کیمپ کی انچارج جو کہ ایک عورت تھی کے پاس پہنچا اور اسے فوریں کرنے لگا کہ وہ ہیلی کاپٹر کے ذریعے اس کی فیملی کو ابھی ڈھونڈنے کی اجازت دے لیکن اس نے رات میں اس کے لئے اجازت نہ دی "میں ضرور اجازت دونگی لیکن صبح ہوتے ہی۔"

"لیکن صبح تک میری فیملی کے ساتھ نہ جانے کیا ہوجائے" جیم نے غصہ سے پاؤں زمین پر مارتے ہوئے کہا "میں مجبور ہوں مسٹر جیم یہ ہیلی کاپٹر نہ ہی میرا ہے اور نہ ہی اسے اڑانے والا میرا ملازم" اس عورت نے تحمل سے جواب دیا۔ اور پلیز آپ صبح ہونے تک انتظار کرلیں ان کے ساتھ مسٹر مائیکل ہیں جو ایک ماہر اور تجربہ کار ہیں وہ ضرور ان کو بحفاظت لے آئیں گے۔"

وہ دونوں آپس میں بحث ومباحثہ میں کچھ دیر الجھے رہے اور پھر جیم اپنی کیپ اٹھا کر غصہ سے ہاتھ پہ ہاتھ مار کر وہاں سے نکلنے ہی لگا تھا کہ انچارج عورت نے اسے پیچھے سے آواز دی ''ہاں یاد آیا ایک آدمی ہے جو آپ کی اس کام میں سب سے بھرپور اور اچھی طرح مدد کرسکتا ہے'' اس عورت نے وائرلیس پر رابطہ کیا اور ایک نام پکارا ''چاپر کیا تم وہاں موجود ہو'' دوسری طرف سے آواز آئی ''ہاں میں یہاں سے کہاں جاسکتا ہوں'' انچارج عورت نے جلدی سے وائرلیس کا مائیک جیم برٹلر کو پکڑوادیا ''تم خود اس سے بات کرو''

''ہیلو مسٹر چاپر میرا نام جیم برٹلر ہے اور میں یہاں لیپرڈ کمپنی کا ایک مہمان ہوں میری بیوی اور دو بچے آج دن ہی سے لاپتہ ہین۔''

''لاپتہ ہیں مطلب'' ہاں دراصل وہ لوگ جنگل میں ڈرائیو پر گئے تھے اور ابھی تک واپس نہیں آئے، جیم نے اتنا کہا تھا کہ چاپر نے اس کی بات کاٹ دی ''تو تم پولیس کو رپورٹ کرو''

''نہیں.....نہیں پولیس تو کچھ کرے گی وہ صبح ہی کرے گی مجھے ابھی تمہاری مدد چاہیئے'' جیم نے کہا لیکن چاپر نے مدد کرنے سے انکار کردیا۔

''اگر شکار پر لے جانا ہے مجھے تو چلتے ہیں ورنہ میں کوئی تلاش گمشدہ والا تو نہیں ہوں۔'' جیم نے اس کی منت سماجت کی لیکن وہ نہ مانا آخر اس نے جان چھڑانے والے لہجے میں کہا ''اوکے کچھ کرتے ہیں بارش تو رکنے دو''

''بارش.....کہاں ہے.....'' جیم نے کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے کہا ہی تھا کہ موسلا دھار بارش شروع ہوگئی پھر جیم برٹلر پوری رات ٹہلتے ہوئے بارش رکنے کا انتظار کرتا رہا۔

کہتے ہیں جب نیند سخت آئی ہو تو کانٹوں پر بھی آجاتی ہے جس طرح جینی اور ہیری شیروں کے خوف سے جاگتے جاگتے آخر سو ہی گئے بارش زوروں پر تھی جیپ کے چھت پر شیر کے پنجوں سے جو چھوٹا سا سوراخ ہوگیا تھا اس سے تھوڑا تھوڑا پانی رستے ہوئے ہیری کے اوپر گرا تو اس کی آنکھ کھل گئی باہر بارش دیکھ کر اس کی پیاس چمک اٹھی اس نے جلدی سے جولیا اور جینی کو اٹھایا وہ بھی بارش کو دیکھ کر پانی پینے کے لئے بے تاب ہوگئیں اور پھر جولیا نے ہمت کرکے تھوڑا سا دروازہ کھول کر باہر جھانکا بارش کی وجہ سے شیر اپنی کچھار میں چلے گئے تھے اسی لیے انہوں نے ہاتھوں کے کٹورے بنا کر خوب پانی پیا، بجلی چمکی تو اچانک انہیں اس کی روشنی میں شیر سامنے ہی کھڑا نظر آیا تو تینوں کے سانس جیسے رک گئے انہوں نے جلدی سے دروازے بند کرلیے اور اندر دبک گئے۔

یہ رات جیسے تیسے کٹ ہی گئی صبح ہوتے ہی سورج کی پہلی کرن نے نکل کر سارے ماحول کو روشن کردیا اور اس کی روشنی گاڑی کی چابیوں پر لگ کر منعکس ہوکر جینی کے چہرہ پر پڑ رہی تھی وہ روشنی جینی کی آنکھوں میں چبھنے لگی تو اس نے اس طرف دیکھا اور جیپ کی چابیوں کا گچھا دیکھ کر وہ اچھل پڑی ''ارے وہ دیکھو گاڑی کی چابیاں''

جولیا نے جلدی سے اس طرف دیکھا گاڑی سے کچھ ہی فاصلے پر چابیاں پڑی نظر آرہی تھی جولیا وہ چابیاں لانے کے لئے تیار ہوگئی تھی ''لیکن وہ شیر یہی ہونگے'' جینی نے بے چین ہوکر باہر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

''جینی ہمیں ہمت تو کرنی ہے تب ہی یہاں سے نکل سکیں گے'' جولیا نے مضبوط لہجے میں کہا۔

صبح ہوتے ہی بارش کب کی رک گئی تھی کیمپ سے ہیلی کاپٹر جیم برٹلر کی فیملی کی تلاش میں اڑ گیا جیم نے ان لوگوں کے ساتھ جانے کی کوشش کی لیکن اس ہیلی کاپٹر میں دو ہی آدمی آسکتے تھے اسی لئے اسے ساتھ نہ لے جایا گیا تو جیم برٹلر ایک دوسری جیپ لے کر ڈرائیور کے ساتھ چاپر کے پاس جا پہنچا کیونکہ اسے اب سکون نہ تھا لیکن چاپر ایک بدمعاش ٹائپ آدمی تھا اس نے جیم کی مدد کرنے سے انکار کردیا تو آخر مجبور ہوکر جیم نے اسے پیسوں کا لالچ دیا تو وہ تیار ہوگیا ''ویسے تو ہیلی کاپٹر میری

فیملی کو ڈھونڈنے نکل چکا ہے لیکن وہ گزرگاہ کے ساتھ ساتھ دیکھے گا اور ہمیں.....تھوڑا ادھر ادھر بھی دیکھنا ہوگا'' جیم نے چاپر سے کہا تو وہ سر ہلا کر رہ گیا۔

جولیا چابی لانے کے لئے تیار ہوگئی ہیری کے چہرہ پر خوشی چمکانے لگی ''ہم بچ گئے.....ہم بچ گئے.....'' لیکن جب اس نے جولیا کو دروازہ سے نکلتے ہوئے دیکھا تو وہ خوف سے کانپ اٹھا اسے باہر گھومتے ہوئے شیروں کا خیال آگیا اس نے جولیا کو پیچھے سے پکڑلیا ''آپ نہ جائیں۔''

''یہاں سے نکلنا ہے نا'' جولیا نے اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا تو اس نے ہاں میں سر ہلادیا ''تو پھر اس کے لئے چابی لانا ضروری ہے'' جولیا یہ کہہ کر باہر خوب دیکھ بھال کر اتر گئی نیچے اتر کر بھی اس نے چند ساعت ادھر ادھر خوب غور سے نظر ماری لیکن شیر اسے نظر نہ آئے یا تو وہ کہیں دور تھے یا پھر کسی جھاڑی یا گھاس میں چھپے تھے۔

جولیا کے دل میں ہلکا سا خوف تھا کیونکہ شیر کی دہشت بہت ہوتی ہے اور ان میں سے ایک نے تو ان کے سامنے ہی ڈرائیور کو چیر پھاڑ کر رکھ دیا تھا جولیا ادھر ادھر دیکھتے ہوئے احتیاط سے چابیوں کی طرف بڑھنے لگی جیپ میں بیٹھے ہیری اور جینی بھی باہر دیکھ رہے تھے تاکہ اگر شیر کہیں نظر آئے تو جولیا کو ہوشیار کرسکیں۔

اور پھر ایک شیرنی گھاس میں سے نمودار ہوئی جسے جینی نے دیکھتے ہی کھڑکی کا شیشہ ہاتھ سے پیٹتے ہوئے شور مچادیا ''بھاگو وہ آرہا ہے۔'' جولیا چابی کے قریب ہی تھی اس نے لپک کر چابی اٹھائی اور واپس گاڑی کی طرف بھاگی ادھر شیرنی نے بھی اس کی طرف دوڑ لگادی بچے اندر سے شور مچانے لگے جولیا زور لگا کر دوڑنے لگی شیرنی نے بھی اسے پکڑنے کے لئے اپنا پورا زور لگایا جیپ کا دروازہ کھلا تھا جولیا بھاگتے ہوئے جیپ تک پہنچی، جب شیرنی نے بھاگتے بھاگتے دیکھا کہ اس کا شکار بچنے لگا ہے تو اس نے ایک جست لگائی اور سیدھا جیپ پر جا پڑی۔

ٹھیک اسی وقت جولیا نے اندر گھس کر دروازہ بند کرلیا، شیرنی جیپ سے ٹکرا کر زمین پر گرگئی لیکن اپنے شکار کو ہاتھ سے جاتے دیکھ کر وہ جیپ کے شیشوں پر اچھل اچھل کر پنجے مارنے لگی اندر سے ان سب کی ڈری سہمی آوازیں نکلنے لگیں شیرنی بری طرح سے دھاڑنے لگی جولیا نے ہمت کرکے گاڑی کو چابی لگائی اور اسٹارٹ کردی گاڑی آہستہ آہستہ چل پڑی اور سامنے نشیب کی طرف اترنے لگی، شیرنی نے پیچھے سے اچھل کر گاڑی پر حملہ کیا تو جولیا کے اوسان خطا ہوگئے اور وہ رستہ دیکھے بغیر گاڑی دوڑانے لگی جبکہ جینی اسے تحمل مزاجی سے گاڑی چلانے کا کہنے لگی لیکن جولیا تو جیسے سن ہی نہیں رہی تھی گاڑی شیروں سے کافی دور نکل آئی لیکن بے احتیاطی سے چلاتے ہوئے ایک ٹیلہ کے ساتھ جا ٹکرائی یہ تو اچھا ہوا کہ گاڑی کی اسپیڈ زیادہ نہ تھی ورنہ حادثہ خطرناک ہوتا، ٹکرا کر گاڑی بند ہوگئی اور وہ تینوں پھر سے اداس اور پریشان لیکن اب انہیں کچھ حوصلہ سا تھا کیونکہ وہ سمجھ رہے تھے کہ وہ شیروں کی رینج سے دور نکل آئے ہیں۔

جولیا نے گاڑی اسٹارٹ کرنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ اسٹارٹ نہیں ہو رہی تھی لگتا تھا اس میں کوئی بڑی خرابی آگئی ہو ''اب ہم یہاں سے نہیں نکل سکتے کبھی نہیں'' جینی نے بددلی سے سسکتے ہوئے کہا اور اس دفعہ جولیا کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے جب گاڑی کچھ دیر کوشش کرنے کے بعد بھی اسٹارٹ نہ ہوئی تو جولیا بھی ہمت ہار بیٹھی ہیری پیچھے بیٹھا چپ چاپ دونوں کی طرف دیکھتا رہا۔ ''تمہارے پاپا سمجھ گئے ہونگے کہ ہم کھو گئے ہیں وہ ضرور امداد لے کر آئیں گے۔''

''لیکن وہ ہمیں کھوجیں گے کیسے'' جینی نے نظریں چرا کر کہا ''کیا مطلب'' جولیا نے نہ سمجھتے ہوئے پوچھا۔ وہ تو ہمیں گزرگاہ کے ساتھ ساتھ دیکھیں گے ناں..... پر ہم تو وہاں سے اور بھی دور آگئے ہیں، جینی نے بمشکل اپنی بات مکمل کی اور رونے لگی جولیا نے ایک لمبی آہ بھری کیونکہ اس

حقیقت کا ادراک اسے بھی ہو گیا تھا۔

"کیوں نہ ہم گاڑی سے نکل کر پیدل ہی باہر کا راستہ ڈھونڈنے کی کوشش کریں" جینی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا "تم شاید یہ بات بھول رہی ہو کہ ہم اس جنگل کے بارے میں کچھ نہیں جانتے اور خطرہ ہمارے اردگرد ہی ہو سکتا ہے۔"

"اگر ہم یہیں بیٹھے رہے تو انہیں کیسے پتہ چلے گا کہ ہم کہاں ہیں" جینی نے پھر کہا "نہیں ہمیں کوئی رسک نہیں لینا ہم گاڑی میں محفوظ ہیں" جولیا نے جواباً کہا تو ان دونوں میں کچھ دیر کے لئے بحث چھڑ گئی اور یہ بحث تب ختم ہوئی جب جولیا نے بری طرح جینی کو جھڑک دیا تو جینی چپ ہو گئی اور بری طرح رونے لگی اس کے ساتھ ہی جولیا خود بھی رونے لگی ہیری اب بھی بالکل خاموشی سے انہیں دیکھے جا رہا تھا۔

وہاں کھڑے کھڑے گاڑی کو آدھا دن گزر گیا اس دن گرمی کچھ زیادہ تھی اس لیے گاڑی کے اندر ہلکی ہلکی تپش نے انہیں سخت پیاسا کر دیا تنگ آ کر جینی اور جولیا پانی کی تلاش میں گاڑی سے نکلیں اور ہیری کو تنبیہ کی کہ گاڑی کا دروازہ باہر نہ کھولے گاڑی سے نکل کر وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہوئے کچھ ہی دور گئے تھیں کہ اچانک وہ شیرنی جس نے آخری دفعہ ان کی گاڑی پر حملہ کیا تھا جس سے ڈر کر جولیا گاڑی کو شتر بے مہار کی طرح چلاتی ہوئی یہاں تک لے آئی تھی وہ شیرنی اپنے شکار کے پیچھے یہاں تک آ کر گھاس میں چھپ گئی تھی اور ان دونوں کے نکلتے ہی ان پر چھلانگ لگا کر حملہ آور ہوئی وہ دونوں اسے دیکھتے ہی جیسے ڈر و خوف سے مٹی کے پتلے کی طرح جم کر رہ گئیں شیرنی کے چھلانگ لگاتے ہی دونوں نے آنکھیں بند کر لیں کیونکہ انہیں اپنی موت سامنے نظر آ رہی تھی۔

شیرنی ابھی فضا ہی میں تھی کہ اچانک رائفل کا زوردار دھماکہ ہوا جولیا اور جینی نے جلدی سے آنکھیں کھول کر ادھر دیکھا ان کی سانس جیسے اب بھی رکے ہوئے تھی شیرنی ان سے کچھ ہی فاصلہ پر پڑی تھی اور اس کے سر سے خون نکل رہا تھا، دونوں نے جلدی سے دوسری طرف دیکھا تو ایک جوان مرد اور ایک خوبصورت لڑکی نے ہاتھوں میں گنز پکڑے شیرنی کی طرف بڑھتے نظر آئے۔

جینی اور جولیا کے جان میں جان آئی لیکن اب وہ دونوں اس جوڑے کو آنکھیں پھاڑے دیکھ رہی تھیں۔

جینی اور جولیا وہاں سے ہٹ کر ایک طرف کھڑی ہو گئیں پھر جولیا کے ذہن میں خیال آیا کہ ان سے قریب کسی پانی کے چشمہ وغیرہ کا پتا کرنا چاہئے "سنیئے کیا آپ ہماری مدد کریں گے" جولیا نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے اونچی آواز میں کہا تو انہوں نے جولیا کی آواز پر ادھر دیکھا تو ضرور لیکن کوئی ردعمل نہ کیا۔

"پلیز ہمیں آپ کی مدد چاہئے..... ان شیروں نے ہم پر حملہ کیا تھا اور ہمارے ڈرائیور اور گائیڈ کو بھی مار ڈالا" جینی نے تیز لہجے میں کہا تو انہوں نے اسے گھور کر دیکھا۔

"یہ ہمیں یہاں سے نہیں نکال سکتے بس ان سے کسی طرح پانی کا پوچھ لو" جولیا نے جینی کا جیسے ذہن لگتا تھا کہ پڑھ لیا جو کہ یہی سوچ رہی تھی کہ اس جوڑے سے یہاں سے نکلنے کا راستہ معلوم کرنا چاہئے پھر جینی نے تھوڑا سا آگے ہو کر ان سے کہا "یہاں کہیں نزدیک پانی مل سکتا ہے۔"

"پانی..... پانی....." جینی نے ہاتھوں سے اشارہ کرتا ہوا منہ تک ہاتھ لے جا کر انہیں سمجھایا تو وہ سمجھ گئے اور ہاں میں سر ہلایا پھر وہ جینی کو ایک تالاب تک لے گئے جس کا پانی گدلا تھا لیکن جینی کو پیاس لگی ہوئی تھی اس نے خوب سیر ہو کر پانی پیا۔ اور پھر جینی احتیاط سے آہستہ آہستہ چلتے ہوئے گاڑی تک پہنچی ہی تھی کہ اسے شیرنی کی غراہٹ سنائی دی تو وہ چونک کر پلٹی اور پھر جینی جلدی سے کھلے دروازے سے گاڑی کے اندر داخل ہو گئی اور انہوں نے گاڑی کا دروازہ بند کر دیا جینی نے جولیا اور ہیری کو پانی دیا اب وہ تینوں جیم برٹلر کے آنے کا انتظار کرنے لگے امید و یاس کی کیفیت میں اور

پھر اچانک عورت اور مرد آنکھوں سے اوجھل ہو گئے۔

☆.....☆.....☆

دو آدمی ہیلی کاپٹر میں اور جیم اور چاپر ایک چھوٹی سی جیپ میں جنگل کے اس حصہ میں فیملی کو تلاش کر رہے تھے جس حصہ میں کہ ان کو اندازہ تھا کہ وہ گئے ہونگے ہیلی کاپٹر صبح سے گزرگاہ کے ساتھ ان لوگوں کو تلاش کر رہا تھا لیکن وہ انہیں نہ ملے "مجھے تو لگتا ہے کہ وہ جنگل کے اندر کہیں گم ہو گئیں" کو پائلٹ نے پائلٹ سے کہا تو وہ سر ہلانے لگا اس نے اچانک ہیلی کاپٹر موڑا اور ان لوگوں کے اوپر سے ہو کر گزرنے لگا ادھر جیم اور چاپر بھی جیپ سے اتر کر اس گاڑی سے جس میں کہ جیم کی فیملی تھی کچھ ہی فاصلہ پر ایک ٹیلہ پر بیٹھے آپس میں مشورہ کر رہے تھے کہ اب انہیں کس طرف دیکھنا چاہئے۔

ہیلی کاپٹر کی آواز سنتے ہی ان تینوں کو جھٹکا لگا اور جولیا کچھ سوچے سمجھے بغیر گاڑی سے باہر نکل کر شور مچا کر بازو ہلا کر اس ہیلی کاپٹر کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرنے لگی لیکن ہیلی کاپٹر اس کے اوپر سے اڑتا ہوا گزر گیا وہ پیچھے سے شور مچاتی رہ گئی۔

ہیلی کاپٹر کا شور ختم ہوا تو ٹیلہ پر کھڑے جیم برٹلر کو کسی عورت کے پکارنے اور چیخوں کی آواز سنائی دی اس نے آگے ہو کر دوربین سے دیکھا تو اسے ایک گاڑی اور اس کے باہر اس کی بیوی کو دیکھ کر شور مچاتی نظر آئی اس نے اپنی بیوی کو پکارا اور ادھر دوڑ لگا دی چاپر پیچھے سے اسے روکتا ہی رہ گیا کیونکہ اسے علم تھا کہ اس جگہ کے اردگرد ایک شیر اور دو شیرنیاں رہتی ہیں پھر چاپر بھی کچھ سوچتے ہوئے جیم کے پیچھے بھاگ اٹھا اس نے رائفل میں گولی چڑھالی تھی جیم جولیا کو پکارتا ہوا اس کی طرف خوشی سے بھاگتا جا رہا تھا کہ اچانک گھاس کے اندر تاک لگائے بیٹھی شیرنی اس پر جھپٹی چاپر پہلے ہی ایسی سچوئیشن کے لئے تیار تھا اس نے شیرنی کا نشانہ لیا اور ٹھاہ کی آواز سے رائفل سے نکلی گولی شیرنی کے نرخرے میں گھس گئی اور وہ ادھر گر کر تڑپنے لگی جیم ٹھٹھک کر رک گیا لیکن اس نے جب اپنے پیچھے آتے چاپر کو دیکھا تو ایک نعرہ لگایا اور پھر جولیا کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔

جانے کہاں سے شیر بوسونگھتا ہوا بھاگتا ہوا ادھر آ نکلا اس نے جب اپنی شیرنی کو مرے دیکھا تو اس نے چاپر پر حملہ کر دیا اور پہلے ہی وار سے چاپر کے سنبھلنے سے پہلے ہی اپنا پنجہ مار کر چاپر کا نرخرہ ادھیڑ دیا جیم جو بھاگتے ہوئے گاڑی سے کچھ فاصلے پر تھا کہ جولیا نے اس شیر کو دیکھ لیا اور خود گاڑی کے اندر جا گھسی اور جیم کے لئے گاڑی کا دروازہ کھلا چھوڑ کر اس کو شیر کے بارے میں بتا کر جلدی دوڑنے کا کہنے لگی شیر نے چاپر کو ختم کر کے جیم کی طرف دیکھا اور پھر اس کے پیچھے دوڑنے لگا اور اس نے جیم کو چھاپ لیا۔

جولیا نے شیر کو قریب دیکھا تو دروازہ جلدی سے بند کر لیا اور جیم گاڑی کے نیچے جا گھسا شیر گاڑی کے ساتھ آ ٹکرایا بچوں اور جولیا کی چیخیں نکلنے لگیں شیر نیچے جھک جھک کر نیچے گاڑی کے نیچے مارتا لیکن جیم اپنے آپ کو بچا تا رہا شیر شکار کے نزدیک پہنچ کر اسے نہ پاتے ہوئے غصہ میں آ گیا اس نے گاڑی کو ٹکر مارنا شروع کر دی گاڑی کے اندر جولیا اور جینی کی اس بات پر لڑائی شروع ہو گئی کہ جولیا نے دروازہ کیوں بند کیا "خدا کے لئے میری جان چھوڑ دو میں نے تم لوگوں کو بچانے کے لئے دروازہ بند کیا تھا"

"تم نے ہمیں نہیں بلکہ پہلے اپنے آپ کو بچانے کے لئے کیا" جولیا نے ایک آہ بھری اور باہر دیکھنے لگی شیر جیم کا پیچھا چھوڑنے کے لئے تیار نہ تھا جولیا نے روتے ہوئے اچانک ایک فیصلہ کیا۔

"بس اب میں جو کہوں تم لوگوں کو ماننا ہو گا پلیز آخری بار مجھ پر بھروسہ کر لو" جولیا نے بچوں کی منت کرتے ہوئے کہا اور پھر گاڑی کی سائیڈ میں لگے ٹول بکس سے ایک ہتھوڑی اور بڑا پیچ کس نکال کر آئل کی ٹینکی کے عین اوپر سے پیچ کس رکھ کر ہتھوڑی سے ضربیں لگانے لگی "اب تم یہ کیا کر رہی ہو" جینی نے حیرت سے پوچھا۔

"ان باتوں کو چھوڑو اب پلیز وقت کم ہے

ہمارے پاس ہم، سب مشکل میں ہیں اور تمہارے پاپا ہم سے زیادہ مشکل میں ہیں اب تم لوگ جب میں کہوں بھاگ کر اس سامنے درخت پر چڑھ جانا جلدی سے تیار ہو جاؤ جلدی' ان دونوں نے نہیں لیکن کی لیکن جولیا نے انہیں ڈانٹ دیا اور پھر وہ منہ نیچے کر کے جیم سے زور زور سے کہنے لگی ''جیم سن رہے ہو میں جب شور مچاؤں تو گاڑی کے نیچے سے نکل کر اس سامنے درخت پر بھاگتے ہوئے چڑھ جانا'' اس کے بعد جولیا خود اور بچوں کو بھی اگلی سیٹ پر لے آئی اس نے پیچھے جا کر جیپ کا بڑا دروازہ کھول دیا اور شیر کو آوازیں دینے لگی، شیر نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اسے جولیا ایک آسان شکار لگی تو اس نے جیم کا پیچھا چھوڑ کر جیپ کے بڑے پچھلے دروازے سے جیپ کے اندر چلا گیا اس کے اندر داخل ہوتے ہی جولیا نے شور مچایا ''بھاگو بھاگو اور اگلا دروازہ کھول دیا بچے اس کی طرف حیرانگی سے دیکھتے ہوئے کھلے دروازہ سے نکل کر بھاگتے ہوئے درخت پر جا چڑھے اور جیم بھی جیپ کے نیچے سے نکل کر بھاگتا ہوا درخت پر چڑھ گیا جولیا نے اپنی شرٹ اتار لی تھی اور جہاں اس نے پیچ کش اور ہتھوڑے کی مدد سے سوراخ کیے تھے وہاں سے اپنی شرٹ پر پیٹرول لگا لیا شیر اندر داخل تو ہو گیا تھا لیکن اس نے جب اپنے آپ کو اندر دیکھا تو پریشان سا ہو گیا جولیا نے جیب سے لائٹر نکالا اور ایک کوشش کے بعد ہی اس شرٹ کو آگ لگا کر پیٹرول ٹینکی پر پھینک دیا، شرٹ پھینکتے ہی اس نے باہر گھاس پر چھلانگ لگا دی ایک دھماکہ ہوا اور پوری گاڑی نے آگ پکڑ لی۔

شیر کی آخری دھاڑ دردبھری تھی ''جولیا تم نے یہ کیا کر دیا'' جیم برٹلر کے منہ سے نکلا اور وہ جیپ کی طرف دوڑ پڑا ہیری بھی اپنے پاپا کے پیچھے اس طرف دوڑ پڑا جینی کی آنکھوں سے یہ منظر دیکھ کر آنسو نکل آئے پھر وہ بھی دوڑ پڑی یہ سوچتے ہوئے کہ آیا اس کی سگی ماں ہوتی تو وہ بھی ان کے لئے اتنی ہی قربانی دیتی۔

وہ سب دوڑتے ہوئے گاڑی تک پہنچے تو دوسری طرف گاڑی کے کچھ فاصلے پر جولیا گھاس سے اپنے آپ کو جھاڑتے ہوئے کھڑی ہو رہی تھی انہوں نے جب جولیا کو زندہ سلامت دیکھا تو جیم، جینی اور ہیری خوشی سے چیختے ہوئے اس کے ساتھ جا کر چمٹ گئے۔

اور ان سے تھوڑے فاصلہ پر لنگڑ بھگے ایک انسانی ٹانگ پر چھینا جھپٹی کر رہے تھے جس کے پاؤں میں جوتا بھی تھا یہ ٹانگ گائیڈ مائیکل کی تھی جس نے جولیا کے پہلے شوہر سے کچھ رقم لے کر جولیا اور بچوں کو ان شیروں کے ایریا میں چھوڑ دیا تھا اور خود وہاں سے بچ کر نکلنا چاہتا تھا لیکن شیر نے اس کا تیا پانچا کر کے رکھ دیا۔

اور پھر اچانک شیر کی نظر بچ جانے والوں پر پڑی تو وہ دھاڑتا ہوا ان کی طرف دوڑا اور دور سے ہی اس نے چھلانگ لگائی مگر اچانک زبردست دھماکہ ہوا گولی چلنے کی، دو گولیاں چلی تھیں اور شیر ہوا میں قلابازی کھاتے ہوئے زمین پر دھپ سے گر پڑا پھر جولیا اور دیگر لوگوں کی اس طرف نظر گئی تو انہوں نے دیکھا کہ وہی جوڑا جس نے پہلے بھی جولیا اور اس کے دونوں بچوں کو شیر نی سے بچایا تھا وہ شیر کے قریب کھڑے مسکرا رہا تھا۔

پھر وہ دونوں جولیا اور ان لوگوں کے قریب آئے تو جھٹ جولیا نے سوال کر دیا ''پلیز! آپ بتائیں گے کہ آپ دونوں کون ہیں اور ہماری مدد کر رہے ہیں ہم آپ کے احسان مند ہیں کہ آپ لوگوں نے ہماری جان بچائی۔

یہ سن کر وہ دونوں مزید مسکرائے اور مرد گویا ہوا ''دراصل ہم دونوں روحیں ہیں اور ہمارے ساتھ بھی دھوکہ ہوا تھا اور ہم مارے گئے مگر اب ہم معصوم لوگوں کی مدد کرتے ہیں اور ہاں آپ کا گائیڈ بے ایمان اور مکار آدمی تھا جو کہ اپنے انجام کو پہنچ گیا..... اب آپ لوگ آرام سکون کے ساتھ جائیں اب کوئی خطرہ نہیں ہے اچھا اب ہم چلتے ہیں'' اور یہ کہہ کر دونوں دھوئیں میں تحلیل ہو کر غائب ہو گئے اب وہ لوگ بچ کر وہاں سے نکل گئے تھے اور کیمپ میں پہنچ کر خوشی منا رہے تھے۔

لمحہ

سیدہ عطیہ زاہرہ-لاہور

کیا موت کے بعد بھی کوئی زندگی ہے کیا روح کا کوئی وجود ہے موت کا ایک وقت مقرر ہے اور موت کے بعد یہ بھی حقیقت ہے کہ ایک اور نہ ختم ہونے والی زندگی کی شروعات ہوتی ہے لیکن.....

بھولی بھالی صورت والے ہوتے ہیں جلاد بھی..... اسی کے مصداق سبق آموز کہانی

یہ کیا ہوا تھا؟ میں جو گزشتہ کافی دنوں سے ایک بے چینی میں مبتلا تھا۔ وہ بے قراری۔۔۔ وہ بے چینی جس کا میں شکار تھا۔ وہ ایک دم سے ختم ہو گئی تھی۔ میں جو کہ ان دیکھے درد کا شکار تھا۔ وہ درد اب بالکل نہیں تھا۔ یوں لگ رہا تھا۔ جیسے میری تمام مشکلیں ایک دم سے ختم ہو گئی ہیں۔ میری آنکھوں کی اس وقت عجیب سی حالت ہو رہی تھی۔ مجھے یوں لگ رہا تھا۔ جیسے ایک دم ان میں وافر روشنی بھر گئی ہو۔ میں نے سوچا کہ میں صبح ہی کسی اچھے ماہر چشم سے رابطہ کرتا ہوں انہی سوچوں میں میری نظر اپنی بیوی پر پڑی۔ وہ بہت گھبرائی ہوئی سی لگ رہی تھی اور اس کی نظریں کسی ایک نقطے پر جمی ہوئی تھیں۔ میں نے اسے آواز دی مگر اس نے سنی ہی نہیں۔۔۔ اسی لئے میں نے اس کی نظروں کا تعاقب کیا تو مجھے حیرت کا ایک شدید جھٹکا لگا۔

ایک لمحہ کے لئے میں چکرا کر رہ گیا۔ کیا ایسا سچ میں ممکن ہے؟ میری بیوی مجھے مستقل جھنجھوڑ رہی تھی۔ مگر میں تو یہاں کھڑا تھا۔ پھر وہ کون تھا۔ جو بستر پر ساکت پڑا تھا۔ کیا

میں اپنے جسم کو چھوڑ چکا تھا؟ یہ کیا تماشہ تھا؟ وہ مجھے جھنجھوڑ رہی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ دہشت ناک انداز میں چیخ بھی رہی تھی۔ مجھے آوازیں دے رہی تھی۔ عدنان۔۔۔۔ عدنان۔۔۔۔ اُٹھو۔۔۔۔ اُٹھو۔۔۔۔ آنکھیں کھولو۔

میری نگاہیں مسلسل اپنے جسم پر جمی ہوئی تھیں۔ اس طرح کی حالت میں میں نے بہت سے جسم دیکھے تھے۔ انسانوں کے بھی اور جانوروں کے بھی۔۔۔۔۔! اس وقت میرا جسم بھی ایسا لگ رہا تھا۔ جیسے موسم سرما کی ایک یخ بستہ صبح کے وقت میں کسی جانور کی اکڑی ہوئی لاش ملے اور خوف ناک لگے۔ مجھے اپنے آپ کو اس حالت میں دیکھ کر ابکائی سی آنے لگی۔ میں نے اپنی بدلتی کیفیت کو قابو کیا اور اپنی بیوی کو دیکھا۔ اُس کے ہاتھ اچانک سے رُک گئے تھے۔ اس نے میرے جسم کو جھنجھوڑنا یک لخت موقوف کر دیا تھا اور اُٹھ کر نیچے جانے لگی۔ وہ یُوں چل رہی تھی۔ جیسے اُسے ہوا میں معلق کر دیا گیا ہو اور اب کوئی انجانی قوت اُسے اڑائے لے جا رہی ہو۔ وہ نیچے پہنچی۔ میں بھی اُس کے تعاقب میں تھا۔ وہ سیدھی فون کے پاس پہنچی۔ چند لمحے وہ یُوں ہی خلا میں گھورتی رہی اور پھر اس نے کوئی نمبر ڈائل کرنا شروع کر دیا۔ لائن ملتے ہی وہ بولی۔

"ڈاکٹر انکل جتنا جلدی ممکن ہو سکے آپ آجائیے۔۔۔۔!"

اس کے بعد وہ دوسری طرف کی بات سننے لگی اور پھر بولی۔

"آپ کوئی سوال نہ کریں۔ بس آجائیے۔"

یہ کہتے ہی اُس نے ریسور کریڈل پر رکھ دیا۔

کچھ ہی دیر میں ایک بوڑھا ڈاکٹر جو کہ پستہ قد تھا اور اُس کا نام ڈاکٹر فیاض تھا آگیا تھا۔ اُسے آنے میں چند منٹ ہی صرف ہوئے تھے۔ وہ ہمارا خاندانی ڈاکٹر تھا۔ میں دیکھ رہا تھا، کہ وہ اب میری بیوی کے ساتھ ہمارے بیڈروم میں جا رہا تھا۔ وہاں جہاں میں نے خود کو اس حالت میں دیکھا تھا، کہ مجھے ابکائی سی آنے لگی تھی اپنی حالت کی وجہ سے۔۔۔۔۔ مگر اس کے باوجود میں ان کے تعاقب میں گیا۔ ڈاکٹر فیاض مجھ پر جھکے میرا معائنہ کر رہا تھا۔ مگر میں تو یہاں تھا پھر وہ۔"

وہ میرا جسم تھا شاید اور ڈاکٹر پوری توجہ سے میری نبض چیک کر رہا تھا۔ میری نبض کو جانچنے کے بعد ڈاکٹر نے باریک سی ٹارچ سے میری آنکھیں چیک کیں۔ پھر یکا یک مجھے نجانے کیا ہوا کہ میں نے چلانا چاہا۔ میں نے اپنے جسم کے ہر عضو کو حرکت دینے کی کوشش کی۔ مگر میں اس میں ناکام رہا۔ ایسے میں میں نے اپنی بیوی کی آواز سنی۔

"عدنان۔۔۔۔؟ کیا وہ۔۔۔۔؟" اُس کی آواز میں لرزش تھی۔ وہ حیرت و تعجب سے ڈاکٹر کو دیکھ رہی تھی۔

ڈاکٹر فیاض سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اس نے اپنے جملہ اوزار اپنے بیگ میں رکھے اور

انتہائی گھمبیر آواز میں بولا۔

"ہاں یہ ایک حقیقت ہے کہ عدنان اب ہم میں نہیں رہے۔۔۔۔!"

"مگر۔۔۔۔!"

"میں نے تمہیں پہلے ہی خبردار کیا تھا، کہ ایسا کسی بھی وقت ہو سکتا ہے۔"

"جی۔۔۔۔ آپ درست کہہ رہے ہیں۔ اسی لئے میں اس حادثے کے لئے تیار تھی۔"

یہ کہتے ہوئے میری بیوی کی آواز میں بہت سکون تھا۔

میں نے دل ہی دل میں اس کی قوت برداشت کو داد تھی۔ اس نے میرے انتقال کی خبر کس قدر سکون سے سنی تھی۔

"لیکن میری موت نہیں ہوئی تھی۔ میں زندہ ہوں۔ کوئی میری فریاد سنے گا۔"

میں نے اپنے حلق سے آواز نکالنے کی بھرپور کوشش کی مگر میں اس میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

پھر میں نے دیکھا کہ ڈاکٹر فیاض اپنی گھڑیا سی لکھائی میں میری موت کا پروانہ لکھ رہا تھا۔ اپنا کام ختم کرنے کے بعد وہ میری بیوی سے مخاطب ہوا۔

"مجھے بے حد افسوس ہے مگر موت کا ایک وقت مقرر ہے۔ اس کے باوجود میں حیران ہوں، کہ مسٹر عدنان اپنی زندگی کی گاڑی اتنے عرصے تک کھینچنے میں کامیاب کیسے ہو گئے؟"

جواب میں میری بیوی دو آنسو بہا کر رہ گئی۔

ایسے میں، میں نے اپنے اندر تھوڑی سی زندگی محسوس کی مگر صرف چند منٹوں کے لئے اس کے بعد سب ختم ہو گیا۔ میں اکثر اس بات پر غور کیا کرتا تھا۔ کہ آخر موت کیا شے ہے؟

"کیا موت کے بعد بھی کوئی زندگی ہے؟ کیا روح کا کوئی وجود ہے؟ میں اپنی زندگی میں مذہب سے بہت دور رہا ہوں۔ کبھی مسجد میں نہیں گیا۔ کبھی اپنے گناہوں کی معافی نہیں مانگی۔ کبھی گناہ کو گناہ نہیں سمجھا۔ میں زندگی کو ہمیشہ قانون قدرت ہی سمجھتا رہا۔ لیکن اب مجھے احساس ہو رہا تھا کہ میں غلط تھا۔ ان ہی خیالوں کے دوران میری نظر اپنی بیوی پر پڑی۔

ڈاکٹر جا چکا تھا اور وہ میرے اکڑے ہوئے بدن کے پاس کھڑی تھی۔ وہ بے حد حسین تھی۔ اُس کا خوبصورت بدن کبھی میرے پہلو میں ہوا کرتا تھا۔ مگر اب میں اس کے قابل نا رہا تھا۔ میں کف افسوس مل رہا تھا۔ ایسے میں میں نے اُسے دوبارہ غور سے دیکھا۔ وہ میری بے جان آنکھوں میں جھانک رہی تھی اور پھر اُس نے مجھے سفید چادر سے ڈھک دیا۔ اُس کی اس بے حسی پر میرا دل بہت رنجیدہ ہوا۔ مگر وہ کمرے سے باہر چلی گئی۔ میں اُس کے تعاقب میں گیا تو دیکھا وہ پھر ریسور اُٹھا کر کوئی نمبر ڈائل کر رہی تھی۔ لائن ملتے ہی وہ بولی۔

"زید۔۔۔۔ سب کام اچھی طرح انجام کو پہنچ گیا وہ مر چکا ہے۔ ڈاکٹر نے اُس کی موت کی تصدیق کر دی ہے۔ سب کچھ بالکل اسی طرح سے ہوا ہے جس طرح سے ہم نے سوچا تھا۔

"نہیں۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔ میں ابھی نہیں آسکتی اور تم بھی مت آؤ۔ اپنے جذبات پر قابو رکھو۔ ایک ذرا سی بے احتیاطی سے سارا منصوبہ خراب ہو جائے گا۔ اچھا۔۔۔۔ اچھا۔۔۔۔ اللہ حافظ!"

مرمریں بدن کی مالک بیوی کے یہ الفاظ میرے اوپر عذاب بن کر نازل ہوئے۔ پھر میں نے اپنے آپ کو یہ سوچ کر تسلی دی کہ میں خواب دیکھ رہا ہوں۔ یہ الفاظ میری بیوی کے نہیں ہو سکتے۔ وہ تو ایک پست حوصلہ اور جذبات سے عاری عورت تھی۔ میری ہر بات وہ چپ کر کے سنتی تھی۔ مگر ایک بات تھی کہ اس نے خانگی زندگی میں کبھی گرم جوشی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ میرے ساتھ وہ ہمیشہ برف بنی رہی۔ میری ماں نے جب اس کے اس رویے پر تنقید کی تو میں نے اس کی صفائی دی "کہ وہ نئے نئے ماحول میں آئی ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ٹھیک ہو جائے گی۔"

"اچھا۔۔۔۔ پھر تو یہ کوئی معجزہ ہی ہو گا۔"

میری ماں نے اپنے تجربات کی روشنی میں کہا۔ پھر وہی ہوا جو میری ماں نے کہا تھا۔ اُس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ شاید اُس کا ذہن لطیف جذبات سے عاری تھا، لیکن نہیں۔۔۔۔ میں غلط تھا۔ وہ ابھی ابھی جو کچھ کہہ رہی تھی۔ اس کا تعلق لطیف جذبات سے ہی تو تھا۔

میں ایک دائمی مریض ہوں۔ میرے ساتھ زندگی گزارا کر وہ کہاں خوش ہوتی۔۔۔۔ لیکن چلو میری موت سے اُس میں خود اعتمادی تو آئی۔ پھر ایک سہارا ابھی ہے اُس کے پاس۔۔۔۔ میں نے سوچا اور دیکھا کہ اب میرے جسم کو قبرستان لے جایا جا رہا ہے۔ میں بھی ساتھ ہو لیا۔ پھر دیکھا کہ میرے جسم کو قبر میں اُتار دیا گیا۔ میرے اپنوں نے مجھے حسرت سے دیکھا۔ مجھے دفنا کر دعا کی گئی۔ ساری کاروائی مکمل ہو گئی۔ سب لوگ واپسی کے سفر پر چل پڑے۔ میں بھی ساتھ ہو لیا۔

میں گھر آیا۔ تو میری بیوی نے کچھ ہی دیر میں تمام مہمانوں کو رخصت کر دیا۔ اب وہ اکیلی تھی۔ وہ ہمارے سونے کے کمرے میں آئی۔ کپڑوں کی الماری سے اک چھوٹی سی بوتل نکالی اور اُسے لے کر باغیچے میں چلی آئی۔ پھر ایک گڑھا کھود کر اُس نے اس بوتل کو اس میں دفن کر دیا۔ بالکل اس طرح جیسے میرے اپنے مجھے دفن کر آئے تھے۔ اپنا کام مکمل کرنے کے بعد وہ بہت پُرسکون نظر آرہی تھی۔ جبکہ میں دکھ اور حیرت سے اُسے دیکھ رہا تھا۔

اپنی بیوی کی بے وفائی اور عزیزوں کی عجلت نے مجھ پر ایک لمحہ میں ظاہر کر دیا کہ میں مر چکا ہوں۔ اب کیا بتاؤں؟ کہ آگے کا سفر مجھے پکار رہا ہے۔ جس سے میں واپس شاید نا آسکوں۔

وقار عظیم پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

مثلِ ابلیس

ضرغام محمود۔کراچی

نوجوان لڑکی اچانک وحشت ناک انداز میں چیخنے لگی اس کی شعلہ اگلتی آنکھوں میں خوف تھا اور پھر جیسے ہی دم کیا ہوا پانی کا چھینٹا اس کے چہرے پر پڑا تو اس کے منہ سے درد ناک چیخ بلند ہوئی اور پھر......

جسم وجاں کے رونگٹے کھڑے کرتی اور خوف وہراس کے لبادے میں لپٹی خوفناک کہانی

میں اپنے کمرے میں آرام کرسی پر بیٹھا کتاب پڑھ رہا تھا کتاب بہت دلچسپ تھی لہذا میں پورے انہماک کے ساتھ کتاب کے مطالعے میں غرق تھا کمرے میں مکمل خاموشی چھائی ہوئی تھی اچانک کمرے کی خاموش فضا کو ٹیلیفون کی گھنٹی کی کرخت آواز نے توڑا اور فضا ٹیلیفون کی گھنٹی کی آواز کے ارتعاش سے تھرتھرا گئی۔ میں نے اپنا انہماک ٹوٹنے پر ناگوار نظروں سے ٹیلیفون کو گھورا۔

''شرفو۔۔۔شرفو۔'' میں نے شرفو کو آواز لگائی مگر میری آواز شرفو تک نہ پہنچی کیونکہ وہ اسٹڈی روم میں داخل ہوتا ہوا نظر نہیں آیا بادل نخواستہ میں نے کتاب کو نشانی لگا کر بند کیا اور میز پر رکھا اور آرام کرسی جس پر میں بیٹھا کتاب پڑھ رہا تھا اس کرسی پر سے میں اٹھا اور ٹیلیفون کی جانب بڑھا ٹیلیفون کی گھنٹی مسلسل بج رہی تھی میں نے ریسیور اٹھایا تو گھنٹی بجنا بند ہوگئی میں نے ریسیور کان سے لگایا اور نرم لہجے میں کہا

'' السلام علیکم۔۔۔پروفیسر اوصاف علی ہمدانی بات کررہا ہوں۔۔''

'' اوصاف۔۔۔میں آصف مغل بات کر رہا ہوں۔۔'' دوسری جانب سے میرے کولیگ اور دوست آصف مغل کی آواز ابھری آصف مغل میرے ساتھ یونیورسٹی میں پڑھاتا ہے اور میری اس سے اچھی خاصی دوستی ہے۔

''آصف۔۔۔کیسے ہو خیریت تو ہے نا؟'' میں نے حیرت سے آصف سے پوچھا کیونکہ ابھی دو گھنٹہ پہلے تو ہم دونوں یونیورسٹی میں ملے تھے۔

''الحمد اللہ میں خیریت سے ہوں۔۔۔بس آپ سے ایک کام آپڑا ہے؟'' آصف بولا ''جی فرمایئے کیا کام ہے؟'' میں نے آصف سے پوچھا۔

''کام آپ کے مطلب کا ہے'' دوسری جانب سے آصف بولا۔

''میرے مطلب کا۔۔کیا مطلب۔۔'' میں نے حیرت سے مسکرا کر پوچھا۔

''بات کچھ بھوت پریت کی ہے۔۔'' آصف ہکلایا۔

''اچھا۔۔اچھا آپ کو کوئی بھوتنی تنگ کررہی ہے۔۔'' میں نے مسکرا کر آصف سے کہا کیونکہ آصف بھی میری طرح کنوارہ تھا۔

''ہمارے نصیب میں کوئی بھوتنی یا چڑیل نہیں لکھی۔۔'' آصف میرا طنز سمجھ کر قہقہہ لگاتے ہوئے کہنے

لگا ''پھر''

''میرے ایک عزیز ہیں ان کی بیٹی کا مسئلہ ہے اس پر شائد کوئی روح وغیرہ کا سایہ ہے'' آصف بولا۔

'' آپ کے عزیز اس وقت آپ کے پاس ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

'' ہاں۔۔میرے ساتھ ہی بیٹھے ہیں'' آصف نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے۔۔آپ اپنے عزیز کو لیکر میرے گھر آجایئے میں ساری تفصیل ان کی زبانی سننا چاہونگا۔۔'' میں نے کہا

''ابھی آجاؤں'' آصف نے اجازت چاہی۔

''ہاں۔۔ہاں۔۔ابھی آجاؤ۔۔'' میں جواب دیا تو آصف نے خدا حافظ کہہ کر ٹیلیفون بند کردیا۔

''شرفو۔۔شرفو'' میں ریسیور کریڈل پر رکھنے کے بعد ایک بار پھر شرفو کو آواز دی۔

''جی صاحب'' اس مرتبہ شرفو فوراً حاضر ہوگیا۔

''کہاں تھے میں کافی دیر سے آواز لگا رہا تھا؟'' میں نے شرفو سے پوچھا ''باہر سبزی والے سے سبزی لے رہا تھا'' شرفو نے جواب دیا۔

''اوہ'' میرے منہ سے نکلا'' شرفو مہمان آنے والے ہیں تم چائے بنالو اور کچھ ریفرشمنٹ کا بھی بندوبست کرلو'' میں نے کہا تو شرفو سر ہلاتا ہوا کمرے سے باہر چلا گیا شرفو کے جانے کے بعد میں دوبارہ آرام کرسی پر بیٹھ گیا اور میز پر سے کتاب اٹھا کر پڑھنے لگا۔

ایک گھنٹے بعد اطلاعی گھنٹی بجی تو میں نے کتاب بند کر کے میز پر رکھی اور آرام کرسی سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

تھوڑی دیر میں شرفو آصف مغل اور ایک فربہی مائل آدمی کے ساتھ اسٹڈی روم میں داخل ہوا۔

''السلام علیکم'' میں نے سلام میں پہل کی تو آصف مغل اور ان کے دوست نے بھی باآواز بلند سلام کا جواب دیا، میں نے آصف اور ان کے دوست سے گرمجوشی سے ہاتھ ملایا۔

''یہ پروفیسر اوصاف علی ہمدانی ہیں اور یہ میرے دوست ریاض علی ہیں'' صوفے پر بیٹھنے کے بعد آصف نے اپنے دوست کا تعارف مجھ سے اور میرا تعارف اپنے دوست سے کرایا میں نے ایک میٹھی مسکراہٹ کے ساتھ آصف کے دوست کا خیر مقدم کیا۔

''اوصاف ان کی بیٹی کے ساتھ کچھ مسئلہ ہے'' کچھ دیر بعد جب سب آرام سے صوفوں پر بیٹھ گئے تو آصف بولا

''ہوں'' میں نے گہری نظر سے آصف کے دوست ریاض کا معائنہ کرتے ہوئے کہا'' کس قسم کا مسئلہ''؟

''ان کی آٹھ سال کی بیٹی مہوش ریاض جسے پیار سے سب بلی کہتے ہیں اس پر کوئی روح یا بھوت وغیرہ آ گیا ہے'' آصف نے تفصیل سے جواب دیا''

آپ کو کیسے معلوم کے بلی پر کوئی بھوت یا روح آئی ہے''؟ میں نے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے براہ راست ریاض سے پوچھا، چائے اور دیگر لوازمات ابھی ابھی شرفو رکھ کر گیا تھا۔

''کچھ واقعات ایسے ہوئے ہیں جس سے اندازہ ہوا کہ بلی پر کچھ اثر ہے'' ریاض نے جواب دیا جسم کی طرح ریاض کی آواز بھی کافی بھاری تھی۔

'' آپ مجھے شروع سے ترتیب کے ساتھ تمام واقعات بتایئے'' میں نے چائے کی چسکی لیتے ہوئے کہا اور ساتھ ہی آصف اور ریاض کو بھی ریفرشمنٹ کے ساتھ انصاف کرنے کا اشارہ کیا۔

''یہ چھ ماہ پہلے کی بات ہے'' ریاض بھی چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے کہنے لگا'' مجھے پچھلے مکان مالک نے مکان خالی کرنے کا نوٹس دیا تو میں ایک پراپرٹی ڈیلر کے ساتھ شہر میں کرائے کے مکانات دیکھتا پھر رہا تھا۔

'' ایک ہفتہ ہوگیا تم نے اب تک مجھے کوئی ڈھنگ کا مکان نہیں دکھایا'' ایک دن میں نے جھنجھلا کر پراپرٹی ڈیلر رؤف سے کہا۔

''وہ گلشن والا مکان تو بہت اچھا تھا'' رؤف نے جواباً کہا۔

'' اس کا کرایہ کتنا تھا۔۔؟ میری پوری تنخواہ کرائے میں نکل جاتی پورا مہینہ کھاتا کہاں سے؟'' میں نے گاڑی کا گیئر تبدیل کرتے ہوئے کہا۔

'' مکان اچھا ہوگا تو کرایہ تو زیادہ ہوگا'' رؤف پان منہ میں ڈالتے ہوئے کہنے لگا۔

''یار۔۔تھوڑا کم کرائے پر اچھا مکان دلوادو'' میں نے رؤف سے عاجزانہ لہجے میں کہا۔

'' ہوں'' رؤف سوچتے ہو بڑبڑایا'' ایک مکان ہے تو مگر۔۔''؟

''مگر کیا؟'' میں نے جلدی سے پوچھا۔

'' چلئے گاڑی موڑیئے اور الطہری سوسائٹی چلئے'' رؤف سوچنے کے بعد بولا۔

'' الطہری سوسائٹی۔۔وہ تو کافی مہنگی جگہ ہے'' میں نے گاڑی کو یوٹرن دیتے ہوئے کہا۔

''ہاں۔۔مگر ایک مکان ہے وہاں آپ کے بجٹ میں آجائے گا اور مکان بھی کافی اچھا ہے'' رؤف بولا۔

''ارے تو پھر پہلے بتانا تھا'' میں نے گاڑی کی رفتار تیز کرتے ہوئے کہا۔

تھوڑی دیر میں ہم الطہری سوسائٹی پہنچ گئے رؤف نے اشاروں سے مجھے راستہ سمجھایا کچھ ہی دیر میں ہم ایک خوبصورت مکان کے سامنے کھڑے تھے۔

'' آیئے ریاض بھائی'' رؤف مکان کا تالا کھولتے ہوئے کہنے لگا اور مکان میں داخل ہوگیا۔

'' مکان کی چابی تمہارے پاس؟'' میں نے حیرت سے پوچھا'' مکان میرے جاننے والے کا ہے اس لئے چابی میرے پاس ہے'' رؤف نے وضاحت کی اور گھر کے اندرونی حصے کی جانب بڑھ گئے میں بھی سر ہلاتے ہوئے ان کے پیچھے چل دیا۔

مکان کافی اچھا اور کشادہ تھا تین بڑے کمرے ٹی وی لاؤنج ڈرائینگ روم اور کھلے صحن کے ساتھ ٹیرس بھی تھا مکان مجھے بہت پسند آیا۔

''مکان بہت اچھا ہے اگر کرایہ میرے بجٹ میں آیا تو میں اسے ضرور کرائے پر لے لونگا'' میں نے مکان دیکھنے کے بعد رؤف سے کہا'' کرایہ آپ کے بجٹ کے لحاظ سے ہی ہے'' رؤف چابی انگلی میں گھماتے ہوئے بولا۔

''کتنا کرایہ ہے''؟ میں نے پوچھا تو رؤف نے جو کرایہ بتایا اس نے مجھے حیرت زدہ کردیا کیونکہ کرایہ میری توقع سے بہت کم تھا۔

''مکان میں کوئی پرابلم تو نہیں ہے جو مکان مالک اتنا کم کرایہ مانگ رہا ہے''؟ میں نے خدشے کا اظہار کیا تو رؤف نے سر ہلا کر میری بات کی تصدیق کی۔

''کیا مسئلہ ہے مکان میں؟'' میں نے رؤف کا ہلتا سر دیکھ کر پوچھا۔

''پچھلے سال اس مکان میں رہنے والی فیملی کی اکلوتی دس سال کی بیٹی جل کر مرگئی تھی تب سے اس مکان کو کوئی کرائے پر نہیں لے رہا'' رؤف نے بتایا

''کیوں؟''

''کہتے ہیں کہ مرنے والی کی روح مکان میں پھرتی ہے'' رؤف بولا

'' وہاٹ ربش۔۔بیہودگی ہے سب۔۔'' میں جھنجھلا گیا'' اکیسویں صدی میں بھی لوگوں کے دماغوں میں یہ سب خرافات بھری ہوئیں ہیں''

میرے اس طرح کہنے پر رؤف سر ہلاتے ہوئے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

'' ویسے وہ بچی کیسے جل کر مری۔۔کیا کسی نے اسے جلایا تھا؟'' کچھ دیر بعد میں نے رؤف سے پوچھا

'' ایمن۔۔۔ایمن نام تھا اس بچی کا۔۔بڑی پیاری بچی تھی بس اس دن بے چاری گھر میں اکیلی تھی۔۔جانے کس ضرورت کے تحت کچن میں گئی اور اسے آگ لگ گئی جب اس کے ماں باپ گھر آئے تو انہیں ایمن کی سوختہ لاش ملی'' رؤف نے افسوس زدہ انداز میں تفصیل بتائی

''پھر''

''بس پھر کیا پولیس نے تفتیش کے بعد اسے حادثہ قرار دیا۔۔کچھ عرصہ بعد ایمن کے ماں باپ یہ مکان چھوڑ کر چلے گئے تب سے یہ مکان خالی پڑا ہے'' رؤف بولا

'' ٹھیک ہے آپ مالک مکان سے میری بات کروادیجئے'' میں نے ساری بات سن کر رؤف سے کہا۔

پاکستان پوائنٹ ڈاٹ کام وقار عظیم

"یعنی آپ مکان کرائے پر لینا چاہتے ہیں؟" رؤف اپنی مسرت دباتے ہوئے بولا شائد مالک مکان نے اسے اچھی رقم دینے کا وعدہ کیا ہوا ہے۔

"یقیناً میں اس مکان کو کسی قیمت پر کھونا نہیں چاہتا" میں نے کہا

"آپ کو بھوت پریت سے ڈر نہیں لگتا؟"

"میں ایسی خرافات پر یقین نہیں رکھتا۔۔آپ مالک مکان سے میری ملاقات کروایئے" میں نے ایک بار پھر کہا

"چلئے۔۔آیئے پڑوس ہی میں رہتے ہیں مالک مکان۔۔۔ الیاس زروانی نام ہے مالک مکان کا۔۔۔ابھی آپ کی ملاقات کروادیتے ہیں" رؤف نے کہا اور گھوم کر مکان کے بیرونی دروازے کی جانب چل دیا میں نے بھی اس کے پیچھے پیچھے اپنے قدم بڑھادیئے۔

مکان سے باہر نکل کر رؤف دائیں جانب مڑا اور برابر والے مکان کے دروازے کے سامنے پہنچ کر رک گیا پھر اس نے سیدھا ہاتھ اٹھا کر اطلاعی گھنٹی پر انگلی رکھی فضا گھنٹی کی آواز سے گونج اٹھی میں رؤف کے ساتھ کھڑا محلے کا جائزہ لینے لگا

"یہ سوسائٹی بہت اچھی ہے وہ سامنے سوسائٹی کا دفتر ہے وہاں پر ایک لڑکا بھولا ہوتا ہے ہر فن مولا لڑکا ہے الیکٹریشن، پلمبر، رنگساز، گیس کے چولھے وغیرہ سب کا کام جانتا ہے سوسائٹی والوں کو کوئی بھی مسئلہ درپیش ہوتا ہے تو وہ بھولا کو ہی بلاتے ہیں" رؤف نے تفصیل سے بتایا اور پھر اپنی انگلی سے ایک جانب اشارہ کیا تو میں نے دیکھا کہ گلی کے موڑ پر ایک کمرہ بنا ہوا ہے جس پر سوسائٹی کی ویلفیر کا بورڈ آویزاں ہے۔

"کیا بات ہے بہت دیر ہوگئی کوئی آیا نہیں؟" جب تیسری بار رؤف نے گھنٹی بجائی اور کوئی باہر نہیں آیا تو میں نے پوچھا

"بڈھا اور بڑھیا اکیلے رہتے ہیں اور اونچا بھی سنتے ہیں" رؤف نے وضاحت کی۔

"کیوں اولاد نہیں ہے؟" میں نے وقت گزاری کے لئے بات شروع کی۔

"ایک بیٹا ہے بیس بائیس سال کا دوسرے شہر میں پڑھتا ہے" رؤف نے بتایا اسی وقت دروازہ کھلا اور ایک بڑے میاں نے دروازے سے باہر جھانکا

"الیاس بھائی میں ہوں رؤف ڈیلر۔۔یہ صاحب آپ کا مکان کرائے پر لینا چاہتے ہیں" رؤف نے قدرے تیز آواز میں الیاس زروانی کو بتایا تو الیاس نے مجھے اوپر سے نیچے تک دیکھا پھر اشارے سے ہم دونوں کو اندر آنے کا کہا میں اور رؤف الیاس زروانی کے پیچھے پیچھے چل دیئے وہ ہمیں لیکر ایک کمرے میں آیا جو کہ ان کا ڈرائنگ روم تھا۔

"یہ ریاض علی ہیں اور یہ الیاس بھائی ہیں" رؤف نے ہم دونوں کا آپس میں تعارف کروایا تو میں نے مسکرا کر الیاس زروانی کی جانب دیکھا مگر الیاس کا سپاٹ چہرہ دیکھ کر میری مسکراہٹ دم توڑ گئی۔

"الیاس بھائی یہ آپ کا مکان کرائے پر لینا چاہتے ہیں" رؤف ایک بار پھر بولا "مکان کے بارے میں سب بتادیا ہے؟" الیاس زروانی نے رؤف سے پوچھا۔

"جی۔۔جی ایمن کے حادثے کے بارے میں میں نے انہیں بتادیا ہے" رؤف جلدی سے بولا۔

"وہ حادثہ کیسے پیش آیا" میں نے بھی بات چیت میں حصہ لیا۔

"بڑی پیاری بچی تھی ایمن۔۔۔بس قسمت کا کیا دھرا ہے اس دن اس کی ماں دوائی لینے گئی تھی وہ اکیلی تھی گھر میں۔۔جانے کس ضرورت کے تحت کچن میں گئی اور اسے آگ لگ گئی۔۔۔اف اس کی لاش دیکھی نہیں جاتی تھی۔۔" الیاس زروانی اپنا چشمہ اتار کر آنکھیں ملنے لگے شائد انہیں معصوم ایمن یاد آگئی تھی۔ اتنی دردناک موت کا سن کر مجھے بھی افسوس ہونے لگا۔

"آپ کو کوئی روح بدروح یا بھوت پریت کا وہم تو نہیں ہے؟" کچھ دیر بعد الیاس زروانی نے مجھ سے سوال کیا۔

"نہیں۔۔نہیں۔اکیسویں صدی میں یہ باتیں

عجیب سی لگتی ہیں" میں نے جلدی سے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے پھر آپ اپنی NIC کی کاپی اور ایڈوانس لے آیئے میں ایگریمنٹ تیار کروالیتا ہوں" الیاس زروانی نے کہا اور صوفے سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے جو اس بات کا اشارہ تھا کہ بات چیت ختم اب آپ لوگ رخصت ہوجائیں۔

"بڑا روکھا آدمی ہے" مکان سے باہر نکل کر میں رؤف سے الیاس زروانی کے بارے میں کہا۔

"پہلے ایسے نہیں تھے بڑے ہنس مکھ اور یار باش قسم کے آدمی تھے جب سے بیٹا دوسرے شہر پڑھنے گیا ہے دونوں میاں بیوں قنوطی ہوگئے ہیں" رؤف نے کہا تو میں سر ہلانے لگا۔

"ان کا بیٹا انہیں کیوں چھوڑ گیا" میں نے گاڑی میں بیٹھنے کے بعد پوچھا۔

"چھوڑ کر نہیں گیا پڑھنے گیا ہے" رؤف نے وضاحت کی۔

"وہ ہی پوچھ رہا ہوں کہ اس شہر میں بھی اچھے اچھے تعلیمی ادارے ہیں پھر دوسرے شہر کیوں گیا۔۔کوئی معاشی پرابلم" میں نے پوچھا۔

"نہیں۔۔کوئی معاشی پرابلم نہیں اچھے کھاتے پیتے لوگ ہیں۔۔بس آج کل کے نوجوان جو سوچ لیا بس وہ کریں گے کتنا سمجھایا عمران کو مگر اس نے سن کر نہ دی اپنی ضد پوری کی" رؤف بڑبڑانے کے انداز میں بولا۔

"عمران؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"عمران زروانی نام ہے الیاس بھائی کے اکلوتے بیٹے کا" رؤف نے وضاحت کی تو بات میری سمجھ میں آئی۔

"ویسے یہ الیاس صاحب تنگ تو نہیں کرینگے"؟ میرے اندر ایک خدشے نے سر اٹھایا۔

"نہیں۔۔نہیں آپ رہ کر دیکھئے گا کتنے نفیس طبیعت کے مالک ہیں الیاس بھائی اور ان کی بیگم" رؤف نے مجھے تسلی دی۔

"ٹھیک ہے پھر آپ ایگریمنٹ وغیرہ تیار کریں مگر کل ایڈوانس لے آؤنگا" میں جواب دیا اور گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھادی۔

اگلے دن میں نے الیاس زروانی کو ایڈوانس کی رقم دی اور ایگریمنٹ پر سائن کر کے ان سے مکان کی چابی لے لی، چابی لینے کے اگلے دن میں اپنی بیوی زرینہ اور آٹھ سالہ شرارتی بیٹی بلی کو مکان دکھانے لے کر گیا۔

جیسے ہی میں نے گاڑی سوسائٹی کے مین گیٹ سے اندر داخل کی اچانک اٹھا ہوا لوہے کا بڑا سا بیریئر ایک جھٹکے سے نیچے آگیا اگر میں ہوشیار نہ ہوتا تو گاڑی بیریئر سے ٹکرا جاتی میں نے گاڑی کو بریک لگا کر باہر کی جانب دیکھا بیریئر بند کرنے والا سوسائٹی کا جوان چوکیدار تھا۔

"کار باہر پارک کرے" چوکیدار نے اپنے ڈنڈے سے اشارہ کرتے ہوئے درشت لہجے میں کہا۔

"تمیز سے بات کرو" میں کھڑکی سے اپنا چہرہ باہر نکال کر چیخا" میں نے یہاں مکان نمبر 333 کرائے پر لیا ہے کھولو بیریئر۔۔"

"سوری صاحب۔۔" چوکیدار نے عجیب سے لہجے میں جواب دیا "گل خان۔۔۔گل خان نام ہے امارا۔۔" چوکیدار گل خان نے اتنا کہہ کر بیریئر کھول دیا گل خان کی نظروں میں کچھ عجیب سی بات تھی، مجھے چوکیدار گل خان قطعی پسند نہیں آیا جب میں رؤف کے ساتھ اس سوسائٹی میں آیا تھا تو یہاں دوسرا چوکیدار تھا شائد چوکیدار شفٹوں میں کرتے ہیں۔

"عجیب بدتمیز آدمی ہے" میں بڑبڑایا۔

"چوکیدار ہے اس کا تو کام ہی پوچھ گچھ کرنا ہے" زرینہ نرم لہجے میں بولی۔

"آدمی کو بات تمیز سے کرنی چاہئے پھر تم نے اس کی آنکھیں دیکھیں کیسی عجیب نظروں سے ہم لوگوں کو گھور رہا تھا" میرا موڈ خراب ہوگیا تھا۔

"اچھا۔۔اچھا آپ اپنا موڈ خراب نہ کریں" زرینہ بولی۔

تھوڑی دیر میں ہم تینوں مکان کے سامنے کھڑے تھے۔

"پپا مکان تو بہت شاندار ہے" بلی مکان دیکھ کر

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
وقار عظیم

مچل گئی زرینہ بھی مکان کے بیرونی کنڈیشن سے کافی متاثر نظر آرہی تھی۔

''اندر سے بھی مکان بہت خوبصورت اور آرام دہ ہے۔۔پھر کرایہ بھی کافی کم ہے'' میں نے کہا اور مکان کا دروازہ کھول کر مکان میں داخل ہوگیا میرے پیچھے زرینہ اور بلی بھی مکان میں داخل ہوگئیں۔

''واقعی مکان تو بہت خوبصورت اور آرام دہ ہے۔۔کمرے بھی کافی کشادہ ہیں'' مکان دیکھنے کے بعد زرینہ کہنے لگی۔

''اور کرایہ بھی ہماری توقع سے کافی کم ہے'' میں جواباً کہا۔

''پپا۔۔پپا مکان کے باہر گارڈن میں جھولا بھی ہے اور سلائیڈ بھی ہے'' بلی بھی مکان دیکھ کر ایکسائیڈ ہورہی تھی۔

''پپا میں جھولا جھول لو'' کچھ دیر بعد بلی بولی۔

''ہاں بھئی۔۔وہ جھولا آپ کا ہے۔۔مگر ابھی جھولا نہ جھولئے اتوار کو صفائی کرکے ہم یہاں شفٹ ہوجائیں گے پھر جی بھر کر آپ جھولا بھی جھولئے گا اور سلائیڈ پر پھسل بھی لیجئے گا'' میں نے بلی کے پھولے پھولے گالوں پر پیار کرتے ہوئے کہا تو وہ اقرار میں سر ہلانے لگی۔

زرینہ بھی مکان دیکھ کر بہت خوش تھی اتنے کم کرائے پر اتنا اچھا مکان کہاں ملتا ہے مگر اسے تھوڑا خوف ایمن کی موت کا تھا ایمن کے متعلق زرینہ کو میں نے ہی بتایا تھا مکان دیکھنے کے بعد زرینہ نے کھل کر اپنے خوف کا اظہار کیا۔

''ہر مکان میں کوئی نہ کوئی حادثہ یا موت ہوتی ہے اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ اس مکان میں لوگ رہنا چھوڑ دیں'' زرینہ کا اعتراض سن کر میں نے جواب دیا۔

''نہیں میرا مقصد یہ نہیں تھا بس میں اس معصوم بچی کی دردناک موت کا سن کر تھوڑی خوفزدہ ہوگئی تھی'' زرینہ نے جلدی سے کہا۔

''وہ ایک حادثہ تھا نہ جانے کیسے اس بے چاری کو آگ لگ گئی افسوس۔۔'' میں نے افسوس زدہ انداز میں کہا اور زرینہ کے کندھے پر تھپکی دے کر اسے تسلی دی تو زرینہ مطمئن نظر آنے لگی۔ایمن کے حادثے کے بارے میں ہم نے بلی کو کچھ نہیں بتایا تھا۔

اگلے اتوار کو میں نے چند مزدور لئے اور مکان کی صاف ستھرائی کروا کے اپنا سامان وہاں شفٹ کردیا۔

چھ ماہ سے ہم لوگ اس مکان میں رہ رہے ہیں۔الیاس زروانی کے متعلق بھی میری رائے بدل چکی ہے الیاس اور اس کی بیوی بہت ملنسار اور غم گسار قسم کے انسان ہیں پہلی بار کا ان کا روکھا رویہ میں بھول چکا ہوں الیاس زروانی اور ان کی بیگم سے میری فیملی کے بہت اچھے تعلقات ہوگئے خاص طور پر میری بیٹی بلی کو دونوں میاں بیوی بے حد پیار کرنے لگے ہیں۔

اس مکان میں رہتے ہوئے ہمیں دو تین ماہ گزر گئے ہمیں وہاں رہتے ہوئے کوئی مسئلہ پیش نہیں آیا ہاں بس بلی میں حیرت انگیز تبدیلیاں رونما ہونے لگیں بلی بہت شوخ وچنچل اور ہلا گلا کرنے والی لڑکی تھی مگر پھر وہ یک دم تنہائی پسند ہوگئی زیادہ بات چیت بھی نہیں کرتی کوئی سوال کرو تو ہوں ہاں میں جواب دینے لگی اپنا زیادہ تر وقت اپنے کمرے میں گزارنے لگی زرینہ اس صورتحال سے بہت گھبرائی مگر میں نے اسے تسلی دی کہ بڑھتی عمر کے بچوں میں اکثر ایسی تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔

پھر ایک رات ٹی وی پر پاکستان کا کرکٹ میچ آرہا تھا اور میں ڈرائنگ روم والے ٹی وی پر میچ دیکھ رہا تھا زرینہ اور بلی کو کرکٹ کا کوئی شوق نہیں تھا لہٰذا دونوں اپنے کمروں میں سو رہی تھیں کہ میں نے بلی کے کمرے کا دروازہ کھلنے کی آواز سنی تو مڑ کر بلی کے کمرے کی جانب دیکھا بلی کے کمرے کا دروازہ کھلا اور بلی کمرے سے باہر نکلی اس کا چہرہ سپاٹ اور بے تاثر تھا اس کی آنکھیں خوفناک حد تک اوپر کو چڑھی ہوئی تھیں اور وہ اِدھر اُدھر دیکھے بغیر سیدھی بیرونی دروازے کی جانب بڑھی۔

''بلی بیٹا۔۔اتنی رات گئے کہاں جارہی ہو؟'' میں نے بلی کو آواز دی مگر بلی نے میری بات نہیں سنی اور بیرونی دروازے کی کنڈی کھولنے لگی میں جلدی سے اپنی

جگہ سے اٹھا اور تیزی کے ساتھ بلی کی جانب لپکا اس سے پہلے کہ بلی دروازہ کھول کو گھر سے باہر جاتی میں نے بلی کو کندھے سے پکڑ کر جھنجھوڑ دیا۔

''کہاں جارہی ہو؟'' میں نے بلی کو جھنجوڑتے ہوئے پوچھا۔

''مم۔۔۔میں۔۔میں کہاں۔۔پپا میں کہاں ہوں؟'' ایسا لگا جیسے بلی گہری نیند سے جاگی ہو۔

''بلی بیٹا۔۔آپ اتنی رات کو کہاں جارہی تھی؟'' میں نے نرم لہجے میں بلی سے پوچھا بلی کی حالت دیکھ کر میں پریشان ہوگیا تھا۔

''میں یہاں۔۔میں تو سو رہی تھی۔۔یہاں کیسے آگئی؟'' بلی خود بھی اپنے آپ کو گھر کے دروازے کے پاس دیکھ کر حیران رہ گئی۔

میں نے بلی کو تسلی دی اور اسے اس کے بستر پر لاکر لیٹا دیا اور اس کو چادر اوڑھا کر سونے کی ہدایت کی۔

اس واقعے کے بعد میں بہت پریشان ہوگیا اور صبح میں نے یہ بات زرینہ کو بتائی تو وہ بھی پریشان ہوگئی۔

اگلے دن میں اور زرینہ بلی کو لیکر ڈاکٹر کے پاس گئے اور اسے ساری صورتحال بتائی تو ڈاکٹر نے بلی کو Sleepwalking (سوتے میں چلنے کی بیماری) کا مریض قرار دیا اور دوائیوں کے ساتھ ہمیں تسلی دی کہ یہ ایسی کوئی خاص بیماری نہیں ہے بلی جلد ہی ٹھیک ہو جائے گی ڈاکٹر کی تسلی کے بعد ہم میاں بیوی کافی حد تک مطمئن ہوگئے۔

اتنا کہہ کر ریاض خاموش ہوگیا اور میز پر رکھے جگ میں سے پانی گلاس میں ڈالنے لگا گلاس بھر پانی پی کر ریاض نے اپنے ہونٹ صاف کئے پھر میری جانب دیکھا میں انہماک سے ریاض کی باتیں سن کر سوچ میں ڈوبا ہوا تھا میری پیشانی پر گہری سوچ کی لکیریں پڑی ہوئی تھیں۔

ریاض کچھ دیر خاموش کچھ سوچتا رہا پھر دھیمے لہجے میں کہنے لگا۔

''اب جو بات میں آپ کو بتا رہا ہوں وہ میرے اور میری بیوی کے علاوہ کسی کو معلوم نہیں ہے لہٰذا آپ لوگ بھی اس بات کو راز ہی رکھئے گا'' ریاض نے میری اور آصف مغل کی جانب التجائی نظروں سے دیکھتے ہوئے دھیمے لہجے میں کہا۔

''آپ بے فکر رہیں ریاض۔۔۔میرا سینہ ایسے کتنے ہی رازوں کا امین ہے'' میں نے ریاض کو مطمئن کیا تو ریاض سر ہلانے لگا۔

''ایک مرتبہ میرے آفس میں کام زیادہ تھا تو میں آفس کا کام گھر لے آیا اور رات کو بیٹھا میں آفس کا کام کررہا تھا زرینہ میرے سامنے پلنگ پر سو رہی تھی جبکہ بلی اپنے کمرے میں سو رہی تھی'' ریاض دوبارہ گویا ہوا۔

''میں بیٹھا آفس کا کام کررہا تھا کہ مجھے بیرونی دروازہ کھلنے کو آواز سنائی دی میں چونکا مجھے فوراً بلی کا خیال آیا میں تیزی کے ساتھ کمرے سے نکلا اور بیرونی دروازے کی جانب دوڑا بیرونی دروازے کے پاس پہنچ کر میں نے دیکھا کہ دروازہ کھلا ہوا ہے میں جلدی سے گھر سے باہر گلی میں نکلا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا مگر گلی مکمل سنسان تھی میں نے اپنی کلائی پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھا رات کے دو بج رہے تھے میں واپس گھر میں آیا اور بلی کے کمرے کی جانب دوڑا بلی کے کمرے میں جاکر میں نے دیکھا کہ بلی اپنے بستر پر نہیں ہے میں دوبارہ بیرونی دروازے کی جانب دوڑا اور جیسے ہی میں بیرونی دروازے کے پاس پہنچا دروازہ ایک جھٹکے سے کھلا اور بلی گھر میں داخل ہوئی۔

''بلی بیٹا۔۔آپ کہاں گئی تھیں؟'' میں نے بلی سے پوچھا مگر بلی نے میری بات کا جواب نہیں دیا اور سیدھی اپنے کمرے کی جانب چلی گئی میں دروازہ بند کر کے بلی کے پیچھے پیچھے اس کے کمرے میں پہنچا کمرے میں پہنچ کر بلی اپنے بستر پر لیٹی اور چادر اوڑھ کر سوگئی۔

میں کچھ دیر حیران و پریشان بلی کے چہرے کو تکتا رہا پھر لائٹ بند کر کے اپنے کمرے میں آگیا۔پوری رات میں نے آنکھوں میں کاٹ دی نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی میں بلی کے لئے پریشان تھا کہ اسے یہ کیسا مرض لگ گیا ہے سویرے سورج نکلنے کے بعد میں

وقار عظیم پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

گھر سے باہر نکلا تو مجھے سوسائٹی کے داخلی دروازے پر کافی لوگ کھڑے نظر آئے میں بھی تیز قدم اٹھاتے ہوئے ان لوگوں کے قریب پہنچا۔

''کیا ہوا؟'' میں نے وہاں کھڑے اپنے ایک ہم محلہ سے پوچھا۔

''توبہ۔۔۔توبہ اتنی دردناک موت'' وہ شخص اپنے گالوں کو ہاتھ لگاتا ہوا بولا۔

''کون۔۔۔کس کی موت ہوگئی؟'' میں نے دوبارہ پوچھا۔

''گل خان کی'' اس شخص نے جواب دیا تو میں ہجوم میں راستہ بناتا ہوا آگے بڑھا اور گل خان کی لاش دیکھنے لگا گل خان کی لاش دیکھ کر مجھے ایک زور کا جھٹکا لگا گل خان کی مضبوط گردن کو کسی نے توڑ کر اسے جان سے مارا تھا گل خان جیسے جوان اور طاقتور شخص کی گردن موڑ کر توڑ دینا اور اسے جان سے مارنا کسی عام آدمی کا کام نہیں تھا۔

''یہ کسی انسان کا کام نہیں ہے ضرور کسی جن یا بھوت نے ایسا کیا ہے'' مجمع سے ایک آواز ابھری۔

''کوئی انسان اتنا طاقتور نہیں ہوسکتا کہ وہ گل خان جیسے طاقتور آدمی کی گردن دوسری جانب گھما سکے آپ ٹھیک کہتے ہیں یہ ضرور کسی جن یا بھوت کا کام لگتا ہے'' دوسری آواز نے پہلی آواز کی تائید کی۔

وہاں پولیس بھی موجود تھی اور اپنی کاروائی کررہی تھی اچانک میری نظر گل خان کی لاش کے قریب پڑے ایک سرخ بٹن پر گئی میں اس بٹن کو بخوبی پہچانتا تھا وہ بٹن بلی کے سلیپنگ سوٹ کا تھا میں گھبرا گیا مجھے ڈر لگنے لگا کہ اگر یہ بٹن پولیس کے ہاتھ لگ گیا تو کیا ہوگا۔ مگر ایسا کچھ نہیں ہوا پولیس نے اس بٹن کو نظر انداز کردیا اور گل خان کی لاش کو ایمبولنس میں ڈال کر لے گئی۔

گل خان کی لاش کے جانے کے بعد بھی میں وہیں کھڑا لوگوں کے تبصرے سنتا رہا کیونکہ میرے دل میں چور تھا میں سوچ رہا تھا کہ کہیں کسی نے بلی کو رات کے وقت گھر سے نکلتے دیکھا تو نہیں۔۔۔مگر ایسا نہیں ہوا کسی نے بھی بلی کو رات کو گھر سے نکلتے نہیں دیکھا۔

سارے محلے والے گل خان کے قتل سے خوفزدہ ہوگئے اکثریت کا خیال تھا کہ کوئی انسان اس طرح قتل نہیں کرسکتا گل خان کا قتل کسی مافوق الفطرت مخلوق ہی نے کیا ہے۔

لوگوں کی رائے سننے کے بعد میں گھر واپس لوٹا تو زرینہ اور بلی اٹھ چکے تھے بلی اپنا سلیپنگ سوٹ تبدیل کر چکی تھی میں نے زرینہ اور بلی سے ہیلو ہائے کرکے سیدھا بلی کے کمرے میں گیا اور میں نے بلی کا سلیپنگ سوٹ چیک کیا اور بلی کے سلیپنگ سوٹ کا ایک بٹن غائب تھا۔

میں بہت ڈر گیا میں نے وہ سلیپنگ سوٹ ایک شاپر میں رکھ کر اپنے آفس کے سامان کے ساتھ رکھ لیا تاکہ آفس جاتے ہوئے اس سلیپنگ سوٹ کو کہیں دور پھینک سکوں۔

ناشتہ کرتے ہوئے میں نے زرینہ اور بلی کو گل خان کے قتل کے بارے میں بتایا تو وہ دونوں دھک سے رہ گئیں مجھے بلی کے ری ایکشن پر حیرت ہورہی تھی وہ زار زار رونے لگی بڑی مشکلوں سے اسے چپ کروایا میں بہت حیران تھا کہ اگر یہ سب بلی نے کیا ہے تو اسے گل خان کی موت کا اتنا شاک کیوں لگا'' ریاض اتنا کہہ کر خاموش ہوگیا۔

''حیرت انگیز بات ہے'' ریاض کی بات سن کر آصف بول اٹھا۔

''کیوں اوصاف تمہیں حیرت نہیں ہوئی'' مجھے خاموش دیکھ کر آصف پوچھنے لگا۔

''نہیں'' میں نے مختصر سا جواب دیا تو ریاض اور آصف دونوں حیرت سے مجھے دیکھنے لگے۔

''میں اس لئے حیران نہیں ہوں کیونکہ میں جانتا ہوں کہ غیر مرئی مخلوقات جیسے روح یا کوئی جن کسی بھی انسان کے دل و دماغ پر قبضہ کرکے اس سے کوئی بھی گھناؤنا کام کرواسکتی ہے جس کا اس انسان کو پتا بھی نہیں چلتا کہ اس نے کتنا گھناؤنا کام کیا ہے'' میں نے تفصیل سے جواب دیا تو دونوں سر ہلانے لگے۔

''اچھا پھر آگے کیا ہوا؟'' ریاض خاموش رہا تو

میں نے اس سے پوچھا۔

اس واقعے کے بعد میں سہم گیا میں نے اس واقعے کے بارے میں کسی کو بھی نہیں بتایا حتا کہ اپنی بیوی زرینہ کو بھی نہیں۔۔۔بس میں خود ہی اندر ہی اندر گھٹنے لگا۔

پھر اس واقعے کے کوئی ایک مہینے بعد شہر میں خوب بادل برسے اور خوب زوروں کی برسات ہوئی تیز بارش کی وجہ سے شہر کے اسکول بند کردیئے گئے تھے بارش اتنی تیز تھی کہ میں بھی دفتر نہیں جاسکا۔

دوپہر کا وقت تھا بارش پوری شدت سے جاری تھی بلی بارش میں نہا کر تھک گئی تھی لہذا دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد سونے کے لئے اپنے کمرے میں چلی گئی تھی زرینہ بھی آرام کررہی تھی میں ڈرائنگ روم کی کھڑکی کے پاس کھڑا چائے کا بڑا سا کپ پیتے ہوئے بارش سے لطف اندوز ہورہا تھا کہ مجھے کھٹکے کی آواز آئی میں نے مڑ کر دیکھا تو بلی بیرونی دروازہ کھول کر باہر جارہی تھی۔

''بلی بیٹا آپ بارش میں بہت نہالی بس اب باہر مت جاؤ'' میں نے بلی کو آواز لگائی مگر بلی نے میری بات کا جواب نہیں دیا اور دروازہ کھول کر باہر چلی گئی میں دوڑ کر دراز تک پہنچا اور دروازے کو کھولنا چاہا تو۔۔۔تو میں دھک سے رہ گیا کیونکہ دروازہ باہر سے بند تھا بلی جاتے ہوئے دروازے کو باہر سے کنڈی لگا کر گئی تھی میں بری طرح ڈر گیا مجھے مہینہ بھر پہلے کی وہ بھیانک رات یاد آگئی جب گل خان کا قتل ہوا تھا میں جلدی سے گھر کی چھت پر پہنچا اور منڈیر سے باہر گلی میں جھانک کر دیکھنے لگا مجھے بلی نظر آئی جو گلی میں سیدھی جارہی تھی میں نے بلی کو آواز دی مگر بارش کے شور میں میری آواز دب گئی بلی سیدھے چلتے ہوئے ویلفیئر ایسوسی ایشن کے آفس میں داخل ہوگئی میں بہت پریشان ہوا کہ اللہ خیر کرے نہ جانے بلی اب کیا گل کھلائے ایسوسی ایشن کے دفتر میں تو اس وقت صرف بھولا ہوگا میں پریشانی کے عالم میں چھت سے نیچے آیا گھر سے باہر جانے کا اور کوئی راستہ نہ تھا لہذا میں بیرونی دروازے کے ساتھ لگ کر کھڑا ہوگیا کہ بلی آئے اور باہر سے دروازے کی کنڈی کھولے میں دروازے کے پاس کھڑا انتظار کررہا تھا کہ زرینہ وہاں آگئی۔

''آپ۔۔۔آپ گیلے کیسے ہوگئے اور یہ دروازے کے پاس کیوں کھڑے ہیں؟'' زرینہ نے حیرت سے مجھ سے پوچھا۔

''بلی۔۔۔باہر گئی ہے'' میں نے مختصر سا جواب دیا۔

''کتنا نہائے گی بلی بارش میں۔۔۔اس طرح تو وہ بیمار ہوجائے گی'' زرینہ بڑبڑائی۔

''اسے دورہ پڑا ہے وہ نیند میں چلتی ہوئی باہر گئی ہے'' میں نے پریشانی سے جواب دیا میرا جواب سن کر زرینہ بھی پریشان ہوگئی۔ اتنے میں باہر سے دروازے کی کنڈی کھولنے کی آواز آئی اور پھر دروازہ کھلا اور بلی گھر کے اندر داخل ہوئی۔

بلی کی حالت دیکھ کر زرینہ کی چیخ نکل گئی میں نے بھی بڑی مشکل سے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر اپنی چیخ روکی کیونکہ بلی کی حالت ہی ایسی تھی اس کے ہاتھ میں ایک بڑا سا خنجر تھا جس سے خون ٹپک رہا تھا بلی کے کپڑے بھی خون میں رنگے ہوئے تھے بلی ہم دونوں کی جانب دیکھے بغیر سیدھی چلتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی میں نے جلدی سے بیرونی دروازہ بند کیا پھر میں اور زرینہ دوڑتے ہوئے بلی کے کمرے میں پہنچے تو دیکھا کہ خنجر بلی کے سرہانے رکھا ہے اور بلی بستر پر لیٹی بے خبر ہورہی ہے۔

''یہ۔۔۔یہ سب کیا ہے؟'' زرینہ سسک پڑی میں نے زرینہ کو تسلی دی اور مختصر الفاظ میں اسے گل خان کے قتل اور بلی کا اس قتل سے کیا تعلق تھا یہ سب بتایا گل خان کے قتل میں بلی کا ہاتھ سن کر زرینہ بہت ڈر گئی۔

میرے کہنے پر زرینہ نے سوئی ہوئی بلی کے کپڑے بدلے پھر میں بلی کے خون آلود کپڑے اور خنجر کو گھر سے دور ایک گٹر میں پھینک آیا۔

شام کو بلی سو کر اٹھی تو اسے کچھ بھی یاد نہیں تھا وہ پہلے کی طرح معصوم تھی زرینہ بلی سے بہت خوف کھانے لگی زرینہ کے ہی کہنے پر میں نے آصف سے رابطہ کیا کیونکہ آصف کئی بار گھر میں آپ کا تذکرہ کرچکا تھا اور

وقار عظیم پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

پھر غائبانہ میں بھی آپ کے بارے میں کافی کچھ جانتا تھا کہ آپ روح وغیرہ کے معاملات کے ماہر ہیں اور مجھے بھی ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ جیسے ببلی کے اوپر کوئی نادیدہ مخلوق قبضہ کرلیتی ہے اور پھر وہ مخلوق ببلی سے قتل وغیرہ کراتی ہے‘‘ ریاض علی اتنا کہہ کر خاموش ہوگیا اور سوالیہ نظروں سے میری جانب دیکھنے لگا۔

’’ہوں‘‘ میں گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا میری پیشانی پر فکر کی گہری شکنیں ابھر آئیں۔

’’کوئی بھی نادیدہ قوت کسی بھی انسان کے دل ودماغ پر قابو پا کر اس سے کوئی بھی گھناؤنا کام کرواسکتی ہے‘‘ میں نے سر ہلاتے ہوئے کہا میری بات سن کر ریاض کے ماتھے پر بھی فکر کی شکنیں ابھر آئیں۔

’’پھر اوصاف اس کا حل کیا ہے؟‘‘ آصف جو اتنی دیر سے خاموش بیٹھا تھا بول اٹھا۔

’’میں آپ لوگوں کے ساتھ چلتا ہوں۔۔وہاں پہنچ کر دیکھیں گے کہ ببلی پر کس مخلوق نے قبضہ کیا ہے‘‘ میں اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا پھر میں اپنے کمرے میں گیا اور چند ضروری سامان اپنے ساتھ لیا اور شرفو کو ہدایات دیتا ہوا آصف اور ریاض کے ساتھ کار میں سوار ہوگیا اور ہم تینوں ریاض کے گھر کی جانب روانہ ہوگئے۔

آدھے گھنٹے کی مسافت کے بعد کار الطمری سوسائٹی کے بڑے سے گیٹ میں داخل ہوئی اور ایک خوبصورت سے مکان کے سامنے ریاض نے کار روک دی کار رکنے کے بعد میں، آصف اور ریاض کار سے اترے اور مکان کے مرکزی دروازے کی جانب بڑھے دروازے کے سامنے پہنچ کر ریاض نے جیب سے چابی نکالی اور دروازے کے کی ہول میں چابی ڈال کر گھمائی ہلکی سے کلک کی آواز ہوئی اور دروازہ کھل گیا ریاض دروازے سے اندر داخل ہوا اور ہمیں بھی اندر آنے کا کہا جیسے ہی میں نے دروازے سے قدم اندر رکھا ایک زوردار چیخ کی آواز بلند ہوئی اور پھر چیخوں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہوگیا چیخوں کی آوازیں سن کر ریاض بری طرح گھبرا گیا۔

’’یہ تو ببلی اور زرینہ کی آوازیں ہیں‘‘ ریاض یہ کہتا ہوا گھر کے اندرونی حصے کی جانب دوڑ گیا میں اور آصف بھی ریاض کے پیچھے چلے مگر اچانک میں ٹھٹھک کر رک گیا۔

’’کیا ہوا اوصاف؟‘‘ مجھے اس طرح رکتے دیکھ کر آصف بھی رک گیا اور پوچھنے لگا۔

’’اس گھر میں ایک روح ہے اور میرے یہاں آنے پر وہ روح بہت غصے میں ہے‘‘ میں نے آصف کو جواب دیا اسی وقت ریاض کی ہلکی سے چیخ کی آواز ہماری سماعت سے ٹکرائی تو ہم دونوں بھی بوکھلا کر آواز کی سمت دوڑ پڑے۔

آواز ایک کمرے سے آرہی تھی اس کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا لہٰذا میں اور آصف کمرے میں بے دھڑک داخل ہوگئے کمرے کے اندر جا کر میں نے دیکھا کہ ایک آٹھ نو سال کی گول مٹول بچی جس نے پیلا فراک پہن رکھا تھا اس بچی کے گھنگروودار بال بکھرے ہوئے تھے اور اس کے سارے بال اس کے چہرے پر آرہے تھے جس کی وجہ سے اس بچی کا چہرہ پہچاننا مشکل تھا وہ بچی کمرے کا سامان اٹھا اٹھا کر ریاض اور اس کی بیوی پر پھینک رہی تھی یہ یقیناً ریاض کی بیٹی ببلی تھی۔

جیسے ہی میں نے کمرے میں قدم رکھا ببلی نے ٹھٹک کر مجھے دیکھا مجھے دیکھتے ہی اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا اور وہ انتہائی کینہ توز نظروں سے مجھے گھورنے لگی کچھ دیر وہ مجھے گھورتی رہی پھر اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑا گلدان پوری قوت سے میری جانب پھینکا تو میں نے نہایت پھرتی کے ساتھ اس گلدان کو کیچ کیا اور پھر گلدان اپنے ساتھ کھڑے آصف کی جانب بڑھا دیا آصف نے جلدی سے میرے ہاتھ سے گلدان لے لیا میری نظریں مسلسل ببلی پر تھیں پھر میں نے اپنے بیگ سے دم کئے ہوئے پانی کی بوتل نکالی اور قرآنی آیات پڑھتے ہوئے ببلی کی جانب بڑھا ساتھ ہی میں نے اشارے سے ریاض اور اس کی بیوی زرینہ کو ببلی سے دور ہٹنے کا کہا تو وہ دونوں ببلی سے دور ہو کر دیوار سے لگ کر کھڑے ہوگئے میں قرآنی آیات پڑھتے ہوئے ببلی کی

جانب بڑھا مجھے اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر ببلی وحشتناک انداز میں چیخنے لگی وہ چیختے ہوئے مسلسل اپنے بال نوچ رہی تھی اور اب اس کی شعلہ اگلتی آنکھوں میں بے بسی نظر آرہی تھی میں نے پانی کی بوتل کھولی اور چلو میں تھوڑا سا پانی لیا اور پانی کا چھینٹا ببلی کے چہرے پر مارا۔

جیسے ہی پانی کا چھینٹا ببلی کے چہرے پر پڑا ببلی کے منہ سے ایک دردناک چیخ بلند ہوئی۔۔۔اور پھر وہ زار زار رونے لگی میں نے ایک بار پھر پانی کا چھینٹا ببلی کے چہرے پر مارا تو ببلی کے رونے کی رفتار تیز ہوگئی اس کی آنکھوں سے مسلسل آنسو جاری تھے ببلی کے اس بری طرح رونے پر میرے ماتھے پر فکر کی شکنیں ابھر آئیں میں نے ایک بار پھر پانی ببلی کے چہرے پر ڈالا تو ببلی ایک دردناک چیخ کے ساتھ بے ہوش ہو کر فرش پر گر پڑی تو ریاض جلدی سے آگے بڑھا اور اس نے بے ہوش ببلی کو سنبھالا اور اسے اپنے بازوؤں میں اٹھا کر بستر پر لیٹا دیا۔

ببلی کے بے ہوش ہونے کے بعد کمرے میں ایک دم سناٹا ہوگیا کمرے میں صرف ہم چاروں کی سانسوں کی آوازیں تھیں میں مسلسل ببلی کے چہرے کو گھور رہا تھا جہاں آنسوؤں کے واضح نشانات تھے ببلی کے چہرے پر آنسوؤں کے نشانات دیکھ کر میں فکر میں ڈوب گیا۔

’’خیریت ہے نا اوصاف؟‘‘ مجھے فکرمند دیکھ کو آصف نے پوچھا۔

’’ہاں۔۔۔ہاں خیریت ہے۔۔میں ببلی کے اس طرح رونے پر فکرمند ہوں۔آج تک میں نے کسی روح کو اس طرح بلک بلک کر روتے ہوئے نہیں دیکھا۔میری زندگی میں کسی روح کے اس طرح رونے کا یہ پہلا واقعہ ہے‘‘ میں نے آصف کو جواب دیا۔

’’میری بیٹی پر کسی روح کا قبضہ ہے؟‘‘ ببلی کی ماں زرینہ نے پہلی بار گفتگو میں حصہ لیا۔

’’ہاں‘‘ میں نے مختصر سا جواب دیا تو زرینہ منہ چھپا کر رونے لگی۔

’’اوصاف اب کیا ہوگا؟‘‘ آصف نے بھی پریشان ہو کر پوچھا۔

’’اللہ خیر کرے گا۔۔۔ہمیں ببلی کے ہوش میں آنے تک انتظار کرنا ہوگا پھر میں اپنا روحوں والا عمل کرونگا تاکہ معلوم ہوسکے کہ ببلی پر قابض روح چاہتی کیا ہے؟‘‘ میں نے آصف کو جواب دیا پھر میں ریاض کی جانب متوجہ ہوا اور اس سے کہا۔

’’جب تک ببلی ہوش میں آتی ہے ایک کمرے میں سفید بے داغ چادر بچھا دو اور لوبان کی دھونی دو۔‘‘

میری بات سن کر ریاض نے اپنی بیوی کی جانب دیکھا تو وہ سر ہلاتی ہوئی کمرے سے نکل گئی پھر میں اور آصف بھی ریاض کے ساتھ ببلی کے کمرے سے نکل کر ڈرائینگ روم میں آکر بیٹھ گئے۔

ایک گھنٹے بعد ہم سب ایک بڑے سے کمرے میں دوزانو بیٹھے تھے ببلی کو بھی ہوش آگیا تھا اس کا چہرہ زرد تھا اور وہ بڑی نقاہت کے ساتھ اپنی ماں کا سہارا لئے بیٹھی تھی سب لوگ نصف دائرے کی صورت میں بیٹھے تھے میں ان سب کے سامنے دوزانو آنکھیں بند کئے بیٹھا تھا۔پھر میں نے اپنی آنکھیں کھولیں اور کمرے میں چاروں طرف نظریں دوڑائیں ’’میں عمل شروع کرنے والا ہوں‘‘ میں نے کمرے کے چاروں طرف دیکھنے کے بعد کہا ’’اس عمل کے دوران کوئی بھی آواز نہیں نکالے گا اور نہ ہی کسی بھی ضرورت کے تحت اٹھ کر کمرے سے باہر جائے گا‘‘ میں نے سب کو ہدایت جاری کی تو سب رضامندی کے انداز میں سر ہلانے لگے۔

’’اگر عمل کے دوران مجھے کوئی تکلیف پہنچ رہی ہو یا میرے منہ سے چیخیں نکلیں تو آپ لوگ گھبرانا نہیں اور نہ ہی مجھے ہلا جلا کر عمل کو خراب کرنے کی کوشش کرنا‘‘ میں نے سب کو تنبیہ کی تو پھر سب سر ہلانے لگے۔

میں نے ریاض، اس کی بیوی زرینہ، ببلی اور آصف مغل کو بغور دیکھا اور پھر اپنی آنکھیں بند کرلیں اور عمل پڑھنا شروع کیا میں روحوں سے رابطہ کر رہا تھا آخر میرا رابطہ ہوگیا اور میں دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوگیا میرا جسم اکڑتا جا رہا تھا میں محسوس کر رہا تھا جیسے میں گوشت پوست کے بجائے پتھر کا بنا ہوا ہوں تکلیف

سے میرا چہرہ سرخ ہوگیا درد کی شدید لہریں میرے جسم سے گزرنے لگیں میں دانت بھینچے عمل پڑھ رہا تھا اور میری تکلیف بڑھتی ہی جارہی تھی اچانک میرے جسم کو جھٹکا لگا اور میری ساری تکالیف ختم ہوگئیں میرا جسم ایک دم ہلکا پھلکا ہوگیا میرے باطنی جسم سے میرے ظاہری جسم کا رابطہ ختم ہوگیا میری روح میرے بدن سے علیحدہ ہوگئی میں نے ایک نظر تمام لوگوں پر ڈالی سب لوگ ہاتھ باندھے دوزانو بیٹھے میرے ظاہری جسم کو دیکھ رہے تھے میرا ظاہری جسم سب لوگوں کے سامنے بیٹھا تھا اور میرا باطنی جسم دیوار کے ساتھ کھڑا تھا۔

میں سب لوگوں پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہوئے کمرے سے باہر نکلا مجھے تلاش تھی اس روح کی جس نے ببلی پر قبضہ کرکے اس سے قتل جیسا گھناؤنا کام کروایا۔ میں ابھی کمرے سے نکلا ہی تھا کہ مجھے سسکیوں کی آوازیں آنے لگیں میں نے کان لگا کر ان آوازوں کو سنا اور پھر سسکیوں کی آواز کی سمت چل دیا میں آواز کی سمت چلتا ہوا کچن تک پہنچ گیا کچن کے سامنے پہنچ کر میں نے دیکھا کہ ببلی کی طرح کی ایک آٹھ دس سال کی معصوم بچی کھڑی ہے اور سسکیوں کے آواز اسی کی ہے وہ زاروقطار رورہی ہے۔

''میں کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر میں نے اس سے پوچھا ''تم ایمن ہو؟''

میری آواز سن کر اس بچی نے نظریں اٹھا کر مجھے دیکھا مجھے دیکھتے ہی اس کی آنکھوں میں شعلے بھڑکنے لگے مگر پھر اس کی آنکھوں میں بے بسی اتر آئی۔

''آپ۔۔آپ یہاں کیوں آئے ہیں۔۔'' وہ لڑکی روتے روتے کہنے لگی۔

''تم ایمن ہو؟'' میں نے اس کا سوال نظر انداز کرکے اپنا سوال پوچھا۔

''ہاں''

''تم مرنے کے بعد کیوں واپس آئی ہو۔۔۔اپنی دنیا میں کیوں نہیں گئی'' میں نے ایمن کی روح سے پھر سوال کیا۔

''مجھے اپنی دردناک موت کا بدلہ چاہئے'' ایمن کے لہجے میں انگارے بھرے تھے۔

''تمہاری موت ایک حادثہ تھی'' میں نے کہا۔

''نہیں۔۔میری موت حادثہ نہیں تھی۔'' ایمن چیخ اٹھی۔

''تم نے بلی کے ذریعے بھولا اور گل خان کو کیوں قتل کیا؟'' میں نے پھر پوچھا۔

''وہ دونوں اسی قابل تھے'' ایمن نے نفرت سے جواب دیا'' اور ابھی ایک شخص اور باقی ہے جو میرے ہاتھوں جہنم واصل ہوگا۔''

''کیوں۔۔۔تم یہ سب کیوں کررہی ہو؟'' میں نے پھر پوچھا تو ایمن میری آنکھوں میں دیکھنے لگی۔

''جو کچھ میرے اوپر گزری ہے اگر میں آپ کو سناؤں تو آپ برداشت نہیں کرپائیں گے'' ایمن کا لہجہ دھیما ہوگیا۔

''کیا ہوا تھا تمہارے ساتھ'' میرے سوال ختم ہونے کو نہیں آرہے تھے۔

''میں آپ کو سب بتاؤں گی مگر آپ کو وعدہ کرنا ہوگا کہ آپ عمران زروانی کو اس سوسائٹی میں لیکر آئیں گے'' ایمن نے شرط رکھی۔

''عمران زروانی۔۔۔الیاس زروانی کا بیٹا۔۔کیوں میں اسے اس سوسائٹی میں کیوں لیکر آؤں؟'' میں نے حیرت سے پوچھا ایمن کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آرہی تھیں۔

''کیونکہ میں اس سوسائٹی سے باہر نہیں جاسکتی'' ایمن بولی۔

''تم۔۔عمران زروانی کو بھی مارنا چاہتی ہو؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں'' ایمن غرائی۔

''کیوں۔۔عمران زروانی نے کیا کیا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''وہ ہی اصل مجرم ہے میرے اوپر ہونے والے ظلم کا'' ایمن پھر غرائی۔

''دیکھو جب تک تم مجھے پوری بات نہیں بتاؤ گی میں تم سے کوئی وعدہ نہیں کرسکتا'' میں نے جواب دیا تو ایمن مجھے گھورنے لگی پھر دھیمی آواز میں کہنے لگی۔

''اس دن شہر میں اچانک تیز بارش شروع ہو گئی۔ ہر جانب جل تھل ہوگیا شہر کے تمام اسکولوں میں جلدی چھٹی دے دی گئی میرے اسکول میں بھی بارش کی وجہ سے جلدی چھٹی ہوگئی اسکول وین مجھے سوسائٹی کے گیٹ پر اتار کر چلی گئی میں بارش میں بھیگتی ہوئی تیز تیز قدموں سے گھر پہنچی تو میں نے دیکھا کہ گھر کے دروازے پر بڑا سا تالا لگا ہوا ہے مجھے یاد آیا کچھ دنوں سے مما کی طبیعت تھوڑی ناساز تھی انہیں آج دوا لینے ہسپتال جانا تھا یقیناً وہ بھی بارش کی وجہ سے ہسپتال میں پھنس گئی ہوں گی۔

دروازے پر تالا دیکھ کر میں گھبرائی نہیں۔۔۔کیونکہ تالے کی ایک چابی میرے بیگ میں ہوتی تھی لہذا میں نے بارش کے پانی سے بچاتے ہوئے بیگ کھولا اور تالے کی چابی نکالی اور دروازہ کھول کر گھر میں داخل ہوگئی گھر میں داخل ہوتے ہی میں نے اسکول بیگ میز پر رکھا اور شوز اتارے اور گیلے یونیفارم کے ساتھ گھر کی چھت پر بارش میں نہانے پہنچ گئی بارش بہت تیز ہورہی تھی لہذا نہانے کا بہت مزا آرہا تھا میں نے اپنے گھر کے چھت پر بارش میں نہاتے ہوئے دیکھا کہ برابر والی چھت پر عمران زروانی، گل خان اور بھولا بھی بارش سے لطف اندوز ہو رہے ہیں میں نے ان تینوں کو دیکھ کر خوشی سے اپنا ہاتھ ہلایا اور عمران بھائی کہہ کر انہیں مخاطب کیا عمران نے بھی مجھے دیکھ کر خوشی سے اپنا ہاتھ بلند کرکے ہلایا۔

میں مزے سے بارش میں نہاتی رہی پھر بارش مزید تیز ہوگئی اور آسمان پر بجلیاں بھی خوب کڑکنے لگیں تو میں ڈر گئی اور جلدی سے چھت سے اتر کر گھر کے اندر آ گئی چھت سے نیچے آتے ہوئے میں جلدی میں چھت کا دروازہ بند کرنا بھول گئی اور یہی میری بھیانک غلطی تھی۔

ابھی میں اپنا گیلا یونیفارم اتار کے گھر کے کپڑے پہن ہی رہی تھی کہ میرے کمرے کا دروازہ کھلا اور عمران زروانی، گل خان اور بھولا میرے کمرے میں داخل ہوئے۔

''عمران بھائی آپ۔۔'' میں گھبرا گئی ان تینوں کی آنکھوں میں شیطانیت ناچ رہی تھی میں بہت ڈر گئی وہ تینوں آگے بڑھے اور انہوں نے مجھے پکڑ لیا میں چیخنے لگی مگر میری چیخیں سننے والا وہاں کوئی نہیں تھا پھر۔۔۔پھر مجھ پر قیامت گزر گئی وہ تینوں ابلیس کے بیٹے شیطان کے چیلے انھوں نے ۔۔۔انھوں نے میرے ساتھ۔۔۔'' ایمن اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکی اس کی آواز اس کی اپنی ہچکیوں میں ڈوب گئی۔ ایمن کی ادھوری بات بھی میں پوری طرح سمجھ گیا خون میری رگوں میں جوش مارنے لگا میری مٹھیاں بھنچ گئیں غصے سے میرا چہرہ سرخ ہوگیا۔۔اگر وہ تینوں خبیث اس وقت میرے سامنے ہوتے تو۔۔تو میں خود انہیں اپنے ہاتھوں سے مار ڈالتا۔

''ان شیطانوں نے اسی پر بس نہیں کیا'' ایمن پھر گویا ہوئی'' اپنی ہوس پوری کرنے کے بعد ان تینوں نے مجھے اٹھایا اور کچن میں لاکر میرے اوپر مٹی کا تیل ڈال کر مجھے آگ لگا دی میں چیختی رہی تڑپتی رہی مگر وہ تینوں کچن کے دروازے پر کھڑے میرا تڑپنا دیکھتے

شوخیاں

ایڈریس پوچھا تو شرما کے وہ کچھ یوں بولے
چوتھی منزل پہ ہمارا ہے ٹھکانہ جاناں

سیڑھیاں چڑھتے ہوئے تھک کے جو پہنچو اوپر
میرے دروازے کو گھٹنے سے بجانا جاناں

پوچھا گھٹنے کی جگہ ہاتھ سے دستک دے لوں؟
بولے محبوب کے گھر یوں تو نہ آنا جاناں

دونوں ہاتھ میں تمہارے کوئی تحفہ ہوگا
اس لئے گھٹنے سے دروازہ بجانا جاناں

(ایس حبیب خان۔کراچی)

رہے" ایمن اتنا کہہ کر خاموش ہوگئی۔

ایمن کی ساری کہانی سننے کے بعد میں خاموشی سے کھڑا اسے دیکھنے لگا اس معصوم بچی پر کتنا ظلم ہوا یہ سوچ کر میں تھرا اٹھا میری آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور میں دکھ بھری نظروں سے ایمن کو دیکھنے لگا۔

"بھولا اور گل خان کو میں نے جہنم واصل کردیا" ایمن کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولی "مگر ابھی عمران زروانی باقی ہے۔۔۔آپ عمران کو کسی طرح اس سوسائٹی میں لے آیئے۔۔۔کیونکہ میں اس سوسائٹی سے باہر نہیں جاسکتی"

"تمہارے ساتھ واقعی بہت ظلم ہوا اور ان ظالموں کو بھیانک سزا ملنی چاہئے گل خان اور بھولا کو تم نے سزا دے دی۔۔۔مگر تم نے سوچا کہ گل خان اور بھولا کو سزا تم نے بلی کو آلہ کار بنا کر دی اس کے دل و دماغ پر قبضہ کرکے اس کے ذریعے تم نے ان دونوں کو قتل کیا۔۔۔تم سوچو اگر بلی کے خلاف پولیس کو کوئی ثبوت مل جاتا تو اس کی تو ساری زندگی جیل میں گزرتی" میں نے ایمن سے کہا۔

"میں مجبور ہوں کیونکہ اس گھر سے باہر میں خود سے کچھ نہیں کرسکتی مجھے کسی کی ضرورت پڑتی ہے اور اس سوسائٹی سے باہر تو میں جا ہی نہیں سکتی" ایمن کے لہجے میں بے چارگی تھی ایمن کی بات سن کر میں سر ہلانے لگا۔

"میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ عمران کو اس سوسائٹی میں لے کر آؤنگا مگر تمہیں بھی مجھ سے وعدہ کرنا ہوگا کہ تم بلی یا کسی بھی دوسرے انسان کو اپنا آلہ کار نہیں بناؤ گی۔۔" میں نے ایمن سے وعدہ کرتے ہوئے شرط رکھی۔

"میں وعدہ کرتی ہوں کہ میں کبھی کسی کے بھی جسم پر قبضہ نہیں کرونگی۔۔مگر آپ عمران زروانی کو اس گھر کے اندر لیکر آیئے کیونکہ اس گھر کے باہر میری طاقت کسی انسان کی محتاج ہوجاتی ہے" ایمن نے مجھے جواب دیا تو میں سوچ میں پڑ گیا۔

"ٹھیک ہے میں عمران کو اس گھر کے اندر لانے کی پوری کوشش کرونگا" میں نے ایمن سے وعدہ کیا۔

"پھر میں بھی وعدہ کرتی ہوں کہ کسی بھی انسان کے جسم پر قبضہ نہیں کرونگی اور نہ ہی کسی کو اپنا آلہ کار بناؤنگی" ایمن نے جواب دیا۔

ایمن کے ان الفاظ کے ساتھ ہی میرا سر زور سے چکرایا اور میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا جب میری آنکھوں کے سامنے سے اندھیرا چھٹا اور میں اپنے حواسوں میں آیا تو میرا باطنی جسم میرے ظاہری جسم میں واپس آچکا تھا میں نے آنکھوں کو کھول کر دیکھا میرے سامنے آصف مغل، ریاض، مسز ریاض اور بلی بیٹھے مجھے گھور رہے تھے مجھے آنکھیں کھولتا دیکھ کر آصف میرے جانب بڑھا اور مجھے سہارا دیا۔

میرے منہ سے ہلکی ہلکی کراہیں نکل رہی تھیں اپنے مادی جسم کو چھوڑ کر باطنی جسم کے ذریعے روحوں سے مخاطب ہونا مشقت طلب کام ہے میری ساری توانائی ضائع ہوجاتی ہے کسی روح سے مخاطب ہونے کے بعد میں اپنے اندر بے انتہا کمزوری محسوس کرتا ہوں ابھی بھی مجھے بہت کمزوری محسوس ہورہی تھی لہذا آصف نے مجھے سہارا دیا اور میں اس کے سہارے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

"اوصاف تم خیریت سے ہونا؟" جب میں آصف کا سہارا لیکر کھڑا ہوگیا تو آصف نے مجھ سے پوچھا۔

"ہاں"

"تم رو رہے تھے اوصاف؟" آصف نے مجھے آنکھیں صاف کرتے دیکھا تو پھر پوچھا۔

"میں نے ظلم کی ایسی داستان سنی ہے کہ میرا دل خون کے آنسو رو رہا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا ہوا کس کے ساتھ ظلم ہوا؟" ریاض جو اتنی دیر سے خاموش تھا بول اٹھا۔

"آپ بلی کو لیکر دوسرے کمرے میں چلی جائیں" میں نے ریاض کو جواب دینے کے بجائے مسز ریاض کو مخاطب کر کے کہا تو وہ بلی کر سہارا دے کر کمرے سے نکل گئیں۔

جب بلی اور مسز ریاض کمرے سے چلی گئیں تو میں نے مختصراً آصف اور ریاض کو ایمن پر ہونے والے

ظلم اور اس کے قتل کے بارے میں بتایا۔

ایمن کے ساتھ ہونے والی زیادتی اور اس کے بے رحمانہ قتل کا سن کر آصف اور ریاض کو بھی بہت دکھ پہنچا۔

"گل خان اور بھولا سے تو ایمن نے بدلہ لے لیا مگر اب باقی بچتا ہے عمران زروانی ۔۔۔۔اسے کسی طرح اس مکان کے اندر لیکر آنا ہے" پوری داستان سنانے کے بعد میں نے کہا۔

"ہوں" وہ دونوں گہری سوچ میں پڑ گئے۔

"کیوں نہ عمران کو اغوا کر کے یہاں لے آیا جائے" سوچنے کے بعد آصف بولا۔

"ہم تینوں میں کون تمہیں ایسا لگتا ہے جو عمران کو اغوا کر کے یہاں لاسکتا ہے"؟ آصف کی بات سن کر میں نے اس سے پوچھا تو وہ ہم دونوں کو بغور دیکھنے کے بعد نفی میں سر ہلانے لگا۔

ہم تینوں دوبارہ سوچ کے سمندر میں غرق ہوگئے۔

"ایک ترکیب آئی تو ہے میرے ذہن میں" کچھ دیر سوچنے کے بعد آصف دوبارہ بول اٹھا آصف کی بات سن کر میں اور ریاض اس کے جانب دیکھنے لگے۔

"کیوں نہ ہم عمران کو فون کر کے کہتے ہیں کہ اس کے ماں باپ کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے اور ان کی حالت سریس ہے یہ سن کر عمران گھبرا کر فوراً یہاں آجائے گا" آصف نے ترکیب بتائی۔

"ترکیب بری نہیں ہے مگر فون سن کر وہ اپنے گھر جائے گا اس مکان میں اسے کیسے لائیں گے"؟ میں نے آصف کی بتائی ترکیب پر غور کرنے کے بعد کہا

"ہم عمران کو فون کرنے کے بعد الیاس زروانی اور مسز الیاس کو کسی بہانے یہاں بلالیں گے جب عمران اپنے گھر پہنچے گا تو اسے اپنا گھر بند ملے گا اور ریاض عمران کو بہلا پھسلا کر یہاں لے آئے گا" آصف نے تفصیل بتائی۔

"ترکیب بہت اچھی ہے مگر اس کے لئے ہمیں عمران کا فون نمبر درکار ہوگا" میں نے آصف کی ترکیب کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔

"میرے پاس عمران کا نمبر ہے" ریاض جو کافی دیر سے خاموش ہماری باتیں سن رہا تھا بول اٹھا ریاض کی بات سن کر میں نے اور آصف سے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا تمہارے پاس عمران کا نمبر کیسے آیا یہ سوال ہماری آنکھوں میں صاف پڑھا جارہا تھا۔

"الیاس زروانی اکثر میرے فون سے اپنے بیٹے کو فون کرتا ہے" ریاض نے ہماری آنکھوں میں ابھرتا ہوا سوال پڑھ کر جواب دیا۔

"تم نے بھی کبھی عمران سے بات کی ہے"؟ میں نے ریاض کی بات سن کر اس سے پوچھا۔

"ہاں کئی بار۔۔میری اس سے اچھی جان پہچان ہوگئی ہے" ریاض نے جواب دیا۔

"گڈ۔۔۔پھر تم عمران کو فون کرو اور اس سے کہو کہ اس کے ماں باپ کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے اور وہ فوراً گھر آئے" میں نے ریاض سے کہا تو ریاض اپنی جیب سے موبائل نکال کر عمران کا نمبر ملانے لگا۔

"عمران اپنے ماں باپ کے ایکسیڈنٹ کا سن کر بہت گھبرا گیا ہے وہ گھر کے لئے روانہ ہورہا ہے" ریاض عمران کو فون کرنے کے بعد ہماری جانب متوجہ ہوا اور کہا۔

"عمران کو یہاں آنے میں ایک ڈیڑھ گھنٹہ لگے گا تم فوراً الیاس زروانی اور مسز الیاس کو یہاں لے آؤ کہیں ایسا نہ ہو کہ عمران وہاں فون کردے" میں نے خدشہ ظاہر کیا۔

"نہیں وہ ایسا نہیں کرے گا میں نے بات کچھ اس ڈھنگ سے کی ہے کہ وہ گھبرا کر فوراً ہوسٹل سے نکل کر یہاں کے لئے روانہ ہوگیا ہے" ریاض نے اعتماد کے ساتھ جواب دیا۔

"پھر بھی تم الیاس اور مسز الیاس کو کسی طرح یہاں لے آؤ" میں نے کہا تو ریاض سر ہلاتے ہوئے کمرے سے نکل گیا ریاض کے جانے کے بعد میں اور آصف بھی کمرے سے نکل کر ڈرائنگ روم میں آگئے اور ڈرائنگ روم کے صوفوں پر بیٹھ کر ریاض کا انتظار کرنے لگے۔

کچھ دیر بعد ریاض بڑے عمر کے ایک آدمی اور ایک

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

عورت کے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہوا میں نے نظر بھر کر ریاض کے ساتھ آنے والے آدمی اور عورت کو دیکھا آدمی دبلا پتلا تھا اس کے چہرے پر سفید براق داڑھی تھی ذہانت اور شرافت اس شخص کے چہرے سے ٹپک رہی تھی آدمی کے برعکس عورت فربہی مائل سرخ وسفید تھی وہ بھی چہرے مہرے سے شریف اور گھریلو معلوم ہوتی تھی ریاض کے ساتھ وہ دونوں ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے ریاض کے ساتھ ان دونوں کو دیکھتے ہی میں سمجھ گیا کہ یہ الیاس زروانی اور مسز الیاس ہے ان دونوں کو دیکھنے کے بعد میں سوچ میں پڑ گیا کہ اتنے شریف والدین کا بیٹا اور اس نے اتنی گھناؤنی حرکت کی مجھے افسوس ہونے لگا۔

''یہ پروفیسر اوصاف علی ہمدانی اور یہ ہمارے مکان مالک اور پڑوسی الیاس زروانی اور ان کی مسز ہیں'' ریاض نے قریب آنے کے بعد ہمارا آپس میں تعارف کروایا تو الیاس نے مجھ سے نہایت تپاک سے ہاتھ ملایا اور مسز الیاس نے بھی نہایت ادب سے مجھے سلام کیا۔

''پروفیسر صاحب یہ لوگ آپ کے بہت عقیدت مند ہیں جب میں نے بتایا کہ آپ میرے گھر آئے ہوئے ہیں تو یہ فوراً آپ سے ملنے چلے آئے'' ریاض نے تعارف کروانے کے بعد مجھ سے کہا۔

''پروفیسر صاحب آپ نے میرے بڑے بھائی کی بیٹی کو جس پر ایک بھوت نے قبضہ کرلیا تھا آپ نے اسے اس بھوت سے نجات دلائی تھی'' الیاس نے مجھے پرانی بات یاد دلانے کی کوشش کی۔

''آپ کے بھائی کا نام کیا تھا؟'' میں نے الیاس کو گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''فیروز زروانی۔۔۔مہتاب نگر میں رہائش ہے'' الیاس نے جواب دیا تو میں سر ہلانے لگا کافی عرصہ پہلے مہتاب نگر میں ایک بھوت نے ایک معصوم لڑکی پر قبضہ کرلیا تھا جس کی وجہ سے اس لڑکی کے گھر والے بہت پریشان تھے میں نے اس لڑکی کو اس بھوت سے نجات دلائی تھی جس کی وجہ سے اس لڑکی کے گھر والے میرے بہت احسان مند ہوئے تھے۔

''ہاں یاد آیا تو فیروز آپ کے بڑے بھائی ہیں'' میں نے یاد کرتے ہوئے کہا۔

''جی۔۔وہ میرے بڑے بھائی ہیں انھوں نے آپ کی اتنی تعریفیں کی کہ میں بنا دیکھے ہی آپ کا معتقد ہوگیا'' الیاس عقیدت سے بولا تو میں نے اطمینان کا سانس لیا کہ اب الیاس اور مسز الیاس کو ایک ڈیڑھ گھنٹہ روکنا کوئی مسئلہ نہیں تھا میں الیاس اور ان کی مسز سے باتیں کرنے لگا ان دونوں کو جن بھوت اور ارواح وغیرہ کی باتوں سے خاصی دلچسپی تھی لہذا وہ انہماک کے ساتھ میرے باتیں سن رہے تھے میں بھی ایک کے بعد ایک قصہ سنا رہا تھا تاکہ وقت گزر جائے اور عمران زروانی ہوسٹل سے آجائے۔

ہمیں باتیں کرتے ہوئے گھنٹے سے اوپر ہو چلا تھا میں نے گھڑی میں وقت دیکھا اور ریاض کو آنکھ سے اشارہ کیا تو ریاض ایکسکیوزمی کہتا ہوا ہمارے درمیان سے اٹھا اور اور دروازہ کھول کر باہر چلا گیا تاکہ عمران زروانی جب اپنے گھر آئے تو ریاض اسے بہانے سے یہاں لے آئے۔

ریاض کے جانے کے بعد ہم پھر باتیں کرنے لگے ریاض کو گئے پندرہ منٹ گزر گئے پندرہ منٹ بعد ریاض کے گھر کا بیرونی دروازہ کھولنے کی آواز آئی اور کچھ ہی دیر بعد ریاض ایک بیس بائیس سال کے نوجوان لڑکے کے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہوا لڑکے کو دیکھتے ہی میں سمجھ گیا کہ یہ عمران زروانی ہے۔

عمران کندھے پر بیگ لٹکائے ڈرائنگ روم میں داخل ہوا اور اس کی نظریں ہم سب پر سے ہوتی ہوئی اپنے ماں باپ الیاس زروانی اور مسز الیاس پر ٹھہر سی گئیں۔

''ڈیڈی ۔۔ممی آپ۔۔آپ لوگ ٹھیک ہیں؟'' اپنے ماں باپ کو دیکھ کر عمران کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

''عمران بیٹا۔۔۔تم۔۔تم بغیر اطلاع کے آگئے؟'' الیاس زروانی کے منہ سے اپنے بیٹے کو دیکھ کر نکلا اپنے بیٹے کو دیکھ کر الیاس اور مسز الیاس کی آنکھیں

چمکنے لگیں۔

''ڈیڈی آپ لوگ ٹھیک ہیں''؟ ایک بار پھر عمران کے منہ سے نکلا اور وہ اپنے ماں باپ سے لپٹ گیا مسز الیاس چٹ چٹ عمران کے گالوں پر پیار کرنے لگی۔میں خاموشی سے کھڑا یہ مناظر دیکھ رہا تھا۔

''ہاں بیٹا ہم لوگ بالکل ٹھیک ہیں؟'' بالآخر الیاس نے اپنے بیٹے کے سوال کا جواب دے ہی دیا۔

''مگر۔۔مگر مجھے تو آپ کے ایکسیڈنٹ کی خبر ملی تھی'' عمران نے کہا۔

''ایکسیڈنٹ۔۔نہیں ہمارا تو کوئی ایکسیڈنٹ نہیں ہوا۔۔تمہیں یہ جھوٹی خبر کس نے دی'' مسز الیاس نے حیران ہوکر عمران سے پوچھا۔

''انکل نے۔۔۔۔انہوں نے دو گھنٹے پہلے مجھے فون کرکے کہا کہ آپ دونوں کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے اور آپ دونوں کی حالت بہت سیریس ہے'' عمران ریاض کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

''ریاض۔۔تم۔۔۔تم نے یہ جھوٹی خبر عمران کو کیوں دی''؟ الیاس زروانی ریاض پر چڑھ دوڑا۔

''مجھے پروفیسر صاحب نے کہا تھا ایسا کرنے کو۔۔'' ریاض نے اطمینان کے ساتھ میری جانب اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا۔

''آپ۔۔آپ کون ہے اور آپ نے مجھے یہ جھوٹی خبر دینے کا کیوں کہا؟'' عمران تیز آواز میں مجھ سے مخاطب ہوا۔

''تاکہ تمہیں یہاں بلایا جاسکے'' میں نے نہایت اطمینان سے دھیمے لہجے میں جواب دیا اور ساتھ ہی صوفے سے اٹھ کر عمران کے مقابل کھڑا ہوگیا۔

''کیوں۔۔۔آپ مجھے یہاں کیوں بلانا چاہتے تھے''؟ عمران بدستور غصے میں تھا۔

''تاکہ اس مظلوم لڑکی کو انصاف مل سکے جسے اس گھر میں تین درندوں نے پامال کی اور پھر اسے قتل کیا'' میں نے اطمینان کے ساتھ عمران کے غصے بھرے سوال کا جواب دیا۔

''کس کی بات کر رہے ہیں آپ؟'' عمران پریشان نظر آنے لگا۔

''ایمن۔۔میں ایمن کی بات کر رہا ہوں'' میں نے عمران کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

''ایمن۔۔۔ایمن'' الیاس اور مسز الیاس کے منہ سے بے ساختہ نکلا جبکہ میرے منہ سے ایمن کا نام سن کر عمران خوفزدہ ہوگیا اور اس کے ہاتھ سے بیگ چھوٹ کر فرش پر گر پڑا۔

''ایمن بے چاری تو ایک حادثے میں جل کر مر گئی تھی'' الیاس دوبارہ بولا ''نہیں وہ جلی نہیں تھی بلکہ جلائی گئی تھی اور جلانے سے پہلے اس معصوم کو تین درندوں نے پامال کیا تھا'' میری نظریں بدستور عمران پر جمی ہوئی تھیں۔''کیا'' الیاس اور مسز الیاس کے منہ سے ایک ساتھ نکلا ''کن ظالموں نے ایسا بھیانک جرم کیا؟'' الیاس غصے سے مٹھیاں بھینچتے ہوئے بولا ''گل خان اور بھولا۔۔۔وہ دونوں تو جہنم واصل ہو چکے ہیں جبکہ ان کا تیسرا ساتھی آپ کے سامنے کھڑا ہے'' میں نے عمران کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا ''عمران۔۔عمران'' الیاس کے منہ سے بے ساختہ نکلا الیاس اور مسز الیاس کے چہرے پر بے یقینی کی سی کیفیت تھی جیسے انہیں لگ رہا ہو کہ ان کے کانوں نے انہیں دھوکا دیا میں نے اثبات میں سر ہلا کر تائید کی ''عمران۔۔تم۔۔تم نے یہ ظلم کیا؟'' الیاس چیخ پڑا۔

''جھوٹ ہے یہ سب۔۔۔۔مجھے پھنسایا جارہا ہے'' عمران کے چہرے پر پسینہ چمکنے لگا وہ بے حد پریشان نظر آرہا تھا ''میں۔۔میں اب یہاں ایک منٹ بھی نہیں رکونگا میں جارہا ہوں واپس ہوسٹل۔۔'' عمران نے یہ کہہ کر فرش پر گرا اپنا بیگ اٹھایا اور دروازے کی جانب قدم بڑھا دیئے۔مگر دروازے کے قریب پہنچ کر عمران کے قدم ایک دم رک گئے وہ آنکھیں پھاڑے دروازے کی جانب دیکھ رہا تھا اس کا چہرہ خوف سے سفید پڑ گیا اس کی آنکھیں اپنے حلقوں سے ابلنے لگیں وہ انتہائی خوفزدہ نظروں سے دروازے کی جانب دیکھ رہا تھا۔

مجھ سمیت دیگر افراد نے بھی نظریں اٹھا کر دروازے کی جانب دیکھا تو سب ششدر رہ گئے عمران کی آنکھوں میں تو خوف اترا ہوا تھا الیاس اور مسز الیاس بھی خوفزدہ نظروں سے دروازے کو دیکھ رہے تھے دروازے کے سامنے زمین سے ایک فٹ اوپر سفید ہیولے کی صورت میں ایمن کی روح کھڑی تھی۔ آصف اور ریاض کا بھی برا حال تھا انہوں نے بھی زندگی میں پہلی بار کسی روح کو دیکھا تھا۔

''میں تو تمہیں بھائی کہتی تھی عمران زروانی اور تم۔۔تم نے میرے ساتھ۔۔۔۔۔تمہیں مجھ پر رحم نہیں آیا''؟ ایمن نے عمران کو اپنی سرخ آنکھوں سے گھورتے ہوئے کہا ایمن کی آواز میں گونج تھی ایسا لگتا تھا جیسی اس کی آواز ہر سمت سے آرہی ہو۔ ایمن کی روح کو دیکھ کر عمران کے ہاتھ سے ایک بار پھر بیگ گر پڑا اور وہ خوفزدہ نظروں سے ایمن کو دیکھ رہا تھا اس کا چہرہ خوف سے سفید پڑ گیا تھا ایسا لگتا تھا جیسے اس کے اندر خون ہی نہ ہو اور وہ ایک بے جان پتلا ہو۔

''گل خان اور بھولا کو مار کر میں نے ان سے اپنا بدلہ لے لیا اب بچتے ہو تم۔۔۔اور تم تو اس گروہ کے سرغنہ تھے تمہیں تو خاص سزا ملنی چاہیے'' ایمن فضا میں تیرتی ہوئی عمران کی جانب بڑھی ایمن کو اپنی جانب بڑھتا دیکھ کر عمران دہشت سے چیخنے لگا پھر وہ خوفزدہ انداز میں چیختے ہوئے گھر کے اندرونی حصے کی جانب دوڑ گیا عمران کے پیچھے ایمن بھی فضا میں تیرتی ہوئی چلی اور ایمن کے پیچھے ہم سب دوڑ پڑے۔

عمران خوفزدہ انداز میں چیختے ہوئے بھاگ رہا تھا بھاگتے بھاگتے وہ ایک کھلے دروازے کے ذریعے اندر کمرے میں داخل ہو گیا عمران کے پیچھے ایمن بھی اس دروازے سے گزر کر اندر داخل ہو گئی ہم سب بھاگتے ہوئے اس کھلے دروازے تک پہنچے اور دروازے کے باہر ہی رک گئے کیونکہ وہ دروازہ کچن کا تھا عمران کچن کی دیوار سے کمر لگائے کھڑا خوفزدہ نظروں سے ایمن کو دیکھ رہا تھا اور ایمن کچن کے درمیان میں کھڑی عمران کو خونخوار نظروں سے گھور رہی تھی ایمن کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔

''یہی وہ جگہ ہے عمران زروانی جہاں تم اور تمہارے اوباش دوستوں نے مجھے آگ میں جلا کر مارا تھا'' ایمن چیخی اس کی آواز میں خاص بھاری پن پیدا ہو گیا تھا اس کے آواز چاروں اطراف گھومتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

عمران کچن کے دیوار کے ساتھ لگا خوف سے کانپ رہا تھا اس کی آنکھیں موت کے خوف سے پھٹنے کے قریب تھیں اس کا چہرہ خوف سے سفید پڑ چکا تھا وہ تھر تھر کانپ رہا تھا کچن سے باہر کھڑے باقی تمام افراد بھی خوفزدہ نظروں سے ایمن کی روح کو دیکھ رہے تھے ان تمام افراد نے آج تک کسی روح کو نہیں دیکھا تھا لہذا ان کا خوفزدہ ہونا فطری عمل تھا۔

ایمن نے عمران کو دیکھتے ہوئے کچن میں رکھے چولھے کی جانب اپنے ہاتھ کا اشارہ کیا تو کچن میں رکھا چولھا آپ ہی آپ جلنے لگا اور چولھے سے نکلنے والے شعلے خطرناک حد تک بلند ہونے لگے۔ آگ کو دیکھ کر عمران کو ایک زور کا جھٹکا لگا اور وہ زور زور سے چیخنے لگا پھر اس نے اپنے پیچھے سلیب پر رکھی بڑی سی چھری اٹھائی اور ایمن کا نشانہ لیکر اس کی جانب پھینک دی چھری سیدھی ایمن کی جانب بڑھی اور ایمن کے جسم کے اندر سے ہوتی ہوئی دیوار سے ٹکرا کر فرش پر گر پڑی۔ چھری سے ایمن کو کوئی گزند نہیں پہنچا ''ہاہاہا'' جب چھری ایمن کو کوئی گزند پہنچائے بغیر کچن کے پکے فرش پر گر پڑی تو ایمن نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔''

بچاؤ۔۔بچاؤ۔۔۔ممی۔۔ڈیڈی۔۔۔مجھے بچاؤ'' عمران زور زور سے چیخنے لگا۔

اپنے اکلوتے بیٹے کو روتا اور چیختا دیکھ کر مسز الیاس بے چین ہو گئیں انھوں نے رحم طلب نظروں سے اپنے شوہر الیاس زروانی کی جانب دیکھا تو الیاس زروانی نے مسز الیاس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا اور عمران سے مخاطب ہوئے۔

''عمران تم میرے بیٹے ہو۔۔میں نے تمہیں گودوں کھلایا مگر۔۔تم نے اتنی گھناؤنی حرکت کی

۔۔۔تمہیں ذرا رحم نہیں آیا۔۔ایمن دس سال کی معصوم بچی تھی اور تم اور تمہارے دوستوں نے۔۔۔۔اف۔۔۔'' الیاس زروانی سے جملہ مکمل نہ ہو سکا ان کی آواز ان کے اپنے حلق میں گھٹ کر رہ گئی ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

''ایمن بیٹا تم اپنا انتقام پورا کرو۔۔۔پورا بدلہ لو اس بدکردار شخص سے۔۔۔جتنی تکلیف تمہیں پہنچی ہے اتنی ہی تکلیف دہ موت اسے دو۔'' الیاس زروانی اپنے آنسو پونچھتے ہوئے ایمن سے بولے انھوں نے نہایت مضبوطی سے اپنی بیوی کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔ مسز الیاس نے بھی مضبوطی کے ساتھ اپنے شوہر کا ہاتھ تھام رکھا تھا اور تائیدی نظروں سے انھوں نے ایمن کی جانب دیکھا اور منہ دوسری جانب پھیر لیا۔

ایمن نے شعلہ اگلتی نظروں سے خوفزدہ عمران کی جانب دیکھا تو عمران زار زار رونے لگا ایمن نے اپنا ہاتھ چولھے کی جانب بڑھایا اور ہاتھ کا اشارہ عمران کی جانب کیا تو چولھے میں بھڑکتی آگ عمران کی جانب لپک کر بڑھی، آگ کو اپنی جانب بڑھتا دیکھ کر عمران خوف سے مزید چیخنے لگا آگ کا شعلہ لپک کر عمران کی جانب بڑھا اور عمران کے کپڑے سے لپٹ گیا عمران کے کپڑوں کو آگ لگ گئی وہ زور زور سے چیخنے لگا اور اچھل اچھل کر آگ بجھانے کی کوشش کرنے لگا مگر آگ تھی کہ بڑھتی ہی جا رہی تھی ہم سب کچن کے دروازے میں کھڑے عمران کو شعلوں میں جلتا دیکھ رہے تھے الیاس اور مسز الیاس بھی آنکھیں پھاڑے اپنے اکلوتے بیٹے کو آگ میں جلتا دیکھ رہے تھے ان کی آنکھوں میں آنسو تھے مگر ان کا چہرہ پر پتھروں کی سی سختی تھی۔

آگ مسلسل بڑھتی جا رہی تھی عمران کی چیخیں پورے گھر میں گونج رہی تھیں عمران مسلسل چیخ رہا تھا اور معافیاں مانگ رہا تھا مگر آگ تھی کہ اسے جلائے جا رہی تھی کچھ دیر میں عمران کی چیخوں نے دم توڑ دیا وہ سوختہ لاش کی صورت میں کچن کے فرش پر گر پڑا اس کی آنکھیں بے نور ہو گئیں اور وہ لاش کی صورت میں کچن کے فرش پر گر پڑا

عمران کے گرتے ہی مسز الیاس کے منہ سے ایک چیخ نکلی اور وہ اپنے شوہر سے لپٹ کر بلند آواز سے رونے لگیں۔

''صبر کرو نیک بخت۔۔۔۔یہ ہمارا بیٹا نہیں تھا یہ شیطان تھا۔۔یہ مثلِ ابلیس تھا۔۔یہ ہمارا بیٹا نہیں تھا یہ مثلِ ابلیس تھا'' الیاس زروانی اپنی روتی ہوئی بیوی کو دلاسہ دینے لگے پھر ایمن کی جانب مڑتیں ''اچھا کیا ایمن بیٹا جو تم نے اسے جلا کر مار دیا تم نے بہت سی بچیوں کی عزت بچالی ورنہ اگر یہ شیطان زندہ رہتا تو نہ جانے اور کتنی معصوم بچیاں پامال ہوتیں۔۔۔اچھا کیا تم نے ایمن بیٹا'' الیاس زروانی بڑبڑانے کے انداز میں ایمن سے بولے تو میں انہیں رشک آمیز انداز میں دیکھنے لگا انہوں نے نہایت بہادری سے اپنے اکلوتے بیٹے کو اس کی گھناؤنی حرکت کی سزا دلائی ورنہ ہمارے معاشرے میں تو لوگ اپنی اولاد کی بھیانک غلطیوں کا بھی جواز پیش کرتے ہیں۔

''شکریہ پروفیسر۔۔اگر آپ میری مدد نہیں کرتے تو میری روح اسی طرح بے چین رہتی صرف آپ کی وجہ سے میں اپنا بدلہ پورا کر پائی ہوں۔۔آپ کا بہت بہت شکریہ'' ایمن نے مجھے مخاطب کر کے کہا تو میں نے دکھ بھری مسکراہٹ کے ساتھ اس کا شکریہ وصول کیا ان الفاظ کے ساتھ ہی ایمن ہماری نظروں سے اوجھل ہونے لگی۔

''مجھے آپ کے دکھ کا اندازہ ہے انکل اور آنٹی'' ایمن الیاس اور مسز الیاس سے مخاطب ہوئی ''مگر وہ آپ کا بیٹا نہیں تھا وہ ابلیس تھا اور ابلیس کے مقدر میں آگ میں جلنا ہی لکھا ہے وہ ہمیشہ آگ میں جلتا رہے گا'' اتنا کہہ کر ایمن ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئی وہ واپس اپنی دنیا میں چلی گئی اب اس کی بے چین روح کو قرار مل گیا۔

ایمن کے جانے کے بعد میں دھیرے سے آگے بڑھا اور میں نے الیاس زروانی کے کندھے پر ہمدردی سے ہاتھ رکھا تو الیاس زروانی مجھ سے لپٹ گئے اور زار زار رونے لگے ان کے ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا اور ان کے آنسو میری شرٹ کو بھگونے لگے۔

قلبی سکون

عائشہ محمد کاشف-گوجرانوالہ

خوبرو حسینہ لائٹ بجھا کر محو خواب تھی کہ اچانک ایک دلخراش چیخ سنائی دی تو حسینہ کی آنکھیں کھل گئیں اور وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے ایک کونے میں دیکھنے لگی، وہ منظر بہت ہی خوفناک تھا۔

کیا کوئی کسی کو ناحق ستا کر یا پریشان کر کے خوش رہ سکتا ہے، حقیقت کہانی میں ہے

رات کے 3 بج چکے تھے پر اس کی آنکھوں میں نیند ذرا بھی نہیں تھی، اس کا شوہر جو کہ سائیکالوجسٹ تھا۔ اس نے کروٹ لی اور نایاب کی طرف دیکھا۔ نایاب کھلی آنکھوں سے چھت کو گھور رہی تھی۔ نایاب جو کہ گہری سوچ میں گم تھی۔ ''نایاب تمہیں نیند نہیں آ رہی؟''

''نہیں۔''

''کیوں؟''

''وہ آپ اچھی طرح جانتے ہیں۔''

''تم نے نیند کی دوا لی ہے۔''

''نہیں۔''

''پر کیوں؟''

''اس لئے کہ دوا کھا کر میں تو سو جاتی ہوں پھر بعد میں تو بیدار ہونا ہی ہوتا ہے اور پھر سارا دن وہی اذیت ناک دن گزرتا ہے۔ حسن میں کیا کروں مجھے کوئی ایسی میڈیسن دیں کہ میں کبھی ہوش میں نہ آؤں، میرا دل کرتا ہے کہ میں مر جاؤں۔''

یہ سن کر حسن نے کہا۔ ''جو خودکشی کرتے ہیں وہ بزدل ہوتے ہیں اور میری نایاب بزدل نہیں ہے بلکہ سب سے الگ ہے۔''

نایاب بولی۔ ''میں آپ سے ایک بات پوچھوں۔''

حسن نے کہا۔ ''ہاں ضرور پوچھوں۔''

''آپ نے مجھ سے شادی کیوں کی؟''

''کیونکہ تم مجھے بہت اچھی لگتی ہو۔'' حسن نے مسکرا کر جواب دیا۔

پھر نایاب نے کہا۔ ''جب آپ کو پتہ تھا کہ میں بہت بری ہوں پھر بھی مجھ سے شادی کر لی کیوں؟''

یہ سن کر حسن مسکرایا اور گویا ہوا۔ ''انسان جب گناہ کرتا ہے تو اللہ اس کو معاف کر دیتا ہے اس کی توبہ پر، اس لئے اگر کوئی انسان گناہ کرے اور پھر پشیمان ہو پچھتائے اپنی غلطی پر تو اس کو معاف کر دینا چاہئے۔ میں مثبت سوچ رکھتا ہوں اس لئے کہتا ہوں کہ تم بھی مثبت سوچا کرو۔ نہ کہ منفی اپنے آپ کو اس سوچ سے باہر نکالو۔''

نایاب نے کہا۔ ''پر کیسے؟''

''میری جان میں نے ابھی تو بتایا ہے کہ مثبت سوچا کرو۔

اچھا میری بات سنو غور سے سنو! حسن نے کہا۔ حسن نے اپنے ہاتھ کا دائرہ بنایا اور نایاب سے کہا۔ ''دیکھو یہ دائرہ ہے۔ سمجھو اس دائرے میں چھوٹا سا نقطہ ہے۔ نقطے سے مراد دائرے میں ایک چھوٹا سا نقطہ جتنا

دائرہ ہے۔ تمہیں اس چھوٹے سے دائرے میں سے باہر نکلنا ہے۔ کوشش کر کے دیکھو۔ پر تھوڑی دیر بعد پھر کوشش کرنا تم انشاءاللہ اس دائرے سے باہر نکل جاؤ گی۔''

اتنے میں اذان کی آواز آنے لگی۔ ''اٹھو جلدی سے نماز پڑھو۔'' حسن نے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔ تو نایاب کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، حسن نے اس کی آنکھوں سے آنسو صاف کئے اور کہا کہ ''نماز پڑھو! اور اللہ کے سامنے گڑگڑا کر سارے آنسو بہا دو، دل سے سارا غبار نکال دو، تمہیں سکون ملے گا۔''

''آپ کی بات ٹھیک ہے، پر میری سوتیلی ماں، ہنستی ہے مجھے دیکھ کر، میں سچ کہہ رہی ہوں، وہ آج بھی جب میں امی کے لئے کچن میں چائے بنا رہی تھی تو مجھے ہنسنے کی آواز آئی۔ جب میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ کہنے لگی۔''

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

یہ کہہ کر وہ ہنسنے لگی اور میری طرف بڑھنے لگی۔ تو میں نے زور سے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور جب میں نے آنکھیں کھولیں تو امی میرے سامنے کھڑی تھیں۔ مطلب آپ کی امی میرے سامنے کھڑی تھیں۔'' یہ کہہ کر نایاب رونے لگی اور حسن نے اسے اپنے سینے کے ساتھ لگا لیا۔ ''میری جان چپ ہو جاؤ، چلو نماز پڑھو۔'' اور نایاب نماز پڑھنے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

☆.....☆.....☆

''کنول، کنول میں اتنی دیر سے تمہیں آوازیں دے رہا ہوں، کیا بہری ہو تم، جی.....جی کیا لگا رکھی ہے اتنی دیر سے میں آوازیں دے رہا ہوں۔''

''پر مجھے تو دو مرتبہ ہی آپ نے پکارا ہے۔'' کنول نے بس یہی کہا تھا کہ جمیل کو غصہ آ گیا اور اس نے کنول کے منہ پر ایک زوردار تھپڑ دے مارا اور کنول کے منہ سے خون نکلنے لگا۔ دور کھڑی نایاب دیکھ رہی تھی۔ یہ سب کچھ دیکھ کر ہنسنے لگی، کنول نے دونوں باپ بیٹی کو دیکھا، اور وہاں سے جانا ہی مناسب سمجھا اور نایاب نے اپنے ابو کے گلے میں ہاتھ ڈال دیئے۔ ''اور سنائیں ابو کیسا گزرا آج کا دن آفس میں۔''

''بیٹی بہت اچھا گزرا تمہاری ماں نے تمہیں تنگ تو نہیں کیا آج۔''

کنول نے کہا۔ ''وہ تو مجھ سے بات بھی نہیں کرتیں.....بس جب دیکھو فون پر لگی رہتی ہیں۔''

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
وقار عظیم

''فون پر اس کے ابو جمیل صاحب نے حیرت کا اظہار کیا۔ تو نایاب نے کہا۔ ''ہاں ابو میں سچ کہہ رہی ہوں جب آپ آفس جاتے ہیں تو وہ فون پر لگ جاتی ہیں۔

''پر کس سے؟'' ابو نے پوچھا۔

''پتہ نہیں ابو وہ تو وہی جانیں کس سے باتیں کرتی ہیں۔'' نایاب نے کہا۔

جمیل صاحب نے کہا۔ ''جس نے میری شادی کروائی ہے اس نے تو کہا تھا کہ یہ یتیم بچی ہے اور اس کا تو آگے پیچھے بھی کوئی نہیں ہے پھر یہ فون پر کس سے باتیں کرتی ہے؟'' جمیل صاحب کو غصہ آ گیا اور وہ چیختے ہوئے اندر گئے..... ''کنول کنول۔'' اور یہ سب دیکھ کر نایاب طنزیہ ہنسی ہنسنے لگی کیونکہ نایاب جھوٹ بول رہی تھی۔ اس کے بعد نایاب اب اپنے کمرے میں چلی گئی اور تیز آواز میں گانے سننے لگی۔ اور ادھر کنول کی کم بختی آ گئی۔ جمیل صاحب نے اپنی پینٹ میں سے بیلٹ نکالا اور کنول کو مارنا شروع کر دیا اور اتنا مارا کہ کنول کا جسم سرخ ہو گیا۔ جب مار مار کر وہ تھک گئے تو سائیڈ پر بیٹھ گئے کیونکہ ان کا سانس پھولنے لگا تھا۔ اور وہ کنول کو برا بھلا کہہ رہے تھے۔ ''بد ذات عورت میں تجھے جان سے ختم کر دوں گا اگر آئندہ تو نے کسی سے فون پر بات بھی کی تو۔''

☆.....☆.....☆

اگلے روز جب حسن کلینک میں جانے کے لئے تیار ہو رہا تھا۔ تو حسن کی امی اس کے کمرے میں داخل ہوئیں اور کہنے لگیں۔ ''بیٹا حسن۔''

''جی امی۔'' حسن نے کہا۔

''مجھے نایاب کے بارے میں تم سے بات کرنی ہے۔'' حسن نے حیران ہو کر امی کو دیکھا۔ ''امی کیا بات کرنی ہے؟''

''تم کلینک سے آ جاؤ پھر بات کریں گے۔''

''ٹھیک ہے۔'' یہ کہہ کر حسن کلینک چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد نایاب کی چیخنے کی آوازیں آنے لگیں۔ تو آسیہ بیگم بھاگتے ہوئے نایاب کے کمرے میں گئیں، نایاب آنکھیں بند کر کے چیخ رہی تھی۔ آسیہ بیگم نے نایاب کو گلے سے لگا لیا۔ ''کیا ہوا بیٹا کیا بات ہے۔''

''وہ.....وہ..... مجھے مار دے گی۔''

کون..... کون تمہیں مار دے گی۔'' آسیہ بیگم نے کہا۔ ''یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔''

نایاب جیسے ہوش میں آ گئی۔ ''کوئی نہیں وہ میں نے ڈراؤنا خواب دیکھا تھا۔''

پر آسیہ بیگم نے ایک عمر گزاری تھی۔ انہیں پتہ چلا گیا تھا کہ ''نایاب جھوٹ بول رہی ہے۔''

☆.....☆.....☆

اگلے روز جب جمیل صاحب آفس جانے کے لئے اٹھے۔ تو حیران رہ گئے کیونکہ کنول بستر پر نہیں تھی وہ حیران تھے کہ رات انہوں نے بہت بری طریقے سے کنول کو پیٹا تھا۔ وہ تو اٹھ بھی نہیں سکتی تھی۔ پھر اب وہ کہاں ہے۔ ابھی وہ یہی سوچ رہے تھے کہ کنول کمرے میں داخل ہوئی اور کہنے لگی۔ ''آپ کا ناشتہ تیار ہے۔ ٹیبل پر لگا دیا ہے۔ ناشتہ کر لیں، آپ کو آفس سے دیر ہو رہی ہے۔'' جمیل صاحب کو کنول پر ترس آ گیا کہ اتنی تکلیف میں بھی ان کے لئے ناشتہ تیار کیا۔ جمیل صاحب نے کنول کو گلے سے لگا لیا اور کہا کہ ''تم میری جان ہو میں تم سے بہت پیار کرتا ہوں میں نہیں چاہتا کہ تم میرے علاوہ کسی اور سے بات کرو یعنی کسی غیر مرد سے۔''

کنول نے اتنا پیار دیکھا تو کہنے لگی۔ ''میں آپ کے علاوہ کسی کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی۔ آپ میرے مزاجی خدا ہیں۔ آپ مجھ پر بھروسہ کریں۔''

''ٹھیک ہے۔'' جمیل صاحب نے کہا اور کنول کی پیشانی پر بوسہ دیا اور چلے گئے۔

نایاب اپنے کمرے سے نکل رہی تھی۔ جب اس نے یہ سب کچھ دیکھا۔ تو حیران ہو گئی اور غصہ بھی آیا اور اپنی سوتیلی ماں سے الجھ پڑی۔ ''میں تمہیں اس گھر سے نکال کر ہی دم لوں گی، چاہے کچھ بھی ہو جائے۔''

یہ سن کر کنول نے کہا۔ ''میں تمہاری ماں ہوں، تم

میری ماں نہیں ہو۔''

''میری ماں مر چکی ہے، میں تمہیں اپنی ماں نہیں سمجھتی۔'' نایاب نے کہا۔ ''تم تو میری ہی ہم عمر ہو کوئی بھی تمہیں میری ماں نہیں کہے گا۔''

تو کنول نے کہا۔ ''میں نے تمہارے باپ سے شادی کی ہے۔ اس رشتے سے تم میری بیٹی ہو اور تم بے شک مجھے اپنی ماں نہ سمجھو پر میں تمہیں اپنی بیٹی ہی سمجھتی ہوں۔''

نایاب غصے سے چلائی۔ ''اپنی بکواس بند کرو، میں تمہیں اپنی ماں تو کیا کچھ بھی نہیں سمجھتی۔''

☆.....☆.....☆

نایاب کو ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے اس کے جسم پر کوئی پتلی چھڑی کی بارش کر رہا ہو، یعنی کوئی بری طرح اسے پیٹ رہا تھا۔ نایاب چیخ رہی تھی۔ ''مجھے چھوڑ دو، مجھے چھوڑ دو۔''

حسن نے لائٹ آن کی۔ ''نایاب..... نایاب کیا ہوا؟'' پر وہ مسلسل یہی بول رہی تھی۔ ''مجھے چھوڑ دو۔ مجھے چھوڑ دو۔''

حسن نے پانی کا جگ اٹھایا اور پانی ہاتھ میں لے کر اس کے منہ پر چھڑکا تو وہ ہوش میں آئی۔ ''کیا ہوا نایاب؟'' حسن نے کہا۔

''مجھے وہ..... وہ'' ابھی تک نایاب گھبرائی ہوئی تھی۔ ''میری ماں میرے سامنے کھڑی تھی اور کوئی مجھے چھڑی سے پیٹ رہا تھا۔'' یہ کہہ کر نایاب رونے لگی، حسن نے نایاب کو گلے سے لگا لیا۔ ''چپ ہو جاؤ۔'' نایاب نے حسن کی طرف دیکھا تو حسن نے نایاب سے کہا۔ ''تم روتے ہوئے اور بھی حسین لگتی ہو۔''

''سچ میں۔'' نایاب کو غصہ آ گیا۔ ''مجھے تم سے کوئی بات بھی نہیں کرنی۔''

''پر کیوں۔'' حسن نے کہا۔ ''کیونکہ تم میرا مذاق اڑاتے ہو، میں جس عذاب سے گزر رہی ہوں تمہیں اس کا اندازہ بھی نہیں ہے۔'' یہ کہہ کر نایاب نے کروٹ بدل لی اور حسن نے اپنا ہاتھ اس کے اوپر رکھ دیا، پر نایاب نے غصے سے جھٹک دیا۔ حسن نے کروٹ لی اور سو گیا۔ پر نایاب کی آنکھوں میں نیند ذرا بھی نہیں تھی۔ پھر وہ اٹھی اور واش روم میں گئی اور بیسن میں منہ دھو رہی تھی کہ اس نے شیشے میں دیکھا تو اس کی سوتیلی ماں اس کو دیکھ کر ہنس رہی تھی اور کنول کے ساتھ ایک چھوٹا سا بچہ بھی تھا۔ جو وہ نایاب کی طرف بڑھا رہی تھی۔ اور کہہ رہی تھی۔ ''یہ تمہارا بھائی ہے۔ دیکھو کتنا پیارا ہے۔ تم نے تو اس کو دنیا میں بھی آنے نہیں دیا۔ کوئی بات نہیں، تم نے بھی تو ایک دن مرنا ہے۔'' یہ کہہ کر وہ ہنسنے لگی اور غائب ہو گئی۔

نایاب بھاگتی ہوئی بیڈ پر آ کر بیٹھ گئی اور لمبے لمبے سانس لینے لگی، نایاب نے حسن کی طرف دیکھا جو گہری نیند سو رہا تھا۔ پھر وہ بیڈ پر لیٹ گئی حسن کے نزدیک ہو کر اور سونے کی ناکام کوشش کرنے لگی۔

☆.....☆.....☆

اس روز نایاب اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ کافی شاپ آئی تھی اور کچھ پریشان بھی تھی۔

''کیا ہوا نایاب تم کچھ پریشان ہو؟''

''کیا کروں جب سے میرے والد نے دوسری شادی کی ہے میں بہت پریشان ہوں، میں بہت ذلیل کرتی ہوں اپنی سوتیلی ماں کو پر اس کو کچھ نہیں ہوتا، میں نے رات کو اپنے والد سے مار پٹوائی پر صبح دیکھا تو اس سے ابو ناراض نہیں تھے، بلکہ خوشی خوشی اس سے گلے مل کر گئے۔''

''اچھا۔'' اسد حیران ہوا۔ ''خیر چھوڑو مزے سے کافی پیو اور اپنا موڈ ٹھیک کرو، چلو تم ہنستے ہوئے کتنی اچھی لگتی ہو۔ اپنی ماں کو یاد کر کے اپنا موڈ مت خراب کیا کرو۔''

''اوکے..... اوکے۔'' نایاب نے کہا۔ اور کافی پی کر وہ دونوں واپس آ گئے۔

رات کے ٹائم نایاب اپنے ابو کے کمرے میں جائزہ لینے گئی تو اس نے سنا کہ اس کی ماں اس کے ابو سے کہہ رہی تھی۔ ''آپ باپ بننے والے ہیں۔''

یہ سن کر نایاب کے تن بدن میں آگ سی لگ گئی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کا کوئی بہن بھائی اس دنیا میں آئے۔ وہ بھی سوتیلا وہ اس گھر کی اکیلی وارث بننا چاہتی تھی۔

اتنے میں جمیل صاحب کی نظر دروازے پر پڑی، نایاب کھڑی تھی، جمیل صاحب نے پرجوش لہجے میں کہا۔ ”نایاب بیٹا اندر آجاؤ۔“

نایاب اندر آگئی۔ ”بیٹا تمہیں ایک بات بتانی ہے۔“

”ابو کیا بات؟“ نایاب حیران ہوئی جیسے وہ کچھ جانتی ہی نہ ہو۔ ”بیٹی تمہارا بھائی یا بہن آنے والی ہے۔“

”اچھا ابو یہ تو بہت خوشی کی بات ہے۔“ نایاب خوش ہونے کا ناٹک کرنے لگی۔

اگلے دن نایاب نے اپنے بوائے فرینڈ اسد کو فون کیا اور ملنے کے لئے کہا۔ اسد نے کہا۔ ”آج شام کو کافی شاپ میں ملیں گے۔“ شام کو نایاب کافی شاپ پر پہنچ گئی اور اسد پہلے سے ہی موجود تھا۔ نایاب کو دیکھ کر ہنسنے لگا۔ اب بولو کیا بات ہے جو اتنا ارجنٹ ملنے کے لئے کہا۔“

”یار ایک بہت بڑی مصیبت آن پڑی ہے۔ میری سوتیلی ماں پریگنیٹ ہے۔“

”کیا؟“ اسد بھی حیران رہ گیا۔ اور بولا۔ ”تمہارے ابو تو کافی ایجڈ ہیں۔“

”اسی چیز کا تو فائدہ اٹھانا ہے۔“ نایاب نے طنزیہ ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔

”تم میرے گھر میری ماں سے ملنے کے لئے آؤ گے۔“

”پر وہ تو مجھ کو جانتی بھی نہیں۔“

نایاب نے اس کے سر پر ایک چپت لگائی۔ ”ارے ڈفر تم ان کے کمرے میں چھپ جانا جب ابو کے آنے کا ٹائم ہوگا تو۔“

”چلو ٹھیک ہے۔“ اسد بولا۔

اگلے دن شام کے ٹائم اسد کھڑکی کے راستے سے اندر داخل ہوا، نایاب کے کمرے میں نایاب نے اس سے کہا۔ ”میں باہر کا جائزہ لے لوں کہ ماں کہاں پر ہے۔“ وہ باہر نکلی اور کنول کو آواز دینے لگی۔ ”کہاں ہو مجھے بھوک لگی ہے کھانا دو۔“ کنول اپنے کمرے سے نکل کر کچن میں گئی تو اتنے میں نایاب نے اسد کو اپنے کمرے سے نکال کر اپنی ماں کے کمرے میں پردے کے پیچھے چھپا دیا۔

کنول نے کھانا نکال کر دیا، پھر نایاب نے کہا۔ ”امی آپ میرے پاس بیٹھیں، آپ سے ایک بات کرنی ہے۔“

”کیا بات کرنی ہے۔“ کنول نے پوچھا۔

”وہ میں سوچ رہی تھی کہ بچے کا نام کیا رکھیں گے ہم لوگ مجھے تو بہت انتظار ہے۔“ کنول یہ سن کر بہت خوش ہوئی کہ ”چلو نایاب نے مجھ سے بات تو کی۔“

پھر نایاب اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

اتنے میں بیل ہوئی۔ کنول ابھی ابھی کمرے میں گئی تھی۔ نایاب نے دروازہ کھولا تو سامنے اس کے ابو جمیل صاحب تھے۔ وہ بہت خوش نظر آرہے تھے۔ وہ اپنے کمرے میں داخل ہوئے تو حیران رہ گئے کہ ایک نوجوان نے ان کی بیوی کا ہاتھ تھام رکھا ہے اور کہہ رہا تھا کہ ”کنول تم نے تو کہا تھا کہ تمہارے شوہر دیر سے آئیں گے۔“

جمیل صاحب غصے میں تھے۔ ”یہ کون ہے۔“ وہ جیسے دھاڑے اتنے میں نایاب اپنے کمرے سے بھاگتی ہوئی آئی۔ ”کیا ہوا ابو۔“

”اپنی ماں سے پوچھو یہ نوجوان کون ہے؟“

”عاشق ہوگا اور کون۔“ نایاب نے کہا۔

”میں نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ یہ عورت قابل بھروسہ نہیں، ہر وقت کسی سے فون پر بات کرتی ہے، آج دیکھ لیں وہ گھر پر بھی آگیا اور پتہ نہیں کتنی مرتبہ آیا ہوگا۔“

اسد بھاگ چکا تھا۔ ”کنول جمیل صاحب کے

پیروں میں گر گئی۔ ”میں نے ایسا کچھ نہیں کیا، میں بے قصور ہوں مجھے نہیں پتہ کہ یہ نوجوان کون ہے۔“

نایاب نے کہا۔ ”اب چوری پکڑی گئی تو کیسے اپنی صفائیاں پیش کر رہی ہیں۔“ اتنے میں جمیل صاحب نے کنول کے پیٹ میں لات ماری تو کنول درد سے تڑپ اٹھی۔ ”میں اس بچے کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ میں بے قصور ہوں۔“

نایاب نے کہا۔ ”کیا پتہ جس بچے کی تم قسم کھا رہی ہو وہ بھی اسی کا ہو۔“ یہ سب سن کر جمیل صاحب کو اور بھی زیادہ غصہ آگیا اور یقین بھی ہوگیا نایاب کی باتوں کا اور انہوں نے کنول کا گلا دبانا شروع کر دیا، کنول کی آنکھیں پھیل گئیں تو نایاب نے چھڑوایا کیونکہ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کا باپ قتل کرے، وہ چاہتی تھی کہ اس کا باپ طلاق دے دے پر جمیل صاحب پر تو خون سوار تھا۔ انہوں نے کنول کا گلا دبا دیا، اور اتنی زور سے دباتے چلے گئے کہ کنول مر گئی، اور نایاب زمین پر بیٹھ گئی، نایاب زور سے چیخی۔ ”ابو یہ آپ نے کیا کر دیا۔“

جمیل صاحب سکتے میں تھے۔ اور پھر پولیس نے جمیل صاحب کو گرفتار کر لیا۔

اگلے روز نایاب پولیس اسٹیشن گئی اپنے والد سے ملنے۔ جمیل صاحب اٹھ کر نایاب کی طرف آئے۔

”ابو آپ اس کو طلاق دے دیتے، آپ نے جان سے کیوں مار دیا۔“

جمیل صاحب نے کہا۔ ”مجھے کوئی پچھتاوا نہیں کیونکہ وہ بدکردار عورت تھی۔“ یہ سن کر نایاب خاموش ہوگئی اور کچھ نہیں کہا۔ جمیل صاحب نے کہا۔ ”مجھے معلوم ہے کہ مجھے پھانسی ہو جائے گی۔ تم گھر کے کاغذات لے آنا، میں تمام جائیداد تمہارے نام کر دوں گا۔“ یہ سن کر نایاب اندرونی طور پر بہت خوش ہوگئی اور افسردہ بھی۔ والد کی پھانسی کا سن کر۔

اگلے دن نایاب کا بوائے فرینڈ اسد نایاب کے گھر آیا اور کہنے لگا۔ ”خوب انجوائے کر رہی ہو۔ جو تم چاہتی تھی وہ تو ہوگیا۔ اب میرا حصہ مجھے دے دو کیونکہ تم نے جو کچھ بھی حاصل کیا میری وجہ سے تمہاری ماں بھی تمہارے راستے سے ہٹ گئی اور تمہارا باپ بھی۔

”نایاب نے کہا۔ ”تم کہنا کیا چاہتے ہو؟“

”میرا حصہ مجھے دے دو۔“

نایاب نے کہا۔ ”کتنے پیسے چاہئیں تمہیں؟“

”پیسے نہیں چاہئے۔ آدھی جائیداد چاہئے مجھے۔“ اسد نے کہا۔

نایاب نے کہا۔ ”تمہیں میں ایک پھوٹی کوڑی بھی نہیں دوں گی۔“

اسد کو اندازہ ہوگیا تھا کہ جو اپنے گھر والوں کے ساتھ اتنا کچھ کر سکتی ہے۔ وہ واقعی مجھے کچھ بھی نہیں دے گی۔ اسد نے کہا۔ ”ٹھیک ہے دیکھنا اب میں تمہارے ساتھ کیا کرتا ہوں۔“

”جو کچھ کرنا ہے کر لو۔“ نایاب تو جانتی تھی کہ آج وہ کاغذات لے کر جائے گی اور سارا کچھ میرے نام ہو جائے گا۔

اسد غصے میں بائیک پر بیٹھا سیدھا پولیس اسٹیشن گیا۔ اس نے جمیل صاحب سے کچھ کہنے ہی والا تھا کہ جمیل صاحب کو اسے دیکھ کر غصہ آگیا، اب تم یہاں کیا لینے آئے ہو۔“ جمیل صاحب نے کہا۔

”میں آپ کو سچ بتانے آیا ہوں۔“

جمیل صاحب نے کہا۔ ”سچ کیسا سچ؟“

یہی کہ میں آپ کی بیٹی کا بوائے فرینڈ ہوں، مس کنول کا بوائے فرینڈ نہیں تھا۔“

جمیل صاحب نے کہا۔ ”تم جھوٹ بول رہے ہو“ تو اسد نے ساری باتیں قسم کھا کر سب کچھ بتا دیا۔ جو نایاب اپنے باپ سے کنول کے بارے میں کہا کرتی تھی۔ ”کہ آج کنول فون پر سارا دن باتیں کرتی رہی ہے، اور یہ کہ وہ مجھے ٹائم نہیں دیتی فون پر لگی رہتی ہے اور یہ بھی کہ آپ اس عمر میں باپ بن سکتے ہیں۔“

جب اسد نے یہ بات کہی تو جمیل صاحب کو یقین آگیا کیونکہ یہ بات نایاب نے اپنے باپ سے کہی

تھی۔ اسد یہ کہہ کر چلا گیا اور جمیل صاحب جیسے ہوش میں آئے اور انہیں کنول کی ساری باتیں یاد آنی شروع ہوگئیں کہ" کیسے کنول فریادیں کرتی تھی کہ میں سچ کہہ رہی ہوں میں بے گناہوں میرا یقین کریں۔"

جمیل صاحب زور زور سے رونا شروع ہوگئے کہ مجھ سے اتنا بڑا گناہ سرزد ہوگیا۔"میرے اللہ مجھے معاف فرما۔" روتے روتے جمیل صاحب نیچے فرش پر بیٹھ گئے۔

عصر کے ٹائم نایاب گھر کے کاغذات لے کر پولیس اسٹیشن پہنچی۔"ابو.....ابو" نایاب نے آواز دی۔ جمیل صاحب نے نایاب پر کچھ بھی ظاہر نہیں ہونے دیا" ابو یہ کاغذات اور میں نے وکیل صاحب کو فون کردیا ہے۔ وہ ابھی آتے ہی ہوں گے۔"

تھوڑی دیر میں وکیل صاحب بھی آگئے۔"جی جمیل صاحب۔"

جمیل صاحب نے کہا۔"میں اپنی تمام جائیداد ٹرسٹ کے نام کرتا ہوں اور گھر مسجد کے نام۔" یہ سن کر نایاب حیران رہ گئی۔"ابو یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ آپ ہوش میں تو ہیں۔"

"آج ہی تو میں ہوش میں آیا ہوں، تمہارا بوائے فرینڈ میرے پاس آیا تھا۔"

"کون وہ اسد وہ تو جھوٹ بول رہا ہے۔"

جمیل صاحب نے کہا۔"وہ تو کنول کا بوائے فرینڈ تھا تو تمہیں اس کا نام کیسے پتا۔" یہ سن کر نایاب خاموش ہوگئی۔ جمیل صاحب نے وکیل سے کہا۔"نایاب کو ٹرسٹ میں چھوڑ دینا۔" نایاب اپنے والد کو خاموشی سے دیکھتی رہ گئی۔ وکیل نے نایاب کو ٹرسٹ میں چھوڑ دیا۔

اگلے دن نایاب کو بتایا گیا کہ"تمہارے والد انتقال کر گئے ان کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔"

نایاب نے جب یہ سنا تو زور سے چیخ ماری۔ "نہیں ایسا نہیں ہوسکتا۔" وہ رو رہی تھی اور کہہ رہی تھی کہ "ایسا نہیں ہوسکتا۔" ابو مجھے چھوڑ کر نہیں جاسکتے، ہائے میرے اللہ یہ مجھ سے کیا ہوگیا۔"

یہ کہتے کہتے نایاب گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ گئی۔ پھر نایاب خاموش بیٹھی رہتی نہ کسی سے کوئی بات کرتی، یہاں تک کہ اس کو نیند بھی نہیں آتی تھی، ایک رات نایاب لیٹی ہوئی تھی اور سب سو رہے تھے۔ تو اس کو محسوس ہوا کہ برآمدے میں کوئی چل رہا ہے۔ پھر اسے ایسا محسوس ہوا کہ کوئی اس کے کمرے کے قریب آرہا ہو۔ وہ بند دروازے کو گھور رہی تھی۔ اس نے محسوس کیا کہ باہر تیز ہوا چل رہی ہے اور بجلی بھی زوروں سے کڑک رہی ہے۔

اچانک دروازہ زور سے کھلا بجلی کی چمک میں نایاب نے دیکھا کہ سفید کپڑوں میں کوئی عورت ہے۔ جب اس نے غور سے دیکھا تو حیران رہ گئی کہ نایاب کی ماں سوتیلی ماں کنول اسے دیکھ کر ہنس رہی تھی۔

نایاب نے زور سے آنکھیں بند کرلیں اور پسینہ میں شرابور ہوگئی۔ پھر اس نے دروازے کی طرف دیکھا تو کوئی بھی نہیں تھا۔ اور اب بجلی بھی نہیں چمک رہی تھی۔ اور نہ ہی ہوا چل رہی تھی۔

نایاب نے موبائل کی لائٹ آن کی اور کروٹ لے کر جب اس نے ساتھ لیٹی لڑکی کی طرف دیکھا تو حیران رہ گئی کہ وہاں پر اس کی ماں لیٹی ہوئی ہے اور کہہ رہی ہے"تم ڈر گئیں۔" یہ کہہ کر وہ ہنسنے لگی، تو نایاب نے زور زور سے چیخنا شروع کردیا جس کی وجہ سے تمام لڑکیاں بھی اٹھ گئیں، کیا ہوا ہے؟"

نایاب بولی۔"یہاں پر کوئی تھا۔" پھر روز کا معمول بن گیا، ہر روز بلا ناغہ نایاب کو اس کی اپنی ماں نظر آتی اور وہ ڈرتی رہتی یہاں تک کہ اب دن میں بھی اس کو اپنی ماں نظر آتی اور وہ نایاب کی طرف بڑھتی، نایاب بھاگنا شروع ہوجاتی، اب نایاب کی ذہنی حالت بگڑتی جارہی تھی۔ وہ کسی کو کچھ نہیں بتاتی تھی۔

وارڈن نے سوچا، جس کا نام عائشہ تھا کہ "نایاب کو سائیکالوجسٹ کی ضرورت ہے،" پھر وہ نایاب کو لے کر سائیکالوجسٹ کے پاس گئی جو بہت سمجھدار تھا اور اس کا نام حسن تھا۔

حسن نے نایاب کو غور سے دیکھا وہ کچھ ڈری ہوئی تھی اور خالی خالی نظروں سے حسن کو دیکھ رہی تھی۔

حسن نے عائشہ سے کہا۔"آپ باہر جائیں مجھے اکیلے میں ان سے بات کرنی ہے۔" حسن نے پیار سے نایاب سے پوچھنا شروع کیا۔"آپ کو کیا ہوتا ہے۔" اکیلا پن محسوس ہوتا ہے، نیند نہیں آتی۔" تو نایاب نے اثبات میں سر ہلا دیا۔"آپ کے والد صاحب کی اچانک ڈیتھ ہوگئی۔" حسن مزید سمجھ گیا کہ ضرور کوئی اور وجہ ہے۔ پھر حسن نے کچھ میڈیسن لکھ کر دی اور عائشہ کو اندر بلایا۔"آنٹی ان کو یہ میڈیسن دینی ہے یہ نیند کی ایک گولی ہے اور روز یہ کیپسول دینا ہے۔"

"اور 3 دن بعد دوبارہ آئیے گا۔" حسن نے خود نایاب کو جلدی بلایا تھا تاکہ وہ اس کو بتا سکے کہ اصل کیا وجہ ہے۔

پھر ہر تین دن کے بعد عائشہ آنٹی نایاب کو لے جاتی تھی۔ اس عرصہ میں نایاب فریش ہوگئی تھی۔ اور حسن کو نایاب اچھی لگنے لگی تھی۔"ایک روز نایاب سے حسن نے کہا۔"نایاب تم مجھے اچھی لگتی ہو کیا تم مجھ سے شادی کروگی؟" تو نایاب حیران رہ گئی اور کہنے لگی۔"آپ میرے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔"

تو حسن بولا،"میں جاننا چاہتا ہوں بتاؤ مجھے اپنے بارے میں۔"

"آپ بہت اچھے انسان ہیں، نایاب نے کہا۔ آپ کو بہت اچھی لڑکی مل جائے گی میں بہت بری ہوں مجھے تو اللہ بھی پسند نہیں کرے گا۔" یہ کہہ کر نایاب رونے لگی، جب سارا غبار نکل گیا تو حسن نے کہا کہ"اب سب کچھ مجھے بتاؤ۔" تو نایاب نے کہا۔"آپ مجھ سے نفرت کرنے لگیں گے۔"

"میں نفرت نہیں کروں گا میں وعدہ کرتا ہوں۔" تو نایاب نے سب کچھ بتادیا۔ اور رونے لگی۔

یہ سن کر حسن نے کہا۔"غلطیاں انسانوں سے ہی ہوتی ہیں، میں پھر بھی تم سے شادی کے لئے تیار ہوں۔" یہ سن کر نایاب حیران رہ گئی کہ"یہ شخص کیسا انسان ہے۔ میری برائیاں جاننے کے باوجود بھی مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔"

حسن نے عائشہ آنٹی سے بات کی تو انہوں نے نایاب کی طرف دیکھا اور نایاب کی آنکھوں میں پسندیدگی کی چمک دیکھ کر کہا۔"جیسے آپ کی مرضی۔"

اگلے دن ڈاکٹر حسن اپنی ماں کے ساتھ دارالامان میں آیا اور رشتہ پکا ہوگیا کیونکہ حسن کی والدہ کو نایاب بہت پسند آئی تھی۔ یوں نایاب کی شادی حسن سے ہوگئی۔

☆.....☆.....☆

ایک روز حسن کی امی نایاب کو لے کر ایک درس میں گئیں، ایک خاتون جو کہ فضائل اعمال کی تعلیم کررہی تھی۔ نایاب کو وہ خاتون بہت اچھی لگی۔ وہ خاتون حضرت موسیٰ کا واقعہ بیان کررہی تھیں کہ جب حضرت موسیٰ نے زمین پر اپنا عصا، مارا تو زمین دو حصوں میں بٹ بٹ گئی اور فرعون زمین میں دھنسنے لگا۔ موسیٰ سے فرعون کہنے لگا۔ "اے موسیٰ مجھے معاف کردو" تو حضرت موسیٰ نے زمین کو حکم دیا کہ"اس کو پکڑو، تو فرعون اور زیادہ زمین میں دھنس گیا۔ پھر فرعون نے کہا۔"موسیٰ معاف کردو۔" اور فرعون معافی مانگتا رہا۔ اور موسیٰ کہتے رہے کہ اس کو اور پکڑو" تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے کہا۔"اے موسیٰ تمہارا دل کتنا سخت ہے۔ اگر یہ مجھ سے ایک مرتبہ کہتا کہ"اے اللہ مجھے معاف کردے تو میں اسے معاف کردیتا۔"

نایاب ان کی باتوں کو بہت غور سے سن رہی تھی۔ پھر اس خاتون نے کہا۔"اگر انسان کے گناہ سمندر کے جھاگ سے بڑھ کر بھی ہوں اور وہ انسان سچے دل سے اللہ سے معافی مانگے تو اللہ معاف کردیتا ہے کیونکہ اللہ ستر ماؤں سے زیادہ شفیق و مہربان ہے۔ اللہ کہتا ہے کہ"میں ستر ماؤں سے زیادہ شفیق ہوں۔" اللہ نے باپ سے تشبیہ نہیں دی ماں سے تشبیہ دی ہے۔ کیونکہ ماں اپنے بچوں سے زیادہ پیار کرتی ہے۔

پھر اس خاتون نے ایک حدیث بیان کی۔ حدیث پاک کا مفہوم ہے۔ حضرت ابوذرؓ بیان کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت محمد ﷺ سخت سردی کے موسم میں باہر تشریف لے گئے درختوں پر سے پتے جھڑ رہے

تھے تو حضرت محمد ﷺ نے درخت کی ایک ٹہنی اپنے ہاتھوں میں لی تو درخت کے پتے اور زیادہ گرنے لگے۔ تو حضرت محمد ﷺ نے ابوذرؓ سے فرمایا کہ ”جب مسلمان اچھی طرح وضو کرتا ہے اور صدق دل سے نماز پڑھتا ہے تو اس کے گناہ بھی ایسے ہی جھڑتے ہیں۔ جیسے اس درخت کے پتے جھڑ رہے ہیں۔“

یہ سن کر نایاب بہت متاثر ہوئی اور گھر آ گئی۔ وہ یہ باتیں نہیں جانتی تھی کہ اللہ اتنا مہربان ہے۔

یہ سوچ کر نایاب کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اور پھر اچانک ساس کے گلے لگ گئی اور رونے لگی۔ ”امی جی..... اللہ مجھے معاف کردے گا ناں۔“

”ہاں بیٹا اللہ معاف کردے گا۔“ پھر نایاب کہنے لگی۔ ”امی میں بہت پریشان ہوں مجھے بہت ڈر لگتا ہے۔ امی میں کیا کروں۔“

پھر حسن کی امی نے کہا۔ ”کیا بات ہے تمہیں کس چیز سے ڈر لگتا ہے۔ مجھے بتاؤ۔“

”اگر میں آپ کو بتاؤں گی تو آپ بھی مجھ سے نفرت کرنے لگیں گی۔“

”نہیں بیٹا تم مجھے بتاؤ کہ کیا بات ہے؟“ پھر نایاب نے ساری بات ان کو بتادی پھر نایاب نے ان کی طرف دیکھا تو وہ حیران رہ گئیں اور انہوں نے نایاب کو گلے لگایا اور کہا۔ ”بیٹا اللہ سے معافی مانگو، اللہ رحمٰن و رحیم ہے، وہ توبہ قبول کرنے والا ہے اور بڑے سے بڑا گناہ معاف کردیتا ہے، لیکن صدق دل سے معافی مانگنا ضروری ہے۔“

پھر نایاب نے پانچوں وقت نمازیں پڑھنی شروع کردیں، وہ حیران تھی کہ ایک ماہ ہوگیا تھا اس کو باقاعدگی سے نمازیں پڑھتے ہوئے اور اس کی سوتیلی ماں اب اس کو نظر نہیں آتی تھی اور یہ بات نایاب نے حسن کو بتائی کہ ”اب مجھے میری سوتیلی ماں نظر نہیں آتی۔“

تو حسن نے نایاب کی پیشانی پر بوسہ دیا اور کہا ”اب تم پہلے سے بہت زیادہ پرسکون نظر آتی ہو، تمہارے اندر سے ڈر و خوف کا خاتمہ ہو رہا ہے، لگتا ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت تمہیں احاطہ کر رہی ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ کسی پر رحمت نازل کرتا ہے تو اس کو قلبی سکون ملنے لگتا ہے۔ اب تم باقاعدگی سے نماز پڑھ رہی ہو اور احکام خداوندی پر عمل کے ساتھ ساتھ تم نے شرعی پردہ بھی شروع کردیا ہے اور جو عورت شرعی پردہ کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اس پر بارش بن کر برسنے لگتی ہے۔“

تو نایاب کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ ”سچ۔“

”ہاں یہ سچ ہے۔ چلو اب جلدی سے اٹھ جاؤ۔“

”صبح فجر میں بھی تو اٹھنا ہے۔“ نایاب نے کہا۔

”صرف فجر میں نہیں تہجد میں بھی اٹھنا ہے، صرف میں نے نہیں آپ نے بھی اٹھ کر نماز پڑھنی ہے۔“

حسن نے مسکرا کر نایاب کو گلے سے لگالیا۔ اور جب نایاب سو رہی تھی تو نایاب نے خواب میں دیکھا کہ اس کی سوتیلی ماں جو کہ جنت میں ایک جھولے پر بیٹھی ہے اور مسکرا کر نایاب سے کہتی ہے۔ ”مبارک ہو تمہیں تمہارے رب نے معاف کردیا ہے۔ تم بہت خوش نصیب ہو، نایاب کہ تمہیں معافی مل گئی۔“ تو بے ساختہ نایاب کے منہ سے نکلا۔ ”کیا آپ نے مجھے معاف کردیا امی۔“ تو سوتیلی ماں نے کہا۔ ”جب اللہ نے تمہیں معاف کردیا تو میں کون ہوتی ہوں نہ معاف کرنے والی..... اللہ تمہاری زندگی میں ڈھیر ساری خوشیاں بھر دے۔“

صبح جب نایاب اٹھی تو اس نے حسن سے کہا۔ ”آج میں بہت خوش ہوں، آپ سچ کہتے ہیں کہ اللہ نے مجھے معاف کردیا۔“ اور رات والا سارا خواب حسن کو نایاب نے بتایا جسے سن کر حسن بھی حیران رہ گیا اور خوش بھی ہوا۔ ”دیکھا میں ناں کہتا تھا کہ اللہ تم سے راضی ہے۔“

پھر نایاب لاڈ میں آ کر بولی۔ ”اچھا ڈاکٹر صاحب میں نیند کی دوا کھاؤں یا نہیں۔“ تو حسن نے اپنے بازو نایاب کے گرد حمائل کرکے کہا۔ ”اب میری جان کو اس کی ضرورت نہیں۔“ تو دونوں ہنسنے لگے۔

پراسرار لوگ

گلاب خان سولنگی۔ نوشہرو فیروز

رات کے پچھلے پھر بستر پر لیٹے ہوئے مریض کی آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا کہ ایک عورت اس کے پائوں دبا رہی تھی، وہ اچنبھے میں پڑگیا مگر جب بغور دیکھا تو وہ عورت اس کی بیوی تھی جو کہ مرچکی تھی اور پھر.....

ایک ہمدرد روح کی ہمدردیاں..... کیا ایسا ممکن ہے مگر یہ حقیقت ہے کہ ایسا ہوتا ہے

ماہ اگست سے میری پریشانیوں میں اچھا خاصہ اضافہ ہوگیا ہے میرا بیٹا تاحال اسپتال میں زیر علاج ہے اسپتال کی کرب بھری ساعتوں سے کچھ لمحے نکال کر میں نے جب ڈر کے دفتر کا چکر لگایا تب مجھے ایک خوشگوار احساس نے آ گھیرا، ڈر کے اسٹاف اور شاہد بھائی کی مہمان نوازی اور اخلاص دیکھ کر مجھے کچھ خوشی کے لمحات میسر آ سکے۔

اگست سے میں نے دفتر سے چھٹی لے رکھی ہے بہرحال بچے کی طبیعت اب کافی بہتر ہوچکی ہے لیکن علاج ابھی بھی جارہی ہے۔ اسپتال میں ہر قسم کے عوام سے واسطہ پڑتا ہے سو میں نے سوچا فرصت کے لمحات کو موقع غنیمت جان کر کچھ واقعات ڈر کے قارئین سے بھی شیئر کروں۔

بیٹا ایک چھوٹے سے کمرے میں داخل تھا اس کا

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

آپریشن وغیرہ بھی ہوگیا تھا وہاں پر مجھے اور میری بیگم کو رہنے کی اجازت تھی رات گئے بیٹا اور بیگم تو سوجاتے تھے لیکن میں حسب معمول رات دیر تک مطالعے میں مصروف رہتا تھا وہاں پر بھی کچھ کتابیں جمع کر رکھی تھیں کچھ کتابیں شاہد بھائی نے بھی گفٹ کی تھیں ہمارے برابر والے کمرے میں بھی ایک بوڑھا شخص داخل تھا چونکہ وہ کافی عمر رسیدہ تھا اس لیے میں بھی اکثر اس کی عیادت کرنے جاتا تھا وہ مجھے دیکھ کر اور باتیں کرتے ہوئے بہت خوش ہوتا تھا۔

میں نے محسوس کیا کہ اس کے پاس کوئی بھی فیملی ممبر یا دور پار کا کوئی رشتہ دار یا دوست وغیرہ ملنے نہیں آتا بس وہ اکیلا پڑا رہتا تھا میں اپنے کاموں سے فرصت نکال کر اس بوڑھے مریض کے چھوٹے موٹے کام بھی کرتا اور اس سے باتیں بھی کرتا تھا۔

ایک روز میں نے کہا ''بابا جی! کچھ اپنے بارے میں بتاؤ، آپ سے ملنے کوئی بھی نہیں آتا، میرا مطلب ہے آپ اکیلے تو نہیں''

وہ مسکرایا ''کیا بتاؤں بیٹا! ویسے تو اس دنیا میں ہر آدمی اکیلا ہے لیکن کسی زمانے میں میرا بھی ایک ہرا بھرا کنبہ ہوا کرتا تھا اللہ بخشے میری گھر والی کو، وہ اس جہان سے گزر کیا گئی خوشیاں ہی ہم سے روٹھ گئیں ایک بیٹا تھا وہ شادی کر کے دبئی سیٹل ہوگیا اور ایک بیٹی تھی وہ بھی اپنے گھر کی ہوگئی۔ میرے علاج کا خرچہ میرا داماد کر رہا ہے، وہ ایک سیاستدان کے پاس ڈرائیور ہے لیکن مجھ سے ملنے کی فرصت کسی کے پاس نہیں شاید.....''

اسے آبدیدہ دیکھ کر میرا دل بھی پسیج گیا میں نے اسے دلاسہ دیا ''کوئی بات نہیں بابا جی! آپ مجھے کام بتایا کریں میں آپ کی خدمت کر کے خوشی محسوس کروں گا۔''

کافی دیر باتیں چلتی رہیں میں اپنے کمرے میں آ گیا اور بیٹے کو دوائی پلائی رات کے پچھلے پہر اچانک لائٹ چلی گئی میں نے بھی کتاب رکھ دی باہر بارش ہو رہی تھی مجھے کمرے میں گھٹن محسوس ہو رہی تھی سو میں کمرے سے باہر آ گیا۔ ہمارا وارڈ اسپتال کی دوسری منزل پر واقع تھا جہاں لوگوں کی بھیڑ قدرے کم رہتی تھی میں تھوڑی دیر کے لئے بالکونی میں کھڑا رہا باہر سڑک پر روشنی تھی لیکن اسپتال مکمل اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔

ایسے میں اچانک مجھے ایک عورت نظر آئی جو ہمارے برابر والے بوڑھے مریض کے کمرے میں داخل ہوئی میں نے سوچا یہ اس وقت بابا جی سے ملنے کون آ گیا ہے مجھے اب پریشانی ہونے لگی، میں سیدھا بابا جی کے کمرے میں آیا لیکن حیرت انگیز طور پر وہاں تو کوئی بھی نہیں تھا، میں نے کمرے کا اچھی طرح جائزہ لیا لیکن وہاں بابا جی کے علاوہ کوئی بھی نہیں تھا۔ ''خیریت ہے!''

وہ عورت کہاں غائب ہوگئی میں نے بابا جی کو جگانا مناسب نہیں سمجھا سوچا صبح پوچھ لوں گا اور میں واپس اپنے کمرے میں آ گیا لیکن میری آنکھوں نے جو دیکھا تھا دماغ اب تک اسے قبول نہیں کر رہا تھا۔

صبح سویرے میں بابا جی کے کمرے میں گیا ''ارے آؤ بیٹا، کیا بات ہے کچھ پریشان سے لگ رہے ہو، سب ٹھیک ہے ناں؟'' بابا نے پوچھا۔

میں کرسی پر بیٹھا ''بابا جی رات سے ایک بات پریشان کر رہی ہے سوچا آپ سے شیئر کروں۔''

''بیٹا کھل کر کہو کیا بات ہے؟''

''وہ..... وہ رات کے پچھلے پہر مجھے ایک عورت آپ کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے نظر آئی پر جب میں نے کمرے کا جائزہ لیا تو مجھے آپ کے سوا یہاں کوئی بھی وجود نظر نہیں آیا۔''

''بس! اتنی سی بات کے لئے پریشان ہو'' وہ کافی دیر ہنستے رہے جبکہ میں تعجب خیز نظروں سے انہیں تکے جا رہا تھا مجھے یوں حیرت میں ڈوبا دیکھ کر وہ گویا ہوئے ''دیکھو بیٹا! کچھ راز ایسے ہوتے ہیں جن کے دفن رہنے ہی میں بھلائی چھپی ہوتی ہے یہ تم ہر وقت ڈر جیسے خوفناک ادب میں گھسے رہتے ہو مجھے بتا سکتے ہو کہ اس سے کیا فائدہ؟'' انہوں نے جواب دیتے ہوئے مجھ سے سوال کر ڈالا۔

''یہ تو میرا شوق ہے''

''یعنی بھوت پریت کی کہانیاں تم کو پسند ہیں اور یہ مانتے بھی ہو گے کہ ان سب کا وجود بھی ہے اور روح کی حقیقت سے بھی تم خوب آگاہ ہو گے۔''

میں نے سر ہلا کے ہاں کا جواب دیا۔

''جو مشاہدہ رات کو تم نے کیا وہ مجھے بیس سالوں سے نظر آ رہا ہے۔''

''کیا!'' میں اب کی بار چونکا تھا۔

''وہ میری بیوی کی روح تھی'' مجھے دوبارہ حیرت کے سمندر میں غوطہ زن دیکھتے ہوئے انہوں نے اپنی بات جاری رکھی۔

''مجھے بے چین دیکھ کر اس کی روح مجھ سے ملنے آتی ہے اور یہ سلسلہ پچھلے دو دہائیوں سے جاری ہے لیکن اس بات کا ذکر میں نے کسی سے بھی نہیں کیا، تم اچھے آدمی ہو اور رحم دل بھی اسی لئے دوسروں کے دکھ میں شریک ہو جاتے ہو اس لئے یہ راز میں تم سے چھپا نہیں سکا۔

''لیکن آپ نے یہ بات پہلے کیوں نہیں بتائی؟''

''وہ اس لیے کہ اس کی روح نے مجھے منع کر رکھا تھا کہ اس راز کے عیاں ہوتے ہی وہ دوبارہ کبھی مجھ سے ملنے نہیں آئے گی۔''

''بابا جی میں آپ کی بات سمجھا نہیں۔''

''سمجھا تا ہوں'' اتنے میں ایک نرس کمرے میں داخل ہوئی اور ایک ڈرپ بابا جی کو لگا کر چلی گئی۔

وہ دوبارہ بولے ''شروع شروع میں مجھے بھی بہت ڈر لگتا تھا لیکن آہستہ آہستہ وہ ڈر ختم ہوگیا اور میں ان چیزوں کا جیسے عادی ہوگیا میں نے یہ بات اپنے بیٹے، بیٹی اور داماد سے بھی پوشیدہ رکھی۔ مجھے یاد ہے کہ کافی عرصہ پہلے کل رات والی بارش جیسا موسم تھا اس دن میرا ہلکا سا ایکسیڈنٹ ہوا تھا اور کسی نے جیب سے پرس بھی مار لیا تھا دونوں جانی اور مالی نقصان کی وجہ سے میں بہت پریشان تھا کہ مجھے نیند آ گئی۔

رات کے پچھلے پہر ایک آہٹ سے میری آنکھ کھل گئی میں نے دیکھا کہ میری مرحومہ بیوی پاس بیٹھی ہوئی ہے اور میرے پاؤں دبا رہی ہے مجھے خوف کا ایک شدید جھٹکا سا لگا میں نے پاؤں سکڑ لیے ''بیگم تم لیکن تم تو مر چکی ہو؟''

وہ بولی ''سرتاج مجھے آپ کے نقصان کی آگاہی ہوگئی تھی اس لیے میں آپ کی خاطر دوڑی چلی آئی شاید قدرت کے قانون میں نرمی ہوگئی ہے۔ اب جب بھی کبھی آپ کو کوئی تکلیف ہوگی تو آپ میری روح کو اپنے پاس پائیں گے مبادا اس طرح ہمارے دلوں کو سکون میسر آ سکے للہ مجھے تو آپ کا اکیلا پن اور تکلیف دہ زندگی دیکھی نہیں جا رہی اور ہاں اگر آپ نے ہمارا یہ راز کسی سے افشاں کر دیا تو پھر کبھی ہماری روح کا لمس آپ محسوس نہیں کر سکیں گے اور نہ ہی کبھی ہم سے ملاقات ہو سکے گی۔

وہ کافی دیر خاموش رہے۔

''دیکھیں مجھے معاف کرنا میری وجہ سے آپ کو اب اپنی پیاری زوجہ کی روح سے ملنے کے لیے نہ جانے کتنا انتظار کرنا پڑے گا'' میں نے افسردگی سے کہا۔

وہ خاموش رہے اور میں وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا اگلے دن ان کا کمرہ خالی تھا ایک نرس سے میں نے معلوم کیا کہ اس کمرے کے بڑے صاحب کا کیا بنا تو اس نے کہا وہ تو ڈسچارج ہو گئے ان کی بیٹی ان کو اپنے گھر لے گئی۔''

میں کافی دیر سوچتا رہا کہ آج کی جدید دور میں بھی ایسے پراسرار لوگ مل جاتے ہیں۔

میں نے یہ واقعہ ڈر کے قارئین کے لئے قلمبند کیا اپنے بزرگوں کا احترام کریں اور انہیں دنیا کی اس بھیڑ میں اکیلا مت چھوڑیں۔

دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ڈاکٹروں کو ہدایت عطا فرمائیں کہ وہ بھی غریب اور لاچار مریضوں سے رحم سے پیش آئیں اور مسیحائی کے نام پر کاروبار کی لالچ کو ذہن اور دل سے نکال کر راہ ہدایت کو اپنائیں کیونکہ سب کچھ اس دنیا میں رہ جاتا ہے اور انسان تنہا چلا جاتا ہے اللہ تعالیٰ سب مریضوں کو بیماری سے شفا عطا فرمائے۔ (آمین)

تاتونی

عمران قریشی-کوئٹہ

آخری حصہ

رات کے گھٹا ٹوپ اندھیرے اور حیرت انگیز تحیر انگیز وحشت ناک، دھشت ناک اور خوفناک وادی میں اٹکھیلیاں کرتی اور ساتھ ھی دھشت پھیلاتی عجیب و غریب ناقابل یقین و ناقابل برداشت دل پر سکتہ طاری کرتی رائٹر کے زور قلم کی انوکھی و انھونی کھانی

خراماں خراماں.....دل ودماغ کو خوف وہراس کے شکنجے میں جکڑتی.....شاہکار کہانی

پھر سیزان کی آمد گھنٹے بعد ہوئی، اس کے چہرے پر کامیابی کے تاثرات تھے۔ انسانی صورت اختیار کرتے ہی وہ مطمئن لہجے میں بولا۔

''میں نے شملے کی ٹینکی میں زہر کی وسیع مقدار شامل کردی ہے صبح عمارت کے اندر رہنے والا کوئی بھی ذی روح دوسرا سانس لینے کے قابل نہیں رہے گا۔''

''اب ہمیں صبح تک انتظار کرنا ہے۔'' نینی بولا۔

''تم ان چاروں ڈوگیوں کی وردی کی تلاشی لو ان میں سے ایک کے پاس ڈوگ کی چابی ہوگی۔ ڈوگ کا دروازہ کھولو تاکہ یہاں سے فرار ہوا جاسکے'' سیزان نے اثبات میں سر ہلایا اور سانپ بن کر سلاخوں کے نیچے سے باہر نکل گیا پھر انسانی صورت اختیار کرنے کے بعد چاروں ڈوگیوں کی وردیوں کی تلاشی لینے لگا۔ ان کے جسم پانی بن کر زمین پر بہہ رہے تھے۔ ڈوگ کی چابی تیسرے ڈوگی کی وردی میں تھی۔ سیزان نے چابیوں کے ذریعے دروازہ کھولا، نینی اور سامبا باہر نکل آئے۔

رات کے چار بجنے والے تھے ڈوگ کی عمارت میں ان چار ڈوگیوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا وہ عمارت سے باہر نکلنے کے بعد سامبا کے گھر کی طرف چل دیئے۔ سامبا کا گھر گاباچوک سے متصل مختصر آبادی میں تھا۔ یہ علاقہ امیر تاتونیوں کے لئے مختص تھا۔ اس کا مکان دو کمروں پر مشتمل تھا سامبا کے بچے نہیں تھے۔ بیوی دوسرے کمرے میں سو رہی تھی اس نے اسے جگایا اور نینی کی آمد سے مطلع کرنے کے بعد کافی تیار کرنے کے لئے کہا اور خود بیٹھنے والے کمرے میں آگیا صبح سات بجے کے قریب دونوں نے ناشتہ کیا۔ ناشتے کے دوران خاموشی طاری رہی لیکن فارغ ہونے کے بعد سامبا نے پرجوش لہجے میں سیزان سے پوچھا۔

''کیا تم نینا بدھ کی شکل اختیار کرسکتے ہو'' سیزان نے اثبات میں سر ہلایا۔

''سامبا چہکتے ہوئے بولا اور تتلیوں کی طاقت یا نسو بھی تمہارے پاس موجود ہے تب پھر مسئلہ حل ہوگیا تم شملے کی عمارت میں جا کر نینا بدھ کی شکل اختیار کرو اور اس کی لاش کو باتھ روم میں چھپادو۔ پھر ہمیں شملے میں بلوانے کا حکم دو، شملے میں داخل ہونے کے بعد ہم باقی تمام کام سنبھال لیں گے۔''

نینی کے چہرے پر تحسین کے تاثرات ابھرے اور سیزان سانپ کا روپ بدلنے کے بعد گھر سے باہر نکل گیا اس کے باہر جانے کے بعد سامبا اور نینی نے اپنے چہروں کو رومالوں سے ڈھانپا اور گھوڑوں پر بیٹھ کر شملے کی

وقار عظیم پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

طرف چل دیئے۔

صبح کے آٹھ بجنے والے تھے اور وادی کے بازار میں چہل پہل کا سماں تھا۔ عورتیں دوکانیں کھول رہی تھیں، اور مرد خرید وفروخت کی نیت سے بازار میں گھوم رہے تھے۔ ان دونوں کی طرف کسی نے بھی توجہ نہیں دی اور دونوں خاموشی کے ساتھ نیتا بدھ کے شملے تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔ لکڑی کے پھاٹک پر ڈوگی پہرہ دے رہے تھے سامبا نے آگے بڑھ کر انہیں اپنی آمد سے مطلع کیا وہ اندر کے حالات سے یکسر لاعلم تھے ڈیوٹی تبدیل ہوجانے کی بدولت وہ سامبا اور نینی کی گرفتاری سے بھی واقف نہیں تھے۔ اس لئے انہوں نے فوراً ہی سامبا کی آمد کی اطلاع سے شملے میں موجود نیتا بدھ کا روپ اختیار کیے ہوئے سیزان کو دے دی سیزان نے پہلے سے طے شدہ منصوبے کے مطابق انہیں اندر بلالیا۔ سامبا اور نینی سبزہ زار سے ہوتے ہوئے کمرے میں داخل ہوگئے وہاں سے ڈوگیوں کی لاشوں کو نا صرف ہٹادیا گیا تھا بلکہ ان کے بقایا جات جو وردیوں پر مشتمل تھے انہیں بھی غائب کردیا گیا تھا۔

ہال کمرے میں بنے ہوئے اسٹیج پر رکھی ہوئی مہنگی ترین کرسی پر نیتا بدھ کی صورت اختیار کیے سیزان بیٹھا تھا اس کے چہرے پر مسکراہٹ رقص کررہی تھی اور بارہ کے قریب ڈوگی اس کے گرد پہرہ دے رہے تھے۔ سامبا اور نینی کے کمرے میں داخل ہونے کے بعد وہ غصیلے لہجے میں چلاتے ہوئے بولا۔

''ان دونوں کو ختم کردو، شملے میں ہونے والی سازش میں یہ دونوں ملوث ہیں، اس وقت تک انہیں مارتے رہو جب تک ان کے جسموں سے جان باہر نہ نکل جائے۔''

تمام ڈوگی نینی اور سامبا کے جسموں پر پل پڑے وہ گھونسوں اور مکوں کا استعمال کررہے تھے نینی کو سیزان سے ایسی بے وفائی کی امید نہیں تھی لیکن وہ اس حد تک اپنے دماغ کو استعمال کرسکتا تھا اسے اس کی توقع نہیں تھی سامبا چلا چلا کر ڈوگیوں کو نیتا بدھ کی موت سے باخبر کرنے کی کوشش کررہا تھا وہ انہیں اس کی آرام گاہ کی تلاشی لینے کے لئے اکسا رہا تھا لیکن نینی کو اچھی طرح معلوم تھا کہ اگر نیتا بدھ کے جسم میں سیزان کا زہر سرایت کرگیا تھا تو پھر اب تک اس کا جسم پانی بن کر آبی بخارات کی صورت میں ہوا میں تحلیل ہوگیا ہوگا۔ تھوڑی دیر بعد دونوں لہولہان ہوگئے ان دونوں کے ناک اور منہ سے خون نکل رہا تھا جب وہ دونوں نڈھال ہوکر زمین پر گرنے کے قریب تھے۔

تو اچانک ہی نینی کو اپنے کان کے پاس مترنم آواز سنائی دی۔

''عالی حضرت کو جاں نثاروں کا سلام قبول ہو نیتا بدھ کی موت کے بعد شملے سے اس کی طاقتیں دفع ہوگئی ہیں ہمیں یہاں تک آنے میں کچھ تاخیر ہوئی جس کے لئے معذرت خواہ ہیں'' نینی کے معطل ہوتے ہوئے حواس ان آوازوں کو لاکھوں کے مجمع میں بھی پہچان سکتے تھے۔ آوازیں شدی اور میلان کی روحوں کی تھیں ان کی بات ختم ہونے کے بعد شملے کے بند ماحول میں اس قدر زور کی آندھی چلی کہ اس کی لپیٹ میں آنے والے وجود حقیر تنکوں کی مانند اچھل اچھل کر شملے کی دیواروں سے ٹکرانے لگے۔

نینی کو دوبارہ میلان کی آواز سنائی دی۔

''ہمارے پیچھے چلے آؤ، آندھی تمہارا کچھ نہیں بگاڑے گی'' نینی نے سر جھٹک کر حواسوں کو بحال کیا اور شدی میلان کی روحوں کے پیچھے شملے سے باہر کی طرف چل دیا پھاٹک کے پاس اس کا گھوڑا بندھا ہوا تھا۔ وہ گھوڑے پر بیٹھ گیا اور شدی میلان کی روحوں کے تعاقب میں وادی سے باہر جانے والی سڑک کی طرف بڑھنے لگا۔ روحوں کا رخ انگشتری کی عمارت کی طرف تھا وادی کے بازار میں افراتفری کا عالم پایا جاتا تھا۔ تاتونی حواس باختہ دکھائی دیتے تھے۔ ان کی مخصوص طاقتیں آپے سے باہر ہورہی تھیں۔ وہ توڑ پھوڑ اور دہشت گردی میں ملوث تھیں۔ نینی ان کی طرف توجہ دیئے بغیر آگے بڑھتا چلا گیا وادی کے خارجی راستے پر بنی ہوئی

چیک پوسٹ خالی پڑی تھی۔ شہر کے تمام ڈوگی ابتر ہوتے ہوئے حالات کو سنبھالنے کی خاطر اندرون وادی کا رخ کرچکے تھے۔ انگشتری کی عمارت میں سونی کے ہمراہ چوکا بھی اس کا منتظر تھا۔ اسے عمارت کے اندر داخل ہوتے دیکھ کر سونی پرجوش لہجے میں بولی۔

''کوکو ربی آپ نے کمال کردیا۔ نیتا بدھ کی طاقتیں ختم ہوگئی ہیں اور تاتونی عوام کی ہلکی طاقتیں آزاد ہوکر وادی میں اودھم مچانے میں مصروف ہیں یہی وجہ ہے کہ میری دونوں طاقتوں نے نہ صرف مجھے ڈوگ کی عمارت سے آزاد کروالیا بلکہ آپ کو بھی نیتا بدھ کے شملے سے نکال کر باآسانی یہاں تک پہنچادیا۔ ورنہ ان کی حیثیت اتنی نہیں تھی کہ یہ شملے کے در و دیوار کو عبور کرکے اندر داخل ہوسکتیں۔ ہمارے پاس وقت نہایت کم ہے اس بھگدڑ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہمیں نیتا بدھ کے شملے کے قریب واقع ڈوگ کی عمارت سے آپ کے والد محترم کو باہر نکالنا ہوگا۔ نیتا بدھ کی موت کے بعد تاتونیا میں طاقتور طاقتیں آپ کے والد صاحب کے پاس ہیں وہ انہیں بروئے کار لاتے ہوئے باآسانی شاہ رخ کی کرسی پر قبضہ کرسکتے ہیں۔ ہمیں دیر نہیں کرنی چاہئے حالات کی بدنظمی کسی وقت بھی معتدل صورت اختیار کرسکتی ہے۔'' نینی نے اثبات میں سر ہلایا۔

سونی نے قریب موجود لکڑی کی الماری کو کھولا اور سیاہ رنگ کا ریوالور باہر نکال کر نینی کے ہاتھوں میں تھمادیا ریوالور کے ہمراہ گولیوں کی تھیلی بھی تھی نینی نے ریوالور اور تھیلی کو جیب میں ڈالا اور سونی کے پیچھے چلتا ہوا انگشتری کے صحن میں چلا گیا وہاں اس کے گھوڑے کے علاوہ دوسرا گھوڑا بھی کھڑا تھا دونوں گھوڑوں پر بیٹھ کر وادی کی طرف روانہ ہوگئے۔

بازار مچھلی بازار کا منظر پیش کررہا تھا اونچے طبقے کی خواجہ سرا طاقتیں آزاد گھومتی پھر رہی تھیں ان میں زیادہ تر توڑ پھوڑ میں سرگرم عمل تھیں اور باقی بچ جانے والی انہیں باہمی تحفظ دے رہی تھیں۔ لاتوبا ڈوگیوں کی فوج کے ہمراہ حالات کو کنٹرول کرنے کے لئے کوشاں تھا لیکن روحانی طاقتوں سے ٹکر لینا اس کے بس سے باہر تھا وہ صرف ہاتھا پائی کرنے کی حد تک حصہ لے رہا تھا اور حالات میں بہتری دکھائی نہیں دیتی تھی سونی اور نینی بازار سے نکل کر چھاؤنی کے علاقے میں داخل ہوگئے یہاں کسی حد تک امن برقرار تھا لیکن تاتونیوں کے چہروں پر خوف وہراس ضرور تھا اور ان کے لبوں پر خلاف توقع پیدا ہوجانے والے حالات کا تبصرہ پایا جاتا تھا یہاں ڈوگیوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی ان کی اکثریت گاباچوک کی طرف روانہ ہوگئی تھی۔ شاہ رخ کے شملے کے گرد بھی مختصر ڈوگی پہرہ دے رہے تھے اور شملے سے کچھ دور واقع ڈوگ کی عمارت مکمل طور پر لاوارث دکھائی دیتی تھی۔ ڈوگ کی عمارت کے باہر دو ڈوگی ہاتھوں میں رائفلیں تھامے کھڑے تھے لیکن ان کے چہروں پر پریشانی کے تاثرات تھے۔ گھوڑوں کو اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر وہ دونوں مستعد ہوکر کھڑے ہوگئے۔

سونی نے ان میں سے ایک سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا ''ہمیں شاہ رخ سے چند اہم امور پر بات چیت کرنے کے لئے اندر جانا ہے ڈوگ کا دروازہ کھول دو''

ڈوگی سرد لہجے میں بولا ''ایسا ممکن نہیں وادی کے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے ڈوگ کی عمارت کے اندر جانے پر پابندی عائد کردی گئی ہے آپ واپس وادی کی طرف چلے جائیں۔''

نینی نے اپنے چہرے پر لپٹا ہوا رومال اتار لیا پھر دونوں ڈوگیوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ''مجھے پہچانتے ہو؟'' ڈوگی نے چونک کر نینی کی طرف دیکھا۔

نینی مسکراتے ہوئے بولا ''میں شاہ رخ کا لڑکارنی ہوں، نیتا بدھ مرچکا ہے اور اس کی کرسی پر براجمان تاتونی روپ بدلنے والا عیار سانپ سیزان ہے تم اچھی طرح جانتے ہو کہ نیتا بدھ کی موت کے بعد طاقتوں کی اکثریت صرف میرے والد اور وادی کے گزشتہ شاہ رخ کے پاس ہیں اور ان طاقتوں کی بدولت دوبارہ شاہ رخ کے عہدے کا حق دار وہی بن سکتا ہے۔ اس سلسلے میں ہم اس سے بات چیت کرنا چاہتے ہیں ہمیں اندر جانے دو۔''

دونوں میں سے ایک ڈوگی بولا "مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا کہ آپ واقعی ربی ہیں آج سے قبل میں نے آپ کو اتنے قریب سے کبھی نہیں دیکھا آپ اندر جاسکتے ہیں مجھے اعتراض نہیں ہے" اس نے آگے بڑھ کر ڈوگ کے لکڑی سے بنے ہوئے پھاٹک کو کھول دیا اور احترام کے ساتھ ایک طرف ہو کر کھڑا ہو گیا۔

ننی نے سونی کے ہمراہ اندر قدم رکھ دیا سامنے وسیع وعریض لان بنا ہوا تھا اور اس کے آگے چار کمروں کے دروازے دکھائی دے رہے تھے وہ چاروں بند تھے سونی نے ان کی طرف بڑھنے کی کوشش نہیں کی بلکہ برآمدے کے ایک سائیڈ پر بنی ہوئی سیڑھیوں کا رخ کیا جو نیچے تہہ خانے کی طرف جا رہی تھیں ان سیڑھیوں کے پاس دو ڈوگی کھڑے تھے انہوں نے ننی اور سونی کو روکنے کی کوشش کی لیکن ڈوگ کی عمارت کے باہر تعینات ڈوگی نے بلند آواز میں انہیں ننی کے متعلق آگاہ کیا دونوں نے حیرت بھری نگاہوں سے ننی کے چہرے کی طرف دیکھا پھر احترام کے ساتھ ایک طرف ہو کر کھڑے ہو گئے سونی نے نیچے جاتی ہوئی سیڑھیوں پر قدم رکھ دیا یہ سیڑھیاں گھومتی ہوئی نیچے کی طرف جاتی تھیں وہاں نیچے وسیع وعریض ہال کمرہ بنا ہوا تھا جس کے آگے سلاخیں لگی ہوئی تھیں کمرے میں دری اور تکیے کے علاوہ اور کچھ بھی موجود نہیں تھا۔

دری پر شاہ رخ آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا دونوں کو سیڑھیاں اترتے دیکھ کر وہ دری سے اٹھ کھڑا ہوا ننی نے اپنے باپ کی طرف غور سے دیکھا وہ حیرت انگیز طور پر اپنے چھوٹے بھائی سے مشابہت رکھتا تھا فرق صرف اتنا تھا کہ اس وقت اس کے چہرے پر سفید اور باریش داڑھی تھی اور پانی پتا میں ننی کو پالنے والے اس کے چھوٹے بھائی کی نہیں تھی اس کے علاوہ رتی برابر بھی فرق نہیں پایا جاتا تھا۔

شاہ رخ نے چندھیائی ہوئی آنکھوں سے ننی کے سراپے کا جائزہ لیا پھر مسرت بھرے لہجے میں بولا۔

"تم ربی کے سائے ہو مجھے یقین تھا کہ تم وادی تاتونیا ضرور آؤ گے۔ لیکن تم نے بہت دیر لگادی تلسی کب سے تمہاری منتظر ہے۔"

ننی سپاٹ لہجے میں بولا "میں اسی کے لئے یہاں آیا ہوں ورنہ ایک سائے کی کیا اوقات کہ وہ وادی میں داخل ہو سکے۔"

شاہ رخ بولا "میرے بچے یہ وادی کا قانون ہے اس سے انحراف ممکن نہیں یہ تو صدیوں سے ہوتا چلا آیا ہے، سائے وادی میں نہیں رہ سکتے انہیں باہر جانا ہی ہوتا ہے میرے چھوٹے بھائی نے سایہ ہونے کی وجہ سے تمام زندگی شندوں کی دنیا میں بسر کی اور اس کی موت بھی وہیں واقع ہوئی" ننی کو اپنے باپ کی یاد ستائی اور اس نے پوچھا "کیا میں اپنے بھائی کی روح سے ملاقات کر سکتا ہوں؟"

شاہ رخ نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔ "نہیں وہ روحوں کی وادی میں جا چکا ہے اور وہاں سے واپس آنا ممکن نہیں ہے۔"

ننی کے پیچھے کھڑی ہوئی سونی بے تابانہ لہجے میں بولی۔ "شاہ رخ تاتونی ہمارے پاس وقت محدود ہے نیتا بدھ کی حکومت کا تختہ الٹ چکا ہے وادی میں انتشار کی کیفیت نمایاں ہے ہمیں اس انتشار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شاہ رخ کی کرسی پر قبضہ کرنا ہوگا اگر آپ کو چلنے میں دشواری محسوس ہوتی ہے تو میں اپنی ہم نوا روحوں کو یہاں طلب کر لیتی ہوں وہ آپ کو شملے تک لے جائیں گی۔"

شاہ رخ نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے اسے منع کیا اور کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا پھر مسکراتے ہوئے بولا۔

"میرے جسم میں ابھی تک اتنی طاقت موجود ہے کہ میں کسی کے سہارے کے بغیر قدم اٹھا سکوں اور اگر تمہارے کہنے کے مطابق نیتا بدھ کی حکومت کا تختہ الٹ چکا ہے تو پھر میری طاقتوں نے بھی از سر نو کام کرنا شروع کر دیا ہوگا۔ میں انہیں طلب کرتا ہوں۔" بات ختم کرنے کے بعد اس نے آنکھیں بند کیں اور منہ میں کچھ بڑبڑانے لگا اس کے فوراً بعد تہہ خانے کے ماحول میں ہوا کے جھونکے رقص کرنے لگے پھر سرگوشی بھری

آواز سنائی دی۔

"ہم شاہ رخ تاتونی کو خوش آمدید کہتے ہیں اور دوبارہ تاتونیا کی حکومت حاصل کرنے پر مبارکباد دیتے ہیں۔"

بات مکمل ہونے کے بعد نہایت حسین وجمیل خواجہ سرا کی صورت تہہ خانے میں نمودار ہوئی، وہ صوفی تھی، اس کے ساتھ پانیوں کی طاقت بھی کھڑی تھی شندی اور میلان کی طرح ان دونوں نے بھی کان اور ناک میں سنہرے رنگ پہن رکھے تھے۔

شاہ رخ مسکراتے ہوئے بولا "صوفی بھی نئی زندگی مبارک ہو سونی کے کہنے کے مطابق نیتا بدھ کی حکومت کا تختہ الٹ چکا ہے اور تاتونی عوام کی سرکش روحیں وادی میں ادھم مچا رہی ہیں تم انہیں جا کر قابو کرو اور پانی پوری تم گابا چوک پر انتظامات مکمل کرو۔ میں جلد از جلد تاتونی عوام سے خطاب کرنا چاہتا ہوں۔ انہیں اس بات سے آگاہ کرنا ضروری ہے کہ وادی پر ہماری حکومت دوبارہ قائم ہونے والی ہے اور نیتا بدھ کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا ہے پانی پوری اور صوفی نگاہوں کے سامنے سے اوجھل ہو گئی اور وہ تینوں ڈوگ کی عمارت سے باہر نکل آئے۔

☆......☆......☆

ایک گھنٹے کے بعد گابا چوک کے درمیان بنے ہوئے اسٹیج پر شاہ رخ کھڑا تھا اس کے دائیں اور بائیں جانب صوفی اور پانی پوری کی طاقتیں کھڑی تھیں گابا چوک پر تاتونیوں کا ہجوم جم غفیر کی صورت اختیار کرنے لگا تھا اور چہ میگوئیوں کی آواز سے چوک میں مچھلی بازار کی کیفیت نمایاں ہونے لگی تھی۔ شاہ رخ نے انہیں ہاتھ اٹھا کر خاموش ہو جانے کے لئے کہا تو مجمعے میں خاموشی طاری ہو گئی۔ شاہ رخ گھمبیر لہجے میں بولا۔

"وادی تاتونیا کے غیور تاتونیو! تمہیں اندازہ ہو چکا ہوگا کہ نیتا بدھ کی حکومت کا تختہ الٹ چکا ہے اور طاقتوں کی اکثریت کی بدولت مجھے دوبارہ حکومت کرنے کا موقع مل گیا ہے ایک سال کی قید تنہائی کے دوران میں نے اپنی گزشتہ دور حکومت کی غلطیوں پر نظر ثانی کی اور اس نتیجے پر پہنچا کہ آنے والی حکومت کے دوران ان کا ازالہ کروں گا ان غلطیوں میں سرفہرست سائے کی حیثیت کا مکمل خاتمہ ہے، یہ ایک فضول اور جاہلانہ رسم ہے میرے خیال میں سب تاتونیوں کی حیثیت ایک برابر ہونی چاہئے۔ اسی طرح انگشتری کی عمارت میں پائے جانے والے بوڑھوں کو بھی حیثیت کے مطابق وادی میں جگہ دی جائے گی۔ بوڑھے بزرگوں کی خدمت اور عزت کرنا ہمارا عزم خاص ہونا چاہئے کھیتوں میں کام کرنے والی عورتوں کو پیدا ہونے والے اناج میں تیسرے کے بجائے دوسرے حصے کا حق دیا جائے گا اور ہر تاتونی کو وادی سے باہر جا کر سرمایہ کاری یا پھر کاروبار کرنے کی کھلی اجازت حاصل ہوگی۔"

تاتونیوں کے مجمعے کے درمیان ہلچل کے آثار پیدا ہوئے شاہ رخ کی بات درمیان میں رہ گئی۔ لاتوبا تاتونی عوام کو دھکے دیتا ہوا مجمعے کے درمیان سے نمودار ہوا اور اگلی صف کے پاس کھڑا ہو گیا اس کا چہرہ غصے سے لال بھبوکا دکھائی دے رہا تھا وہ گلا پھاڑ کر چلاتے ہوئے بولا۔

"تم وادی تاتونیا کی حکومت کے لئے نااہل ہو تمہارے وعدوں کے مطابق جیم میں جیت کا حقدار ہونے کے باوجود بھی مجھے میری بیوی کا قرب حاصل نہیں ہوا اگر شاہ رخ کا عہدہ حاصل کرنا چاہتے ہو تو پھر خاموشی کے ساتھ تلسی کو میرے حوالے کر دو۔"

اس کی بات کے اختتام پر تاتونی مجمعے میں انتشار پیدا ہوا اور وہ سب چلاتے ہوئے شاہ رخ کے خلاف نعرے بازی میں مشغول ہو گئے۔ شاہ رخ نے ہاتھ اٹھا کر انہیں خاموش کیا پھر اسٹیج کے پچھلی طرف کھڑے ننی کو ہاتھ کے اشارے سے قریب آنے کے لئے کہا ننی چھلانگ لگا کر اسٹیج پر چڑھ گیا اور شاہ رخ کے قریب آ کھڑا ہوا۔

شاہ رخ سرد لہجے میں بولا۔

"ربی میرے ہمراہ اسٹیج پر کھڑا ہے اگر تم اس کی موت کے شواہد ہمارے سامنے پیش کر دو تو میں تلسی کو تمہارے حوالے کرنے کے لئے بہ خوشی تیار ہوں۔"

لاتوبا غصیلے لہجے میں بولا "یہ ربی نہیں ہے بلکہ اس کا

سایہ ہے اور سائے کی تاتونی قانون کے مطابق کوئی حیثیت نہیں ہوتی تمہیں تلسی کو میرے حوالے کرنا ہی ہوگا۔“

شاہ رخ نے سوالیہ لہجے میں پوچھا۔

”کیا تمہارے پاس اس بات کا کوئی ثبوت موجود ہے کہ یہ ربی نہیں بلکہ اس کا سایہ ہے۔“

لاتوبا نے حتمی لہجے میں جواب دیا۔”میں اس کے شندو پش منظر کے متعلق جانتا ہوں یہ چند عرصہ قبل تک ملک کا نامور باکسر رہ چکا ہے اس کی رہائش چھوٹے سے قصبے پانی پتا کی ہے اور اس کی پہلی بیوی کا نام عافیہ ہے۔“

شاہ رخ کے چہرے پر پریشانی کے تاثرات ابھرے وہ کچھ بولنا چاہتا تھا لیکن نینی نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور لاتوبا سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔”میں لاتوبا کی باتوں سے اتفاق کرتا ہوں یہ حقیقت ہے کہ میں ربی نہیں ہوں بلکہ میرا نام نینی ہے اور میں ربی کا سایہ ہوں یہ بھی حقیقت ہے کہ لاتوبا ربی سے جیم جیتنے کے بعد تلسی کا حقدار بن چکا ہے اور تلسی کو اس کے شملے میں جانے کا حکم شاہ رخ کو ایک سال قبل دے دینا چاہئے تھا۔“

شاہ رخ نے حیرت بھری نگاہوں سے نینی کی طرف دیکھا لیکن وہ توجہ دیئے بغیر بولتا چلا جارہا تھا۔

”لیکن مجھے افسوس ہے کہ بعض مجبوریوں کی بناء پر ایسا نہیں ہوسکا اور انہی مجبوریوں کی بناء پر پانی پتا میں میری اور تلسی کی شادی ہوگئی جس کی بناء پر آج وہ میری بیوی ہے اور وہاں کے قانون کے مطابق تلسی اب میری بیوی ہے لاتوبا میں اگر ہمت ہے تو مجھے جیم کرنے کے بعد تلسی کو دوبارہ اپنانے کا دعویٰ کرے اگر وہ ایسا نہیں کرسکتا تو پھر میں اسے جیم کی دعوت دیتا ہوں۔“

تاتونیوں کے مجمع کو یکدم سانپ سونگھ گیا لاتوبا کے ہاتھ غصے کی بدولت مٹھیوں کی صورت میں بھینچ گئے اس نے جذبات سے مغلوب ہوکر آگے بڑھنے کی کوشش کی لیکن اسٹیج کے پاس کھڑے ڈوگیوں نے اسے پیچھے دھکیل دیا مجمعے میں موجود تمام تاتونی یہ بخوبی جانتے تھے کہ وہ اپنی موٹی عقل کی بدولت چوہے دان میں پھنس کررہ گیا تھا اور اپنی کم عقلی کی وجہ سے وہ چوہے دان سے باہر نکلنا ہی نہیں چاہتا تھا وہ دماغ کے استعمال پر لڑنے جھگڑنے کو ترجیح دیتا تھا اس لیے اس نے چلاتے ہوئے نینی سے مخاطب ہوکر کہا۔

”تم حقیر چوہے مجھے جیم کروگے، میں سترہ سال سے جیم کا مقابلہ جیتتا چلا آیا ہوں ان سترہ سالوں کے دوران سترہ تاتونیوں کی اموات میرے ہاتھوں سے ہوئی ہیں اور اٹھارویں موت تمہاری ہوگی۔“

نینی نے چلاتے ہوئے اس کی بات کو درمیان میں کاٹ کر کہا۔”میں تاتونی نہیں ہوں جسے تم چٹکی میں مسل کر ہلاک کردوگے میں عالمی ہیوی ویٹ باکسر ہوں جسے تمام دنیا کے باکسر مل کر ہرا نہیں پائے تو تم کس کھیت کی مولی ہو۔“ پھر اس نے تاتونی مجمعے کی طرف دیکھتے ہوئے چلا کر کہا۔”اگلے مہینے کے جیم کی تیاریوں کا آغاز کردو شاہ رخ کی حکومت اور تلسی کے حقدار کا فیصلہ جیم کی ہار جیت کے بعد ہوگا۔“

مجمعے نے اب کی دفعہ ربی کے حق میں نعرے لگانے شروع کردیئے اس مختصر گفتگو کے بعد شاہ رخ نے اپنی آنے والی حکومت کے گنے چنے عہدیداروں کے ناموں کا اعلان کیا اور پھر تاتونیوں کے مجمعے سے نکل کر اپنے شملے کی طرف چل دیا۔

گابا چوک سے تاتونیوں کا مجمع چھٹنے لگا شملے کی عمارت کے قریب ڈوگیوں کی مختصر ٹولی کے درمیان میں سیزان مجبور ولاچار کھڑا تھا اور ڈوگی اسے بری طرح پیٹ رہے تھے۔

اگر منکا اس کے پاس ہوتا تب صورتحال مختلف ہوتی ڈوگی اسے اتنی مہلت نہیں دے رہے تھے کہ وہ سانپ بن کر ان کے درمیان میں سے فرار ہوسکتا صبح نیتا بدھ کی موت کی خبر انہیں دیر سے موصول ہوئی تھی اور اس خبر کی تصدیق بازار میں توڑ پھوڑ کرتی ہوئی سرکش روحوں کو دیکھ کر ہوئی۔

تب ڈوگیوں نے پہلے سیزان کے ناخن چیک کیے پھر اسے چاروں اطراف سے گھیرے میں لے لیا اور اس

کی پٹائی شروع کردی شملے کی عمارت کے پاس کھڑے ہوئے نینی کے چہرے پر اطمینان کے تاثرات ابھرے وہ سیزان سے سوزو کا انتقام لینے میں کامیاب ہوگیا تھا۔

سیزان لحہ بہ لحہ لہولہان ہوتا چلا جارہا تھا شاہ رخ کی آمد کو محسوس کرتے ہوئے جب ڈوگیوں نے پیچھے مڑ کر اس کی طرف دیکھا تب سیزان کو بھیس بدلنے کا موقع مل گیا اس نے یکلخت سانپ کا روپ دھار لیا اور مجمعے سے فرار ہونے کی کوشش کی تو ڈوگی گھبرا کر پیچھے ہٹ گئے۔

نینی چلاتے ہوئے بولا ”اسے کچل کر ختم کردو، ورنہ یہ تم میں سے کسی کو بھی زندہ نہیں چھوڑے گا“ ڈوگیوں کے ہجوم میں اشتعال کی کیفیت پیدا ہوئی اور انہوں نے رائفلوں کی برچھیوں سے سیزان کے سیاہ اور چمکیلے وجود پر حملہ کردیا چند ہی منٹوں کے دوران وہاں سانپ کے کٹے پھٹے ٹکڑے باقی رہ گئے۔

نینی کے پیچھے کھڑے شاہ رخ نے اس کا ہاتھ تھاما اور شملے کی عمارت میں داخل ہوگیا اسے بہت سے اہم امور پر کام کرنا تھا۔ اپنی حکومت کے مزید عہدیداروں کا انتخاب نیتا بدھ کی موت کے بعد دوسرے نیتا بدھ کا تعین، اپنے کیے ہوئے ان چند فیصلوں پر عملدرآمد جن کا وعدہ وہ تاتونی عوام کے سامنے کرکے آیا تھا تلسی کی واپسی کا بندوبست بھی کرنا تھا وہ جلد از جلد ان کاموں سے فارغ ہوجانا چاہتا تھا تاکہ اطمینان کے ساتھ اپنے اگلے لائحہ عمل کا تعین کرسکے۔

ایک ہفتہ ان امور پر کام کرتے ہوئے گزر گیا نینی کے اصرار پر نیتا بدھ کی کرسی کے لئے ساما با کو منتخب کیا گیا حالانکہ وہ اس عہدے کے متحمل نہیں تھا۔ اس کے پاس طاقتوں کی کمی تھی لیکن نینی نے اسے سیزان کا منکا دے کر اس کی کمی کو کسی حد تک پورا کردیا تھا۔ اور ان سب باتوں سے قطع نظر لاتوبا تاتونی عوام کی وسیع قیادت کے درمیان شاہ رخ کے لئے دردسری کا باعث بنا ہوا تھا ان سب کا مطالبہ تھا کہ جیم سے قبل تلسی کو لاتوبا کے حوالے کردیا جائے وہ تاتونی قوانین کے مطابق اس کی بیوی تھی اور اسے لاتوبا کے ساتھ ہی رہنا چاہئے تھا۔

شاہ رخ نے انہیں بمشکل تمام اس بات پر راضی کیا کہ جب تک جیم کا آغاز نہیں ہوتا۔ اس وقت تک تلسی شملے کی اتھاہ گہرائیوں میں واقع تہہ خانے میں روپوش رہے گی۔ وہ لاتوبا اور نینی دونوں کی دسترس سے باہر ہوگی اور اس کی حفاظت پر تاتونی عوام کی چند مخصوص روحیں متعین ہونگیں۔

لاتوبا اور اس کی قیادت میں شملے تک آنے والی تاتونی عوام مطمئن ہوکر واپس وادی کی طرف چلی گئی۔

نینی کو بھی چند عرصے کی اس دوری کو برداشت کرنا پڑا۔ اس مختصر وقت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے اگلے مہینے والے جیم کی تیاریوں کا آغاز کردیا کافی عرصے محنت طلب زندگی سے دور رہنے کی بدولت وہ جیم کے مقابلے کے لئے موزوں نہیں رہا تھا اس کے لئے دن رات ورزش کرتے رہنا ضروری تھا وہ محنت کرنے لگا وادی میں بھی زور وشور سے مقابلے کی تیاریوں کا آغاز ہوگیا تھا جونڈا ہال کے دروازوں کو کھول دیا گیا تھا رنگ اور کرسیوں کو ترتیب دیا جانے لگا مارچ کی شروعات سے قبل ان جیم کے مقابلوں سے جان چھڑائی جانے لگی۔ جو وادی کے چند امیدواروں کے سالانہ جیم پر مشتمل تھے۔

ادھر لاتوبا بھی اپنی جسمانی ورزشوں میں مصروف تھا تاتونی مردوں اور عورتوں کی زبانوں پر ایک ہی موضوع پایا جاتا تھا کہ جیم میں کس کی جیت ممکن ہوسکتی ہے ان کی تنقیدی نگاہوں کے مطابق نینی لاتوبا کا ہم پلہ نہیں تھا جسامت اور طاقت کے اعتبار سے لاتوبا نینی سے بہت آگے تھا لیکن سونی کے کہنے کے مطابق نینی شندوں کی دنیا میں باکسنگ کے میدان میں کافی عرصے تک چھایا رہا تھا اور اس عرصے کو مدنظر رکھتے ہوئے لاتوبا کو جیم کے دوران ناکوں چنے چبوا سکتا تھا۔ یہ وہ چند الفاظ تھے جو ہر تاتونی کے دل کی کیفیت کو نمایاں کرتے تھے۔

بہر حال مارچ کی ابتدائی سے قبل چھوٹے چھوٹے موٹے جیم کے مقابلوں کو مختصر وقت کے دوران نمٹا لیا گیا اور یکم مارچ کو عام تعطیل کا اعلان کردیا گیا مقابلے والی رات نینی نے ہال میں جانے سے قبل

ٹھنڈے پانی سے غسل کیا۔ باکسنگ کی کامیاب زندگی کے دوران یہ غسل اس کی عادت ثانیہ کا درجہ رکھتا تھا وہ ٹھنڈے پانی سے غسل کے بعد اپنے مشتعل ہوتے ہوئے جذبات کو سرد کرنے کی کوشش کرتا تھا۔

شدی اور میلان کی روحیں اس کی ہر حرکات کا تنقیدی نگاہوں سے جائزہ لے رہی تھیں۔

جب نینی نے غسل کے بعد کمرے میں قدم رکھا تب دونوں نے ہم زبان ہوکر اس سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

''صاحب جان ہم تمہاری خدمت میں حاضر ہیں ہمیں سونی نے تمہارے شملے میں رہنے کی ہدایت کی ہے، ہم جیم کے اس مقابلے میں تمہاری معاون طاقتوں کے طور پر جونڈ اہال میں تمہارے ہمراہ رہنے کی اجازت طلب کرتے ہیں۔''

نینی نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

''مجھے تمہاری ضرورت نہیں ہے۔ میں اپنی بیوی کی عزت کی حفاظت اکیلے کرسکتا ہوں۔''

شدی اور میلان خاموش ہوگئیں۔

نینی ربی کا مخصوص لباس زیب تن کرنے لگا جو سیاہ ہاف بنیان اور سیاہ پینٹ پر مشتمل تھا لباس پہننے کے بعد اس نے سیاہ گاؤن جسم کے ساتھ لپیٹا اور بالوں کو پونی کی صورت میں باندھنے لگا کمرے کا دروازہ کھلا اور شاہ رخ اندر داخل ہوا اس نے نینی کے سراپے کا تنقیدی نگاہوں کے ساتھ جائزہ لیا۔ پھر مطمئن لہجے میں بولا۔

''مقابلے کا وقت ہونے والا ہے اگر تم تیار ہو تو شملے کے نیچے میری چھ گھوڑوں والی بگھی تیار کھڑی ہے تاتونی عوام ہال میں تمہارے منتظر ہیں۔''

نینی نے بے چین لہجے میں پوچھا۔ ''تلسی کہاں ہے؟''

شاہ رخ کے چہرے پر معنی خیز مسکراہٹ نمودار ہوئی اور وہ بولا۔ ''تمہارے اسٹیج پر اترنے کے بعد وہ جونڈ اہال کی سب سے اگلی رو میں مخصوص نشست پر براجمان ہوگی۔ تم اسے رنگ میں سے بہ خوبی دیکھ سکو گے۔''

نینی نے سراثبات میں ہلایا اور خاموشی کے ساتھ شاہ رخ کے ہمراہ شملے میں سے نکل کر بگھی میں آ بیٹھا۔

شدی اور میلان کی روحیں اس کے ساتھ بگھی تک آئیں پھر نگاہوں کے سامنے سے اوجھل ہوگئیں کوچوان نے گھوڑوں کی باگیں ڈھیلی چھوڑ دیں اور بگھی نے گاہا چوک سے کچھ ہٹ کر واقع جونڈ اہال کی طرف بھاگنا شروع کردیا۔ وادی میں ویرانی طاری تھی تاتونی جونڈ اہال کی طرف جاچکے تھے۔ شاہ رخ کی بگھی کے آگے اور پیچھے آٹھ ڈوگی گھوڑوں پر سوار اسے کور کررہے تھے۔

سورج غروب ہوچکا تھا اور ماحول پر تاریکی کا راج تھا لیکن جونڈ اہال طاقتور روشنیوں سے منور تھا بگھی میں جتے ہوئے گھوڑے جونڈ اہال کے پیچھے دروازے کے قریب جاکر کھڑے ہوگئے یہاں سے نینی کو ربی کے مخصوص کمرے میں منتقل کردیا گیا جہاں اسے مقابلہ شروع ہونے سے قبل انتظار کرنا تھا کمرہ مختصر فرنیچر سے مزین تھا سیدھے ہاتھ کی دیوار میں چھت سے لے کر زمین تک شیشہ نصب تھا جس کے اطراف بلب روشن تھے۔ شیشے کے مقابل صوفہ سیٹ پڑا تھا۔ اس کے ساتھ تپائی پر پھولوں کا خوبصورت گلدستہ رکھا تھا۔

نینی خاموشی کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گیا شاہ رخ ہال میں اپنی مخصوص نشست کی طرف چلا گیا۔ نینی کے چہرے پر بے چینی کے تاثرات تھے۔ چند لمحات کے دوران اسے تلسی کا دیدار نصیب ہونے والا تھا۔ باہر ہال کمرے میں سے مقابلے کی شروعات کا اعلان ہوا اعلان کرنے والا کہہ رہا تھا۔ ''معزز شاہ رخ تاتونی اور وادی کے غیور تاتونیوں میں آپ سب کی خدمت میں سلام پیش کرتا ہوں اور شاہ رخ سے مقابلے کی شروعات کا آغاز کرنے کی اجازت طلب کرتا ہوں۔ آپ سب جانتے ہیں کہ یہ مقابلہ پچھلے مارچ کے جیم کا ایک حصہ ہے جس کا اختتام ناگزیر وجوہات کی بناء پر نہ ہوسکا آج اس مقابلے کو وہیں سے شروع کیا جائے گا جہاں سے چھوڑا گیا تھا اس جیم کا اختتام دونوں فریقوں میں سے ایک کی موت پر منحصر ہوگا دوران مقابلہ ریفری کا کردار

اسماء الحسنیٰ ۔۔۔۔ کامیابی کا راستہ

آرزوئیں اس طرح بھی پوری ہوجایا کرتی ہیں

پریشانیوں سے چھٹکارہ

ہمارا ہر عمل دنیا کے ہر کونے میں اثر کرتا ہے

شادی کرنی ہو یا رکوانی ہو | جادو چلانا ہو یا ختم کرنا ہو
شوہر یا بیوی کی اصلاح | اولاد کا نہ ہو یا ہو کر مرجانا
گھریلو ناچاقی | کاروباری بندش
جنات کا سایہ | دیگر مسائل

سید فرمان شاہ کا پیغام جو لوگ سوچتے رہتے ہیں۔
وہ ہمیشہ دکھی رہتے ہیں پلک جھپکنے سے پہلے کام علم جو بگڑے کام بنائے

ہر مشکل کا حل بذریعہ موکلات جس پریشانی کی وجہ سے آپ کی زندگی موت سے بھی بدتر ہوگئی ہو اور ہر عامل ناکام ہوگیا ہو ہم سے مشورہ ایک بار ضرور لیں عامل وہ جس علم سات سمندر پار چلے کالے و سفلی جادو ختم پتھر سے پتھر دل محبوب تابع ہوگا اولاد فرمان بردار خاوند سے بے رخی بچوں کے اچھے رشتے اور کاروبار میں کامیابی وہ لوگ مایوس نہ ہوں بلکہ اپنی آخری امید سمجھ کر سید فرمان شاہ سے رابطہ کریں انشاء آپ محسوس کریں گے ایک فون کال نے ہماری زندگی بدل دی

سسرال میں بہو سب کی آنکھ کا تارا بن سکتی ہے ہر کام 100% رازداری کے ساتھ

خواہش

کلام الٰہی سے ہر پریشانی کا حل پہلے تعویز سے آپکی اجڑی ہوئی زندگی میں بہار ایک فون کال پر آپ کے مسائل کا حل ایک فون کال پر

زندگی کی کوئی بھی خواہش ہے کسی کو پانے کی تمنا اپنوں کی بے رخی سے دکھی ہیں یا میاں بیوی کی رنجش کو ختم کرنا ہے

غرض کوئی بھی جائز خواہش ہے تو پوری ہوگی انشاءاللہ

میں آپ سے ایک فون کال کی دوری پر موجود ہوں فون ملایئے اور آزمالیجئے

ایک بار ہمیں خدمت کا موقع دیں کامرانیاں آپ کے قدم چومیں گی اور آپ یقیناً بہترین اور خوشگوار زندگی کا لطف اٹھائیں گے۔

نوٹ: جو خواتین وحضرات خود نہیں آسکتے وہ گھر بیٹھے فون کریں اور ہم سے کام لیں انشاءاللہ کامیابی ہوگی۔

وہ علم ہی کیا جس میں اثر نہ۔ وہ آنکھیں کی کیا جن میں شرم نہ ہو۔ وہ علم ہی کیا جس عمل نہ ہو۔ وہ زبان ہی کیا جس میں اثر نہ ہو۔

سید فرمان شاہ

اچھرہ سٹاپ مین بازار اچھرہ لاہور پاکستان

0300-6484398

کوئی ادا نہیں کرے گا کوئی بھی حریف اپنے ہمراہ کسی بھی قسم کا اسلحہ یا ہتھیار رنگ میں لے جانے کا مجاز نہیں اور مقابلے کے اختتام پر جیتنے والے حریف کو اس کی امانت شاہ رخ اپنے ہاتھوں سے اصولی طور پر تھمانے کا حق رکھتا ہے۔ اب میں دونوں حریفوں کو ہال میں بلانے کی اجازت چاہتا ہوں۔"

اس کے بعد لاتوبا کا نام پکارا جانے لگا ہال میں کان پھاڑ دینے والے شور کی آوازیں سنائی دیں نینی کے کمرے سے متصل دوسرے کمرے کا دروازہ جھٹکے کے ساتھ کھلا اور بھاری قدموں کی چاپ ہال کمرے کی طرف جاتی ہوئی سنائی دی وہ لاتوبا تھا جب اس نے ہال کمرے میں قدم رکھا تب وہاں کا ماحول اس کے حق میں لگنے والے نعروں سے گونج اٹھا۔

نینی کو اندازہ لگانے میں مشکل پیش نہیں آئی کہ آدھی سے زیادہ عوام اس کی طرف دار تھی۔ لیکن اس بات سے قطع نظر نہیں کے ساتھ تلسی کی وہ محبت تھی جو اسے کچے دھاگے میں باندھے معذوری اور محتاجی کے باوجود بھی پانی پتا سے اتنی دور کھینچے لیے آئی تھی۔

ہال کمرے میں خاموشی طاری ہوگئی پھر اعلان کرنے والے نے ربی کا نام پکارا اور نینی جھٹکے کے ساتھ صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا اس نے کمرے کا دروازہ کھولا دروازے کے سامنے دو ڈوگی مودب کھڑے تھے وہ ان کے ہمراہ گیلری کی طرف چل دیا جس کے اختتام پر جونڈا ہال واقع تھا اب ڈوگیوں نے گیلری کے آخر میں بند دروازے کو کھولا روشنیوں کا سیلاب گیلری میں داخل ہوا اور نینی کی آنکھوں کو چندھیاتا ہوا پیچھے کی طرف نکل گیا۔

ہال روشنیوں کی بدولت بقعہ نور بنا ہوا تھا نینی نے ہال میں قدم رکھ دیا۔ ہال میں بیٹھے تمام تاتونیوں کی نگاہیں اس کے جسم پر مرتکز ہوگئیں وہ اسے تنقیدی نگاہوں سے جانچنے میں مصروف تھا پھر ہال میں موجود چند شرپسند تاتونیوں نے اس کے حق میں تنقیدی اور بے مقصد نعرے لگائے نینی نے توجہ نہیں دی وہ ان باتوں کا عادی تھا اور شاید آج سے پہلے اتنا لاپرواہ نہیں تھا جتنا تلسی کی بدولت آج تھا۔

تماشائیوں کے درمیان میں سے روش نما راستہ رنگ کی طرف جارہا تھا اور رنگ کے درمیان میں لاتوبا کسی دیو کی مانند کھڑا تھا نینی نے آگے بڑھنا شروع کردیا۔ اس راستے کا اختتام سیڑھیوں کے پاس جاکر ہوا لاتبا کی نگاہیں نینی کے جسم پر مرتکز تھیں اور ہونٹ بھنچے ہوئے تھے چہرے پر غصے کے تاثرات تھے۔ تماشائیوں کی دسویں رو کے پاس لکڑی کا مختصر کیبن بنا ہوا تھا یہ کیبن لکڑی کے قیمتی تختوں پر مشتمل تھا اور شاہ رخ کے لئے مختص تھا۔

نینی نے رنگ میں قدم رکھنے سے پہلے کیبن کی طرف نگاہ دوڑائی وہاں شاہ رخ کے علاوہ بیتا بدھ کی کرسی پر سامبرا جان تھا اردگرد کی ڈوگی ہاتھوں میں رائفلیں تھامے کھڑے تھے لیکن تلسی وہاں نہیں تھی نینی نے آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا رنگ کے گرد چکر لگانے لگا اس کی پشت پر چلتے ہوئے دونوں ڈوگی روش کے اختتام پر کھڑے ہوگئے تماشائیوں کی پہلی رو کے پاس کرسی اور میز رکھی ہوئی تھی جس پر جونڈا ہال کا حفاظتی عملہ براجمان تھا نینی نے رنگ کی رسیوں کو عبور کیا اور لاتوبا کے بالکل سامنے کھڑا ہوگیا اس نے جسم کے اوپر پہنے ہوئے سیاہ گاؤن کو اتارا اور قریب کھڑے ہوئے اعلان کرنے والے تاتونی کے ہاتھوں میں تھمادیا تاتونی نے اس کے لباس کی تلاشی لی پھر مطمئن انداز میں سیٹی بجا کر مقابلے کا آغاز کا اعلان کرتے ہوئے رنگ سے باہر نکل گیا۔

ہال میں گھمبیر خاموشی طاری تھی لاتوبا طنزیہ نگاہوں سے نینی کے جسم کا جائزہ لینے لگا اس کے بازوں کی مچھلیاں پھڑک رہی تھیں اور سیدھے ہاتھ میں کرنٹ کی کیفیت محسوس ہورہی تھی ایسی کیفیت سے وہ اس وقت دوچار ہوتا تھا جب وہ جذبات کی انتہا کو چھونے لگتا تھا نینی کا سینہ فراخ تھا اور کاندھوں کی ہڈیاں باہر کو ابھری ہوئی تھیں اس کے باوجود بھی کہ وہ کافی عرصے سے جسمانی مشقت اور ورزش سے دور رہا تھا لیکن پھر بھی وہ اپنے آپ کو مستعد اور ہلکا پھلکا محسوس کررہا تھا۔

جونڈا ہال میں شاہ رخ کی آواز گونجی۔ "مقابلہ شروع ہونے سے قبل میں تاتونیوں سے چند لمحات کے لئے ہمکلام ہونا چاہتا ہوں آپ سب کو معلوم ہے کہ یہ مقابلہ گزشتہ سال کے جیم کا دوسرا حصہ ہے اور کسی بھی ایک فریق کی موت پر اختتام پذیر ہوگا لیکن عدالت سے بچنے کے لئے دونوں فریقوں میں سے اگر کوئی جیم کے دوران اپنی ہار کا اعتراف کرے گا تب جیم فوری طور پر ختم کرنے کے بعد مقابل حریف کو جیت کا حقدار قرار دے دیا جائے گا ہارنے والے حریف کو وادی تاتونیا سے باہر بھجوادیا جائے گا آپ ان چند اصولوں سے اچھی طرح باخبر ہیں اس کے باوجود بھی شاہ رخ ہونے کی بدولت بتانا میرا فرض بنتا ہے۔

اب میں تلسی کی آمد کا اعلان کرتا ہوں اس کی نشست کے لئے خاص طور پر اگلی رو کا انتخاب کیا گیا ہے تاکہ مقابلہ اپنے عروج کی انتہا کو پہنچ سکے۔ شاہ رخ خاموش ہوگیا۔

لاتوبا اور نینی کی نگاہیں جونڈا ہال کے اس دروازے پر مرتکز ہوگئیں جس سے تلسی کو اندر داخل ہونا تھا نینی کے دل کی دھڑکن میں اضافہ ہوگیا پھر ہال کا دروازہ کھلا اور چند ڈوگی ہاتھوں میں رائفلیں تھامے اندر داخل ہوکر روش کے اردگرد کھڑے ہوگئے اس کے بعد تاتونی لڑکیوں کے گھیرے میں تلسی سیاہ فراک اور سیاہ دستانوں میں ملبوس نمودار ہوئی اس کے سر پر کالے رنگ کا مختصر تاج تھا اور سیاہ ریشمی بال کھلے ہوئے تھے۔

تاتونی لڑکیوں سے کچھ پیچھے پانیوں کی طاقت پانی پوری اور صوفی کی روحیں ہوا میں تیرتی ہوئی ہال میں داخل ہوئیں۔ وہ تمام تاتونیوں کی نگاہوں سے پوشیدہ تھیں تاہم نینی انہیں بہ خوبی دیکھ سکتا تھا۔

تلسی سیاہ لباس میں انتہائی حسین وجمیل دکھائی دے رہی تھی اس کے سیدھے ہاتھ میں گلاب کا پھول پکڑا ہوا تھا جبکہ الٹے ہاتھ میں نیلا اسکارف تھا ہال میں بیٹھے ہوئے تمام تاتونیوں کی نگاہیں تلسی کے چہرے پر جم کر رہ گئیں ان سب کی نگاہوں میں تحسین آمیز تاثرات تھے تلسی مختصر قدموں کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے تماشائیوں کی پہلی رو سے کچھ آگے رکھی ہوئی خوبصورت لکڑی کی بنی ہوئی کرسی پر بیٹھ گئی۔ تاتونی لڑکیاں اس کے اردگرد کھڑی تھیں پہرے پر متعین ڈوگی ان سے کچھ ہٹ کر کھڑے ہوگئے۔

تلسی نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے گلاب کو ہونٹوں سے چومتے ہوئے اسے نینی کی طرف اچھال دیا نینی نے گلاب کو تھامنے کی کوشش کی لیکن لاتوبا نے حیرت انگیز پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے درمیان میں سے اچک لیا۔

پھر اسے چومتے ہوئے بولا "اس پر میرا حق بنتا ہے وہ پچھلے سال کے جیم کے اختتام پر میری بیوی بن گئی تھی تمہاری حیثیت پہلے بھی ربی کے سائے کی تھی اور اب بھی سائے کی ہے۔"

نینی نے اس سے گلاب چھیننے کی کوشش کی تو لاتوبا نے سیدھے ہاتھ کا مکا اس کے جبڑے پر رسید کردیا حملہ غیر متوقع تھا اس لئے ضرب کاری لگی۔ اور وہ چاروں شانے زمین پر گر گیا۔ لاتوبا نے گلاب کو رنگ کے باہر پھینک دیا پھر آگے بڑھ کر نینی کے بے حس وحرکت پڑے وجود کو گردن کے پاس سے تھاما اور اسے اوپر کی طرف اٹھانا شروع کردیا گردن پر دباؤ کی بدولت نینی کو اپنا سانس حلق میں اٹکتا ہوا محسوس ہونے لگا اور اس کی آنکھیں حلقوں سے باہر نکل آئیں گم ہوتے ہوئے حواس بحال ہونے لگے اس کے پاؤں رنگ کی زمین سے اوپر اٹھ گئے اور چہرہ لاتوبا کے چہرے کے بالکل سامنے آگیا اس نے اپنے جسم کو مچھلی کی مانند کروٹ دینے کی کوشش کی پھر اپنے سر کی ٹکر لاتوبا کے سر پر رسید کردی اس ٹکر میں نفرت کے علاوہ اس کے جسم کی تمام طاقت بھی پوشیدہ تھی۔

لاتوبا کے قدم مختصر وقت کے لئے لڑکھڑائے پھر دوبارہ اپنی جگہ پر جم گئے نینی نے دوسری ٹکر اس کے چہرے پر رسید کی پھر اس پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ لگاتار ٹکریں مارتا چلا گیا لاتوبا کے قدم ڈگمگانے لگے اور نینی کی گردن پر اس کے ہاتھ کی گرفت کمزور پڑ گئی نینی نے جھٹکے

کے ساتھ اپنے آپ کو اس کی گرفت سے آزاد کیا اور زمین پر قدم رکھتے ہی اچھل کر فلائنگ کک اس کے سینے پر رسید کردی لاتوبا لڑکھڑاتے ہوئے پیچھے کی طرف گرا اس کے سر سے خون کی دھار نکل چہرے کو رنگین کرنے لگی اور چہرہ مزید خوفناک دکھائی دینے لگا تاہم وہ اپنے ہوش وحواس میں دکھائی دیتا تھا۔ نیچے گرتے ہی اس نے سر کو جھٹکتے ہوئے پھرتی کے ساتھ اٹھنے کی کوشش کی۔

لیکن نینی نے پھرکی کی طرح گھومتے ہوئے اپنی سیدھی ٹانگ اس کی دونوں ٹانگوں پر رسید کی۔ لاتوبا کی دونوں ٹانگیں یکلخت اوپر کی طرف اٹھ گئیں اور وہ ایک دفعہ پھر چاروں شانے چت زمین پر ڈھیر ہوگیا ہال میں بیٹھے تاتونی دانتوں میں انگلیاں دبائے یہ خونخوار مقابلہ دیکھنے میں مصروف تھے۔

تلسی کے چہرے پر خوشی کے تاثرات تھے لیکن شاہ رخ کا چہرہ سپاٹ تھا تاتونی عوام کی اکثریت کا جھکاؤ لاتوبا کی طرف تھا اور لاتوبا زمین پر بے حس حرکت پڑا لمبے لمبے سانس لے رہا تھا نینی نے آگے بڑھتے ہوئے اسے گردن کے پاس سے تھامنے کی کوشش کی لیکن پہاڑ جیسے جسم والا لاتوبا اتنی آسانی سے اس کے قابو میں آنے والا نہیں تھا اس نے سیدھے ہاتھ کا مکا نینی کے سینے پر جڑ دیا۔ مکے میں ایسی طاقت پوشیدہ تھی کہ وہ اچھل کر رنگ کی پچھلی رسیوں سے جاٹکرایا اور وہیں زمین پر ڈھیر ہوگیا۔

ہال پر سکتہ طاری تھا رنگ کے درمیان دونوں وجود بے حس وحرکت پڑے تھے پھر جیسے بجلی چمکتی ہے ویسے ہی بالکل اچانک لاتوبا اپنی جگہ سے اچھل کر کھڑا ہوا اس کا چہرہ غصے اور جنون کی بدولت بگڑا ہوا تھا اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے بعد اس نے جنگلی گوریلے کی مانند اپنے سینے کو پیٹتے ہوئے نینی کو سیدھی ٹانگ سے تھامتے ہوئے ہوا میں اچھا دیا وزن اور طاقت کے لحاظ سے وہ نینی پر سبقت رکھتا تھا۔

نینی کا جسم ہوا میں اڑتا ہوا رنگ سے باہر تلسی کی نشست سے کچھ دور جا گرا اس کا سر پوری طاقت سے زمین سے ٹکرایا۔ اور پھٹ گیا ہال کا ماحول تاتونیوں کے نعروں کی آواز سے گونجنے لگا وہ لاتوبا کے حق میں نعرے لگا رہے تھے۔

تلسی کے چہرے پر کرب کے تاثرات پھیل گئے وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ لاتوبا کو شکست دینا آسان بات نہیں تھی لیکن اتنی جلدی وہ کامیاب ہوجائے گا اس کے متعلق اس نے سوچا بھی نہیں تھا لیکن احتیاطی تقاضے کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ اپنے ساتھ زہر بھرا کیپسول لائی تھی ہار کے متعلق یقین ہوتے ہی اسے منہ میں منتقل کرسکتی تھی لاتوبا رنگ کے درمیان میں کھڑا دونوں ہاتھ اوپر کیے تاتونی عوام کی داد وصول کررہا تھا اس کی توجہ ہال میں بیٹھے ہوئے تاتونیوں پر مرکوز تھی۔

تلسی پھرتی کے ساتھ اپنی کرسی سے اٹھی اور نینی کی طرف بڑھی اس نے زمین پر بے سدھ پڑے ہوئے نینی کے جسم کو اپنی بانہوں کے حصار میں لیتے ہوئے اوپر اٹھایا اس کا دل دھک سے رہ گیا نینی کا چہرہ خون سے تر تھا اور وہ آہستہ آہستہ سانس لے رہا تھا تلسی نے اپنے اسکارف کی مدد سے اس کے چہرے پر بہتے ہوئے خون کو صاف کیا تو نینی نے جھٹکے کے ساتھ آنکھیں کھول دیں اور ٹکٹکی باندھے تلسی کی طرف دیکھنے لگا۔ تلسی نے اسکارف کو اس کے پھٹے ہوئے سر کے گرد کس کر باندھ دیا پھر سرگوشی بھرے لہجے میں زہر والا کیپسول اسے دکھاتے ہوئے بولی۔ ''یہ وہ آخری قدم ہوگا جو آپ کی ہار کے بعد مجھے مجبوری کے طور پر اٹھانا ہوگا لیکن فکر نہ کیجئے میں جیتے جی لاتوبا کی بیوی نہیں بنوں گی۔''

اس کی مختصر گفتگو نے نینی کے دل کو تڑپا کر رکھ دیا اور وہ جذبات سے بھرپور لہجے میں بولا۔ ''اس کی نوبت کبھی نہیں آئے گی، تم فکر نہ کرو اسے ہارنا ہی ہوگا'' اس کی بات درمیان میں رہ گئی لاتوبا چھلانگ لگا کر رنگ سے باہر کودا تلسی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور نینی کو چھوڑ کر اپنی کرسی کے پاس آ کھڑی ہوئی۔ لاتوبا نے بھرپور نگاہ تلسی پر ڈالی پھر نینی کی طرف بڑھنے کے بجائے تلسی کی طرف بڑھنے لگا اس کے چہرے پر فدا

ہوجانے والے تاثرات تھے ایسا لگتا تھا جیسے وہ بے خودی کے عالم میں آگے بڑھ رہا ہو۔

تلسی نے پیچھے ہٹنے کی کوشش کی لیکن لاتوبا نے جست لگا کر اسے اپنی بانہوں میں بھرلیا۔ یہ سب کچھ اتنی تیزی کے ساتھ ہوا کہ ہال میں بیٹھے ہوئے کسی بھی تاتونی کو سوچنے سمجھنے کا موقع نہیں مل سکا لاتوبا نے تلسی کو بانہوں کے گھیرے میں لینے کے بعد اس کے ہونٹوں کو چومنے کی کوشش کی۔

تلسی نے چیختے چلاتے ہوئے اپنے جسم کو اس کے حصار سے آزاد کرنے کی جدوجہد کی لیکن لاتوبا کے دیو جیسے جسم کے آگے بے بس ہوکر رہ گئی نینی اتنی دیر میں اپنے پاؤں پر کھڑا ہوگیا۔ اس کا دماغ چھلکتے ہوئے انڈے کی سفیدی کی طرح مچل رہا تھا آنکھوں کے آگے اندھیرا چھاتا چلا جارہا تھا اس نے سر کو جھٹکتے ہوئے اپنے حواسوں کو بحال کیا اور لڑکھڑاتے ہوئے قدموں کے ساتھ لاتوبا کی طرف چل دیا۔

ہال میں بیٹھے ہوئے تاتونی خاموش ہوگئے تھے اور اب دلچسپی بھری نگاہوں کے ساتھ لاتوبا کو دیکھنے میں مصروف تھے تلسی بے بسی کے عالم میں چیخ چلا رہی تھی اس کی چیخ وپکار نینی کے دماغ پر ہتھوڑے کی مانند برس رہی تھی لاتوبا کے قریب پہنچنے کے بعد اس نے آگے بڑھ کر اسے کمر کے پاس سے تھاما اور جھٹکے کے ساتھ اس کا رخ اپنی طرف کیا پھر تابڑتوڑ مکے اس کے چہرے پر برسانا شروع کردیئے لاتوبا نے گھبرا کر تلسی کو چھوڑ دیا اور اپنا دفاع کرنے کے لئے باکسروں کی طرح دونوں ہاتھوں سے چہرے کو چھپانے کی کوشش کرنے لگا اتنا موقع نینی کے لئے کافی تھا اس نے اپنے تمام جسم کی طاقت کو سیدھے ہاتھ کے مکے میں منتقل کیا اور گھونسا لاتوبا کے پیٹ میں رسید کردیا لاتوبا کے منہ سے ڈکراتے ہوئے بھینسے کی مانند آواز برآمد ہوئی۔ اور وہ رکوع کے بل جھک گیا اس کا سر نینی کے بالکل سامنے آگیا یہ ایک آسان ہدف تھا۔ باکسنگ کے مقابلوں کے دوران وہ ایسے موقعوں سے بھرپور فائدہ اٹھاتا تھا اس کا آخری مکا مدمقابل کو زیر کرنے کے لئے کافی ہوتا تھا۔

نینی نے وقت ضائع کیے بغیر زبردست گھونسا لاتوبا کی کنپٹی پر رسید کردیا مکے میں اتنی طاقت پوشیدہ تھی جو کسی پہاڑ کو ریزہ ریزہ کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا لیکن لاتوبا کا صرف منہ گھوم کر رہ گیا اس کے منہ سے دانت پھلجھڑی کی مانند اچھل کر باہر گرے پھر وہ کٹے ہوئے شہتیر کی مانند جہاں کھڑا تھا وہیں ڈھیر ہوگیا۔

نینی نے دونوں ہاتھوں کے ساتھ اپنے سر کو تھاما اس کا سر درد سے پھٹا چلا جارہا تھا اور چہرہ لمحہ بہ لمحہ خون سے تر ہورہا تھا اس نے سیدھے ہاتھ سے چہرے پر بہتے ہوئے خون کو صاف کیا اور جسم میں موجود طاقت کو مجتمع کرتے ہوئے آگے بڑھ کر تابڑتوڑ مکے لاتوبا کے جسم پر برسانا شروع کردیئے پہلے مکے نے اس کے دونوں ہونٹوں کو پھاڑ کر رکھ دیا دوسرا مکا اس کی داہنی آنکھ پر پوری طاقت کے ساتھ پڑا اس کی آنکھ پھٹ کر حلقوں سے باہر نکل آئی نینی کو اگر مزید موقع مل جاتا تو وہ لاتوبا کے چہرے کا قیمہ بنا کر رکھ دیتا۔

ہال میں بیٹھے تماشائی اور روش کے پاس کھڑے ڈوگی گم صم نگاہوں کے ساتھ نینی کو دیکھنے میں اتنے گم تھے کہ وہ اگلی رو کے پاس سے باہر نکلتے ہوئے اس تاتونی کو بالکل بھی دیکھ نہیں سکے جس کے ہاتھوں میں لوہے کا راڈ پکڑا ہوا تھا نینی کے قریب پہنچنے کے بعد اس نے راڈ کو ہوا میں بلند کیا اور نینی کے سر پر ضرب لگائی وہ لاتوبا کی طرف متوجہ تھا اس لیے اسے دیکھ نہیں پایا ضرب اتنی زوردار تھی کہ وہ بے سدھ ہوکر لاتوبا کے قریب گر گیا حملہ آور نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی سلاخ کو زمین پر پھینکا اور چھلانگ لگا کر تاتونیوں کے ہجوم میں گھس کر نگاہوں کے سامنے سے اوجھل ہوگیا یہ سب کچھ منٹ کے ہزارویں حصے میں وقوع پذیر ہوا۔

تلسی آنکھیں پھاڑے زمین پر بے سدھ پڑے نینی کے وجود کو دیکھ رہی تھی پھر چیختے ہوئے آگے بڑھی اس نے نینی کے خون سے بھرے چہرے کو اپنی طرف کیا اور اسے سینے کے ساتھ لگا کر رونے لگی تمام تاتونی ہکا

WWW.PAKISTANIPOINT.COM

بھکا چہروں کے ساتھ تلسی کو بین کرتے ہوئے دیکھ رہے تھے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اگلی رو میں بیٹھے ہوئے ایک تاتونی نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی شراب کی پوری بوتل لاتوبا کے زخمی چہرے پر انڈیل دی شراب نے تیل پر جلتی ہوئی تیلی کا کام کیا لاتوبا کے ساکت جسم میں تھرتھری کی کیفیت پیدا ہوئی اور اس نے جھٹکے کے ساتھ اکلوتی آنکھ کھول دی اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے زخموں پر کسی نے نمک چھڑک دیا ہو چند لمحے ساکت وجامت رہنے کے بعد وہ لڑکھڑاتے ہوئے قدموں کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا اس نے نفرت بھرے انداز میں نینی کے زخمی وجود کی طرف دیکھا اس کے قریب ہی تلسی کی کرسی رکھی ہوئی تھی تاتونیوں نے دوبارہ اس کے حق میں نعرے بازی کا آغاز کر دیا لاتوبا کی نگاہیں تلسی کے وجود پر جم گئیں اور اس کے پھٹے ہوئے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ رقص کرنے لگی اس نے ہتھیلی کے ساتھ رگڑ کر اپنے زخمی ہونٹوں کو صاف کیا پھر تلسی کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔ ''تمہارے ہونٹوں کو چومنا میری دیرینہ حسرتوں میں سے ایک ہے اور یہ حسرت میں پوری کر کے ہی رہوں گا اگر اپنے آپ کو بچا سکتی ہو تو جونڈا پال تمہارا منتظر ہے اپنے آپ کو بچا لو اس نے اچانک ہی تلسی کو اپنی بانہوں میں بھر لیا اور اپنے پھٹے ہوئے ہونٹوں سے تلسی کے نازک ہونٹوں کو چومنے کی کوشش کرنے لگا۔

تلسی کے دونوں بازو فضا میں جھول رہے تھے ان میں سے ایک میں زہر سے بھرا ہوا کیپسول پکڑا ہوا تھا یہ کیپسول اسے لاتوبا کے شیطانی عزائم سے دور رکھ سکتا تھا اس نے پھرتی کے ساتھ کیپسول کو منہ میں ڈالنے کے بعد اسے دانتوں کی مدد سے توڑ دیا اسے ایسا محسوس ہوا جیسے تیزابی مواد سے اس کے منہ کو بھر دیا گیا ہو یہی وہ لمحہ تھا جب لاتوبا نے تلسی کے ہونٹوں کو چومنے کی کوشش کی اس کے بھرے ہونٹوں کے درمیان تلسی کے ہونٹ پیوست ہو کر رہ گئے تلسی نے تمام زہریلا مواد اس کے منہ میں منتقل کر دیا پھر بے دم ہوتے ہوئے عضلات کو سیدھا چھوڑ دیا اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگا سانس سینے میں رکنے لگا اور پھر وہ بے جان ہو کر لاتوبا کی بانہوں کے حصار میں جھولنے لگی اس نے اپنی زندگی کو ہار کر موت کو خرید لیا تھا لیکن اس کی عزت محفوظ تھی۔

نینی کے سر میں درد کی ٹیس اٹھی پھر آنکھوں سے اندھیرا چھٹنے لگا دھیرے دھیرے ماحول واضح ہوا اور اسے اپنے باپ کی آواز سنائی دی۔

''میرے بچے تمہیں نئی زندگی مبارک ہو تمہاری حالت خطرے سے باہر ہے اور تم اس وقت شملے کے مدبر ڈاکٹروں کی زیر نگرانی ہو۔''

نینی نے ماحول کا جائزہ لیا اس کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور بازو میں ڈرپ کی سوئی تکلیف دے رہی تھی وہ سفید چادر والے بستر پر دراز تھا بستر کے گرد دو ڈاکٹر کھڑے ہوئے تنقیدی نگاہوں سے اس کے سراپے کا جائزہ لے رہے تھے ان کے پیچھے شاہ رخ اور پانیوں کی طاقت کھڑی تھی لیکن تلسی وہاں نہیں تھی۔

نینی نے نقاہت بھرے لہجے میں پوچھا۔ ''تلسی کہاں ہے؟ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں'' شاہ رخ نے پریشان نگاہوں کے ساتھ اپنے قریب کھڑے ہوئے ڈاکٹروں کی طرف دیکھا پھر انہیں کمرے سے باہر جانے کا اشارہ کیا ڈاکٹر باہر چلے گئے چند لمحے خاموش رہنے کے بعد شاہ رخ تاسف بھرے لہجے میں بولا۔

تمہاری جسمانی کیفیت کو دیکھتے ہوئے تمہیں پریشان کرنا مناسب دکھائی نہیں دیتا لیکن اس خبر کو چھپانا بھی ناانصافی کے زمرے میں آئے گا کہ تلسی اب اس دنیا میں نہیں رہی ہے تمہارے بے ہوش ہونے کے بعد جب لاتوبا نے اس کے ساتھ زور زبردستی کرنے کی کوشش کی تو اس نے اپنے ہاتھوں میں پکڑے ہوئے زہریلے کیپسول کو منہ میں ڈال کر نگل لیا۔ اس کیپسول کی بدولت اس کی موت موقع پر ہی واقع ہوگئی مرنے سے قبل اس نے زہر کا کچھ مواد لاتوبا کے حلق میں بھی منتقل کر دیا تھا وہ بھی فوری طور پر ہلاک ہو گیا۔

نینی کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے سر کے اوپر وزنی

پہاڑ ٹوٹ پڑا ہو اس نے بے اختیار دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو تھاما اور تکلیف کی شدت سے آنکھیں بند کر لیں پھر دوبارہ بے ہوش ہو گیا شاہ رخ نے اپنے قریب کھڑی ہوئی پانیوں کی طاقت سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ ''اب اس کا وادی میں مزید رہنا مناسب نہیں ہوگا اسے فوراً شندوں کی دنیا میں منتقل کر دو ورنہ اس کی موجودگی سے وادی کے حالات میں دوبارہ کشیدگی پیدا ہو سکتی ہے''

پانیوں کی طاقت نے اثبات میں سر ہلایا اور نگاہوں کے سامنے سے اوجھل ہو گئی اس کے جانے کے بعد شاہ رخ کمرے سے باہر کھڑے دونوں ڈاکٹروں کو اندر بلایا اور انہیں نینی کو ہوش میں لانے کا حکم دیا ڈاکٹر نے بستر کے سرہانے کے پاس رکھے ہوئے سائیڈ ٹیبل پر رکھا ہوا جگ اٹھایا اور ہاتھ اس میں ڈبو کر پانی کے چھینٹے نینی کے چہرے پر پھینکنے شروع کیے چند لمحوں کے بعد نینی نے کسمساتے ہوئے دونوں آنکھیں کھول دیں اور لاشعوری کے عالم میں اپنے باپ کی طرف دیکھنے لگا شاہ رخ نرم گرم لہجے میں بولا۔

''میرے بچے وادی میں اب نہ ہی تلسی رہی ہے اور نہ ہی لاتوبا رہا ہے اس لیے اب تمہارا بھی یہاں رہنا مناسب نہیں ہوگا لاتوبا کی موت کے بعد تاتونی مشتعل ہوتے چلے جا رہے ہیں ان کا تقاضا ہے کہ لاتوبا کے قاتل کو فوراً سے پیشتر سزا دی جائے اور وہ تمہیں اس کا قاتل گردان رہے ہیں میں تمہیں پہلے بتا چکا ہوں کہ لاتوبا کی موت زہر کی بدولت واقع ہوئی ہے حالانکہ یہ زہر تلسی نے اس کے جسم میں داخل کیا تھا لیکن تاتونی ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں ان کے خیال میں ایسا تم نے کیا ہے۔''

نینی کو اس کی باتوں کا مفہوم سمجھ نہیں آ رہا تھا الفاظ ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو رہے تھے اس کی جسمانی کیفیت پہلے سے بہتر تھی لیکن دماغی کیفیت اب بھی ابتر تھی تلسی کی موت کا صدمہ تا عمر اس کے دماغ پر بوجھ کی کیفیت طاری کر سکتا تھا شاہ رخ کی تمہید کو سننے کے بعد بھی وہ ہونقوں کی طرح اس کی طرف دیکھے چلا جا رہا تھا

شاہ رخ نے کمرے کے باہر کھڑے ہوئے سامبا کو اندر بلایا اور اس سے مخاطب ہو کر بولا۔

''اس کی واپسی کا بندوبست کرو میرے خیال میں اس کے سر کی چوٹیں ابھی تک اس قابل نہیں ہوئیں کہ ان کے ہوتے ہوئے یہ سفر کی دشواریوں کو برداشت کر سکے لیکن حالات کی بگڑتی ہوئی صورتحال کو مدنظر رکھتے ہوئے کا مزید یہاں رہنا مناسب نہیں ہوگا اس لیے وادی کی اختتامی حدود تک اسے شملے کی مخصوص بگھی میں لے جانے کا بندوبست کرو اور اس سے آگے سونی کے ٹرک کو استعمال کرتے ہوئے اسے قریبی شہر میں منتقل کر دو۔ سامبا نے اثبات میں سر ہلایا اور انتظامات کرنے کے لئے کمرے سے باہر نکل گیا۔

رات کے گیارہ بجنے والے تھے وادی کے ماحول پر ہو کا عالم طاری تھا نینی کو چند ڈوگیوں کی ہمراہی میں شملے کی مخصوص بگھی میں منتقل کر دیا گیا سامبا نینی کے ساتھ والی سیٹ پر براجمان ہو گیا کوچوان نے گھوڑوں کو گایا چوک کی طرف ہانکا اور تازہ دم گھوڑوں نے مکمل رفتار کے ساتھ سفر کا آغاز کر دیا نینی کا دماغ اپنے حواسوں میں نہیں تھا وہ گم صم بگھی کی کھڑکی سے باہر اندھیرے میں لاشعوری طور پر نظریں جمائے ہوئے تھا اس کے ساتھ بیٹھے ہوئے سامبا کے چہرے پر بھی سوچ وفکر کے تاثرات تھے لیکن وہ خاموش بیٹھا بگھی کو سفر کرتے ہوئے دیکھ رہا تھا گایا چوک کو عبور کرنے کے بعد بگھی وادی کے مختصر بازار کی طرف بڑھنے لگی دکانیں بند تھیں اور ویمپ پوسٹ کی بدولت ماحول کچھ پراسرار دکھائی دیتا تھا بازار کو عبور کرنے کے بعد جب بگھی نے پہلی چیک پوسٹ کو پیچھے چھوڑ دیا تو سامبا نے بگھی کے کوچوان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''بگھی کو انگشتری کی عمارت کی طرف موڑ لو، شندوں کی دنیا میں جانے سے قبل کوکوربی اپنے ہمدرد ساتھیوں سے مختصر ملاقات کرنا چاہتے ہیں'' کوچوان نے سر کو اثبات میں ہلایا اور چھ گھوڑوں پر مشتمل بگھی کو اس کچے راستے پر موڑ دیا جس کا اختتام انگشتری کی عمارت پر

ہوتا تھا۔عمارت اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی لیکن چوکا بیدار تھا شاہ رخ کے عہدے پر بحالی کے بعد اسے دوبارہ انگشتری کے رکھوالے کے عہدے پر متعین کردیا گیا تھا۔ گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سن کر اس نے فوراً انگشتری کے دروازے کو کھول دیا شاید وہ ان کا ہی منتظر تھا۔

سامبا نے کوچوان کو باہر کھڑے رہنے کا حکم دیا اور چوکا کے ہمراہ نینی کو سہارا دیتے ہوئے عمارت کے اندر کی طرف چل دیا چوکا کا کمرہ روشن تھا کمرے میں داخل ہونے کے بعد سامبا نے احتیاط کے ساتھ نینی کو بستر پر لٹادیا اور چوکا کو کمرے سے باہر جانے کا اشارہ کیا وہ خاموشی کے ساتھ باہر نکل گیا سامبا نے آگے بڑھ کر دروازے کو کنڈی لگادی اور خاموشی کے ساتھ بستر کے قریب رکھی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا۔ پھر نینی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''آپ کے والد صاحب نے اپنے مفاد کی خاطر آپ کو دوسری دفعہ استعمال کیا ہے وہ صرف اپنی حکومت کی بحالی چاہتا ہے اسے آپ کے وجود سے رتی برابر بھی دلچسپی نہیں ہے نیتا بدھ کی موت کے بعد اس کا دوسرا حریف لاتوبا تھا گزشتہ سال ربی کی موت کے بعد آدھی سے زیادہ عوام لاتوبا کی طرف دار ہوگئی تھی ان کے خیال میں اس پر ظلم ہوا تھا ربی کے جیم ہار جانے کے باوجود بھی کوکینہ تلسی کو اس کے حوالے نہیں کیا گیا تھا اس لیے شاہ رخ کا وقار ان کی نگاہوں میں مجروح ہوکر رہ گیا تھا اس سال جیم سے پہلے تاتونیوں کا دعویٰ تھا کہ شاہ رخ اس دفعہ بھی گڑبڑ کرنے کی کوشش کرے گا اسی لئے انہوں نے لاتوبا کو جتوانے کی سرتوڑ کوشش کی آپ کو اس حد تک زخمی کردیا کہ آپ جیم کے دوران اپنے پاؤں پر کھڑے نہ ہوسکیں لاتوبا کے معطل حواسوں کو بحال کرنے کے لئے انہوں نے اس کے چہرے پر شراب انڈیل دی یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ شاہ رخ کے دور حکومت سے مطمئن نہیں ہیں۔'' وہ چند لمحوں کے لئے خاموش ہوگیا نینی آنکھیں کھولے اس کی طرف دیکھ رہا تھا لیکن چہرے کے تاثرات سے معلوم نہیں پڑتا تھا کہ اسے سامبا کی بات چیت سمجھ میں آرہی ہے یا نہیں۔

سامبا بولا ''مجھے شاہ رخ کا عہدہ چاہئے تاتونی قانون کے مطابق ایسا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک شاہ رخ کی ہم پلہ طاقتیں میرے پاس موجود نہ ہوں سیزان کے منکے کی بدولت میری طاقتوں میں کافی حد تک اضافہ ہوا لیکن پلڑا اب بھی شاہ رخ کا بھاری ہے مجھے چند طاقتیں مزید چاہئے اس کے بعد میں شاہ رخ کو تاتونی حکومت سے برطرف کرنے کے بعد اپنی حکومت قائم کرسکتا ہوں اور یہ کچھ طاقتیں آپ مجھے مہیا کرسکتے ہیں۔'' نینی کے چہرے پر استعجاب کی کیفیت نمایاں ہوئی لیکن اس نے کہا کچھ نہیں سامبا بولتا چلا گیا۔ ''اگر آپ کے جسم میں پوشیدہ سوزوکا منکا مجھے مل جائے تو میں ایسا بہ خوبی کرسکتا ہوں اس کے بدلے میں..... میں آپ کی زندگی واپس دلواسکتا ہوں۔ بات چیت کی شروعات کے دوران میں نے آپ کو بتایا تھا کہ آپ کے والد صاحب نے اپنے مفاد کی خاطر آپ کو دوسری دفعہ استعمال کرنے کی کوشش کی ہے پہلی دفعہ اپنی حکومت کی بحالی کے لئے اور دوسری دفعہ اپنے مجروح ہوتے ہوئے وقار کے استحکام کے لئے..... کوکینہ تلسی نہ صرف زندہ ہے بلکہ مکمل طور پر صحت یاب بھی ہے۔''

نینی اس دفعہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ لیکن سر میں اٹھنے والی شدید ٹیس کی بدولت سر تھام کر رہ گیا۔

سامبا کہہ رہا تھا ''کوکینہ تلسی کو زہر پینے کے بعد بروقت کارروائی کرتے ہوئے بچالیا گیا تھا میں کھل کر آپ کو معاملے کے متعلق بتاتا ہوں جیم کے دوران آپ کے بے ہوش ہوجانے کے بعد لاتوبا نے کوکینہ تلسی کے ہونٹوں کو چومنے کی کوشش کی کوکینہ تلسی اس وقت تک زہر کا کیپسول اپنے منہ میں منتقل کرچکی تھی لیکن یہ زہر ان کے منہ تک محدود تھا لاتوبا نے جب ان کے ہونٹوں کو چوما تب کوکینہ تلسی نے تمام زہر اس کے منہ میں اُگل دیا۔ یہ زہر حلق کے راستے اس کے معدے میں منتقل ہوگیا اور جونڈ اہال سے باہر نکلنے سے قبل ہی مرگیا لیکن کوکینہ کے منہ میں زہر کی نہایت محدود مقدار حلق سے نیچے جاسکی اس لئے فوری امداد کے بعد تلسی کو بچالیا گیا۔''

نینی نے پہلی دفعہ بے تابانہ لہجے میں پوچھا۔ ''کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ شاہ رخ نے مجھ پر ایسا ظلم کیوں کیا اگر وہ زندہ تھی تو مجھ سے چھپانے سے اسے کیا فائدہ حاصل ہوا۔''

سامبا بولا ''آپ کی حیثیت ایک سائے کی ہے اور سائے سے تعلق رکھنا تاتونی عوام کی نگاہ میں نہایت معیوب سمجھا جاتا ہے لاتوبا کی موت کے بعد تاتونی عوام کا تقاضہ یہ تھا کہ کوکینہ تلسی اور آپ کا ملاپ نہ ہوسکے اور اگر ایسا ہوجاتا تو ان کی نگاہ میں شاہ رخ کی حیثیت مزید مجروح ہوکر رہ جاتی اس لیے انہوں نے کوکینہ کی صحت یابی کی خبر کو نہ صرف آپ سے پوشیدہ رکھا بلکہ آپ کو وادی سے باہر منتقل کردینے کا حکم بھی دے دیا۔''

نینی کے چہرے پر اس دفعہ شدید نفرت کے تاثرات ابھرے اور وہ غصیلے لہجے میں بولا۔

میرا باپ ایک خودغرض انسان ہے مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں میں وادی میں تلسی کی خاطر آیا تھا اگر وہ زندہ ہے تو مجھے ہر صورت میں اسے پانی پتا لے جانا ہوگا چاہے اس کے لئے مجھے اپنی آنکھوں کی روشنی کی قربانی ہی کیوں نا دینی پڑے لیکن تمہارے تاتونی ہونے کی بدولت میں تم پر بھی اعتبار نہیں کرسکتا ہوں۔ اب تک اس وادی میں میرے ساتھ دھوکے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوا۔''

سامبا مسکراتے ہوئے بولا ''آپ یقیناً حق بجانب ہیں آپ کے ساتھ جو کچھ بھی ہوا اچھا نہیں ہوا میں آپ کے اطمینان کے لئے اپنے سنہرے ناخن آپ کے پاس گروی رکھنے کے لئے تیار ہوں آپ منکا میرے حوالے کردیجئے تاکہ میں شاہ رخ کی حکومت کے خاتمے کے بعد تلسی کو آپ سے جلد از جلد ملوا سکوں۔''

نینی سنہرے ناخنوں کی حیثیت سے آگاہ ہوچکا تھا اس لئے غور و خوض کرنے کے بجائے اس نے فوراً اثبات میں سر ہلایا اور سامبا کے سنہرے ناخن حاصل کرنے کے بعد منکا اگل کر سامبا کے حوالے کردیا۔

اس کے چاروں اطرف اندھیرا پھیلتا چلا گیا سامبا نے منکا حاصل کرنے کے بعد اسے انگشتری کی عمارت میں انتظار کرنے کی ہدایت کی پھر کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆.....☆.....☆

دو دن گزر گئے لیکن سامبا کی آمد متوقع نہیں ہوئی دوسرے دن کی شروعات پر نینی یہ سوچنے پر مجبور ہوگیا کہ اس کے ساتھ دوبارہ دھوکہ ہوچکا ہے سامبا کو انگشتری میں واپس آنے کی بھلا کیا ضرورت تھی اس کے پاس بھیس بدلنے والے ناگوں کے منکے موجود تھے جن کی بدولت طاقتوں کے لحاظ سے وہ تاتونیا میں سب سے برتر ہوگیا تھا بالفرض اگر اسے شاہ رخ کا عہدہ مل بھی گیا تو وہ تلسی کی شادی حقیر سائے کے ساتھ کرنے کو تیار ہوسکتا تھا کیا ایسی صورت میں اس کی تاتونی حیثیت پر فرق نہیں پڑتا یہ باتیں اسے منکا دینے سے قبل سوچنی چاہئے تھیں اب وقت گزر گیا تھا لیکن پھر بھی دل کو مطمئن کرنے کے لئے اسے سامبا کے کچھ الفاظ یاد آرہے تھے جو سنہرے ناخنوں سے متعلق تھے اور جن کے مطابق ناخن امانتاً دینے کے بعد اگر اتفاقیہ طور پر بھی وادی کی حکومت اسے مل جاتی تو بھی سنہرے ناخنوں کی عدم موجودگی کی وجہ سے اسے نااہل قرار دے دیا جاتا۔

تیسرا دن بھی ایسی ہی باتوں کی سوچ بچار کے درمیان گزر گیا ان تین دنوں میں چوکا نے نینی کی خدمت میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی نینی نے جب بھی چوکا سے وادی کے حالات کے متعلق دریافت کرنے کی کوشش کی تب اس نے مکمل لاعلمی کا اظہار کیا نینی جانتا تھا کہ وہ کئی دفعہ سودا سلف کی خریداری کے لئے وادی کے بازار کی طرف گیا تھا اور اسے حالات سے آگاہ ہونا چاہئے تھا لیکن لاعلمی کے اظہار کے پیچھے کچھ نہ کچھ حکمت عملی پوشیدہ تھی۔ یہ سوچ کر نینی خاموش ہوگیا لیکن تلسی کے زندہ ہونے کی خبر سن کر اس سے مزید انتظار نہیں ہو پا رہا تھا اس لیے چوتھے روز اس نے شدی اور میلان کی روحوں کو انگشتری کی عمارت میں طلب کیا اور انہیں وادی کے حالات کے متعلق معلوم کرنے کے لئے کہا دونوں روحیں نگاہوں کے سامنے سے اوجھل ہوگئیں

لیکن ابھی پندرہ منٹ بھی نہیں گزر پائے تھے کہ وہ دوبارہ نمودار ہوئیں ان کے چہروں پر حیرت کے تاثرات تھے وہ چھوٹتے ہی ہم زبان ہوکر بولیں۔

''جناب وادی میں حالات نہایت کشیدہ صورتحال سے دوچار ہیں آپ کے والد صاحب کے دور حکومت کا دوبارہ اختتام ہوچکا ہے اور سامبا اس وقت شاہ رخ کی کرسی پر براجمان ہے وہ آپ سے خفیہ ملاقات کے لئے اندھیرا ہونے کا منتظر ہے۔''

نینی نے مطمئن انداز میں سر ہلایا اور دونوں روحوں کو عمارت سے باہر جانے کا حکم دے دیا اور شدت کے ساتھ رات ہونے کا انتظار کرنے لگا۔

سامبا کی آمد رات بارہ بجے کے بعد متوقع ہوئی اس نے کمرے میں داخل ہوتے ہی نینی کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں تھاما اور خوشی سے بھرپور لہجے میں بولا۔ ''کوکو نینی آخرکار میں کامیاب ہو ہی گیا آج سے وادی تاتونیا کا شاہ رخ میں ہوں آپ کے والد صاحب ڈوگ میں قید ہیں لیکن آپ فکر نہ کیجئے گا وہ وہاں ہر طرح سے محفوظ ہیں انہیں کسی قسم کی تنگی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا یہ سیاسی قیدیوں کی ڈوگ ہے جہاں انہیں ہر قسم کی سہولیات میسر ہونگیں۔

نینی نے اس کی بات کو کاٹتے ہوئے پوچھا۔ ''مجھے اس بات سے قطعی سروکار نہیں ہے کہ میرے والد پر حکومت چھن جانے کے بعد کیا گزر رہی ہے مجھے صرف تلسی چاہئے وہ کہاں ہے؟''

سامبا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا ''اگر میں یہ کہوں کہ ان کی دستیابی ممکن نہیں وہ اب بھی آپ کے اختیار سے باہر ہے تو بے جا نہیں ہوگا کسی بھی تاتونی شاہ رخ کے اختیار سے یہ بات باہر ہے کہ وہ تاتونی شہزادی کو ایک سائے کے ہمراہ جانے کی اجازت دے سکے ایسا کرنے سے اس کی حیثیت پر آنچ آسکتی ہے''

نینی کے چہرے پر غصے کے تاثرات ابھرنے لگے لیکن سامبا نے بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''میں ایسا کبھی نہیں کروں گا اپنے وعدے کی پابندی کے لحاظ سے مجھے تاتونی عوام کی بھی پرواہ نہیں ہے کوکینہ باہر بگھی میں آپ کی منتظر ہے آپ ان سے مل سکتے ہیں میں جب تک انگشتری کا معائنہ کرلوں۔'' بات کے اختتام پر سامبا نے چوکا کو حکم دیا کہ وہ نینی کو عمارت سے باہر کھڑی بگھی تک لے جائے وہ کچھ دیر بعد وہاں آئے گا نینی کو اندازہ لگانے میں دقت پیش نہیں آئی کہ سامبا نے انہیں تنہائی میں ملاقات کا موقع فراہم کررہا تھا چوکا نے نینی کا ہاتھ تھاما اور عمارت کے صدر دروازے کی طرف چل دیا عمارت کے باہر ہوکا عالم طاری تھا گھوڑوں کے ہلکے ہلکے ہنہنانے کی آواز کے علاوہ اور کسی بھی قسم کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی چھ گھوڑوں پر مشتمل بگھی عمارت کے سامنے کچے کے علاقے میں کھڑی تھی بگھی کا دروازہ بند تھا چوکا نے بگھی کے قریب پہنچنے کے بعد دروازے کو کھولا ہوا میں بھینی بھینی خوشبو متحرک ہونے لگی یہ خوشبو تلسی کے دلفریب وجود کی تھی اور نینی اس سے آشنا تھا اس نے چوکا کی پرواہ کیے بغیر بے اختیاری کے عالم میں تلسی کو اپنی بانہوں کے حصار میں لے لیا پھر گلوگیر لہجے میں بولا۔

''مجھے یقین نہیں آرہا کہ میں تمہیں اپنی بانہوں میں محسوس کررہا ہوں کہیں یہ خواب تو نہیں کہیں تم بھی میرے خودغرض باپ کی طرح مجھے اپنے مفاد کے لئے استعمال تو نہیں کررہی اگر ایسی کوئی بات ہے تو خدا کے لئے مجھے ابھی بتادو میں واپس پانی پتا چلا جاؤں گا لیکن اب مزید ذہنی تناؤ برداشت کرنے کے قابل نہیں ہوں۔'' تلسی پیار بھرے لہجے میں بولی۔

''میری زندگی کا مقصد صرف آپ ہیں آپ کو چھوڑنے کے متعلق سوچنا بھی میرے لئے گناہ کے مترادف ہے اگر میں ایسا کرنا چاہتی تو سامبا کے ہمراہ یہاں کبھی نہیں آتی ان فرسودہ خیالات کو اپنے دماغ میں سے باہر نکال دیجئے ہم کچھ دیر بعد پانی پتا کی طرف روانہ ہونے والے ہیں سامبا نے ہماری خفیہ روانگی کے انتظامات مکمل کرلیے ہیں۔''

نینی تلسی کے ہمراہ بگھی کے اندر بیٹھ گیا تھوڑی دیر بعد سامبا بھی انگشتری کی عمارت سے باہر نکل کر ان

دونوں کے ساتھ بگھی میں آبیٹھا چوکا انہیں الوداع کہہ کر عمارت کی طرف چلا گیا اور بگھی نے سنسان راستوں پر آگے کی طرف بڑھنا شروع کردیا۔

چند لمحے خاموش رہنے کے بعد سامبا نے نینی سے مخاطب ہوکر کہا۔ ''آپ نے پوچھا نہیں کہ میں نے آپ کے والد صاحب سے حکومت کیسے حاصل کی۔''

نینی بولا ''مجھے پوچھنے کی ضرورت نہیں لیکن اگر تم بتانا چاہو تو مجھے اعتراض نہیں۔''

سامبا بولا ''انگشتری کی عمارت سے واپس جانے کے بعد میں نے تاتونی عوام کے مشتعل ہوتے ہوئے جذبات کو ہوا دینے کے لئے انہیں بتایا کہ شاہ رخ نے ربی کے جڑواں بھائی اور اس کے سائے کو نہ صرف وادی سے فرار ہونے میں مدد دی ہے بلکہ لاتوبا کی موت میں بھی اسی کا ہاتھ پایا جاتا ہے شاہ رخ تلسی کو شروع ہی سے لاتوبا کے حوالے نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے اس نے جان بوجھ کر تلسی کو زہر سے بھرا ہوا کیپسول دیا تھا تاکہ کوکینہ تلسی اس زہر کو لاتوبا کے حلق میں منتقل کرسکے زہر کی منتقلی کے دوران کافی زہر کوکینہ کے جسم میں بھی داخل ہوا تھا اگر اسے زہر پینے کے باوجود بھی بچایا جاسکتا تھا تو پھر لاتوبا کو کیوں تڑپ تڑپ کر مرنے دیا گیا دراصل اس کی موت کا ذمہ دار شاہ رخ ہے وہ اپنے لڑکے کے ساتھ کوکینہ تلسی کو فرار کرانا چاہتا ہے اسی وجہ سے اس نے کوکینہ تلسی کو شملے کے تہہ خانے میں چھپا کر رکھا ہوا ہے۔''

سامبا نے مختصر لمحے کے لئے سانس لیا پھر دوبارہ بولا ''آپ جانتے ہیں کہ لاتوبا کو تاتونی عوام پوجنے کی حد تک چاہتی ہے اس لیے ان کے دلوں میں شاہ رخ کے لئے مزید نفرت پیدا ہوگی اور دوسرے دن انہوں نے شملے پر دھاوا بول دیا تاتونی عوام کو بڑھکانے کے لئے یہ ایک مختصر سازش تھی جس میں..... میں یہ خوبی کامیاب ہوگیا اصل مسئلہ تو شاہ رخ کی روحانی طاقتوں کو زیر کرنا تھا تاتونی عوام نے شاہ رخ کو گرفتار کرلیا اور میں نے سوز اور سیزان کے دونوں منکوں کے ساتھ اپنی مختصر طاقتوں کو شامل کرتے ہوئے شاہ رخ کی روحانی طاقتوں پر ہلہ بول دیا۔

آدھا دن وہ گھمسان جنگ ان طاقتوں کے درمیان جاری رہی کہ مجھے یقین نہیں آتا تھا کہ میں اور میری طاقتیں کامیاب ہوپائینگی شنگریلا نے میرا ساتھ دیا اور سوزو کے طاقتور منکے کی زہریلی طاقتوں نے آدھے دن کی انتھک کوششوں کے بعد شاہ رخ کی طاقتوں کو آخرکار زیر کرلیا اور مجھے یہ بتاتے ہوئے فخر محسوس ہورہا ہے کہ وہ طاقتیں اب میرے زیرسایہ غلام ہیں شاہ رخ کو قید کرنے کے بعد میں نے کوکینہ تلسی کو تہہ خانے سے باہر نکالا اور رات کا اندھیرا ہوتے ہی اسے ہمراہ لے کر یہاں انگشتری میں چلا آیا۔''

نینی نے سوالیہ لہجے میں پوچھا ''کیا تلسی کے فرار کے بعد تمہاری حیثیت پر حرف نہیں آئے گا کیا تمہارا دور حکومت اس اقدام سے متاثر نہیں ہوگا''

سامبا مسکراتے ہوئے بولا ''کوکینہ تلسی سے میری رشتہ داری نہیں پائی جاتی حکومت کی تبدیلی کے بعد اصولاً تمام عہدیداروں اور ان کے رشتہ داروں کو سیاسی ڈوگ میں منتقل کردیا جاتا ہے اس ڈوگ کی چاردیواری کے اندرونی جانب کیا ہورہا ہے اس کے متعلق کوئی بھی تاتونی جان نہیں سکتا میں نے شملے پر قبضہ کرنے کے فوراً بعد تاتونیوں سے خطاب کرتے ہوئے انہیں بتایا کہ کوکینہ تلسی کو شاہ رخ کے ہمراہ عورتوں کی ڈوگ میں منتقل کردیا گیا ہے اور اس ڈوگ پر میری مخفی طاقتوں کا پہرہ ہے اب اگر کوکینہ شندوں کی دنیا میں آپ کے ہمراہ رہے گی تو انہیں قطعی خبر نہیں ہوگی'' نینی نے دوبارہ پوچھا۔ ''کیا بگھی کا کوچوان قابل اعتماد تاتونی ہے۔''

سامبا نے جواب دیا ''یہ میری کچھ طاقتوں میں سے ایک ہے میرے خلاف گواہی نہیں دے گا'' نینی بولا ''اور سرحد پر متعین ڈوگیوں کے سرکل سے باہر نکلنے کے لئے تم نے کیا انتظامات کیے ہیں'' سامبا نے بتایا ''یہاں سے کچھ دور اور سرحد سے پہلے سبزیوں سے بھرا ہوا ٹرک کھڑا ہے سونی ٹرک میں آپ کی منتظر ہے اس کو آپ کی بھرپور مدد کرنے کی بدولت اعلیٰ عہدے پر

منصب کیا جاچکا ہے اس لیے وہ آپ دونوں کو باآسانی تاتونیا کی سرحد سے باہر منتقل کردے گی۔''

نینی نے مطمئن انداز میں سر اثبات میں ہلایا تھوڑی دیر بعد بگھی پہاڑی درے کے پاس پہنچ کر رک گئی درے کے قریب ہی وہ ٹرک کھڑا ہوا تھا جس کے ذریعے تلسی اور نینی کو وادی سے باہر منتقل کرنا تھا ٹرک کی فرنٹ سیٹ پر سونی براجمان تھی اور پچھلے حصے میں سبزیوں کے کریٹ اس ترتیب سے رکھے گئے تھے کہ ان کے پیچھے مختصر کمرے کی صورت نمایاں ہوگئی تھی نینی نے بگھی سے باہر نکلنے کے بعد سانبا سے گرم جوشی کے ساتھ مصافحہ کیا اور خاموشی کے ساتھ تلسی کا ہاتھ تھامے ٹرک پر چڑھ گیا پوشیدہ کمرے تک جانے کے لئے کریٹوں کے درمیان میں گلی کی صورت چھوڑ دی گئی تھی نینی اور تلسی اس میں سے گزر کر کمرے میں چلے آئے۔

سامبا اور اس کے کوچوان نے کریٹوں کو برابر کرکے جگہ کو بھر دیا اب کمرے کا نام ونشان بھی باقی نہیں رہا تھا اور باہر سے دیکھنے کے بعد کوئی تاتونی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کریٹوں سے بھرے ہوئے اس ٹرک کے اندر دو زندہ انسان موجود ہیں سونی نے ٹرک کو اسٹارٹ کیا اور وادی سے باہر جانے والی سڑک کی طرف موڑ دیا خارجی سرنگ میں معمول کے مطابق چیکنگ کی گئی لیکن ڈیوٹی پر معمور ڈوگیوں نے ٹرک کے اندر داخل ہونے کی کوشش نہیں کی سرنگ کے دوسری طرف کھڑے ڈوگی اہلکاروں نے سونی کو دیکھتے ہی باہر جانے کے راستہ کو کھول دیا ٹرک باہر نکلنے کے بعد کچے راستے پر آگے بڑھنے لگا اختتامی حدود تک پہنچنے کے بعد تینوں ٹرک سے نیچے اتر آئے موسم سرد اور خشک تھا۔ نینی تلسی کا ہاتھ تھامے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا اور سونی ان کے آگے چلتے ہوئے انہیں راستے کی دشواریوں سے باخبر کررہی تھی گوگو ٹاؤن تک کا سفر دشوار گزار تلسی کے لئے کچھ زیادہ اس لیے تھا کہ وہ ایسے راستوں پر چلنے کی عادی نہیں تھی تاہم وہ خاموشی کے ساتھ نینی کا ہاتھ تھامے آگے بڑھتی رہی۔

گوگو ٹاؤن میں سونی نے ان کے لئے بگھی کا بندوبست کردیا یوں آگے کا سفر اطمینان بخش رہا اور وہ طویل مسافت طے کرنے کے بعد آخرکار پانی پتا پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔

☆.....☆.....☆

پانی پتا میں واقع نینی کا گھر سنسان پڑا تھا تاہم ہمسائیوں میں رہنے والی ماسی اسے وقتاً فوقتاً صاف کرتی رہتی تھی رات کا کھانا ماسی نے مہیا کیا اور دوسرے دن سودا سلف کی خریداری کے بعد نینی نے پہاڑوں کے اوپر واقع مون گری کے ریسٹ ہاؤس کو ایک مہینے کے لئے بک کروالیا اسے شدت کے ساتھ اپنے چچا کی روح کی یاد ستارہی تھی جسے وہ اپنے باپ سے بھی بڑھ کر چاہتا تھا تلسی کا خوشگوار ساتھ چچا کی یاد بھلانے کے لئے کافی تھا وہ آنکھیں نہ ہونے کے باوجود بھی نہایت خوش تھا تلسی نے ان چند دنوں کے دوران اسے آنکھوں کی کمی کا احساس نہ ہونے دیا لیکن ایک خدشہ اسے ہر لمحے لاحق رہتا تھا اگر وہ پہلے کی طرح خاموشی کے ساتھ واپس تاتونیا چلی گئی تب پھر اس کا کیا ہوگا۔

وہ صبح اٹھنے کے فوراً بعد ہاتھوں سے ٹٹول کر اپنے پہلو میں لیٹی ہوئی بیوی کے وجود کو محسوس کرتا تھا۔ تلسی مسکراتے ہوئے اس کا گرم جوشی سے بھرپور نگاہوں کے ساتھ خیر مقدم کرتی تھی پھر دونوں ناشتہ کرنے کے بعد ریسٹ ہاؤس سے باہر نکل جاتے۔ مون گری پہاڑیوں کا پرفضا ماحول ان دونوں کے حواسوں پر طاری ہوجاتا تھا وہ ایک دوسرے کی بانہوں میں بانہیں ڈالے بہت دور تک نکل جاتے تھے اور ان کی واپسی دوپہر سے کچھ پہلے ہوتی تھی ریسٹ ہاؤس میں داخل ہونے کے بعد تلسی دوپہر کا کھانا تیار کرتی تھی اور نینی قریب بیٹھ کر اس کے خوبصورت جسم کو محسوس کرنے کی کوشش کرتا تھا کھانا کھانے کے بعد وہ کچھ دیر آرام کرتے تھے پھر شام کی چائے لان میں پینے کے بعد آرام گاہ میں چلے آتے تھے ایک مہینہ انہی مصروفیات کے دوران گزر گیا۔ اور یہ ایک مہینے کے بعد کی ایک اداس صبح کا احوال ہے۔

نینی نے رات کی بھرپور نیند کے بعد صبح اٹھتے ہی

حسب معمول تلسی کے جسم کو محسوس کرنے کی کوشش کی وہ پہلو میں موجود نہیں تھی نینی ہڑبڑا کر بستر سے نیچے اتر آیا پھر بوکھلائے ہوئے قدموں کے ساتھ اسے ریسٹ ہاؤس میں تلاش کرنے لگا وہ وہاں نہیں تھی واپس تاتونیا جاچکی تھی نینی کی خوشیاں صرف مہینے بھر تک محدود تھیں وہ جانتا تھا کہ ایک دن ایسا ضرور ہوگا لیکن اتنی جلدی ہوگا اس کی اسے توقع نہیں تھی اور اب یہ عالم تھا کہ اس کا دل دھاڑیں مار کر رونے کو کررہا تھا لیکن رونا اس کے اختیار میں نہیں تھا وہ واپس آرام گاہ میں چلا آیا کپڑوں کی الماری میں تلسی کے ملبوسات نہیں تھے وہ مکمل تیاری کے ساتھ واپس گئی تھی نینی نے تحمل مزاجی کے ساتھ اپنا مختصر سامان پیک کیا اور مون گری ریسٹ ہاؤس سے باہر نکل کر پانی پتا کی طرف پہاڑی سے نیچے اترنے لگا۔

وہاں مزید رہنا اب فضول تھا۔ سفید چھڑی نہ ہونے کی بدولت اسے کچھ دقت پیش آئی لیکن یہ سب راستے اس کے دیکھے بھالے تھے اس لیے گرتا پڑتا پانی پتا کے بازار تک چلا آیا اس کا الجھا ہوا دماغ مختلف سوچوں کے گھیرے میں تھا تلسی کا واپس چلے جانا کچھ خاص تعجب خیز بات نہیں تھی اسے واپس جانا ہی تھا یقیناً سامبا کی حکومت کا تختہ کسی وجہ سے الٹ گیا ہوگا اور اس کے باپ نے ڈوگ سے رہا ہوتے ہی اپنی مخفی طاقتوں کو استعمال کرتے ہوئے تلسی کو واپس تاتونیا بلالیا ہوگا سوچنے کی بات یہ تھی کہ وہ کب تک شندوں کی دنیا اور وادی تاتونیا کے درمیان یونہی بھٹکتا رہے گا۔ ان کچھ دنوں کے درمیان اس کی زندگی دو حصوں میں بٹ کر رہ گئی تھی عقلمندی کا تقاضا یہ تھا کہ وہ ان دونوں میں سے ایک کا انتخاب کرکے دوسرے کو چھوڑ دے۔

قصبے تک پہنچنے سے قبل وہ اپنے دل میں پکا تہیہ کرچکا تھا کہ وہ وادی تاتونیا نہیں جائے گا پانی پتا کے اسکول میں ٹیچر کی نوکری اس کی منتظر تھی اور ہمسائیوں والی ماسی گھر کے کام کاج میں اس کی مدد کردیتی تھی وہ محتاجی کے بغیر زندگی گزار سکتا تھا قصبے کی داخلی حدود کے قریب واقع اسکول سے بچوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں دینو لوہار کے دکان نما چھپر کے پاس سے گزرتے ہوئے اس نے دینو کو سلام کیا دینو نے جواب دینے کے بعد اس سے خیریت دریافت کی اور وہ آگے بڑھنے لگا کرموا پنی بھیڑ بکریوں کو ہانکتا ہوا قریب سے گزرا کچے راستے نے موڑ کاٹا اور وہ قصبے کے بازار میں داخل ہوگیا قریب ہی کہیں ریڈیو پر پرانا گانا لگا ہوا تھا نثار ہوٹل کے پاس لوگوں کی چہل پہل تھی ہوٹل کے قریب سے گزرتے ہوئے اسے نثار کی آواز سنائی دی۔ وہ اس سے مخاطب تھا۔ ''حسنین صاحب اگر طبیعت پر گراں نہ گزرے تو میری بات سنتے جایئے'' نینی نے بادل نخواستہ اپنے قدموں کو ہوٹل کی طرف موڑ دیا اور کاؤنٹر پر ہاتھ رکھتے ہوئے افسردہ لہجے میں بولا۔ ''تمہارے ہوٹل کی چائے پیئے ہوئے عرصہ گزر گیا ایک کپ پلادو'' نثار نے لیتھی میں سے چائے کپ میں انڈیلی اور نینی کے سامنے رکھتے ہوئے بولا۔ ''آپ کے سنہرے ناخن ہی کیا کم عجس کی حیثیت رکھتے تھے کہ تین مزید سنہرے ناخنوں والے افراد صبح صبح قصبے میں چلے آئے وہ یقیناً آپ کے خاندان سے تعلق رکھتے ہونگے کیونکہ ان تینوں نے آپ کے متعلق دریافت کیا تب میں نے انہیں نوکر کے ہمراہ آپ کے گھر بھجوادیا۔''

نینی نے چونکتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا تینوں مرد تھے؟ یا ان کے ہمراہ کوئی لڑکی بھی تھی۔''

نثار نے جواب دیا ''دو مرد تھے اور ایک لڑکی تھی لڑکی پینٹ شرٹ پہنے ہوئے تھی یہ صبح کا ذب کا واقعہ ہے اور اس وقت ہوٹل میں زیادہ گاہک نہیں تھے ورنہ اس صحت مند لڑکی کی وجہ سے رش لگ جاتا''

نینی نے عجلت کے عالم میں چائے کا کپ ختم کیا اور تیز قدموں کے ساتھ گھر کی طرف چل دیا اس کے حواس خمسہ بیدار تھے پانی پتا کے بازار سے مختصر پگڈنڈی گھومتے ہوئے رہائشی علاقے کی طرف رخ کیا پگڈنڈی ناہموار تھی اس لیے اسے سنبھل کر قدم اٹھانے پڑرہے تھے قریبی کسی مکان سے بچے کی رونے کی آواز سنائی دی کچھ آگے جانے کے بعد کتا زور سے بھونکا اور نینی سوچنے لگا کہ ضرور شدی اور میلان کی روحیں ہونگیں لیکن اس نے فوراً خیال کو دماغ سے جھٹک

دیا نثار کے کہنے کے مطابق دو مرد اور ایک لڑکی تھی اور یہ بات حتمی تھی کہ ان تینوں کا تعلق وادی تاتونیا سے تھا یہ بھی ہوسکتا تھا کہ شاہ رخ تلسی کو لینے کے لئے پانی پتا خود آیا ہو اس صورت میں تینوں وجودوں کی گنتی مشکل ہوسکتی تھی شاہ رخ، سامبا اور تلسی..... اس نے ایک دفعہ پھر خیالات کو جھٹک دیا اگر تلسی ان کے ہمراہ تھی تو پھر انہیں مکان کے متعلق معلوم کرنے کے لئے نثار کے ہوٹل پر جانے کی بھلا کیا ضرورت تھی تلسی نینی کے مکان تک کے راستے سے بہ خوبی آگاہی رکھتی تھی مکان کے سامنے پہنچنے کے بعد اسے ماسی کی آواز سنائی دی۔

''بیٹے مکان کے اندر تمہارے مہمان منتظر ہیں وہ صبح صادق کو آئے تھے تمہارے متعلق پوچھنے کے بعد انہوں نے چابیاں طلب کیں تب مجھے مجبوراً انہیں دینی پڑیں کیونکہ میں انہیں جانتی نہیں تھی۔''

نینی نے جواب نہیں دیا اور خاموشی کے ساتھ مکان میں قدم رکھ دیا۔

بیٹھنے والے کمرے میں بیگن کے بھرتے کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی بیگن کا بھرتا اور پودینے کی چٹنی اس کی محبوب غذا تھی کھانے کی خوشبو کے علاوہ بہت سے انسانوں کی آوازوں سے بھی ماحول گونج رہا تھا اس کے کمرے میں قدم رکھتے ہی یکلخت خاموشی طاری ہوتی چلی گئی پھر تیز ہوا کا جھونکا اسے اپنے چہرے کے قریب سے گزرتا ہوا محسوس ہوا اس جھونکے میں اس مہکتے ہوئے جسم کی انتہا انگیز خوشبو موجود تھی جسے وہ صدیوں سے آشنا تھا اسے کاندھے پر دو ہاتھ کا لمس محسوس ہوا اور وہ بے اختیاری کے عالم میں بولا۔

''تلسی یہ تم ہو مجھے ریسٹ ہاؤس میں اکیلا چھوڑ کر یہاں کیوں چلی آئی'' تلسی نے بے اختیار اس کے ماتھے کو چوما اور محبت بھرے لہجے میں بولی۔ ''آپ کو چھوڑ دینے سے بہتر ہے کہ میں دنیا کو چھوڑ دوں۔ یہ دوری تو وقتی تھی مجھے اشد مجبوری کی بدولت یہاں آنا پڑا میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں کہ آئندہ ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ آپ یہاں کرسی پر براجمان ہوجائیے یہاں آپ کے لئے ایک عدد خوشخبری منتظر ہے۔'' اس نے نینی کو کاندھے کے پاس سے تھامتے ہوئے کرسی پر بٹھادیا۔

نینی نے پریشان لہجے میں پوچھا۔ ''کمرے میں کچھ اور لوگ بھی ہیں یہ کون ہیں؟'' اسے تلسی کی آواز کے بجائے سامبا کی آواز سنائی دی۔

''آپ ہماری غیر متوقع آمد کے متعلق جان کر یقیناً پریشان ہونگے میں آپ کی پریشانی کو ختم کیے دیتا ہوں آج سے چند روز قبل پانیوں کی طاقت نے جب کوکینہ تلسی سے خیر وخیریت دریافت کرنے کے لئے بات چیت کی تب کوکینہ تلسی نے اسے بتایا کہ وہ ماں بننے والی ہیں وادی تاتونیا کے رواج کے مطابق اس خوشی کے موقع پر لڑکی کا باپ اسے قیمتی تحائف دینے کی غرض سے اس کے گھر کا رخ کرتا ہے کوکینہ کے والدین حیات نہیں ہیں اس لیے ہم تینوں خاموشی کے ساتھ پانی پتا چلے آئے میرے ساتھ اس وقت چوکا اور سونی بھی موجود ہیں یہاں پہنچ کر ہم نے کوکینہ تلسی کو ریسٹ ہاؤس سے نیچے بلایا اور اسے تحفے اور دعائیں دیں۔''

نینی نے بے اختیاری کے عالم میں تلسی سے پوچھا ''کیا یہ سب کچھ سچ ہے تم ماں بننے والی ہو۔''

تلسی نے سرگوشیانہ لہجے میں جواب دیا ''ہاں..... ہمارے پیار کا رشتہ پہلے سے زیادہ مضبوط ہوگیا ہے اب میں آپ کو چھوڑ کر تاتونیا واپس نہیں جاسکتی ہوں آج کے بعد آپ کے اس خدشے کا بھی اختتام ہوجائے گا۔''

کمرے میں سامبا اور چوکا کے علاوہ شدی اور میلان کی روحیں بھی موجود تھیں ان تینوں نے آگے بڑھ کر نینی کو باپ بننے کی مبارکباد دی۔

اور نینی نے سرشاری کے عالم میں تلسی کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیا اب واقعی اسے یہ خدشہ لاحق نہیں رہا تھا کہ تلسی کسی بھی وقت اسے چھوڑ چھاڑ کر واپس تاتونیا جاسکتی ہے وہ اب تاتونی نہیں رہی تھی بلکہ عام شندوبن گئی تھی۔

ختم شد

آسیبی آنکھیں

ایس امتیاز احمد۔ کراچی

نوجوان حسینہ کو نادیدہ مخلوق کی گھورتی ہوئی آنکھوں سے عجیب لگاؤ ہوگیا تھا اور اسی لئے وہ گھر چھوڑ کر دوسرے گھر میں نہیں جانا چاہتی تھی اور پھر وہ کچھ ہوگیا جس کا تصور نہیں تھا۔

کیا ماورائی مخلوق بھی پیار و محبت اور چاہت کی طلبگار ہوتی ہیں..... حقیقی کہانی

رات کے تقریباً تین بجے تھے میں گہری نیند میں تھی مجھے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے کمرے میں کوئی بہت تکلیف سے کراہ رہا ہے، میں نے پورے کمرے کا جائزہ لیا اور کوئی نظر نہ آیا تو میں اسے اپنا وہم سمجھ کر دوبارہ لیٹ گئی پھر یکدم کوئی کھلکھلا کر ہنس پڑا تو میں نے ڈرتے ڈرتے سر کمبل سے نکال کر آواز کی جانب دیکھا تو اپنی چیخ پر قابو نہ رکھ سکی۔ میری چیخ خاموشی کو چیرتی ہوئی دور تک پھیل گئی میں نے خوف سے آنکھیں بند کرلیں مگر ان آنکھوں کو اپنے ذہن سے نہ نکال سکی جو دور اندھیرے میں چمک رہی تھیں۔

امی، بابا میری چیخ سن کر دوڑے چلے آئے، میں پسینے میں شرابور بری طرح سے کانپ رہی تھی۔ امی نے مجھے پیار کرتے ہوئے پوچھا ''بیٹا کیا ہوا ہے آپ ڈر گئی ہو'' مگر میں انہیں نہ بتا سکی کہ میں کس چیز سے ڈری ہوں۔

بابا نے بھی بہت پوچھا مگر میں کوئی جواب نہ دے سکی تو وہ دونوں مجھے نہ ڈرنے کی تاکید کرتے ہوئے پیار کرکے چلے گئے، وہ جب تک کمرے میں تھے تو وہ چمکدار آنکھیں اوجھل تھیں۔ امی بابا کے جاتے ہی وہ پھر سے روشن ہوگئیں جانے ان آنکھوں میں کیا تھا کہ خوف و دہشت زدہ ہونے کے باوجود میں نہ چاہتے ہوئے بھی ان کی جانب دیکھنے لگی۔ پھر پتہ نہیں کب نیند کی آغوش میں چلی گئی۔

صبح امی کی آواز پر آنکھ کھلی ''فوزی بیٹا اٹھو کیا کالج نہیں جاؤ گی'' میں نے گھڑی کی طرف دیکھا ساڑھے

سات بج رہے تھے، میں کسلمندی سے اٹھی نیند سے بوجھل آنکھیں لئے باتھ روم کی طرف بڑھ گئی، بال بنا رہی تھی تو ایسا لگا کہ میں کسی کی آنکھوں کے حصار میں ہوں اور ان پیار برساتی جادوئی آنکھوں کے سحر میں گرفتار ہوگئی۔ امی کی آواز پر اس سحر سے آزاد تو ہوگئی مگر دل و دماغ کو اس جادوئی سحر سے رہائی نہ دلا سکی۔ جلدی جلدی تیار ہو کر ڈائننگ ٹیبل پر آئی امی کو اپنی طرف دیکھتے ہوئے پا کر پوچھا "خیریت ہے ایسے کیوں دیکھ رہی ہیں۔"

تو وہ بولیں "فوزی بیٹا تم رات کو ڈر گئی تھیں کیا کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا تھا اب بھی شکل سے ایسا لگ رہا ہے کہ تم ٹھیک سے سو نہیں سکی ہو"

میں نے حیرانگی سے امی کی طرف دیکھا میں خواب میں ڈر گئی تھی مجھے تو کوئی بات یاد نہیں امی کہنے لگیں "میں اور تمہارے بابا تمہاری آواز سن کر تمہارے کمرے میں آئے تو تم بری طرح کانپ رہی تھیں۔ بیٹا ایسا کرو آج کالج نہیں جاؤ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

میں نے کہا "امی آج تو مجھے لازمی جانا ہے ماہی سے کچھ اسائنمنٹ لینے ہیں وہ لے کے آئے گی میں نہیں گئی تو وہ پریشان ہوگی۔"

وہ آنکھیں پورا دن میرے آس پاس رہیں پھر روز ہی ایسا ہونے لگا مگر مجھے اب ان سے ڈر نہیں لگتا میں نے ایک بات محسوس کی کہ جب میں اکیلی ہوتی تو وہ آنکھیں میرے آس پاس رہتیں مجھے تکتی رہتیں ایسا لگتا کہ وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتی ہیں اور جب میرے پاس کوئی ہوتا تو وہ غائب ہو جاتیں اور اب تو میرا دل بھی یہی چاہتا تھا کہ میں انہیں دیکھتی رہوں۔

میں آپ کو ایک بات بتاتی چلوں ہمیں اس گھر میں شفٹ ہوئے تقریباً چار مہینے ہوئے تھے۔ میں اپنے والدین کی اکلوتی اولاد ہوں اس لئے میرا دل چاہتا کہ میرے بہت سارے دوست ہوں اور میں ان کے ساتھ خوب ہلہ گلہ کروں خوب انجوائے کروں جب یہاں شفٹ ہو رہے تھے تو میں بہت اداس تھی کیونکہ میرے سارے دوست مجھ سے جدا ہو رہے تھے ہم لاہور سے کراچی شفٹ ہوئے تھے اس لئے ان کی جدائی میں پریشان تھی اور خوب روئی تھی اس گھر میں بھی دو مہینے تک میرا دل نہیں لگا اپنے دوستوں کو یاد کر کے روتی رہی پھر میں نے کالج میں ایڈمیشن لے لیا یہاں پر بھی بہت سارے دوست بنا لئے گو کہ پرانی سہیلیوں کو بھولی نہیں تھی مگر نئے دوست مل جانے پر تھوڑا سا بہل گئی تھی۔

اس گھر کے آس پاس کوئی ایسا گھر نہیں تھا کہ میں کسی سے دوستی کرتی جب گھر میں بوریت ہوتی تو اپنے دوستوں کے گھر چلی جاتی یا وہ لوگ یہاں آ جاتیں مگر اب دل چاہتا کہ نہ کہیں جاؤں نہ آؤں نہ کسی سے باتیں کروں بس اپنے کمرے میں لیٹی رہوں میری اس تبدیلی پر میری ساری دوست مجھ سے ناراض تھیں کہ یہ مجھے کیا ہوتا جا رہا ہے، امی، ابو بھی میری اس تبدیلی کو محسوس کئے بغیر نہ رہ سکے وہ میری روز بروز گرتی ہوئی صحت کی وجہ سے بہت پریشان تھے۔ میں نے ان آنکھوں کے بارے میں کسی کو نہیں بتایا تھا، میں ڈرتی تھی کہ کہیں میں ان آنکھوں کو کھو نہ دوں جو کہ اب مجھے زندگی سے زیادہ عزیز تھیں۔ امی ابو نے زبردستی ڈاکٹر سے میرا چیک اپ کرایا، ڈاکٹر نے بھی کہا میری روز بروز گرتی ہوئی صحت اور کمزوری خطرے کا سبب بھی بن سکتی ہے۔

ایک دن میں ماہی کے گھر جانے کے لئے نکلی، جانے کیوں راستے سے ہی لوٹ آئی گھر واپس آ رہی تھی تو راستے میں مجھے ایک پیاری سے لڑکی ملی میرا بے ساختہ دل چاہا کہ اس سے دوستی کر لوں میں نے مسکرا کر اسے دیکھا اس نے بھی میری مسکراہٹ کا جواب مسکرا کر دیا۔ میں نے دوستی کا کہا تو وہ بھی مجھ سے دوستی پر تیار ہوگئی پھر ہم ایک دوسرے کے تعارف کے بعد اچھے دوست بن گئے، رمشہ دو بھائیوں کی اکلوتی بہن تھی اسے بھی میری طرح بہن کا شوق تھا اس لئے ہماری دوستی کے بعد ہمارا یہ شوق پورا ہو گیا۔

ایک دن میں نے رمشہ سے پوچھا "رمشہ کیا تمہیں اس کمرے میں دو چمکتی ہوئی آنکھیں نظر آ رہی ہیں" تو وہ میری بات سن کر پریشان ہوگئی ادھر ادھر دیکھنے کے بعد وہ چپ چاپ میرے کمرے سے چلی گئی اس کے اس طرح چلے جانے پر مجھے اس پر بہت غصہ آیا، میں

بھی اس کے گھر نہیں گئی۔ چونکہ ہماری اس دوستی کی وجہ سے دونوں گھرانے ایک دوسرے کے قریب آ گئے تھے اس لئے ہماری اس حرکت کو سب نے نوٹ کیا یہاں امی ابو مجھ سے پوچھتے رہے اور وہاں رمشہ کے گھر والے کہ ہم اتنے دن سے مل کیوں نہیں رہے۔

پھر وہ اچانک آ گئی میں اپنے کمرے میں لیٹی ہوئی تھی اور ان آنکھوں کے حصار میں تھی وہ بہت غصے میں کمرے میں داخل ہوئی اور کہنے لگی "فوزی مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی اگر غصے اور پریشانی کی وجہ سے میں یہاں نہیں آ رہی تھی تو تمہیں تو آنا چاہئے تھا۔"

میں نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا "ناراض ہو کر تم گئی تھیں اپنی ناراضگی کا بتاتی تو میں اپنی غلطی مانتی اور سوری کرتی۔ تم تو میرے سوال پر اتنا بوکھلائی اور غصہ کرتی ہوئی چلی گئیں۔" پھر وہ روتے ہوئے میرے گلے لگ گئی اور کہنے لگی "فوزی میں تمہیں کھونا نہیں چاہتی اس لئے تم سے ایک بات کرنے اور تمہیں منانے میں اتنے دن لگا دیئے۔ میری پیاری بہن پہلے مجھ سے ایک وعدہ کرو کہ تم میری بات مان لوگی"

میں نے بھی جھٹ اس کی محبت میں آ کر وعدہ کر لیا یہ پوچھے بنا کہ وہ مجھ سے کس بات کا وعدہ لے رہی تھی وہ کہنے لگی "میں نے انکل آنٹی سے بات کر لی ہے وہ لوگ اس گھر کو چھوڑ کر دوسرا گھر لینے کے لئے تیار ہو گئے ہیں۔ پلیز تم بغیر کسی ضد کے ان کی بات مان لینا" اس کی بات سن کر مجھے بہت غصہ آیا، میں نے اس کی پوری بات سنے بغیر اسے اپنے کمرے سے نکال دیا اور آئندہ نہ ملنے کا کہا۔

"میں سب کچھ چھوڑ سکتی ہوں مگر یہ گھر اور یہ کمرہ چھوڑنا اب میرے بس سے باہر تھا میں اب ان آنکھوں سے جدا نہیں ہو سکتی ان کی جدائی کے خیال سے میرے جسم میں جھرجھری سی آ جاتی ہے۔"

رمشہ تو روتی ہوئی چلی گئی اس کے بعد امی ابو نے بہت زور لگایا میری ضد کے باوجود دوسرے علاقے میں کرائے کا گھر لے لیا، اس گھر کی پوری سیٹنگ میری مرضی کے مطابق کروائی مگر میں ان باتوں سے نہ بہل سکی۔ رو رو کر برا حال کر لیا اور احتجاجاً اپنے آپ کو کمرے میں بند کر لیا۔ ان آنکھوں کے بغیر میں بن پانی کی مچھلی کی طرح تڑپا کرتی مگر کسی کو میری پرواہ نہیں تھی بس امی میری جان بچ جانے پر شکرانے ادا کرتی رہتیں۔

ایک دن رمشہ کے سب گھر والے آئے ہوئے تھے اور میں روزمرہ کے مطابق اپنے کمرے میں بند ان آنکھوں کو اپنے تصور میں بسائے لیٹی ہوئی تھی کہ مجھے پیاس محسوس ہوئی میں پانی پینے کی غرض سے کچن کی طرف جا رہی تھی کہ اپنا نام سن کر رک گئی آنٹی امی سے کہہ رہی تھیں "بہن آپ نے بہت اچھا کیا کہ گھر بدل لیا اور ہماری فوزی بیٹی کی جان بچ گئی" وہ کہہ رہی تھیں "اس گھر میں روح ہے اس گھر میں ایک بہت خوبصورت لڑکا رہتا تھا جس کا نام شاہد تھا، شاہد کا چچا اس سے بہت خائف تھا یہ گھر شاہد کا تھا وہ بہت رحم دل اور حساس تھا ہر کسی کی مدد کرنا اس کا شیوہ تھا شاہد کی ان باتوں کی وجہ سے اس کا چچا اس کی جان کا دشمن بنا ہوا تھا، وہ بہت لالچی اور خود غرض انسان تھا وہ شاہد کے گھر پر قبضہ کرنا چاہتا تھا وہ بہت شاطر تھا شاہد کو مارتا پیٹتا اور طرح طرح کی اذیتیں دیتا تھا۔

پھر ایک دن شاہد سیڑھیوں سے اتر رہا تھا کہ اس کا پاؤں پھسلا اور وہ لڑھکتا ہوا نیچے تک آ گیا دماغ میں شدید چوٹ کے باعث اسی وقت مر گیا اس کے چچا نے اس حادثے کو اتفاقی حادثہ کہہ کر اپنے آپ کو بچا لیا اور اپنے شاطرانہ ذہنیت کی وجہ سے اس گھر پر قابض ہو گیا مگر کچھ عرصے بعد یہ گھر بیچ کر اپنی فیملی کے ساتھ دوسرے شہر چلا گیا۔

بس اس دن سے شاہد کی روح لوگوں کو تنگ کرتی ہے اور اپنے اوپر ہونے والے مظالم کا بدلہ لیتی ہے شاید اس طرح اس کی روح کو سکون ملتا ہو۔ آپ سے پہلے یہاں کئی لوگ آئے مگر کسی نہ کسی بڑے حادثے کا شکار ہوئے گو کہ وہ حادثے بھی اتفاقاً ہوئے تھے مگر آس پاس کے لوگ اس بات کو نہیں مانتے ان کا کہنا ہے شاہد کو مارنے میں اس کے چچا کا ہاتھ ہے انہوں نے اس کی اکثر درد سے کراہتی آوازیں سنی ہیں۔

شاہد کو گھر میں چلتے پھرتے دیکھا گیا ہے اور ان آنکھوں کا بھی تذکرہ کر چکے ہیں جن کے بارے میں فوزی بٹی نے رمشہ سے کہا تھا اور رمشہ وہاں سے روتی ہوئی آئی تھی میں نے اس کے رونے کا سبب پوچھا تو اس نے مجھے پوری بات بتائی اور روتے ہوئے کہنے لگی خدا کے واسطے امی فوزی کو بچالیں نہیں تو شاہد اس کو بھی مار دے گا۔ میں بھی یہ سن کر متفکر ہوئی پھر ہم نے آپ سے بات کی اور آپ نے اس آسیبی گھر سے نجات حاصل کرلی۔ خدا کا شکر ہے آپ کسی بڑے نقصان سے بچ گئیں۔"

امی کہنے لگیں "مگر ہمیں تو کسی بات سے محسوس نہیں ہوا کہ اس گھر میں کوئی روح ہے" میں ان کی باتیں سن کر سوچتے ہوئے اپنے کمرے میں آ گئی اور ایک پرچہ امی ابو کے نام لکھا۔

پیاری امی اور بہت پیارے ابو! آداب! آپ میری غیر موجودگی سے پریشان مت ہوجایئے گا میں کچھ دیر کے بعد خود لوٹ آؤں گی اور میں کہاں جارہی ہوں یہ آپ سب اچھی طرح جانتے ہیں۔

آپ کی بیٹی، فوزیہ عرف فوزی

پرچہ تکیئے کے پاس رکھ کر میں نے کچھ سوچتے ہوئے پرانے گھر کی چابی دراز سے نکالی چابی پرس میں رکھ کر چپ چاپ گھر سے نکلی اور تھوڑا آگے سے رکشہ میں بیٹھ کر اپنے پرانے گھر کی طرف چل پڑی امی ابو وغیرہ باتوں میں مگن تھے اس لیے میری غیر موجودگی محسوس نہ کرسکے رکشے والے نے بالکل گھر کے سامنے اتارا اس کو پیسے دے کر فارغ کیا تالہ کھول کر اندر داخل ہوئی دروازہ بند کیے بغیر اپنے کمرے کی طرف بڑھی کمرے میں داخل ہوئی تو وہاں ایک بہت خوبصورت لڑکا کھڑا مسکرا رہا تھا اس کی حسین آنکھوں پر تو میں فریفتہ تھی ہی اب اس کی سحر انگیز شخصیت میں کھوسی گئی بلاشبہ وہ بہت خوبصورت تھا میں نے اس کی طرف دیکھا اور اٹکتے ہوئے کہا "شاید تم شاہد ہونا؟" ایک بات بتاؤ کیا میں تمہیں اچھی لگتی ہوں۔

اس کا اندازہ مجھے اس طرح ہوا کہ تم نے سب کو کسی نہ کسی طرح سے نقصان پہنچایا مگر ہمیں کچھ نہ کہا

"چاہے تو تم مجھے بھی مار سکتے تھے۔"

میری اس بات سے وہ سنجیدہ ہوگیا جیسے اسے میری بات بری لگی ہو۔ پلیز، میری بات سنو اگر تم مجھے پسند کرتے ہو تو تم کو میری ایک بات ماننی ہوگی پہلے یہ بتاؤ تم لوگوں کو کیوں ستاتے ہو، مانتی ہوں تمہارے چچا نے تمہارے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا اور تمہیں مار دیا مگر تم تو بہت رحم دل تھے لوگوں کی مدد کیا کرتے تھے ان کے کام آتے تھے تو پھر یہ تبدیلی کیسی مانا تمہارے ساتھ اچھا نہیں ہوا مگر تمہارا فیصلہ اس جہاں میں نہیں میں نے اوپر کی طرف اشارہ کیا وہاں ہوگا اور اللہ کے حکم سے تمہارے چچا کو کبھی نہ کبھی اس کی سزا ضرور ملے گی پلیز تم یہاں سے چلے جاؤ اور لوگوں کو پریشان کرنے کے بجائے اپنے فیصلے کا انتظار کرو بہت دیر تک وہ ایک ٹک میری طرف دیکھتا رہا میں نے پھر کہا شاہد میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں تم یہاں سے چلے جاؤ۔

میں نے غور سے سنا تو ابو لوگ زور زور سے شاہد کو برا کہہ رہے تھے اور یہیں آرہے تھے مجھے ان کی یہ بات ناگوار گزری اور چاہا کہ یہ آواز اس سے پہلے شاہد تک پہنچے میں انہیں سمجھادوں یہ سوچتی ہوئی تیزی سے سیڑھیاں پھلانگنے لگی کہ میری جلد بازی سے پاؤں مڑ گیا اور میں قلابازیاں کھاتی ہوئی نیچے تک آ گئی کمزوری کی وجہ سے دماغی چوٹ برداشت نہ کرسکی اور شاہد کی طرح اس حادثے کا شکار ہوگئی جبکہ گرتے وقت میں نے دیکھا کہ شاہد مجھے بچانے کے آگے بڑھا مگر نہ بچاسکا اور ایک ناکردہ گناہ کا مجرم بنادیا گیا۔

میرے گھر والے اس حادثے کا ذمہ دار شاہد کو ٹھہرا رہے تھے انہیں کیا پتہ کہ وہ ان کی بیٹی کو بچانا چاہتا تھا مگر نہ بچاسکا، وہ تو اس ظالم دنیا کو چھوڑ کر جانے پر تیار ہوگیا تھا مگر میری جلد بازی کی وجہ سے مجھے بھی اپنے ساتھ لے جانے پر مجبور ہوگیا، اب وہ اکیلا نہیں میں بھی سفید بادلوں میں اس کے ساتھ اڑی چلی جارہی تھی گو کہ مجھے اپنے والدین سے بچھڑنے کا بہت دکھ تھا مگر میں شاہد کے ساتھ اس سفر سے بہت خوش تھی۔

عبرت کا نشان

مہر پرویز احمد دولو-میاں چنوں

یہ حقیقت ہے کہ جب برا وقت آتا ہے وہ بھی ہمارے عمل سے تو سایہ بھی ساتھ چھوڑ جاتا ہے اور ایسا ہی اس نوجوان کے ساتھ ہوا وہ سونے کا چمچہ منہ میں لے کر پیدا ہوا تھا لیکن اس کے عمل نے اسے عبرت کا نشان بنادیا۔

حدود سے تجاوز کرنا انسان کو ذلت و رسوائی اور موت سے ہمکنار کردیتا ہے، سبق آموز کہانی

بہت سے پیروں فقیروں کی دعاؤں اور کئی درباروں پر منت ماننے اور صدقے دینے پر ماں باپ کی خواہش اور من کی مراد عزیز کی پیدائش کی صورت میں پوری ہوئی۔

اپنی حیثیت کے مطابق والدین نے خوشیاں منائیں اور صدقہ خیرات کی صورت میں دولت کو پانی کی طرح بہایا۔

پیدائش والی رات رشتے داروں نے خوشی کے جذبات کی رو میں بہہ کر ساری رات رائفلوں اور کلاشنکوفوں سے دھڑا دھڑ فائرنگ کی جبکہ خواتین نے طبلے کی تھاپ پر ڈانس کرکے اور گا کر خوشی منائی۔

آج رات اس گھر میں رات کو بھی دن کا سماں لگ رہا تھا ہر طرف خوشیاں رنگ برنگی تتلیوں کی صورت میں جگمگ جگمگ کرتی چل پھر رہی تھیں۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

اس نعمت کے ملنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی بجائے لوگوں پر رعب و دبدبہ ڈالنے کا خوب مظاہرہ کیا گیا۔

خوشیوں کا موسم گزر گیا جب عزیز چلنے پھرنے کے قابل ہوا تو ماں نے خوبصورت چھوٹا سا بیگ خریدا نیلی پینٹ اور شرٹ لی ساتھ ہی تسمے والے بوٹ خریدے۔

اسکول کا یونیفارم پہنا کر صبح سویرے اسکول کے گیٹ پر چھوڑ آتی۔ اس نے استانیوں کو سختی سے تلقین کی کہ ”میرا لال پڑھے نہ پڑھے اسے مارنا نہیں، سختی نہیں کرنی، اگر تمہاری یا کسی طالب علم کا نقصان کرے تو میرے لاڈلے کو بالکل نہیں جھڑکنا، وہ نقصان میں پورا کروں گی“

اتنے ناز و نعم میں پلی اس معصوم ہستی نے خاک پڑھنا تھا بچپن تو نام ہی شرارتوں کا ہے الٹے سیدھے کام کرنے سے بچہ سیکھتا اور پڑھتا ہے۔

بچے کو آگاہی کے نور سے روشناس کروانے کے لئے استاد کو بچے کو ہتھیلی کا چھالہ بنانے کی بجائے کبھی کبھار سختی اور سزا بھی دینی پڑتی ہے مگر عزیز کی استانیوں پر سزا کی پابندی تھی وہ جوں جوں ہوش کی سیڑھیوں پر قدم بڑھاتا گیا اس کی بدتمیزیوں اور شرارتوں میں اضافہ ہوتا گیا۔

پورے اسکول کا کوئی بچہ اس کے شر سے محفوظ نہ تھا اسے کھیل کھیلنے اور ہر قسم کی شرارت غلطی اور بدتمیزی کی کھلی چھٹی تھی۔ استانیاں اور طلباء اس سے سخت نالاں تھے۔

خدا خدا کر کے کفر ٹوٹا اور وہ پرائمری پاس کر کے لڑکوں کے ہائی اسکول میں چھٹی کلاس میں داخل ہوا۔

وہاں بھانت بھانت کے لڑکے تھے، کوئی بھی طالب علم سوا سیر سے کم نہ تھا، مگر وہ اساتذہ کا حکم مانتے ان کا احترام بجالاتے، عزت و تکریم ملحوظ خاطر رکھتے پڑھائی کے وقت ساری توجہ تعلیم پر دیتے تفریح کے وقت کھیل کود میں حصہ لیتے۔

عزیز پرائمری اسکول کا پڑھا ہوا تھا جہاں اس کی سینہ زوری کا طوطی بولتا تھا لیکن یہ طلباء تو اس کی ایک من مانی نہ چلنے دیتے بلکہ اس کی خودسری، بدتمیزی اور شرارتوں کے آگے خوف و ہراس اور مار پیٹ کا پل باندھ دیا۔

سابقہ غرور کو مدنظر رکھتے ہوئے اس نے ایک دن اپنے استاد سے بدتمیزی کی تو استاد نے اسے ایک تھپڑ مار دیا۔

تھپڑ پڑنے کی دیر تھی کہ گویا بھونچال آ گیا رونا، دھونا شروع کر دیا اساتذہ کو گالیاں دینا شروع کر دیں اور دھمکیاں دیتا گھر کو روانہ ہو گیا۔

ماں نے جب لاڈلے لخت جگر کو روتا دھوتا دیکھا تو اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا، غصے سے آنکھیں لال ہو گئیں منہ سے جھاگ بہنے لگی ننگے سر، ننگے پاؤں اسکول پہنچ گئی تھپڑ مارنے والے استاد کو اسکول کے طلباء اور اسٹاف کے سامنے وہ بے عزت کیا گالیاں دیں، طعنے دیئے کہ خدا کی پناہ، عزیز کے والد کو جب بیٹے کی مار کی خبر ملی تو وہ بھانجوں، بھتیجوں کو ڈنڈوں اور سوٹوں سے مسلح کر کے اسکول پہنچ گیا۔

تھپڑ مارنے والے استاد کو بڑی مشکل سے ان کی مار پیٹ سے بچایا گیا اسے چور دروازے سے اسکول سے نکال دیا گیا جبکہ ان لوگوں کو ہیڈ ماسٹر صاحب اور دوسرے اساتذہ کرام نے بڑی مشکل سے منت سماجت کر کے اسکول سے نکالا۔

اس دن کے بعد پھر عزیز اسکول نہ آیا اور یوں پورے اسکول کے اساتذہ اور طلباء نے سکھ کی سانس لی اسکول سے فارغ ہوتے ہی عزیز نے آوارہ لڑکوں کی گینگ بنالی۔

کبوتر اڑانا، مرغ لڑانا، چوک میں پتوں پر جوا کھیلنا، شراب پینا، چرس کے سگریٹ کے سوٹے لگانا شیوہ بنالیا۔

گاؤں کی بہو بیٹیوں کی شامت آ گئی عزیز اور اس کے ساتھیوں نے لڑکیوں کا بازار میں نکلنا دشوار بنا دیا۔

لڑکیوں کو دیکھتے ہی آواز کستے، بیہودہ حرکات کرتے، فحش ناموں سے پکارتے رات کو نہر کنارے وارداتیں کرنے لگے۔

گاؤں کے لوگ سخت پریشان تھے، مگر عزت کے ڈر سے کوئی بھی ان کے منہ نہ لگتا، جہاں میں ہر طرح

کے لوگ آباد ہیں اگر برے لوگ جا بجا پھر رہے ہیں تو اچھے لوگوں کی بھی کمی نہیں غلط کردار کی مالکہ کچھ لڑکیاں ان کی منظور نظر بن گئیں۔

ماں باپ کی طرف سے عزیز کو کھلی چھٹی تھی۔

گاؤں سے باہر ڈیرے پر ساری رات لڑکے لڑکیاں شراب پی کر خوب غل غپاڑہ کرتے، عیاشیوں کے چرچے دور دور تک پھیل گئے۔

ڈیرے پر مہمان لڑکے لڑکیوں کا رش بڑھنے لگا، دور پار سے آئی عابدہ سے ملاقات ہوتے ہی عزیز سب کچھ اس پر نچھاور کر بیٹھا وہ دن کا سکون اور رات کا آرام چھین لے گئی دوستوں کی نظر بد سے محفوظ رکھنے کے لئے عزیز اسے گھر پر مدعو کرنے لگا۔ ساری رات بیٹھک میں عیاشی کے مزے لوٹتے۔ ماں کو اس کی کسی بھی سرگرمی میں دخل دینے کا اختیار نہ تھا۔ وہ بھی عابدہ کے صدقے واری جانے لگی۔

گھر پر خوب مرغن کھانے پکائے جاتے جنہیں کھا کر وہ لوگ ایک دوسرے میں کھو کر نشہ زائل کرنے کی کوشش کرتے۔

ایک ہفتے کی شب عابدہ کے لئے خصوصی دعوت کا اہتمام کیا گیا اسپیشل شہر سے بکرے کے گوشت کی کڑاہی بنوائی گئی کسٹرڈ کو فریج میں ٹھنڈا کیا گیا میٹھے چاول بنائے گئے اور عابدہ کی فرمائش پر شہر کی مشہور رس ملائی منگوائی گئی۔

شام ہوتے ہی تمام کھانا ڈائننگ ٹیبل پر سجا دیا گیا اور عابدہ کا انتظار ہونے لگا اچانک بجلی چلی گئی عزیز ٹارچ لینے کے لئے دوسرے کمرے میں گیا۔ اس دوران اس کو سوجھ آئی ”کیوں نہ کھانے کے پروگرام کو پراسرار بنایا جائے“ اس مقصد کو عملی جامہ پہنانے کے لئے وہ دکان پر موم بتیاں لینے چلا گیا۔ کمرے سے باہر نکلتے ہی چھپکلیوں کی تلاش میں پھرنے والی بلی کے وارے نیارے ہو گئے بکرے کے گوشت کی بوٹیاں مزے لے کر کھانے لگی۔

عزیز جونہی واپس لوٹا اس کے قدموں کی چاپ سنتے ہی ڈر کے مارے بلی بھاگنے لگی لیکن اس دوران ایک اور مسئلہ پیدا ہو گیا میز پوش کی چادر جو بطور دستر خوان ٹیبل پر بچھائی گئی تھی اس کا ایک کونا بلی کے پاؤں کے نوکیلے ناخن میں پھنس گیا۔ بلی ڈر کے مارے بھاگی تو میز پوش بھی ساتھ ہی لے اڑی بس پھر کیا تھا تمام کھانا دھڑام سے فرش پر گر گیا۔

سب کھانا ضائع ہو گیا، اس دوران عابدہ دروازے پر پہنچ گئی اسے دیکھتے ہی عزیز مزید شرمندہ اور پریشان ہو گیا۔ اسے جب پتہ چلا کہ بلی نے سارا کھانا نیچے گرا دیا ہے تو اسے بھی بہت افسوس ہوا مگر اس نے عزیز کو تسلی دی اور گھر کا تیار شدہ کھانا کھا کر وہ لوگ موج مستی کرنے لگے اگلے ہفتے ایک بار پھر مرغ مسلم کے ساتھ شراب کا پروگرام بنایا گیا۔

حضور اکرم ﷺ کے ارشادات

دو گھونٹ:

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے، دو گھونٹ اللہ کو بہت پیارے ہیں، ایک غصے کا اور دوسرا صبر کا۔ تم اپنے آپ کو ان گھونٹوں میں ڈھالنے کی کوشش کرو۔

دو قطرے:

اللہ تعالیٰ کو دو قطرے بہت پیارے ہیں، ایک وہ قطرہ جو اللہ کی راہ میں جہاد میں خون کا قطرہ اور دوسرا آنکھ کا آنسو، جو رات کی تنہائی میں اللہ کے خوف سے نکلے۔

دو قدم:

اسی طرح اللہ کی نظر میں دو قدم پسندیدہ ہیں، ایک وہ قدم جو فرض نماز کے لئے اٹھے، دوسرا وہ قدم جو کسی کی عیادت و تعزیت کے لئے اٹھے۔

(انتخاب: محمد عمران ملک۔ ٹنڈو آدم)

اب کی بار حفاظت کا خصوصی انتظام کیا گیا خوب مزے لے کر کھانا اڑایا جانے لگا فرائی مرغ کی بوٹیوں کے ساتھ شراب چسکیاں لے کر پی جانے لگی۔ شراب کے نشے میں جب یہ جھومنے لگے تو ہڈیوں کی متلاشی بلی ایک بار پھر آن وارد ہوئی اور سب کچھ نیچے گرا کر یہ جاوہ جا۔

بلی کی یہ غلطی تو ناقابل معافی تھی دونوں کی آنکھوں سے شرارے نکلنے لگے یہ بلی تو ان کی ولن بن گئی تھی۔

عزیز سخت شرمندہ تھا جبکہ عابدہ نے دبے لفظوں میں عزیز کی ماں کے پھوہڑ پن کو ہدف تنقید بنایا۔

رات تو ایسے تیسے گزر گئی مگر اگلی صبح عزیز بلی کی تلاش میں سرگرداں پھرنے لگا۔

دوپہر کو جب اس کی ماں تندور پر روٹیاں پکانے کے لئے تندور جلانے لگی تو اندر سے میاں میاؤں کی آواز آنے لگی۔ اس نے جھانک کر دیکھا تو اندر پانچ چھ چھوٹے چھوٹے بلی کے بچے پڑے تھے اور میاؤں میاؤں کرکے شور وغوغا کررہے تھے۔

اس نے عزیز کو آواز دی اور بچے باہر نکالنے کو کہا، مگر جب عزیز نے بلی کے بچے دیکھے تو اس کا غصہ آسمان کو چھونے لگا۔

فوراً بازار سے لیٹر پیٹرول لایا تندور میں چھڑکا اور آگ لگا دی آگ لگنے کی دیر تھی کہ شعلے تندور سے باہر آنے لگے اندر بچوں کی درد بھری چیخیں باہر آنے لگی، بچے کڑاہی کے دانوں کی طرح بھونے جانے لگے ان کے چیخنے کی آوازیں سن کر عزیز محظوظ ہونے لگا۔

اس نے ہاتھ میں ڈنڈا پکڑ رکھا تھا کہ اگر بچے باہر نکلے تو ڈنڈے مار مار کر ختم کردوں گا مگر پیٹرول اور آگ نے تو انہیں جلا کر کوئلہ بنا دیا تھا۔

''ماں ماں ہوتی ہے'' بلی کو شاید اپنے بچوں کے جلنے کی خبر ہوگئی تھی وہ میاؤں میاؤں کرتی تندور کے گرد چکر کاٹنے لگی۔ عزیز نے تاک کر ڈنڈا مارا اور اسے زخمی کردیا درد کی شدت سے وہ میاؤں میاؤں کرنے لگی عزیز فوراً آگے بڑھا اسے اٹھایا اور بھڑکتے تندور میں ڈال دیا بلی بھی مکئی کے دانوں کی طرح بھون دی گئی جب ہڈیاں کڑکتیں تو عزیز بہت خوش ہوتا آخرکار بلی بھی آگ میں جل کر کوئلہ بن گئی۔

بلی اور بچوں کو جلا کر عزیز بہت خوش تھا اس خوشی کے موقع پر آج رات ہی عابدہ کو دعوت دے ڈالی اور ایک بار پھر خوب لذیذ کھانا تیار کیا گیا۔ رات کو عزیز اور عابدہ دعوت سے لطف اندوز ہونے لگے، تلی ہوئی مچھلی کے ساتھ شراب اور مشروب کا خصوصی انتظام تھا، کھانا شروع کرتے ہی پلیٹوں میں مچھلی ڈالی گئی گلاسوں میں شراب ڈالی، مچھلی کا ٹکڑا جونہی اٹھا کر منہ کے پاس لے گئے تو وہ سرخ ہوگیا اور اس سے خون ٹپکنے لگا گھبرا کر پھینک دیا، پلیٹ کی طرف ہاتھ بڑھایا تو وہاں جما ہوا خون تھا شراب کے گلاس خون کی طرح لال اور گاڑھے ہوگئے دونوں سخت پریشان ہوگئے۔

اس دوران میز کے نیچے سے میاؤں میاؤں کی آوازیں آنے لگیں نیچے جھانک کر دیکھا تو کچھ بھی نہیں تھا پھر کمرے کے چاروں کونوں سے آوازیں آنے لگیں قریب جانے پر کچھ بھی نہ ملا۔ چھت پر بلیوں نے ادھم مچادیا آوازوں کے شور کے ساتھ بھاگنے کی آوازیں بھی آنے لگیں، عزیز چھت پر چڑھا مگر وہاں کچھ بھی نہ تھا۔

پھر تو پورے گھر سے میاؤں میاؤں کی آوازیں آنے لگیں، لیکن بلیاں کہیں بھی نظر نہ آئیں دونوں کی آج رات کی موج مستی کے رنگ میں میاؤں کی آواز نے بھنگ ڈال دی۔ صبح اٹھ کر پھر پورے گھر کی تلاشی لی گئی مگر کہیں سے بھی بلی کا نام ونشان نہ ملا۔

آج عزیز کا شہر جانے کا پروگرام تھا موٹر سائیکل میں پیٹرول نہیں تھا دکان پر پیٹرول ڈلوانے گیا تو دکاندار موبائل فون پر باتوں میں مصروف تھا اس نے خود ہی عزیز کو اندر سے پیٹرول کی بوتل اٹھا کر لانے کو کہا۔

عزیز نے دکان سے بوتل اٹھائی ہی تھی کہ دکان کا شٹر گر گیا عزیز گھبرا گیا اس دوران میاؤں میاؤں کی آواز آنے لگی عزیز بہت پریشان ہوگیا پیٹرول کی بوتل ہاتھ سے چھوٹ کر گر گئی پیٹرول بہنے کی دیر تھی کہ اس میں آگ لگ گئی۔ پوری دکان شعلوں میں گھر گئی عزیز نے

شٹر کی طرف جانے کی کوشش کی تو سامنے بلی اور چھ سات بلی کے بچے خونخوار نظروں سے عزیز کو گھورنے لگے۔ پیچھے سے آگ اس کے کپڑوں میں لگ گئی اس کی چیخیں نکل گئیں پورا جسم آگ میں جلنے لگا۔

دکان سے باہر موجود لوگوں نے بھڑکتی آگ دیکھی تو بڑی مشکل سے شٹر اوپر اٹھایا، عزیز کو باہر نکال کر کچی مٹی پر لٹایا گیا اس کے اوپر مٹی اور ریت ڈالی گئی کافی دیر بعد بڑی مشکل سے آگ پر قابو پایا گیا اس دوران عزیز بہت زیادہ جل کر شدید زخمی ہوچکا تھا۔ فوراً اسپتال لے جایا گیا۔

ایک ماہ بعد گھر لوٹا تو تمام جسم داغدار اور بدنما بن چکا تھا اس کو دیکھ کر ڈر لگتا تھا۔ ماں بیٹے کی حالت پر سخت پریشان تھی مگر مجبور تھی جب کسی کام کاج کا نہ رہا تو والدین نے شادی کرنے کا فیصلہ کیا مگر منہ اور جسم دیکھ کر عزیز کو کسی نے بھی رشتہ دینے سے انکار کردیا۔ کافی بھاگ دوڑ کے بعد اس کو ایک ایسی لڑکی سے بیاہ دیا گیا جو بدکرداری کی وجہ سے تین بار طلاق کا زیور ماتھے پر سجا چکی تھی اور آج کل آوارہ تنکوں کی طرح لوگوں کی دل پشوری کا سامان بنی ہوئی تھی۔

شادی کے پہلے سال بیٹا ہوا، بہت خوبصورت، گول مٹول، بہترین نین نقش جب اوں آں کرنے کے قابل ہوا تو پتہ چلا کہ یہ گونگا ہے بول نہیں سکتا۔ اگلے سال پھر بیٹا ہوا مگر یہ بھی گونگا تھا۔ پھر تو جس طرح بیٹے کی آس میں عورتیں بیٹیاں جنتی جاتی ہیں اسی طرح عزیز کی بیوی بولنے والے بچے کی آس میں بیٹے جنتی گئی یہاں تک کہ سات بیٹے ہوئے مگر خدا کی شان کہ ساتوں گونگے تھے۔

گونگی نرینہ اولاد پر عزیز اور اس کی بیوی سخت پریشان تھے کسی نے ایک بہت بڑے اللہ والے بزرگ کا پتہ دیا۔ ایک دن اسپیشل گاڑی بک کی اور بابا جی کے دربار پر چلے گئے۔ راستے میں گاڑی کے سامنے اچانک بہت سی بلیاں آگئیں جن کو بچانے کے لئے ڈرائیور نے بریک لگائی مگر بریک فیل ہوگئی اسٹیئرنگ سے ڈرائیور کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی گاڑی دھماکے کے ساتھ ایک درخت سے جا ٹکرائی کچھ لوگ زخمی ہوگئے عزیز کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ فوراً اسپتال لے گئے کئی آپریشن ہوئے لیکن ہڈی ٹھیک نہ ہوئی گھر کی جمع پونجی علاج پر اٹھ گئی پائی پائی کو محتاج ہوگئے عزیز چارپائی تک محدود ہوگیا کمانے والا کوئی نہ تھا فاقوں تک نوبت آگئی ایک ہمدرد نے عزیز کی بیوی کو مشورہ دیا۔

''کب تک بھوک سے لڑتے رہوگے تمہارے بیٹے گونگے ہیں، بولنے سے معذور، ان کو شہر لے جاؤ وہاں خدا ترس لوگ رہتے ہیں یہ وہاں بھیک مانگیں گے تو تمہاری آمدنی کا راستہ کھل جائے گا۔''

یہ مشورہ اس کے دل کو لگا سات بیٹے جب بھیک مانگنے لگے تو دولت کی دیوی بہت زیادہ مہربان ہوگئی دولت ساون بھادوں کی بارش کی طرح برسنے لگی۔

چونکہ ان لوگوں کا بھیک مانگنے کا کاروبار شہر میں تھا اس لئے عزیز اور اس کی بیوی بھی شہر چلے گئے کرائے کے مکان میں رہائش اختیار کی اور بھیک سے جھولیاں بھرنے لگے۔ عزیز کے لئے اسپیشل ریڑھی بنوائی گئی وہ بھی بیٹوں کے ساتھ اس کاروبار میں شریک ہوگیا، وہ بیٹوں سے بھی زیادہ کمانے لگا۔

بیٹوں نے باپ کو کمائی کا ذریعہ تو بنالیا مگر اس کی حفاظت اور تیمارداری پر توجہ نہ دی ساون کے موسم میں جلے ہوئے پرانے زخم ہرے ہوگئے جسم سے ہر وقت پیپ بہنے لگا، اوپر مکھیاں بھن بھنانے لگیں، اب تو وہ عبرت کا نشان بنتا جارہا تھا۔

ایسی شدید زخمی حالت میں جب عزیز کی ریڑھی بازار میں جاتی تو لوگ دل کھول کر خیرات دیتے ساتھ ہی توبہ توبہ کرکے کانوں کو ہاتھ لگاتے۔ مناسب اور بروقت علاج اور حفاظت نہ ہونے کی وجہ سے پورا جسم آبلوں اور پیپ سے بھر گیا۔ اور پھر ایک دن زخموں کی شدت کی تاب نہ لاتے ہوئے عزیز اس جہان فانی سے کوچ کر گیا۔

جنات کا سایہ

عاطر شاہین-ملتان

جن گویا ہوا ہمارا حتمی فیصلہ ہے کہ اگر ہمارا بچہ موت سے ہمکنار ہوا تو نوجوان کی موت بھی یقینی ہے یعنی موت کا بدلہ اور پھر وہ جن آنکھوں سے آنسو بہاتا ہوا غائب ہوگیا۔

کیا یہ حقیقت ہے کہ.....بغیر چھیڑ چھاڑ کے.....جنات کسی کو اذیت نہیں دیتے

آدھی رات کا وقت تھا۔ واجد اور عابد دونوں بھائی ایک ہی کمرے میں الگ الگ چارپائیوں پر سو رہے تھے۔ کمرے میں نائٹ بلب جل رہا تھا جس کی مدھم روشنی کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔ واجد کی عمر بیس سال کے لگ بھگ تھی جبکہ عابد اٹھارہ سال کا تھا۔ دونوں بھائی خرادیہ تھے اور اپنے والد سلیم احمد کے ساتھ کام کرتے تھے۔ ان کی اپنی دکان تھی۔ وہ تین بہنوں کے بھائی تھے۔ بہنوں کی شادیاں ہوچکی تھیں جبکہ واجد اور عابد دونوں میں سے کسی کی بھی شادی نہیں ہوئی تھی اور نہ ہی ان کی کہیں منگنی ہوئی تھی۔

اچانک واجد نے ایک زوردار چیخ ماری اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس کے حلق سے نکلنے والی چیخ کی گونج سے عابد کی بھی آنکھ کھل گئی اور وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ اس نے واجد کی طرف دیکھا جو عجیب سے انداز میں لمبے لمبے سانس لے رہا تھا۔ ایسے لگتا تھا جیسے اس کا دم گھٹ رہا ہو اور وہ اپنا سانس بحال کرنے کی کوشش کررہا ہو۔

''بھائی۔ کیا ہورہا ہے؟'' عابد نے پریشان لہجے میں کہا اور لحاف ایک طرف کرتے ہوئے چارپائی سے اتر کر واجد کی چارپائی کی طرف بڑھا۔ واجد بدستور اسی طرح سانس لے رہا تھا اور اس کے حلق سے خرخراہٹیں نکل رہی تھیں۔ اس کی شکل بھی ڈراؤنی ہورہی تھی۔ عابد نے اسے کندھے سے پکڑ کر جھنجوڑنا چاہا کہ اچانک واجد نے اسے دھکا دے دیا۔ عابد اس ردعمل کے لئے بالکل تیار نہ تھا اس لئے وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھتے ہوئے فرش پر جا گرا۔ وہ حیران تھا کہ واجد نے اسے دھکا دے کر فرش پر کیوں گرادیا ہے۔

''واجد۔ بھائی۔''

عابد صرف اتنا ہی کہہ سکا تھا کہ اچانک واجد نے چیخ مار کر بستر پر گر کر تڑپنے لگا۔ اس کے ہاتھ پاؤں ایسے لرز رہے تھے جیسے اس کی روح اس کے جسم سے نکالی جا رہی ہو۔ اسے بری طرح سے تڑپتا دیکھ کر عابد کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ دوسرے ہی لمحے وہ مڑ کر دروازے کی طرف بڑھا اور دروازہ کھولا اور باہر نکل کر اپنے والد کے کمرے کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے دروازے پر پہنچ کر زور زور سے دروازہ پیٹنا شروع کر دیا اور ساتھ ہی اس نے اونچی آواز میں اپنے والدین کو پکارنا شروع کردیا۔

''ابو، امی! دروازہ کھولیں۔''

''آرہا ہوں۔'' اندر سے عابد کو اپنے ابو سلیم احمد کی آواز سنائی دی اور پھر چند لمحوں کے بعد دروازہ کھل گیا

اور اس کے ابو باہر نکل آئے۔ ان کے چہرے پر حیرت اور پریشانی کے ملے جلے تاثرات ابھرے ہوئے تھے۔

''کیا بات ہے عابد۔''

''ابو۔ وہ۔ وہ۔ واجد بھائی۔'' عابد نے ہکلاتے ہوئے کہا۔ الفاظ اس کے حلق میں پھنس رہے تھے۔ اسی لمحے عابد کی امی بھی کمرے سے نکل آئی تھیں۔ ان کے چہرے پر بھی پریشانی کے تاثرات ابھرے ہوئے تھے۔

''کیا ہوا ہے واجد کو۔'' سلیم احمد نے چونکتے ہوئے کہا اور پھر اس سے پہلے کہ عابد انہیں کوئی جواب دیتا۔ اسی لمحے انہیں واجد کی کربناک چیخ سنائی دی تو دونوں میاں بیوی تیزی سے واجد کے کمرے کی طرف دوڑ پڑے۔ عابد بھی ان کے پیچھے تھا۔ دونوں میاں بیوی نے واجد کو چارپائی پر لیٹے بری طرح سے تڑپتے دیکھا تو ان کے اوسان خطا ہوگئے۔ وہ لپک کر اس کی چارپائی کے قریب جا پہنچے۔

''واجد بیٹے۔ کیا ہورہا ہے تمہیں۔'' سلیم احمد نے واجد کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ واجد کا ہاتھ برف کی مانند ٹھنڈا ہورہا تھا۔ واجد نے ان کی بات کا کوئی جواب نہ دیا اور بدستور تڑپتا رہا۔ اس کے حلق سے خراہٹیں نکل رہی تھیں اور آنکھیں اوپر کو چڑھی ہوئی تھیں۔ یہاں تک کہ اس کے ہاتھ پاؤں بھی آہستہ آہستہ ٹیڑھے ہورہے تھے۔ دونوں میاں بیوی اپنے جگر کے ٹکڑے کو تڑپتا دیکھ کر دہل گئے تھے۔ عابد بھی خوف بھری نظروں سے بھائی کو دیکھ رہا تھا۔

''واجد کے ابو۔ کیا ہوگیا ہے واجد کو۔'' عابد کی امی نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''دیر نہ کریں اسے فوراً ہسپتال لے چلیں۔'' عابد کی امی نے کہا۔ ''میرا خیال ہے اسے مرگی کا دورہ پڑ گیا ہے۔''

''مرگی کا دورہ۔'' سلیم احمد نے دوہرایا۔ ''لل۔ لل۔ لیکن میرا خیال کچھ اور ہے۔''

''وہ کیا؟''

اس سے پہلے کہ سلیم احمد کوئی جواب دیتے اچانک واجد نے ایک زوردار جھٹکا کھایا اور بستر پر بے سدھ ہو گیا۔ آہستہ آہستہ اس کی آنکھیں بھی بند ہوگئیں تھیں۔ سلیم احمد نے بیٹے کی نبض پر ہاتھ رکھا تو وہ چل رہی تھی۔

''یہ بے ہوش ہوگیا ہے۔''

''اللہ خیر کرے۔ آپ اسے فوراً ہسپتال لے چلیں۔''

''واجد کی ماں۔ اس کا علاج ڈاکٹر کے پاس نہیں ہے۔'' انہوں نے بیگم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
وقار عظیم
پوائنٹ

"کیا مطلب؟" عابد کی امی چونکیں۔ "آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

"بیگم۔ میرا خیال ہے کہ واجد پر جنات کا سایہ ہوگیا ہے۔ کسی انسان کی حالت ایسی صورت میں ہوتی ہے جب اس پر جنات کا اثر ہوجاتا ہے۔" سلیم احمد نے اپنا خدشہ ظاہر کرتے ہوئے کہا تو ان کی بیگم بے اختیار چونک پڑیں اور ان کے چہرے پر خوف کے تاثرات ابھر آئے۔

"جنات کا سایہ۔" سلیم احمد کی بیگم بولیں۔ "پھر اب کیا ہوگا؟"

"امام صاحب سے اس پر دم کروانا پڑے گا۔ میں صبح کی نماز پڑھنے جاؤں گا تو امام صاحب کو لیتا آؤں گا۔ وہ اس پر دم کریں گے تو انشاءاللہ جنات کا اثر ختم ہو جائے گا۔" سلیم احمد نے بیوی کو تسلی دیتے ہوئے کہا لیکن ان کی بیگم کے چہرے پر پریشانی اور خوف کے ملے جلے تاثرات موجود تھے۔

☆☆☆

سلیم احمد کے گھر کے قریب ہی مسجد تھی۔ سلیم احمد اور ان کا بیٹا عابد اکٹھے ہی فجر کی نماز ادا کرنے مسجد گئے تھے۔ نماز ادا کرنے کے بعد سلیم احمد نے مسجد کے امام صاحب کو ساری بات بتادی تو ان کے ساتھ وہ گھر آگئے۔ واجد بدستور بے ہوشی کے عالم میں بستر پر پڑا ہوا تھا جبکہ اس کی ماں واجد کے پاس ہی بیٹھی ہوئی تھی مگر امام صاحب کو دیکھ کر وہ وہاں سے اٹھ کر ایک طرف کھڑی ہوگئیں۔ امام صاحب، واجد کے پاس بیٹھے اور غور سے اس کا جائزہ لینے لگے۔ چند لمحوں کے بعد انہوں نے منہ ہی منہ میں کچھ پڑھ کر واجد پر تین بار پھونکیں ماریں اور آنکھیں بند کرکے کچھ سوچنے لگے پھر کھڑے ہوکر کہا۔

"سلیم صاحب۔ آپ کے بیٹے پر جنات کا اثر ہوگیا ہے میں نے آپ کے بیٹے پر دم کردیا ہے۔ "اگر کسی پر جنات کا اثر ہوجائے تو، چند جنات ایسے ہوتے ہیں جو بڑی مشکل سے انسان کی جان چھوڑ دیتے ہیں لیکن چند جنات بہت ڈھیٹ اور ضدی قسم کے ہوتے ہیں جو کسی صورت نہیں مانتے۔"

"پھر ہم کیا کریں امام صاحب؟" سلیم احمد نے کہا۔

"اللہ نے چاہا تو جنات آپ کے بیٹے کو چھوڑ جائیں گے۔" امام صاحب نے کہا۔ "میں آپ کو ایک امام مسجد کا ایڈریس دیتا ہوں۔ آپ ان سے جا کر ملیں۔ وہ یہی کام کرتے ہیں یعنی تعویز اور نادیدہ ہستیوں کو بھگانے کا۔ مجھے امید ہے کہ ان کے عمل سے جنات بھاگ جائیں گے۔"

پھر امام صاحب نے انہیں دوسرے امام کا بتایا تو سلیم احمد عابد کے ہمراہ روانہ ہوگئے امام صاحب کا نام تنویر حسین تھا اور وہ بھی ایک مسجد کے امام تھے سلیم احمد تنویر حسین سے ملے اور انہیں ساری بات بتادی تو وہ ان کے ساتھ ان کے گھر آگئے اس کمرے میں گئے جہاں واجد بے ہوشی کی حالت میں بستر پر دراز تھا امام صاحب بڑے غور سے واجد کو دیکھ رہے تھے۔ ساتھ ہی ساتھ وہ منہ ہی منہ میں کچھ پڑھ بھی رہے تھے۔ کمرے میں گھمبیر خاموشی چھائی ہوئی تھی جیسے سانپ سونگھ گیا ہو۔

تھوڑی دیر کے بعد امام تنویر حسین، سلیم احمد اور عابد کی طرف متوجہ ہوئے۔

"سلیم صاحب۔ آپ کے بیٹے پر دو جنات کا اثر ہے۔"

"آپ کچھ کریں امام صاحب۔" سلیم احمد کی بیوی نے گلوگیر لہجے میں کہا۔

"کیا آپ کے گھر میں پہلے کسی پر جنات کا سایہ ہوا ہے؟"

"نہیں۔" سلیم احمد نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"ہونہہ۔" امام صاحب نے اثبات میں سر ہلایا۔ "میں اپنی پوری کوشش کرتا ہوں کہ یہ دونوں جنات آپ کے بیٹے کی جان چھوڑ جائیں۔"

"اللہ آپ کو کامیاب کرے۔" سلیم احمد کی بیوی نے دعا دی۔

"آپ سب باہر چلے جائیں۔"

سلیم احمد، ان کی بیوی اور بیٹا عابد کمرے سے باہر

چلے گئے۔ تو امام صاحب واجد کی چارپائی کے قریب بیٹھ گئے اور قرآنی آیات کا ورد کرنے لگے ان کی نظریں بدستور واجد پر جمی ہوئی تھیں۔ تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے واجد پر پھونک ماری تو واجد کے حلق سے کربناک چیخ نکلی اور وہ ایسے تڑپنے لگا جیسے اس کی روح نکالی جا رہی ہو۔ امام صاحب کو جنات واضح دکھائی دے رہے تھے۔ دونوں جنات انتہائی بھیانک شکل وصورت کے تھے۔ امام صاحب نے ان جنات سے کہا کہ "وہ واجد کی جان چھوڑ دیں یہاں تک کہ امام صاحب نے انہیں حضرت سلیمان علیہ السلام کا واسطہ بھی دیا، تھوڑی دیر کے بعد امام صاحب کمرے سے باہر نکل آئے تو سلیم احمد اور ان کے گھر والے ان کی طرف دیکھنے لگے۔

"جنات نے آپ کے بیٹے کو چھوڑ کر جانے سے انکار کردیا ہے۔" امام صاحب نے کہا۔ "لیکن آپ فکر نہ کریں۔ میں کل پھر آؤں گا اور جنات کو بھگانے کی کوشش کروں گا۔ اللہ کے کرم سے دونوں جنات جلد ہی بھاگ جائیں گے۔"

"انشاءاللہ۔" سلیم احمد کی بیوی نے فوراً کہا۔

"اچھا اب میں چلتا ہوں۔"

"امام صاحب۔ آپ کا ہدیہ۔"

امام صاحب نے سلیم احمد کی طرف دیکھا اور بولے۔

"میں ان کاموں کا ہدیہ نہیں لیتا۔ بس آپ دعا کریں کہ جنات بھاگ جائیں اور آپ کا بیٹا صحت یاب ہوجائے۔"

"آمین۔" سلیم احمد اور ان کی بیگم نے بیک وقت کہا۔

امام صاحب کے جانے کے بعد وہ سب واجد کے کمرے میں آگئے۔ واجد بدستور بے ہوشی کے عالم میں پڑا ہوا تھا۔

☆☆☆

واجد جنات کے زیر اثر کیسے آیا تھا یہ بڑی اہم بات تھی۔ ہوا یوں تھا کہ ایک روز واجد اپنے دوستوں کے ساتھ سینما میں فلم دیکھنے گیا تھا۔ واجد کو انڈین فلمیں

ڈاکٹروں، حکیموں اور ماہرین طب کی ہدایات لکھی گئی مفید کتاب
شوگر (ذیابیطس)
قیمت 100 روپے
اس کتاب میں شوگر کیسے اور کیوں ہوتی ہے، شوگر صحت کے لئے سب سے سنگین خطرہ، ایکسپائر استعمال نہیں کرنی چاہئیں، بڑھتی عمر، شوگر کیا ہے، ٹائپ ون شوگر، ٹائپ ٹو شوگر، بلڈ پریشر کا خطرہ، ہائی بلڈ شوگر کے مریضوں کی سرجری خطرناک ہو سکتی ہے، شوگر کی پیچیدگیوں سے کیسے نمٹا جائے، احتیاطی تدابیر، شوگر اور ڈپریشن کا تعلق، افسردہ اداس مائیں اور بچے، نارمل بلڈ شوگر کیا ہے، جانچ کب کروائیں، شوگر بڑھنے کے اسباب اور تدارک، موٹے افراد کا خوف، سگریٹ نوشی، وجوہات، شوگر سے محفوظ رہنے والی خواتین، انفیکشن، بچوں پر ماؤں کا اثر، پیشاب کی نالی میں انفیکشن، ذیابیطس کے مریضوں کے لئے خطرناک بیماریاں، ڈپریشن، شوگر کی علامات اور اس سے بچاؤ کے طریقے، دیسی و ڈاکٹری نسخے پڑھئے اس کتاب میں۔
حکیم غلام مصطفےٰ
دعا بک کارنر نشی محلہ گلی نمبر 5 امین پور بازار فیصل آباد

دیکھنے کا شوق تھا اور وہ اپنے دوستوں کے ساتھ چھٹی والے دن سینما پر فلم دیکھنے ضرور جاتا تھا۔ واپسی پر واجد اپنے دوستوں کے ساتھ آرہا تھا کہ راستے میں سڑک کنارے ایک بلی کا بچہ میاؤں میاؤں کرتا ہوا ملا۔ واجد جب بلی کے بچے کے قریب آیا تو اسے شرارت سوجھی اور اس نے بلی کے بچے کو ایک لات رسید کردی تو بلی کا بچہ کرب کی وجہ سے چیخا اور کھائی میں لڑھک گیا۔ واجد کی اس حرکت پر اس کے دوستوں نے واجد کو ڈانٹا۔ ”یار تو نے خواہ مخواہ بلی کے چھوٹے بچے کو لات رسید کردی بچے نے تیرا کیا بگاڑا تھا۔“

واپسی پر واجد خود کو بھاری بھاری سا محسوس کررہا تھا جیسے کسی نے اس پر بوجھ لاد دیا ہو۔ اس نے اس بات کا ذکر اپنے گھر والوں سے بھی نہیں کیا تھا۔ گھر آتے ہی وہ بیمار ہوگیا اور اس پر غشی کے دورے پڑنے لگے۔ اس کے والد صاحب اسے فوراً ہسپتال لے گئے تھے جہاں ٹریٹمنٹ کے بعد اس کی حالت سنبھل گئی تھی۔ سلیم احمد اور ان کی بیگم یہی سمجھتی رہی تھیں کہ واجد کو مرگی کا مرض لاحق ہوگیا ہے لیکن ایسا نہیں تھا۔ واجد جنات کے زیر اثر آچکا تھا اور گاہے بگاہے اسے دورے پڑتے رہتے تھے۔

اس بات کو ڈیڑھ مہینہ گزر گیا تھا۔ سلیم احمد بیٹے کا مسلسل علاج کرا رہے تھے لیکن اسے ذرا بھی افاقہ نہیں ہو رہا تھا۔ والدین اور بہن بھائی الگ پریشان تھے۔ والدین جب جوان اولاد کو اپنی نظروں کے سامنے تڑپتے اور چلاتے دیکھتے تو ان کا کلیجہ منہ کو آجاتا تھا لیکن وہ مجبور تھے۔ اب تو واجد کی یہ حالت ہوگئی تھی کہ وہ مسلسل غشی اور بے ہوشی کے عالم میں بستر پر پڑا رہتا تھا۔ گویا وہ بستر مرگ سے لگ گیا تھا۔

امام صاحب ہر دوسرے روز آکر اس پر دم درود کر جاتے تھے۔ یہ دم درود کی کرامات تھیں کہ واجد کی حالت پہلے سے بہتر ہو رہی تھی اور وہ گھر والوں سے باتیں کررہا تھا لیکن پڑا وہ بستر مرگ پر ہی تھا۔

ایک روز امام صاحب نے سلیم احمد کو ایک وظیفہ بتایا اور کہا کہ ”وہ اپنی بیگم سے کہیں کہ وہ یہ وظیفہ پڑھ پڑھ کر واجد پر دم کرتی رہیں اللہ نے چاہا تو جنات بھاگ جائیں گے۔“

کچھ روز تو واجد کی امی واجد وظیفہ پڑھ کر واجد پر دم کرتیں رہیں لیکن ایک روز وہ وظیفہ دم کرنا بھول گئیں۔ ان کی اسی غفلت سے جنات نے فائدہ اٹھایا اور واجد پر ایسا اثر کیا کہ واجد کی حالت خراب ہوگئی اور وہ پھر بے ہوشی کے عالم میں چلا گیا تھا۔ ماں نے اپنے بیٹے کی حالت بگڑتے دیکھی تو انہوں نے فوراً سلیم احمد کو بتایا جو فوری طور پر امام صاحب کو لے آئے۔

امام صاحب نے نہ صرف واجد پر دم درود کیا بلکہ انہوں نے جنات سے باتیں بھی کیں۔ انہوں نے جنات سے کہا کہ ”وہ واجد کو چھوڑ دیں اور چلے جائیں۔“ لیکن جنات نے انکار کردیا بلکہ انہوں نے امام صاحب سے کہا کہ وہ واجد کی جان چھوڑ دیں۔ امام صاحب نے بتایا کہ ”انہوں نے جنات کے آگے ہاتھ جوڑے تھے۔ جواباً جنات نے بھی ان کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے۔“

ایک جن امام صاحب کے سامنے ظاہر ہوگیا اور وہ بلکتے ہوئے گویا ہوا۔ ”امام صاحب اس لڑکے نے بلی کے بچے کے روپ میں سڑک کنارے بیٹھے ہوئے میرے چھوٹے بچے کو زبردست لات رسید کی تھی جس کی وجہ سے میرے بچے کی پسلی ٹوٹ گئی اور وہ موت وزندگی کے درمیان ڈول رہا ہے آپ خود ہی بتائیں امام صاحب کہ کیا اس لڑکے کو ایسا کرنا چاہئے تھا بہرحال ہم جنات قبیلے کا یہ حتمی فیصلہ ہے کہ اگر ہمارا بچہ موت سے ہمکنار ہوا تو اس کی موت بھی یقینی ہے یعنی موت کا بدلہ موت۔“ اور پھر وہ جن آنکھوں سے آنسو بہاتا ہوا غائب ہوگیا۔ بالآخر ایک روز واجد کی وفات ہوگئی۔

جوان اولاد کی موت پر والدین، بہن بھائی، رشتے دار بھی غم سے نڈھال تھے۔ والدین نے کیا کیا خواب نہ دیکھے تھے۔ بیٹے کی شادی دھوم دھام سے کرنے کی خواہش تھی لیکن ان کی خواہش، خواہش ہی رہ گئی تھی۔

ویمپائر بوائے فرینڈ

مریم فاطمہ۔ کراچی

ایک طرف بیٹھا ہوا نوجوان اچانک قریب بیٹھے ایک شخص پر جھپٹا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس شخص کو اپنی بانہوں کے شکنجے میں جکڑلیا اور اپنے دانت اس کی گردن میں گاڑ دیئے۔

کیا ویمپائر وغیرہ بھی کسی کی چاہت میں اپنا دل ہار بیٹھتے ہیں..... ثبوت کہانی میں ہے

ایمی اپنے بوائے فرینڈ مائیکل کے ساتھ کھڑی باتیں کررہی تھی، کلاس چند منٹ میں شروع ہونے والی تھی۔ مائیکل اس سے کچھ خفا خفا سا لگ رہا تھا۔ ”ایمی میں کافی دنوں سے محسوس کررہا ہوں کہ تم مجھ سے دور ہوتی جا رہی ہو تم اب وہ پہلے والی ایمی نہیں رہی۔“ مائیکل نے کہا۔

”کم آن مائیکل ایسا کچھ بھی نہیں ہے، میں آج بھی تم سے اتنا ہی پیار کرتی ہوں جتنا کہ شروع دن سے کرتی آرہی ہوں۔“ ایمی نے کہا۔

”دیکھیں گے وہ تو وقت آنے پر ہی پتا چلے گا۔“ مائیکل نے کہا اور اس کے پاس سے ہٹ گیا۔

مائیکل، ایمی نے پیچھے سے آواز دی۔ ”میں کلاس میں جارہا ہوں تم بھی آجاؤ۔“ وہ رکھائی سے کہتا ہوا چلا گیا ایمی ایک آہ بھر کے رہ گئی۔

مائیکل شروع سے ایسا ہی تھا ہمیشہ اپنے بارے میں

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

سوچنے والا اور اگر یہ کہا جائے کہ وہ کسی حد تک خودغرض تھا تو یہ غلط نہ ہوگا ایمی چلتی ہوئی کلاس میں آئی۔ وہ اپنی سیٹ کی طرف بڑھ ہی رہی تھی کہ اچانک سامنے سے آتے ایک لڑکے سے ٹکرا گئی ایمی کا توازن بگڑا لیکن اس لڑکے نے فوراً ہی اسے اپنی بانہوں کے حصار میں لے لیا، اب ایمی بالکل اس کے سینے سے لگی کھڑی تھی۔

ایمی نے غور سے اس لڑکے کی آنکھوں میں دیکھا، نیلی سحر زدہ پرکشش آنکھیں، وہ بری طرح ان میں کھو کر رہ گئی، ایمی کو یوں لگا کہ اس لڑکے کی دھڑکن اسے بھی سنائی دے رہی ہے، چند لمحے یونہی گزر گئے، ایمی اس کے پرکشش چہرے کی طرف ہی دیکھتی رہی، اس لڑکے نے اب اپنی گرفت اس پر سے ڈھیلی کر دی تھی، لیکن ایمی نے ابھی تک اسے مضبوطی سے تھام رکھا تھا اور اس کے دل کی آواز سن رہی تھی۔

"کیا تم ٹھیک ہو؟" اس لڑکے نے پوچھا تو ایمی نے اثبات میں سر ہلا دیا "اچھا تو پھر تم اب مجھے چھوڑ سکتی ہو" اس لڑکے نے مزید کہا تو ایمی نے شرمندہ ہوتے ہوئے اس کو چھوڑ دیا، اور اس سے الگ ہوگئی۔

"تمہارا نام جان سکتا ہوں" اس لڑکے نے پوچھا۔

"ایمی" اس نے مختصر سا جواب دیا۔

"میرا نام جیک ہے" اس لڑکے نے بتایا اور پھر مسکراتے ہوئے کہا "ہم دونوں کی پہلی ملاقات اچھی رہی" ایمی نے سر اٹھا کر اسے دیکھا، وہ مسکراتے ہوئے مزید خوبصورت اور چارمنگ لگ رہا تھا، ایمی نے شرماتے ہوئے چہرے پر آتے بال کانوں کے پیچھے کیے اور اپنی سیٹ پر بیٹھ گئی، وہ سارا وقت بس اسے ہی دیکھتی رہی۔

مائیکل نے بھی یہ بات واضح طور سے محسوس کی اور وہ اندر ہی اندر کڑھتا رہا، بریک کا وقت ہوا تو ایمی میز پر بیٹھ کر لنچ کرنے لگی، تب ہی وہ لڑکا جیک بھی اس کے برابر والی سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا۔ "کیا کر رہی ہو؟" اس نے مسکرا کر پوچھا۔

"ظاہر ہے لنچ کر رہی ہوں۔" ایمی مسکرا کر بولی "اور "تم کیا کر رہے ہو؟" اس نے پوچھا "ظاہر ہے تمہیں دیکھ رہا ہوں" جیک نے شرارت سے کہا۔

ایمی اس کے لہجے کی تپش سے پگھلتی جا رہی تھی۔

"ویسے ایک بات تو بتاؤ کیا تمہیں مجھ سے ڈر لگ رہا ہے" ایمی نے سوال کیا "نہیں تو لیکن ایسا کیوں پوچھا۔"

"اس لیے کیونکہ مجھے یہاں تک تمہاری ہارٹ بیٹ سنائی دے رہی ہے" جیک قہقہہ لگا کر ہنس دیا "یہ ایک راز ہے میں تمہیں نہیں بتاؤں گا۔"

"نہ بتاؤ میں اگلوا لوں گی" ایمی نے شرارت کی پھر اچانک ہی بولی "ارے تم اتنی دیر سے یونہی بیٹھے ہوئے ہو یہ لو ایک سینڈوچ تم بھی لے لو" ایمی نے اس کی طرف سینڈوچ بڑھایا "نہیں شکریہ میں یہ نہیں کھاتا" اس نے جواب دیا "تو پھر کیا پسند ہے تمہیں"

انسانوں کا خون" جیک نے اطمینان سے جواب دیا۔ جواب میں ایمی کا زوردار قہقہہ بلند ہوا "بہت اچھا مذاق کر لیتے ہو تم جیک۔"

اچانک ہی سامنے سے مائیکل ان کے بالکل سامنے آ کھڑا ہوا "اگر تم اپنی بات کر چکے تو پلیز دوسری ٹیبل دیکھ لو کیونکہ میں اپنی گرل فرینڈ کے پاس آیا ہوں۔"

"ہاں بالکل! تم بیٹھو میں چلتا ہوں او کے بائے ایمی" وہ ہاتھ ہلاتا ہوا چلا گیا "یہ تم نے کیا کیا مائیکل خواہ مخواہ اس بے چارے کو یہاں سے بھیج دیا" ایمی اسے جاتا دیکھ کر اداس لہجے میں بولی۔

"ایمی میری بات دھیان سے سن لو میں آج تمہیں صبح سے نوٹ کر رہا ہوں کہ تم اس لڑکے میں کچھ زیادہ ہی دلچسپی لے رہی ہو"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"مطلب یہ کہ تم مجھے نظر انداز کر کے جیک سے عشق لڑا رہی ہو"

"اوہ کیا بکواس ہے یہ، میں یہاں سے جا رہی ہوں"

"جانے سے پہلے میری ایک بات سنتی جاؤ اور وہ یہ کہ تمہیں ہم دونوں میں سے کسی ایک کو چننا ہوگا" اور ایمی پیر پٹختی وہاں سے چلی گئی۔

اگلے روز بھی ایمی سارا وقت بس جیک کو ہی دیکھتی

رہی جو کہ مائیکل کو سخت ناگوار گزر رہا تھا چھٹی کے وقت جب پورا اسکول خالی ہو چکا تھا تب ایمی بھی اپنا بیگ کندھے پر لٹکائے جانے کے لئے نکلی وہ لاکرز کے پاس سے گزر رہی تھی کہ اسے کسی لڑکے کی التجائیہ آواز سنائی دی۔

"پلیز دیکھو رک جاؤ، تمہیں ایسا کرنے کی ضرورت نہیں ہے تم مجھ سے یہ پیسے لے لو"

"مجھے اس کی ضرورت نہیں" یہ آواز جیک کی لگ رہی تھی۔

ایمی دیوار کی اوٹ میں چھپ کر دیکھنے لگی اس نے دیکھا کہ اچانک ہی جیک کے لمبے اور نوکیلے دانت نکل آئے اور وہ دانت اس نے اپنے سامنے کھڑے لڑکے کی گردن میں گاڑ دیئے ایمی بری طرح سہم گئی اس نے اپنے منہ پر سختی سے ہاتھ رکھ لیا تاکہ کوئی آواز نہ نکلے پھر جیک نے ایک جھٹکے سے اس لڑکے کو چھوڑ دیا وہ لڑکا تیزی سے بھاگتا ہوا وہاں سے باہر نکلتا چلا گیا، اچانک ہی جیک کو احساس ہوا کہ دیوار کی اوٹ میں کوئی ہے۔

"کون ہے وہاں؟" اس نے اونچی آواز میں پوچھا اب تو ایمی کی خوف سے حالت بری ہوگئی اس میں چلنے کی ذرا سی بھی طاقت نہ رہی وہ وہیں زمین پر دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئی اور اپنا سر گھٹنوں میں چھپا لیا۔

اچانک ہی اسے اپنے بے حد نزدیک سے کسی کی ہارٹ بیٹ سنائی دی، وہ بری طرح سہم گئی اور خود میں سمٹ گئی تب ہی کسی نے اپنا ہاتھ اس کے بالوں میں پھیرا وہ بری طرح چیخ پڑی اس کے عین سامنے جیک کھڑا تھا "تو تم نے وہ سب دیکھ لیا ہے ناں"

"ہاں" ایمی نے مختصر سا جواب دیا۔

"تو کیا تمہیں مجھ سے ڈر لگ رہا ہے؟"

"نہیں لیکن میں جانتی ہوں کہ تم مجھ سے پیار کرتے ہو اور مجھے کبھی کچھ نہیں کہو گے"

"لیکن میں ایک ویمپائر ہوں کیا تمہیں مجھ سے ذرا سا بھی خوف نہیں محسوس ہو رہا"

"نہیں بالکل نہیں بلکہ جب میں تمہارے پاس ہوتی ہوں تو خود کو Safe محسوس کرتی ہوں میں جانتی ہوں کہ تم ہمیشہ میری حفاظت کرو گے" ایمی نے جواب دیا۔ تو "پھر کسی چڑیا کی طرح سہمی ہوئی کیوں بیٹھی ہو اٹھو میرا ہاتھ تھام لو"

ایمی نے دھیرے سے مسکراتے ہوئے اس کے بڑھتے ہوئے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیا اور جیک نے اسے کھینچ کر کھڑا کر دیا پھر جیک نے اسے گلے سے لگا لیا جب کافی دیر یونہی گزر گئی تو جیک نے کہا "چلو اب چلتے ہیں اسکول بند ہونے والا ہے" ایمی اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیئے وہاں سے چل دی۔

اس رات ایمی سونے کی تیاری کر رہی تھی اس نے کھڑکی کے پردے برابر کیے کہ ٹھیک اسی وقت کسی نے اس کی آنکھوں پر پیچھے سے ہاتھ رکھ دیئے، ایمی مسکرانے لگی، اس نے وہ ہاتھ آنکھوں پر سے ہٹائے اور بولی "میں جانتی ہوں جیک کہ یہ تم ہو" جیک نے اس کا رخ اپنی طرف کیا اور بولا "تمہیں کیسے پتا چلا کہ یہ میں ہوں"

"تمہاری ہارٹ بیٹ سے، لیکن جیک یہ سمجھ نہیں آیا کہ تمہارے دل کی آواز یہاں تک کیوں آ رہی ہے"

جیک مسکرا دیا "یہ آواز صرف وہی لڑکی سن سکتی ہے جو مجھ سے پیار کرتی ہو" جیک نے بتایا "کیا تم سچ کہہ رہے ہو" ایمی نے حیرت سے آنکھیں پھیلائیں۔ "ہاں سچ کہہ رہا ہوں ادھر بیٹھو اور بھی اپنے بارے میں کچھ بتاؤ" ایمی اس کا ہاتھ پکڑ کر صوفے پر بٹھاتے ہوئے بولی۔

"کیا بتاؤں؟"

"کچھ بھی"

"کچھ بھی سے کیا مطلب"

"ارے بھئی یہی کہ تم کہاں رہتے ہو کہاں سے آئے ہو" ایمی نے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔ "میں اندھیری دنیا سے آیا ہوں اور وہیں رہتا ہوں" جیک نے جواب دیا ایمی اس کے چہرے کی طرف غور سے دیکھنے لگی۔

"اچھا یہ بتاؤ کہ اب مائیکل کا کیا بنے گا" جیک نے پوچھا۔

"مائیکل کا اب یہ بنے گا" ایمی نے کہا اور اپنا ہاتھ جیک سے الگ کرتی ہوئی اٹھی اور میز پر پڑا ہوا موبائل فون

وقار عظیم پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

اٹھالیا کانٹیکٹ لسٹ میں سے مائیکل کا نمبر نکالا اور ڈائل کردیا ''ہیلو مائیکل میں نے یہ بتانے کے لئے فون کیا ہے کہ آج سے ہمارے بیچ جو بھی تھا وہ اب ختم ہوا مجھے بھول جاؤ''

مائیکل شاید کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن ایمی نے فوراً سے لائن کاٹ دی جیک بڑے غور سے اس کو دیکھ رہا تھا، ایمی واپس اس کے برابر میں آ کر بیٹھ گئی۔ ''اچھا بتاؤ تمہارے لیے کچھ کھانے کو لاؤں؟'' ایمی نے پوچھا۔ ''نہیں شکریہ میں صرف انسانوں کا خون پیتا ہوں'' ایمی حیرت سے دیکھتی رہ گئی پھر بولی ''چلو ٹھیک ہے تو کیا ہم کچھ دیر باتیں کرسکتے ہیں''

''سوری لیکن میں اپنا شکار تلاش کرنے جارہا ہوں۔'' جیک کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔ ''ایمی پلیز تم کیا میرا ایک کام کرسکتی ہو'' جیک نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں بتاؤ کیسا کام''

''کیا تم یہاں گھر پر میرے لیے شکار کا بندوبست کرسکتی ہو؟'' جیک نے اسے حسرت بھری نگاہوں سے دیکھا ''ہاں بالکل یہ تو کوئی ایسی بات ہی نہیں ہے کہو تو ابھی بلالوں کسی کو؟'' ایمی نے مسکراتے ہوئے موبائل کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ جیک ہنس دیا ''نہیں کوئی بات نہیں آج میں کہیں اور سے کام چلالوں گا اچھا اب میں چلتا ہوں بغیر خون کے میری طبیعت خراب ہورہی ہے'' جیک نے کہا تو ایمی نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا تو وہ واقعی یکدم بیمار سا لگ رہا تھا ''ہاں ٹھیک ہے تم جاؤ'' جیک پلٹ کر جانے لگا تب ہی ایمی نے پیچھے سے آکر اس کا ہاتھ پکڑلیا۔

''سنو سنبھل کر جانا'' وہ پیار سے بولی۔

''تم میرے لیے اتنا پریشان مت ہو آخر کو تمہارا بوائے فرینڈ ایک ویمپائر ہے اسے کسی سے سنبھل کے رہنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ دوسروں کو اس سے سنبھل کے رہنے کی ضرورت ہے'' جیک نے کہا تو ایمی مسکرادی اس کے جانے کے بعد ایمی بستر پر لیٹ کر دیر تک اسی کے بارے میں سوچتی رہی اور پھر کب نیند اس پر حاوی ہوئی کچھ پتا نہ چل سکا۔

اگلے روز ایمی اسکول پہنچی تو ہر کسی کو بڑے غور سے دیکھ رہی تھی کیونکہ آج جیک نے نہیں بلکہ اس نے جیک کے لئے اس کا شکار ڈھونڈنا تھا وہ کلاس میں پہنچی تو اس کی نظر مائیکل پر پڑی ایک لمحہ کے لئے دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا پھر مائیکل نے ناگواری سے رخ دوسری طرف پھیرلیا ایمی نے بھی اس کی کوئی پرواہ نہ کی اور اپنی جگہ پر بیٹھ گئی۔

تھوڑی دیر میں جیک کلاس میں داخل ہوا ایمی نے اسے مسکرا کر دیکھا جواب میں وہ بھی مسکرادیا چھٹی کے وقت ایمی نے اپنی بیسٹ فرینڈ نینسی کو جاتے دیکھ کر روکا ''نینسی اچھا ہوا تم مل گئیں'' ایمی نے مسکراتے ہوئے کہا ''کافی دن ہوگئے ہم دونوں ایک دوسرے کے گھر نہیں آئے تم پلیز! آج رات میرے گھر آجاؤ خوب باتیں کریں گے ساتھ ہی کوئی اچھی سی مووی بھی دیکھ لیں گے''

''ارے واہ یہ تو اچھا آئیڈیا ہے۔'' نینسی خوش ہوتے ہوئے بولی۔ ''ٹھیک ہے تو پھر رات کو ملاقات ہوگی۔'' ایمی نے مسکراتے ہوئے کہا اور اسکول سے نکلتی چلی گئی۔

اور پھر رات ہوتے ہی ایمی قدرے بے چینی سے نینسی کا انتظار کررہی تھی، جبکہ دوسری طرف جیک پرسکون انداز میں صوفے پر بیٹھا تھا ایمی ادھر سے ادھر چکر لگاتی پھر رہی تھی اچانک ہی دروازے پر بیل ہوئی تو ایمی نے جیک کو اشارہ کیا اور دروازہ کھولنے چلی گئی۔ ''ہائے نینسی کیسی ہو؟'' ایمی نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

''میں تو بالکل ٹھیک ہوں لیکن تم کچھ پریشان سی لگ رہی ہو اور یہ بتاؤ تمہارے ماتھے پہ اتنا پسینہ کیوں آرہا ہے؟'' نینسی نے پوچھا تو ایمی نے جلدی سے ماتھے پر آیا پسینہ صاف کیا۔ ''ارے نہیں میں تو بالکل ٹھیک ہوں تم اندر آؤ ناں'' نینسی اندر چلی آئی ''ایمی ایک بات تو بتاؤ تمہارے اور مائیکل کے بیچ میں کوئی جھگڑا ہوا ہے؟'' نینسی نے پوچھا وہ نوٹ کررہی تھی کہ جیک جب سے اس کی کلاس میں آیا ہے ان دونوں میں کوئی بات نہیں ہوئی۔

''دراصل ہمارا بریک اپ ہوگیا ہے اب جیک میرا بوائے فرینڈ ہے'' ایمی نے بتایا تو یہ سن کر نینسی کی آنکھیں

پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور پھر وہ مسکراتے ہوئے بولی ''چلو یہ بھی اچھا ہی ہوا ویسے بھی مجھے تو مائیکل ذرا بھی پسند نہیں تھا مغرور اور خودغرض انسان ویسے یہ تو بتاؤ جیک کیسا ہے'' نینسی نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

''ہینڈسم ہے، پرکشش بھی اور اس کی ہارٹ بیٹ تو بہت ہی پیاری ہے'' ایمی مسکراتے ہوئے شرارت سے بولی ''ارے ارے بس کرو یہ ساری باتیں اپنے جیک کو بتانا اندر چلتے ہیں'' نینسی نے کہا ایمی اسے لے کر اندر کمرے میں آگئی انہیں دیکھتے ہی جیک سنبھل کر بیٹھ گیا ''اوہ! جیک تم بھی آئے ہوئے ہو'' نینسی نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں لیکن یہ بس جانے ہی والا ہے اس کے بعد ہم دونوں موج مستی کریں گے'' ایمی نے کہا تو نینسی صوفے پر بیٹھ گئی۔

''تم دونوں آپس میں باتیں کرو میں پاپ کارن لے کر آتی ہوں'' ایمی نے کہا اور کمرے کا دروازہ باہر سے بند کر کے کھڑی ہوگئی اور ان دونوں کے بیچ ہونے والی گفتگو سننے لگی۔

جیک نینسی کے قریب ہوکر بیٹھ گیا۔ ''تمہیں ایک بات بتاؤ ایمی کے بارے میں۔'' نینسی کو لگا شاید وہ کوئی مذاق کرنے والا ہے کہ تب ہی جیک اس پر جھپٹ پڑا اور اس کی گردن میں اپنے دانت گاڑ دیئے ''بچاؤ بچاؤ یہ تم کیا کررہے ہو ایمی کہاں ہو تم اوہ میرے خدا پلیز کوئی مجھے بچائے'' اندر سے نینسی کی چیخنے کی آوازیں آرہی تھیں۔

جیک نے اسے چھوڑ دیا ایمی نے کمرے کا دروازہ کھول دیا نینسی فوراً سے باہر بھاگی وہ مسلسل رو رہی تھی جیک بھی باہر نکل آیا ''مجھے جانے دو میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گی''

''ہاں بالکل مت بتانا ورنہ تمہارا انجام بہت برا ہوگا'' ایمی نے شہادت کی انگلی اٹھاتے ہوئے اسے وارن کیا نینسی روتی بلکتی گھر سے باہر نکل گئی اس کے بعد ایمی اور جیک آپس میں دیر تک باتیں کرتے رہے۔

اگلے روز ایمی نے اپنے اسکول میں ایک نئی لڑکی ٹینا جو اس کی دوست تھی اسے اپنے گھر پر بلالیا رات کے وقت جیک اور ایمی اس کا انتظار کررہے تھے۔ تب ہی دروازے پر بیل ہوئی ایمی فوراً دروازہ کھولنے گئی، سامنے ٹینا کو دیکھ کر وہ بے حد خوش ہوئی اور جلدی سے اسے اندر لے آئی۔ ٹینا جیک کو وہاں دیکھ کر بہت خوش ہوئی ایمی ایک بار پھر بہانہ بنا کر کمرے سے باہر چلی گئی اور دروازہ بند کردیا۔

جیک ٹینا کے قریب آ کر بیٹھ گیا اور پھر آہستہ آہستہ اس کی گردن پر جھکنے لگا ''یہ تم کیا کررہے ہو دور ہٹو'' ٹینا نے اسے پیچھے دھکیلنا چاہا لیکن جیک نے اسے پوری طرح بے بس کر کے اپنے دانت اس کی گردن میں گاڑ دیئے ٹینا کے چیخنے چلانے کی آوازیں باہر تک آرہی تھیں کچھ دیر بعد ایمی نے دروازہ کھول دیا سامنے ٹینا صوفے پر لیٹی ہوئی اپنی سانس درست کررہی تھی جبکہ جیک کھڑا اپنے ہونٹوں پر لگا خون ہاتھ سے صاف کررہا تھا۔

ٹینا کی حالت مارے خوف کے غیر ہورہی تھی ایمی نے اسے آگے بڑھ کے سہارا دے کر اٹھایا اور گھر کے باہر تک چھوڑ آئی اور اسے سختی سے وارن کردیا کہ وہ اپنا منہ بند رکھے۔

رات کے وقت جیک ایمی سے ملنے آیا اس نے ایمی کی طرف یوں دیکھا جیسے کہہ رہا ہو کہ آج کا شکار، ایمی نے ایک آہ بھری پھر بولی ''میں کسی کو نہیں بلا سکی۔

''لیکن تم بے فکر رہو، میرے پاس ایک بہت اچھا آئیڈیا ہے''

''وہ کیا؟'' جیک نے پوچھا۔ ''ابھی پتا چل جائے گا۔'' ایمی نے بستر سے اٹھتے ہوئے اپنا موبائل فون میز پر سے اٹھایا اور مائیکل کا نمبر ڈائل کرنے لگی ''ہیلو مائیکل میں ایمی بات کررہی ہوں''

''مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی'' دوسری طرف سے جواب موصول ہوا۔

''مائیکل پلیز! میری بات سنو مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوگئی میں نے اس بے وفا جیک کے چکر میں آ کر تمہیں چھوڑ دیا مجھے اپنی غلطی کا احساس ہے پلیز کیا ہم دوبارہ ایک نہیں ہوسکتے'' ایمی بول کر خاموش ہوئی تو مائیکل ایک طویل سانس لیتے ہوئے بولا ''ٹھیک ہے''

"پلیز تم مجھ سے ملنے میرے گھر آجاؤ" ایمی نے فوراً کہا "ٹھیک ہے" مائیکل نے ایک بار پھر وہی جواب دیا فون رکھنے کے بعد ایمی خوشی سے پھولی نہ سمارہی تھی وہ جلدی سے جیک کے برابر میں آکر بیٹھ گئی اور پھر دونوں بے فکری سے آپس میں باتیں کرنے لگے۔

کچھ دیر بعد دروازے پر بیل ہوئی ایمی نے جیک کو اشارہ کیا جیک جلدی سے اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا ایمی نے جاکر دروازہ کھولا سامنے مائیکل منہ بنائے کھڑا تھا

"ارے مائیکل اندر آؤ ناں"

"تو پھر ہوگیا تمہیں اپنی غلطی کا احساس" مائیکل نے طنزیہ کہا۔ "ہاں بالکل ہوگیا اب تم پلیز غصہ مت ہو اور ادھر کمرے میں جاکر بیٹھو میں تمہارے لیے کچھ کھانے کو لے کر آتی ہوں" ایمی نے کمرے کی طرف اشارہ کیا اور کچن کی طرف چلی گئی مائیکل چلتا ہوا کمرے میں جاکر بیٹھ گیا۔

ابھی ذرا سی دیر ہی گزری ہوگی کہ جیک اندر کمرے میں داخل ہوا مائیکل اسے دیکھتے ہی ٹھٹکا۔ "تم یہاں کیا کررہے ہو" لیکن جیک نے کوئی جواب نہ دیا اور خاموشی سے دروازہ بند کردیا اور مائیکل کی طرف بڑھنے لگا مائیکل اپنی جگہ سے کھڑا ہوگیا جیک اچانک ہی اس پر جھپٹ پڑا اور اپنے دانت اس کی گردن میں گاڑ دیئے تھوڑی دیر میں ایمی نے دروازہ کھول دیا مائیکل دوڑتا ہوا گھر سے نکلتا چلا گیا اسے اپنے پیچھے سے ایمی کی آواز سنائی دی اپنا منہ بند رکھنا ورنہ بہت برا انجام ہوگا۔

جیک اور ایمی کمرے میں آکر بیٹھ گئے "میں تو سوچ رہی ہوں کہ اب کل کیا ہوگا" ایمی نے ایک آہ بھرتے ہوئے کہا "آئیڈیا" وہ فوراً ہی خوش ہوتے ہوئے بولی۔

"تم کل میری سوتیلی مام کو اپنا شکار بنالو"

"کیا؟ دماغ خراب ہوگیا تمہارا؟ جیک نے حیرت سے اچھلتے ہوئے کہا "مگر نہیں تمہارے فنگر پرنٹس آجائیں گے" ایمی اچانک ہی مایوسی سے بولی "میرے فنگر پرنٹس نہیں آتے کیونکہ میں ایک ویمپائر ہوں"

"Yes یہ ہوئی ناں بات۔" ایمی خوش ہوتے ہوئے بولی اور پھر اپنا منصوبہ اسے بتانے لگی جیک خاموشی سے سنتا رہا۔

اگلی رات ایمی منصوبے کے مطابق اپنی مام کے کمرے میں چلی آئی۔ "کیا ہوا ایمی ابھی تک سوئی نہیں؟" انہوں نے اس کے ہاتھ میں تکیہ دیکھتے ہوئے سوال کیا "بس مام نیند نہیں آرہی کیا میں آج آپ کے ساتھ سوسکتی ہوں" ایمی نے کہا "ارے بیٹا کیوں نہیں" اور پھر ایمی خوشی خوشی ان کے برابر میں لیٹ گئی انہوں نے کمرے کی لائٹس آف کیں اور سونے کے لئے لیٹ گئیں۔ جبکہ ایمی کروٹ لیے یونہی سونے کی اداکاری کررہی تھی۔

رات کے کسی پہر کمرے میں کچھ آہٹ سی ہوئی ایمی سانس روکے آنے والے پل کے بارے میں سوچنے لگی۔ یہ آہٹ جیک کی تھی وہ چلتا ہوا ایمی کی مام کے بالکل نزدیک آگیا اور پھر اپنے ہاتھوں سے انہیں دبوچا اور اپنے دانت ان کی گردن میں گاڑ دیئے وہ ہڑبڑا کر اٹھ گئیں "کون ہے چھوڑو مجھے بچاؤ" چیخ وپکار سننے کے بعد ایمی نے نیند سے جاگنے کا ڈرامہ کیا "کیا ہوا مام؟"

"ارے کون ہو تم کیا کررہے ہو چھوڑو میری مام کو میں کہتی ہوں اپنے ہاتھ دور رکھو" ایمی مام کو چھڑانے کی اداکاری کرتی رہی پھر جیک نے انہیں چھوڑ دیا تو ایمی چلائی دفع ہوجاؤ یہاں سے اور جیک کھڑکی سے باہر کود گیا۔

ایمی نے اٹھ کر لائٹ آن کی۔ "کیا ہوا مام آپ ٹھیک تو ہیں؟"

"نہیں میں ٹھیک نہیں ہوں اس کمبخت نے میری گردن میں کچھ چبھو دیا ہے ذرا دیکھو ہلکا سا خون بھی نکل رہا ہے"

"اوہ مائی گاڈ ٹھہریے میں پولیس کو فون کرتی ہوں" ایمی جلدی سے فون کی طرف لپکی۔

تیسری رات جب جیک ایمی سے ملنے آیا تو بے حد بیمار لگ رہا تھا "جیک تم ٹھیک تو ہوناں؟" ایمی نے فکرمندی سے سوال کیا "نہیں میں ٹھیک نہیں آج مجھے کوئی شکار نہیں ملا اور اب میری طبیعت خراب ہورہی ہے" جیک نڈھال سا ہوکر صوفے پر بیٹھ گیا ایمی نے دیکھا کہ وہ بالکل بے ہوش ہونے والا ہورہا ہے تو ایمی

نے پریشانی سے اپنا سر تھام لیا اور اس پر جھک کر اسے دیکھنے لگی تب ہی اچانک جیک نے ایمی کو دبوچا اور اپنے لمبے نوکیلے دانت اس کی گردن میں گاڑ دیئے ایمی نے ہلکی سی چیخ ماری تھوڑا سا مچلی اور پھر بالکل شانت ہوگئی اس نے مکمل طور سے خود کو جیک کے حوالے کردیا۔

کچھ دیر میں جیک نے اسے چھوڑ دیا اور اپنا سانس درست کرنے لگا۔ ایمی بھی اپنا سانس درست کرنے لگی اور پھر وہ ہنس دی "مجھے تم سے یہ توقع نہیں تھی" اچانک ہی جیک نے اسے دیکھا اور اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے "مجھے معاف کردو ایمی میں نے جو تمہارے ساتھ آج کیا میں اس کے لئے خود کو کبھی معاف نہیں کروں گا"

"کوئی بات نہیں جیک میں اب بھی تم سے بے حد پیار کرتی ہوں اچھا اب تم اپنے گھر جاؤ رات زیادہ ہوگئی ہے مام اعتراض کریں گی" ایمی نے کہا۔

"ٹھیک ہے میں چلتا ہوں" جانے سے پہلے جیک نے ایک حسرت بھری نگاہ ایمی پر ڈالی اور بولا "ایمی اپنا خیال رکھنا" ایمی نے اثبات میں سر ہلا دیا اور پھر سونے کی تیاری کرنے لگی آج ایمی بہت خوش تھی کہ اس کی وجہ سے جیک کی حالت سنبھل گئی تھی۔

اگلی صبح جب ایمی نیند سے بیدار ہوئی تو اسے جیک کی ہارٹ بیٹ سنائی دے رہی تھی وہ سمجھی کہ شاید وہ یہیں موجود ہے "جیک کہاں ہو تم؟" اس نے پوچھا لیکن جواب میں خاموشی رہی۔

اچانک ایمی کو نظر آیا بستر پر ایک کاغذ تہہ کیا ہوا موجود تھا اس نے جلدی سے وہ کاغذ اٹھایا اسے کھولا اور پڑھنے لگی لکھا تھا۔

"میری پیاری ایمی تم نے میری خاطر اپنی بیسٹ فرینڈ کی قربانی دی یہاں تک کہ اپنی مام کو بھی میرا شکار بنادیا تم تو روز میرے لیے شکار ڈھونڈ کر لاتی تھیں اور آج میں نے تمہیں ہی اپنا شکار بنالیا تمہیں تو مجھ پر بھروسہ تھا مجھے تمہارے الفاظ یاد ہیں تم نے کہا تھا مجھے پورا یقین ہے کہ تم ہمیشہ میری حفاظت کروگے" لیکن آج میں نے تمہیں نقصان پہنچا کر یہ ثابت کردیا کہ میں تمہارے قابل نہیں ہوں مجھے اپنی اندھیری دنیا میں لوٹ جانا چاہیے لیکن میں تم سے بے حد پیار کرتا ہوں تمہارے بغیر جینے کا تصور بھی نہیں کرسکتا لہٰذا میں آج خود کو فنا کررہا ہوں مجھے تلاش کرنے کی کوشش مت کرنا کیونکہ میں ایک ویمپائر ہوں اور فنا ہونے کے ساتھ ہی میری لاش بھی غائب ہوجائے گی۔ میں جانتا ہوں کہ تم اس وقت سوچ رہی ہو کہ اگر میں زندہ نہیں اور تمہارے پاس موجود نہیں تو میری ہارٹ بیٹ تمہیں کیوں سنائی دے رہی ہے، تمہیں تب تک میرے دل کی آواز سنائی دیتی رہے گی جب تک تمہارے دل میں میرے لیے محبت ہے گڈ بائے تمہارا ویمپائر بوائے فرینڈ جیک"

تین سال بعد کی بات ہے ایمی کافی شاپ میں بیٹھی اپنی دوست کارمیلا سے باتیں کررہی تھی "ایمی ایک بات تو بتاؤ یہ تمہاری گردن پر دو نشان کیسے ہیں؟"

(یہ وہ نشان تھے جب جیک نے ایمی کا خون پیا تھا)

"یہ میرے بوائے فرینڈ کی نشانی ہے"

"تو کیا تمہارا بوائے فرینڈ ویمپائر تھا" کارمیلا ہنستے ہوئے بولی۔

"ہاں وہ ایک ویمپائر تھا" کارمیلا پھر ہنس دی۔

"ویسے تمہارے بوائے فرینڈ کا نام کیا تھا۔"

"جیک" ایمی نے بتایا "اور اب وہ کہاں ہے؟"

"وہ اب اس دنیا میں نہیں"

"اوہ آئی ایم سوری" کارمیلا بولی۔

"لیکن آج بھی میں اس سے بے حد پیار کرتی ہوں اور وہ میرے اتنے نزدیک ہے کہ میں اس کی ہارٹ بیٹ بھی سن سکتی ہوں" ایمی کی آنکھیں بھیگ گئیں، کارمیلا نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا "کوئی بات نہیں ایمی تم دیکھنا تمہیں ضرور کوئی بہت اچھا لائف پارٹنر ملے گا" اس نے تسلی دی۔

"ہاں شاید لیکن اس جیسا پیارا ویمپائر کبھی نہیں مل سکے گا" ایمی نے کہا تو کارمیلا نے اسے حیرت سے دیکھا اس کا ہاتھ تھپتھپانے لگی۔ ویسے زندگی کی آخری سانس تک ایمی کو جیک کے دل کی آواز سنائی دیتی رہی۔

قوسِ قزح

قارئین کے بھیجے گئے پسندیدہ اشعار

ہم تو ہر بات کو خدا پر چھوڑ دیتے ہیں
ٹوٹے نہیں دل کسی کا دل اپنا توڑ دیتے ہیں
ہم بھی انسان ہیں پتھر تو نہیں.....
کیوں لوگ ہمیں تنہا چھوڑ دیتے ہیں
(شرف الدین جیلانی.....ٹنڈوالہ یار)

اب کیا لکھیں اس کاغذ پر اب لکھنے کو کیا باقی
اک دل تھا وہ بھی ٹوٹ گیا اب ٹوٹنے کو کیا باقی
(غلام رسول.....شاہ فیصل کالونی، کراچی)

زندگی سے گلا کرکے بھی روئے
موت کی دعا کرکے بھی روئے
عجب ہی مزہ تھا نماز عشق میں
ادا کرکے بھی روئے قضا کرکے بھی روئے
(زاہد علی بھرگڑی.....ہالہ ناکہ، حیدرآباد)

آنکھ سے آنسو نمایاں نہیں ہوتے
تیری بے وفائی سے ہم پریشاں نہیں ہوتے
تم سلامت رہو ہمیشہ پھولوں کی طرح
گزرے ہوئے لمحے پھر مہرباں نہیں ہوتے
(محمد اسلم جاوید.....فیصل آباد)

دن کو سورج تو دیئے جلتے ہیں شب بھر کے لئے
پھر بھی اندھیرے ہیں انسان کے اندر کتنے
لوگ ہنس ہنس کے دلاتے ہیں وفاؤں کا یقین
اور ہاتھ میں لئے پھرتے ہیں پتھر کتنے
(سنبل ماہین طٰہٰ.....پنڈ دادن خان)

وہ روٹھ رہا ہے مجھ سے منظور ہے لیکن
یارو اسے سمجھاؤ کہ نہ جائے میرا شہر چھوڑ کر
(ڈاکٹر عامر شہزاد رانا.....ننکانہ صاحب)

بے خود رہے وصال میں بے ہوش ہجر میں
کیا جانے مجھ سے کب وہ ملا کب جدا ہوا
(انتخاب: حنیف آرائیں.....رحیم یار خان)

تڑپ کے شان کریمی نے لے لیا بوسہ
کہا جو سر کو جھکا کر گناہ گار ہوں میں
(انتخاب: ایس حبیب خان.....کراچی)

منزل سے آگے تو منزل تلاش کر
مل جائے دریا تو سمندر تلاش کر
پتھر سے شیشہ تو ٹوٹ ہی جاتا ہے
ٹوٹ جائے پتھر وہ شیشہ تلاش کر
(صفدر علی.....فیصل آباد)

وہ بچھڑا مجھ سے اور اب تک نہ رویا غالب
کوئی تو ہمدرد ہے جو اسے رونے نہیں دیتا
(انتخاب: احمد دین بھٹی.....گجرانوالہ)

یاد آئے انہیں تو کوئی بات بنے
کرے مجھ سے التفات تو کوئی بات بنے
ایسے کیسے کہوں رومی کہ وہ مل جائے گا
جب تک نہ ملے تو کیسے کوئی بات بنے
(عبدالجبار رومی انصاری.....قصور)

عمل سے مانگا وفا سے بھی مانگا
تجھے یار تیری ہر رضا سے بھی مانگا
پھر بھی کچھ نہ بن سکا تو دعا سے بھی مانگا
مانگا خدا کی قسم تجھے خدا سے بھی مانگا
(خضر حیات.....روڈہ تھل)

اس کے نہ ہونے سے کچھ بھی نہیں بدلا دوست
بس کل جہاں دل ہوتا تھا آج وہاں درد ہوتا ہے
(چوہدری محمد کامران.....روڈہ تھل، خوشاب)

وہ اپنے عشق میں کیسا کمال رکھتا ہے
کہ بے رخی میں بھی میرا خیال رکھتا ہے
(نسیم انجم.....کنگن پور)

رویا ہے اس قدر کہ اب آنکھیں گلاب ہیں
وہ شخص روٹھ کر بھی نشیلا دکھائی دے
(اے ڈی بناخ.....کھڈیاں خاص)

بے وفائی کا اگر مجھ کو گلہ تھا اس سے
رنج اس کو بھی بہت میری کسی بات کا تھا
(افتخار احمد.....پھلریاں تلونڈی)

☆☆

ایک پل میں اک صدی کا مزا ہم سے پوچھئے
دو دن کی زندگی کا مزا ہم سے پوچھئے
بھولے ہیں رفتہ رفتہ انہیں مدتوں سے ہم
قسطوں میں خودکشی کا مزا ہم سے پوچھئے
آغاز عاشقی کا مزا آپ جانیے!
انجام عاشقی کا مزا ہم سے پوچھئے
ہنسنے کا شوق ہم کو بھی تھا آپ کی طرح
ہنسیے مگر ہنسی کا مزا ہم سے پوچھئے
جلتے دیوں میں جلتے گھروں جیسی ضو کہاں
سرکار روشنی کا مزا ہم سے پوچھئے
(انتخاب: ایس حبیب خان.....کراچی)

اداس آنکھوں سے آنسو نہیں نکلتے ہیں
یہ موتیوں کی طرح سیپیوں میں پلتے ہیں
انہیں کبھی نہ بتانا میں ان کی آنکھیں ہوں
وہ پھول سمجھ کر مجھے مسلتے ہیں
گھنے دھوئیں میں فرشتے بھی آنکھ ملتے ہیں
تمام رات کھجوروں کے پیڑ جلتے ہیں
میں شاہراہ نہیں راستے کا پتھر ہوں
یہاں سوار بھی پیدل اتر کے چلتے ہیں
یہ ایک پیڑ ہے اس سے مل کر رولیں ہم
یہاں سے تیرے میرے راستے بدلتے ہیں
(شرف الدین جیلانی.....ٹنڈوالہ یار)

سلسلہ ٹوٹ جاتا ہے بہاروں کا
کس نے مقام پرکھا ہے تاروں کا
حوصلہ دیتے ہیں آج کل یار بھی
وہ پہلے سا جلوہ نہ تھا نظاروں کا
یادوں کے سفر میں ہمیشہ سے تھا تنہا
بیگانوں سے پوچھ لیتا ہوں رستہ رہگزاروں کا

ہاتھ ملا کے بھی لوگ چھوڑ جاتے ہیں
زندگی راستہ ہے پھر سے خار زاروں کا
بے رخی سے تیری یہ زخم ملے ہیں ہم کو
وہ پہلے سا جذبہ نہیں رہا اب سہاروں کا
قسمت میں اپنی کچھ آنسو اور آہیں ہیں جاوید
موسم بدل گیا ہے آج پھر سے شراروں کا
(محمد اسلم جاوید.....فیصل آباد)

ہے بصیرت شرط جذب اکتسابی کے لئے
حق پسندی چاہئے علم کتابی کے لئے
بے مشقت خوبیٔ نظم چمن ممکن نہیں
عزم راسخ اصل ہے ذہن انقلابی کے لئے
فطرت میں وہ بروئے کار لاسکتا نہیں
جو عوامل لازمی ہیں کامیابی کے لئے
اب یہ لگتا ہے کہ میں خود کو بھی پاسکتا نہیں
کب سے سرگرداں ہوں اپنی بازیابی کے لئے
گو بظاہر تو ہیں وہ تعمیر کے داعی مگر
ہیں وہی مصروف در پردہ خرابی کے لئے
دل جلا کر دوسروں کے خود ہیں وہ محو نشاط
وقت کے ساحل پہ غسل آفتابی کے لئے
ناروا راہوں پہ واجد سر کے بل سفر کرتے ہیں لوگ
بزم نسیم و زریں واجد باریابی کے لئے
(پروفیسر ڈاکٹر واجد نگینوی.....کراچی)

ہم ان کے ابھی سے غلام ہوگئے
خاص تھے کبھی اب عام ہوگئے
کہانی نہ ہوگی ختم کبھی بھی
قصے چاہے تمام ہوگئے
محبت ہماری ہی ہوگی اول
سنا ہے عاشق سب ناکام ہوگئے
لوگ کہتے ہیں، تیری گلی کے
ہم تو یونہی بدنام ہوگئے
اس کی نگاہ کی بس ضرورت ہے
پھر ہمارے سب کام ہوگئے
پھرتے ہیں در یار کے گرد

پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام وقار عظیم

کسی صبح سے انجم شام ہوگئے
(محمد اسحاق انجم.....کنگن پور)

جیسی تھی سوچ میری نہ ویسا ملا مجھے
پتھر ہوا نہ موم نہ شیشہ ملا مجھے
بیتی عمر یونہی تو میں سمجھوں گا رائیگاں
منزل ملی کوئی نہ تو رستہ ملا مجھے
ہر دور میں ہوا ہے خوشی کا قتل عام
ہر موڑ پہ ارمان کا لاشہ ملا مجھے
دل میں سخاوتوں کی امنگ دل میں رہ گئی
افسوس ہے نصیب سے کاسہ ملا مجھے
زاہد نہ مل سکا ہے ملاقات کا شرف
ان کی طرف سے وعدہ ہی وعدہ ملا مجھے
(نذیر احمد زاہد.....کنگن پور)

ہم ان کے در سے ٹھکرائے گئے ہیں
صلے یوں پیار کے پائے گئے ہیں
ہیں کتنے سادہ و رنگین و دلکش
محبت میں جو غم کھائے گئے ہیں
ملا ان کو نہ پھر کوئی ٹھکانہ
تیرے در سے جو ٹھکرائے گئے ہیں
دکھا کر آشیاں پر کاٹ دینا
ستم ایسے بھی کچھ ڈھائے گئے ہیں
تمہیں معلوم کیسے آن پہنچے
ہم ان کی بزم میں پائے گئے ہیں
اسے جلنے دو میرا آشیاں ہے
یہ شعلے آپ بھڑکائے گئے ہیں
(چوہدری قمر جہاں علی پوری.....ملتان)

جڑنا تو ان کو تیرے رقیب سے ہی تھا فلک
زندگی میں ان کی تم بس راستے کا موڑ تھی
وہ حیا کے پیکر میں لپٹا ہوا چاند سے بھی پیارا
کس کو سیراب کرے گا یہ حسن بحر کا کنارا
رنگ اترائے ہیں سج کے اس شوخ ادا پر فلک
جانے کس کو اوج بخشے گا وہ درخشاں ستارہ
ہم نے چاہا جسے سچی عبادت کی طرح
اسی نے سر سے اتار پھینکا کفارے کی طرح
تیرے ساتھ چلنا اب اسے منظور نہ تھا فلک
پہلو میں رقیب کی رہا پر خسارے کی طرح
(فلک زاہد.....لاہور)

بڑی چاہت ہے دل کو تجھے پانے کی
تجھے اپنا کے تیرا ہوجانے کی
میری ذات کے نس نس میں بکھر جائے
بہت حسین ہے ادا تیرے مسکرانے کی
پاس بیٹھو ہاتھ میرا تھام لو
قسم کھاؤ مجھے چھوڑ کر جانے کی
ہم سے کبھی روٹھ نہ جانا
اگر روٹھ جاؤ تو دعا کرنا میرے مرجانے کی
(چوہدری محمد کامران.....روڈھ تھل، خوشاب)

ایک وعدہ ہے کسی کا جو وفا ہوتا نہیں
ورنہ ان ستاروں بھری راتوں میں کیا ہوتا نہیں
جی میں آتا ہے الٹ دیں ان کے چہرے سے نقاب
حوصلہ کرتے ہیں لیکن حوصلہ ہوتا نہیں
شمع جس کی آبرو پر جان دے دے جھوم کر
وہ پتنگا جل تو جاتا ہے فنا ہوتا نہیں
اب تو مدت سے راہ و رسم نظارہ بند ہے
اب تو ان کا طور پر بھی سامنا ہوتا نہیں
ہر شناور کو نہیں ملتا تلاطم سے خراج
ہر سفینے کا محافظ ناخدا ہوتا نہیں
ہر بھکاری پا نہیں سکتا مقامِ خواجگی
ہر کس و ناکس کو تیرا غم عطا ہوتا نہیں
ہائے یہ بیگانگی اپنی نہیں مجھ کو خبر
ہائے یہ عالم کہ تو دل سے جدا ہوتا نہیں
بارہا دیکھا ہے ساغر راہگزار عشق میں
کارواں کے ساتھ اکثر راہنما ہوتا نہیں
(عبدالجبار رومی انصاری.....قصور)

وہ پیار کا ثبوت دکھایا کرتا تھا
آنسو بہا کر مجھے منایا کرتا تھا
یہ زندگی حرف سے وابستہ ہے
اکثر یہ بات مجھے بتایا کرتا تھا
ان کی باتوں میں کچھ ایسا اثر تھا
میں بارش کے بنا ہی بھیگ جایا کرتا تھا
سونے کی فرصت کیسے تھی
وہ مجھے ساری رات جگایا کرتا تھا
بے چینی جب حد سے بڑھ جاتی تھی
وہ جی بھر کے گلے لگایا کرتا تھا
وہ اتنی محبت کرنے والا بدل گیا
جو ہر بات پر میری قسم کھایا کرتا تھا
(خضر حیات.....ملتان)

نہیں تجھ میں وفا تو چلو جفا ہی دے دو
کرو دل لگی عمر بھر کی سزا ہی دے دو
اک تیرے ہی چہرے پہ رک جاتی ہے نظر
ان گستاخ آنکھوں کو حیا ہی دے دو
بہت بے حیا، بے ادب ہوا جاتا ہے دل
ڈانٹ کر اسے دو لفظ سنا ہی دے دو
بے تاب جذبوں کو تم کچھ تو تسلی بخشو
چلو دعا نہ سہی تو بد دعا ہی دے دو
خدا کی قسم مغرور جہاں میں ہوجاؤں
اپنے قدموں میں تھوڑی جگہ ہی دے دو
آنکھوں نے سجایا ہے خوابوں میں تمہیں
بن کر تعبیر اپنی بانہوں کا گھیرا ہی دے دو
مہک اٹھے میری دنیا تیرے پیار میں نینا
خود کو چاہنے کا تکبر اور انا ہی دے دو!!!
(شاعرہ: ایڈووکیٹ نینا خان.....کراچی)

اے دل کسی کی یاد میں نہ رویا کر
میری جان تم بھی چین سے سویا کر
یہاں کوئی کسی کا اپنا نہیں
تو بھی کسی کا نہ ہویا کر
اک لمحے میں قتل کردیتے ہیں
کوئی ارمان نہ دل میں پرویا کر
دل کی زمیں زرخیز نہیں ہوتی
وفا کا بیج نہ اس میں بویا کر
یہاں کوئی نہیں رکھتا زخموں پر مرہم
تو رو کر ہی داغ دل دھو لیا کر
(ڈاکٹر عامر شہزاد رانا.....ننکانہ صاحب)

آپڑا جب وقت اپنے بھی سزا دینے لگے
دوست مجھ کو یوں محبت کا صلہ دینے لگے
فصل گل میں بھی میرا خاروں سے دامن لیس تھا
کس لئے پودے لگائے تھے اور کیا دینے لگے
زندگی میں موت کی جو دیتے رہے بد دعا
آگئی جب موت تو جینے کی دعا دینے لگے
بیچ ڈالی غیرت ایماں جب غیروں کے ہاتھ
آج پھر کچھ لوگ ایماں کی صدا دینے لگے
خیر ہو یارب تسلی تک نہ دے سکتے تھے جو
آج وہ بیمار کو آکر دوا دینے لگے
ایک مدت سے گریزاں ہی رہے ملنے سے جو
آؤ بیٹھو کیا پیو گے وہ یہ آواز دینے لگے
بے ارادہ بھی جو شاکر اک نظر تکتے نہ تھے
ٹھہر جاؤ اک گھڑی وہ خدا کا واسطہ دینے لگے
(محمد حنیف شاکر.....بھاگووالی ننکانہ صاحب)

اپنی آنکھوں میں تم ڈوبنے دو مجھے
کتنی گہری ہیں یہ دیکھنے دو مجھے
بارش کی طرح مجھ پر برسو کبھی
بھیگنے دو مجھے ناچنے دو مجھے
میری آنکھوں سے آنکھیں ملاؤ ذرا
مست کردو مجھے جھومنے دو مجھے
اپنے گورے سے رس دودھیا رنگ میں
میری چینی بدن گھولنے دو ذرا
قرب تیرا اگر صرف خوابوں میں ہے
ایسے خوابوں سے مت جاگنے دو مجھے
جس کا وعدہ ہے تم سے وہ جنت ہوں میں
تم نعمت ہو بولنے دو مجھے
(شاعرہ: رشک نور.....فیصل آباد)

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
وقار عظیم

اتنی سی ہوئی بس ہم سے خطا ہم تجھ سے محبت کر بیٹھے
دل تجھ سے لگا کر روتے ہیں کیا اپنی حالت کر بیٹھے
غیروں سے شکایت کیا کرتے اپنوں نے کیا ناشاد ہمیں
جینے کی تمنا بھی نہ رہی اس درجہ کیا برباد ہمیں
یہ بھول ذرا سی ہم سے ہوئی، ہم تیری چاہت کر بیٹھے
دل تجھ سے لگا کر روتے ہیں کیا اپنی حالت کر بیٹھے
سنسان سی تیری راتوں میں بے نام غموں کے سائے میں
تیرے بعد کبھی دن خوشیوں کے اک پل نہ ہمیں راس آئے ہیں
کل ہم تھے تیرے منظور نظر کیوں آج عداوت کر بیٹھے
اتنی سی ہوئی بس ہم سے خطا ہم تجھ سے محبت کر بیٹھے
دل تجھ سے لگا کر روتے ہیں کیا اپنی حالت کر بیٹھے
(صبا محمد اسلم.....گجرانوالہ)

ہے وہ ہی قاتل
اس کے چاند سے چہرے پر
ننھا سا اک تل
لگتی ہیں پیاری
سانولی، گوری، یا کالی
لڑکیاں ساری
نازک ہیں کتنی
چھولو تو اڑ جائے رنگ
تتلی اور لڑکی
خشک نہ ہو پانی
مرجائیں گے ہم سے قبل
مینڈک اور مچھلی
اے شاخ زیتون
تیری خاطر دیں گے ہم
اک اک قطرہ خون
مل لینا مت بھول
مژدہ ہیں بہاروں کا
بادا موں کے پھول
(ایس امتیاز احمد۔کراچی)

وہ اپنی شاعری بھی کاش میرے نام دے ڈالے
مجھے ایسے کوئی چاہے کہ مجھ پر جان دے ڈالے
میں پھر اس کی محبت کے بھنور میں ڈوبتا جاؤں
کبھی جو اتفاقاً وہ نظر کا جام دے ڈالے
وہ ہستی زندگی کی شب میں اک قندیل جیسی ہو
جلا کر دل کو اپنے روشنی ہر شام دے ڈالے
میری پلکوں سے اس کی یاد میں موتی اگر برسیں
ستارے گنگناتے ہوں، ہوا پیغام دے ڈالے
مجھے وعدہ ہو یاد اپنا اویس وہ بھی بھلائے نہ
کہانی جب سنے کوئی، وفا کا نام دے ڈالے!
(اویس نور گڈانی.....میر پور ماتھیلو)

پوچھو تو سہی میں کیا رکھا ہے
ہر وقت ہونٹوں پر تیرا نام سجا رکھا ہے
تم تھوڑی سی حرارت پہ تڑپتے ہو
ہم نے سینے میں بھانبھڑ مچا رکھا ہے
تم ایک دو آنسو بہا کر تھک جاتے ہو
ہم نے آنکھوں میں نلکا چلا رکھا ہے
تم اپنی زلفیں شیمپو سے سنوارتے ہو
ہم نے لسی میں تیل ملا رکھا ہے
تم کسی اور کے ہوجاؤ تو کوئی غم نہیں
ہم نے یہ چکر کسی اور سے بھی چلا رکھا ہے
ہم دل تو کسی اور کو دے چکے ہیں
تمہارے لئے گردہ بچا رکھا ہے
(محمد بلال رسول .....لاہور)

وہ وعدہ ایفا عہد وفا نبھا نہ سکے چلے گئے
ہم حسرت دیدار کے تھے طالب مگر وہ چلے گئے
زندگی یوں بھی آسانی سے نہ کٹ رہی تھی
اس پر بھی اک نیا داغ لگا کے وہ چلے گئے
امید وفا بہت تھی مجھ غریب کو ان سے
بیچ رستے میں چھوڑ کے وہ ہاتھ چلے گئے
چھوڑیے کیا کہیے یہ تو دنیا کی ریت ہے پرانی
گرتی ہوئی دیوار کو وہ لگا کر دھکا چلے گئے
جو باقی ہے سانس وہ واپس لے لو
سونپ کے یادوں کے انبار وہ چلے گئے
الٰہی حسن کو وفا میں سمویا ہے بہت کم آپ نے
اب آصف شہزاد کا کر کچھ علاج وہ چلے گئے
(محمد آصف شہزاد الہ آبادی.....قصور)

عجب اک بیقراری ہے کرے کوئی تو کیا آخر
پریشاں قوم ساری ہے کرے کوئی تو کیا آخر
امن لئے کہاں جائیں مساجد تک نہیں چھوڑی
عجب حالت ہماری ہے کرے کوئی تو کیا آخر
یہاں دھرنا وہاں دھرنا مٹاؤ دیس سے غربت
یہی فرمان جاری ہے کرے کوئی تو کیا آخر
وہی ہے راہنما اپنا جو مخلص نہیں ہے خود سے بھی
مروت سے جو عاری ہے کرے کوئی تو کیا آخر
یہ یہ مہنگا پہلے تھا ان پہ ٹیکس بھی ہلکا تھا
ان کی اب تو باری ہے کرے کوئی تو کیا آخر
کوئی تو ان میں ایسا ہو جو بابا قائدؒ جیسا ہو
عباس دعا ہماری ہے کرے کوئی تو کیا آخر
(سید عباس حیدر بخاری.....کامرہ کلاں)

تیری یاد جو سینے سے لگا رکھی ہے
ہم نے دنیا میں الگ دنیا بسا رکھی ہے
ہم کو معلوم نہیں چاہت کے تقاضے لیکن
ہم نے تیری باتوں کے سوا ہر بات بھلا رکھی ہے
سفر مشکل ہے معلوم ہے لیکن
تو ہمارا ہے تو ہر فکر مٹا رکھی ہے
تو بھلا دے تو بھلا دے لیکن ہم نے
تیری خوشبو بھی تعویذ بنا رکھی ہے
تو الگ ہو تو ہر بار یوں لگتا ہے
زندگی موت کے پہلو میں بٹھا رکھی ہے
تیری باتیں تیرا لہجہ تیرا چہرہ ہم دم
تجھ میں خالق نے ہر چیز جدا رکھی ہے
(انتخاب: عدنان ملک.....ٹنڈو آدم)

وقت رخصت میں تیرا مجھ سے لپٹ جانا
لیکن پھر وہ ارادہ سا بدل جانا
میرا کہنا کہ کیسے گزریں گے پل
تیرا کہنا کہ مجھے بھول جانا
وہ میرا پھر سے ملنے کی تمنا کرنا
روتے روتے تیرا اچانک سنبھل جانا
کیسے بھولوں گا میں وہ گزرے ہوئے پل
کبھی لڑنا جھگڑنا محبت سے اور وہ تیرا مجھے منانا
تیری آغوش میں سر رکھ کر سوجانا
اور تیری آنکھوں کے سمندر میں کھوجانا
میں نہ کہتا تھا کہ محبت دکھ دے گی نوری
تیرا کہنا کہ محبت ہی تو ہے جنت جاناں
(انتخاب: حمید ملک.....دیپالپور)

کیوں آنکھ بھری بھری ہے ہوا تو کچھ ضرور ہے؟
نہ لبوں پہ ہنسی ہے ہوا تو کچھ ضرور ہے
کہیں دل پریشاں تو نہیں؟
کہیں لبوں پہ کوئی صدا تو نہیں؟
کہیں بجھا کوئی دیا تو نہیں؟
شامیں لٹی لٹی ہیں ہوا تو کچھ خیر ہے؟
کہیں ہوا کوئی خفا تو نہیں؟
کہیں ادھوری کوئی دعا تو نہیں؟
کہیں پھول کوئی لٹا تو نہیں؟
نہ موسم میں تازگی ہے ہوا تو کچھ خیر ہے؟
کیوں آنکھ بھری بھری ہے ہوا تو کچھ ضرور ہے؟
(انتخاب: ڈاکٹر ندیم ساگر.....کھڈرو سندھ سے)

وہ حسن مجسم کمال اس کی آنکھیں
سراپا محبت جمال اس کی آنکھیں
جھکائے تو لگتی ہیں زیور حیا کا
اٹھیں تو کریں پھر سوال اس کی آنکھیں
ملیں تو میں دو جہاں دے کے لے لوں
وہ چہرہ وہ آنکھیں وہ زلفیں
اگر کوئی پوچھے کہ دنیا میں کیا ہے
دنیا دیوانہ کہے گا مثال اس کی آنکھیں
(انتخاب: سونیا خان.....نواب شاہ)

☆☆

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
وقار عظیم

نظرِ بد

محمد شعیب۔ فیصل آباد

لڑکی کی آنکھوں سے اچانک دودھیا روشنی نکلی اور بدروح کی آنکھوں میں گھستی چلی گئی اور پھر بدروح کی فلک شگاف چیخ نے پوری حویلی کو دہلا کر رکھ دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ راکھ میں تبدیل ہوگئی۔

شروخیر کی عجیب وغریب کہانی...... جو کہ پڑھنے والوں کو حقیقت سے روشناس کرائے گی

ھوا کے سینے کو چیر کر، آنکھوں کی بینائی اچک لے جانے کو تیار، چمکتی بجلی پورے ماحول پر وحشت طاری کیئے ہوئے تھی۔ ابر بھی ایسے برس رہا تھا جیسے کسی نے آسمان سے آبشاروں کے بند توڑ دیئے ہوں۔ شوروغل برپا کرتا پانی، بادلوں کی گرج سے بھی زیادہ خوفناک منظر کی عکاسی کررہا تھا۔ ایسے میں پرانے پل کے پاس ان کی کار کا انجن غیر متوقع طور پر جواب دے گیا۔ سرد رات میں بھی ان کی کار دھواں اگل رہی تھی۔ کچھ دیر یونہی سوچنے کے بعد اس نے دھیرے سے فرنٹ ڈور اوپن کیا تو ہوا کا بھرا ہوا جھونکا بے لگام بوندوں کے سنگ کار کے اندر داخل ہوا۔ اس کے جسم کو شرابور ہونے میں سیکنڈ کا ہزارواں حصہ بھی نہ لگا۔ اس کے ساتھ ہی فرنٹ سیٹ پر بیٹھی مقدس نے ہاتھ بڑھا کر روکنا چاہا تھا لیکن وہ اس کی آواز کہاں سن سکتا تھا؟ سماعت میں اپنی ہیبت بیٹھاتے بادل بھلا کسی اور آواز کو کیسے سماعت کا حصہ بنے دے سکتے تھے؟

''کیا ہوا؟'' جیسے ہی وہ انجن کو دیکھ کر دوبارہ ڈرائیونگ سیٹ پر آکر بیٹھا تو مقدس نے جھٹ سوال کیا۔

''لگتا ہے پانی چلا گیا انجن میں۔۔۔یا پھر شاید بہت زیادہ گرم ہوگیا ہے۔۔'' وہ کچھ بھی اندازہ لگانے سے قاصر تھا، چند لمحے کار سے باہر گزارنے پر ہی اس کے ہونٹ نیلے پڑ گئے تھے۔ مقدس نے بے چینی کے ساتھ ونڈ اسکرین سے باہر دیکھا تو پورا ماحول سحر میں جکڑا ہوا محسوس ہوا۔ آسمان کی بلندیوں کو چھوتے شاہ بلوط رات کے اندھیرے میں کسی دیوہیکل جن کی مانند دکھائی دے رہے تھے اور ایسے میں جب بجلی چمکتی تو جیسے ان شاہِ بلوط میں جان پڑ جاتی۔۔۔ تے آنکھوں کا کام دیتے۔ ہر شے ان کو جیسے بری طرح گھور رہی تھی۔ اس نے تھوک نگلتے ہوئے دوبارہ ضارف کی طرف دیکھا تھا۔

''ضارف۔۔۔!! مجھے اس جگہ سے وحشت آرہی ہے۔ ایسا لگ رہا ہے جیسے ان شاہِ بلوط کی اوٹ سے ہم پر کوئی نظر رکھے ہوئے ہے'' ایک ایک لفظ میں وحشت کا عنصر شامل تھا مگر وہ اس کا اثر بھلا کہاں قبول کرنے والا تھا۔ ایک جھٹکے سے بالوں کو جھٹکا تو کئی بوندیں مقدس کے چہرے پر آگریں۔ چہرے پر ایک ہلکی سی تبسم بکھیرے وہ اب مقدس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''بھلا میرے ہوتے ہوئے کسی کے اندر ہمت ہے کہ وہ تم پر نظر رکھے۔'' وہ اس ماحول کو رومانیت کے رنگ میں رنگنے کی کوشش کرنے لگا۔

''یہ سارا پیار گھر جا کر نچھاور کیجیے گا فی الحال تو کسی بھی طرح اس جگہ سے نکلنے کا انتظام کریں۔'' ایک

عجیب سا ڈر اس کے دل میں بیٹھتا جا رہا تھا۔ وہ اس انجان ماحول میں اپنے علاوہ کسی اور کی موجودگی بھی محسوس کر سکتی تھی۔ ایک ایسے وجود کی موجودگی جو رات کے اندھیرے میں بھی دن کی طرح دیکھ سکتا تھا۔ جس پر اس پراسرار ماحول کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔

''بارش کے بند ہو جانے تک تو کچھ بھی کیا نہیں جا سکتا۔'' اس نے دونوں ہاتھوں کو سینے پر باندھ کر دھیرے سے کہا۔ ناراضگی کا ایک پہلو اس کے رویے سے عیاں تھا۔ مقدس کے چہرے پر وحشت مزید غالب آ گئی۔ لبوں کو متحرک کرتے ہوئے اس نے آیت الکرسی کا ورد شروع کیا تو ماحول میں جیسے تناؤ پہلے سے زیادہ بڑھ گیا۔ ہواؤں کے بے لگام جھونکے شاہِ بلوط پر جیسے قہر ڈھانے لگے تھے۔ سرسبز پتے کسی خزاں رسیدہ پتوں کی مانند زمین بوس ہونے لگے۔ بارش کی بوندیں جیسے کنکریوں کی مانند آسمان سے زمین پر گرتی جا رہی تھیں۔ آنکھوں کی بے چینی اس ماحول کو کسی بھی زاویے سے قبول کرنے کو تیار نہ تھی۔

کچھ دیر یونہی گزر جانے کے بعد مخالف سمت سے ایک فلیش لائٹ دیکھائی دی مگر دونوں میں سے کسی نے بھی اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ مقدس آیت الکرسی کا ورد کرنے میں مصروف تھی جبکہ ضارف موڈ آف کئے بیٹھا تھا۔ وہ کار ان کے مقابل آ ٹھہری۔ ہوا میں جیسے ایک پل کے لئے سکوت آ گیا۔ تبھی ضارف کو اپنی طرف کی ونڈ اسکرین پر ایک کھڑکھڑاہٹ سنائی دی۔ دونوں نے اس طرف دیکھا تو مقابل کی کار سے اسکرین کو کھٹکھٹایا گیا تھا۔ اسکرین نیچے کرتے ہی ایک سرد جھونکے نے پوری کار پر ایک جادو سا کر دیا۔ ہر طرف خاموشی سی چھا گئی۔ مقدس کے متحرک لب بھی سکون اختیار کر گئے۔

''آپ کو کسی مدد کی ضرورت ہے؟'' رات کے اندھیرے میں وہ مقابل کار میں بیٹھے وجود کو تو دیکھنے سے قاصر رہے مگر شیریں آواز سے انہیں یہ اندازہ لگانے میں ذرا بھی دیر نہ لگی کہ مقابل کی کار ایک عورت ڈرائیو کر رہی تھی۔

''ہماری کار کا انجن بارش کے باعث جواب دے چکا ہے۔'' ضارف نے حسب عادت وجہ سامنے رکھنے میں دیر نہ کی۔ اس کی طبیعت ہی کچھ دوستانہ سی تھی۔ اجنبیوں سے بھی دوستوں کی طرح بات کرتا۔ شاید یہ اس کی خوشی جو بہت جلد ایک قہر بن کر اس پر نازل ہونے والی تھی۔

''اگر آپ چاہیں تو ہمارے ساتھ ہمارے گھر چل سکتے ہیں، ہمارا گھر سڑک کے کنارے ہی ہے'' اس وجود نے اگلے ہی لمحے انہیں پیشکش کی جس پر ضارف ذرا سا جھجکا اور مڑ کر مقدس کی طرف دیکھا۔

''میرے خیال سے ہمیں یونہی کسی اجنبی کے گھر جانے سے اجتناب کرنا چاہیے'' مقدس نے اپنی رائے دی

''لیکن اس بارش میں یوں کار میں بیٹھے رہنے سے تو بہتر ہے ناں، اب اس کے ساتھ جا کر کچھ آرام کر لیں۔ ویسے بھی پچھلے پانچ گھنٹوں سے میں مسلسل کار ڈرائیو کر رہی ہوں۔'' اس کے چہرے پر اب تھکان کے تاثر بھی نمایاں تھے۔ شاید مقدس کو اس کی حالت پر ترس آ گیا تبھی اثبات میں گردن ہلا دی۔

''آپ کا بہت بہت شکریہ۔۔'' ضارف نے مسکراتے ہوئے ونڈ اسکرین سے باہر دیکھا تو اس اجنبی کی چمکتی آنکھیں بجلی کی کمک میں کسی آفتاب کی مشابہہ دکھائی دیں۔ بادلوں کی گرج پہلے سے زیادہ تیز ہوتی چلی گئی۔ مقدس نے ذرا سا سہمے انداز میں بیک سیٹ سے ایک چھتری اٹھائی اور کار سے باہر آ گئی۔ سارا ماحول سحر میں بری طرح جکڑا ہوا تھا۔ رات کا اندھیرا ہر شے پر اپنا جادو بکھیرے ہوئے تھا۔

اُس نے ایک نگاہ دریا کے پچھلے کنارے پر دوڑائی تو وحشت کا عجیب سا منظر اس کا منتظر تھا۔ دور کے شاہ بلوط کسی پہاڑ کی مانند ساکت تھے۔ رائی کے دانے کے برابر بھی ان میں جنبش نہ تھی۔ خوف کی ایک سرد لہر اس کے جسم میں سرایت کر گئی۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنے دائیں طرف ہوا کے سنگ جھومتے شاہ بلوط کو دیکھتی ضارف نے دھیرے سے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھا۔ یہ احساس برف سے زیادہ سرد تھا۔ اس نے ایک سسکی لیتے ہوئے ضارف کی

طرف دیکھا۔ چہرے پر مسکراہٹ پھیلائے، وہ پرفسوں نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''اب چلنا ہے یا پھر یونہی اس سحر انگیز پل پر ہی رات بسر کرنے کا ارادہ ہے؟'' اس کا لہجہ معنی خیز تھا۔ لہجے میں ایسی طمانت اس نے کبھی محسوس نہ کی تھی۔ مقدس نے ایک نگاہ اپنی مسیحا کار کی طرف دوڑائی تو رات کی تاریکی سے زیادہ سیاہ کار اگرچہ کافی پرانے ماڈل کی دکھائی دے رہی تھی مگر ایک لکیر تک واضح نہ تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے ابھی ابھی شوروم سے نکالی گئی ہو۔

''آپ کا بہت بہت شکریہ۔۔ جو آپ نے ہمیں رات گزارنے کے لئے جگہ فراہم کی۔۔ ورنہ شاید یہ طوفانی رات ہمیں کار میں ہی گزارنی پڑتی۔'' ضارف اور مقدس پچھلی سیٹ پر براجمان ہوئے تھے۔ تب سردی کو دور کرنے کی خاطر اس نے ہاتھوں کو رگڑتے ہوئے کہا تھا

''شکریہ کی کوئی بات نہیں۔۔ آپ کی مدد کرنا تو ہمارا فرض ہے۔'' آواز میں ایسا جادو تھا جسے سن کر ضارف کے لبوں پر معنی خیز مسکراہٹ ابھری۔ مقدس کے دل میں ایک تشویش پیدا ہوئی۔ ایک اضطرابی کی سی کیفیت مسلسل اس کے پرسکون دل میں ہلچل مچا رہی تھی۔ اس نے آئینے کی اوٹ سے ڈرائیو کرتے وجود کا چہرہ دیکھنا چاہا مگر وہ سیاہ زلفوں کی اوٹ سے ڈھکا رہا۔ فقط ایک آنکھ دکھائی دے رہی تھی۔ بڑی بڑی جھکی پلکیں اپنے اندر کئی رازوں کو مدفون کئے ہوئے تھیں۔ باہر بادلوں کی گرج چمک جاری تھی۔ یک دم بجلی چمکی تو اسے ایسا لگا جیسے وہ بجلی اس کے سر پر آ گری ہو۔ وہ بری طرح سہم گئی۔ ایک لمحے کے لئے تو ضارف بھی چونکا تھا مگر وہ وجود بالکل ساکت رہا۔ پراطمینان انداز میں ڈرائیو کرتا وہ وجود اپنی دوسری آنکھ کو حسین و جمیل زلفوں میں چھپائے ہوئے تھا۔

ضارف مقدس کی کپکپی کو دور کرنے کی خاطر اس کے ہاتھوں کو پیار سے سہلانے لگا۔

''لگتا ہے آپ اپنی بیوی سے بہت پیار کرتے ہیں'' کافی دیر کی خاموشی کے بعد وہ پراسرار وجود گویا ہوا تھا۔

''جی بالکل۔۔ بہت پیار کرتا ہوں میں اپنی بیوی سے۔۔ ایک خراش تک برداشت نہیں کرتا میں اس وجود پر۔۔'' اپنے دائیں بازو کو مقدس کے شانوں پر پھیلاتے ہوئے اسے اپنے سینے سے لگایا تو ایک پراسرار مسکراہٹ آئینے سے دکھائی دی۔ لب کسی گلاب کی پنکھڑی کی مثل معلوم ہوتے تھے، رعنائی بھی کسی ادھ کھلے گلاب کی سی تھی مگر کاٹ کسی تھوڑ کی مثل۔۔

''لیجیے۔۔ ہمارا گھر آ گیا۔ آپ اندر جا کر ہمارا انتظار کریں، ہم ذرا کار پارک کر کے آتے ہیں'' اس نے ایک بار پھر طمانت بھرے لہجے میں کہا تھا۔ ضارف فقط کندھے اچکاتے ہوئے کار سے باہر آ گیا مگر مقدس اس کے لئے تو جیسے آج کی رات بہت بھاری ثابت ہونے والی تھی۔ اس نے اس وجود کی طرف نگاہ دوڑائی تو کسی گہری کھائی کی مانند مسافت محسوس ہوئی۔ آسمان پر چمکتی بجلی اور بادلوں کی گرج بھی اس کے وجود میں کوئی ہلچل پیدا کرنے سے قاصر تھی۔ خوف کا کڑوا گھونٹ پیتے ہوئے اس نے ضارف کا ہاتھ مضبوطی سے تھاما تو پہلی بار اس اجنبی وجود نے اپنی پلکیں اٹھائی تھیں۔ خوف کے سبب وہ ضارف سے جا ٹکرائی۔

''مقدس۔۔ کیا ہوا؟ تم ٹھیک تو ہو؟'' ضارف نے پریشانی والے لہجے میں استفسار کیا مگر وہ کیا کہتی؟ یہ کہ وہ سفید چمکتی آنکھوں سے ڈر گئی۔ خمار سے بھری آنکھیں، جو کسی کو بھی اپنے جال میں پھانسنے کے لئے کافی ہوں۔ ایسی آنکھیں جو ایک بار کسی وجود کو دیکھ لیں تو اس کو نظرِ بد لگنے میں کوئی شبہ نہ رہے۔ ایسی آنکھیں جو خاموش رہ کر بھی بہت کچھ کہہ جاتی ہوں۔ جن کی خاموشی کسی بیری کے درخت کی مانند کانٹے سموئے ہوں۔ وہ ایک لمحے تک اپنی آنکھیں موندے ضارف کا ہاتھ تھامے رہی۔ ضارف دھیمے قدموں کے ساتھ اس گھر میں داخل ہوا تو ایک لمحے کے لئے وہ سب کچھ بھول گیا۔ مقدس کا تھاما گیا ہاتھ بھی خود سے جدا کر لیا۔ مقدس کے لئے یہ دوسرا دھچکا تھا۔ کسی محل کے مثل یہ گھر بھی ماورائی دنیا سے کم نہ تھا۔ رات کے وقت بھی دن کا سماں تھا۔ بظاہر کوئی روشنی کا ماخذ نظر نہیں آ رہا تھا مگر

ایک بالشت کے برابر بھی اندھیرے کا ڈیرہ نہ تھا۔نگاہوں کے سامنے رکھے صوفے کسی بادشاہ کی نشست سے مشابہہ تھے۔سنہری ریشم سے بنے پردے آنکھوں کے سامنے ایسے لہرا رہے تھے جیسے ہوا کے سنگ ابھی اڑ کر کہیں چلے جائیں گے۔سنگ مرمر سے بنا فرش ،آئینے کے مترادف تھا۔نیچے نگاہ کرو تو چھت پر لگے دلکش فانوس نظر آتے ،اوپر دیکھو تو دلفریب ساز سماعت میں رس گھولنے لگتا۔ضارف کی طبیعت تو پہلے ہی پرفسوں چیزوں مرمٹ جانے والی تھی۔پھر بھلا ایسا کیسے ممکن نہ ہوتا، یہ گھر اس پر اپنا رعب و دبدبہ مسلط نہ کرتا۔وہ دھیرے دھیرے آگے بڑھتا گیا۔مقدس نے ہاتھ بڑھا کر روکنا چاہا مگر جانے کیوں اس کی زبان سے ایک لفظ بھی جاری نہ ہوا۔خاموش نگاہیں ماحول کے اثر کو قبول کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

''آپ کو اچھا لگا ہمارا گھر؟'' دونوں دفعتہً پلٹے۔

''اچھا۔۔۔؟؟ بالکل بھی نہیں۔۔۔'' ضارف نے معنی خیز لہجے میں کہا اور پھر ایک لمحہ توقف کے بعد اپنا جملہ مکمل کیا۔

''بلکہ لاجواب۔۔۔'' یہ سنتے ہی اس کے چہرے پر وہی مسکراہٹ ابھری تھی۔اس کی ایک آنکھ ابھی تک زلفوں کی اوٹ میں چھپی تھی۔دلفریب چال کے ساتھ وہ ضارف کی طرف بڑھنے لگی تو مقدس ایک لمحے کے لئے ششدر رہ گئی۔اُس کے لبوں پر ایک مسحور کن مسکراہٹ تھی جس پر سے ضارف اپنی نگاہیں چاہ کر بھی ہٹا نہیں سکتا تھا۔یک ٹک اس کی حسین زلفوں کو دیکھتا جا رہا تھا۔

''عائقہ۔۔'' اس وجود نے اپنا ہاتھ ضارف کی طرف بڑھایا تو وہ جیسے خوابوں کی دنیا سے باہر نکل آیا تھا۔تھوڑا سا جھجکتے ہوئے گردن جھکائی۔

''ہمارا نام ہے عائقہ۔۔'' اپنا تعارف کرواتے ہوئے کہا تو وہ بھی مسکرا دیا اور خوش اسلوبی کے ساتھ اس کا ہاتھ تھاما۔

''میں تو بھول ہی گیا تھا آپ کو اپنا نام بتانا۔۔۔ میرا نام ہے ضارف۔۔اور میری۔۔'' اس سے پہلے کہ وہ مقدس کا نام بتاتا، عائقہ اس کا ہاتھ تھام چکی تھی۔ہاتھوں کے مس ہونے کی دیر تھی کہ ضارف کے گیلے بال یک دم خشک ہو کر ایسے لہرانے لگے جیسے ہواؤں کے سنگ ابھی اڑ کر خوابوں کی وادیوں میں کھو جائیں گے۔لبوں کی جنبش بھی ایک لمحے کے لئے ساکت ہو گئی۔عجیب سا ساز ضارف کی سماعت میں گونجنے لگا۔اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اندھیر وادی میں وہ عائقہ کے ساتھ بالکل تنہا کھڑا ہو۔ایک عجیب سی روشنی دونوں کا احاطہ کئے خوابوں کی پراسرار دنیا کی طرف گامزن کر رہی ہو۔ہواؤں کے سنگ پہلی بار عائقہ کی زلفیں اٹھکیلیاں کرنے لگیں۔دونوں آنکھیں جیسے ہی زلفوں کی اوٹ سے باہر آئیں تو ضارف پر جیسے جادو سا چھا گیا۔آفتاب کی مثل آنکھیں، سفید کمک اپنے اندر سمیٹے ہوئے تھی۔وہ ان جھیل نما آنکھوں میں غوطہ زن تھا۔آس پاس کے ماحول سے بےخبر وہ عائقہ میں کھو چکا تھا۔

''ضارف۔۔۔!!'' مقدس نے دھیرے سے کہا مگر وہ عائقہ کی نگاہوں میں بری طرح مدہوش تھا۔مقدس کی پکار بھی اس کی سماعت تک پہنچنے سے قاصر رہی۔وہ دھیمے قدموں کے ساتھ آگے بڑھی۔اس کا پور پور کانپ رہا تھا۔سانسوں کی روانی بھی پہلے سے تیز ہوگئی۔اس نے دھیرے سے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور عائقہ کو چھونا چاہا۔جیسے ہی اس نے عائقہ کے شانوں کو پیچھے سے چھوا تو وہ پلک جھپکتے ہی پلٹی۔اس کے پلٹنے کی دیر تھی کہ مارے خوف کے وہ پیچھے اچھل پڑی۔عائقہ کی آنکھیں جانے کیسی وحشت سمیٹے ہوئے تھیں؟ چمکتی آنکھیں کسی نظرِ بد کا شبہ دے رہی تھیں۔نظروں کا حصار ختم ہونے پر ضارف نے بھی حقیقت کا سفر طے کیا اور مقدس کے یوں چونکنے پر اس کے پاس آیا۔

''مقدس۔۔تم ٹھیک تو ہو؟ کیا ہوا؟ تم ایسے کیوں چونکی؟'' وہ اس کو اپنی محبت کی چھاؤں میں سمیٹے پوچھ رہا تھا۔عائقہ کی آنکھیں ابھی تک وہ عجیب سی چمک سمیٹے ہوئے تھیں۔

''وہ۔۔'' مقدس نے نہ چاہتے ہوئے بھی عائقہ

کی آنکھوں کی طرف اشارہ کیا مگر اپنی آنکھوں کو بند کئے رکھا وہ دوبارہ اس کی آنکھوں کی وحشت برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

''وہ کیا؟۔۔کچھ بھی تو نہیں ہے وہاں۔۔'' ضارف نے پلٹ کر دیکھا تو اسے کچھ بھی عجیب نظر نہ آیا۔وہ مسلسل مقدس کو سہلاتے ہوئے اس کا حوصلہ بڑھاتا رہا۔مقدس نے بھی ضارف کے کہنے پر اپنی آنکھیں کھولیں تو اسے دوبارہ دھچکا لگا۔اس کی آنکھیں اب معمول کے مطابق تھیں۔کوئی چمک وہاں موجود نہ تھی۔ایک پل کے لئے سانس لینا بھی دشوار سا ہو گیا تھا۔

''لگتا ہے آپ کی بیوی پر موسم کی وحشت کا اثر ہو گیا ہے۔آپ دونوں کمرے میں جا کر آرام کریں۔ہم کھانے کا بندوبست کر کے آتے ہیں۔'' اس نے طمانت بھرے لہجے میں کہا اور دائیں طرف کو چل دی۔بظاہر وہاں کوئی دروازہ نظر نہیں آ رہا تھا مگر اس کے قدم اسی طرف اٹھ رہے تھے۔

''لیکن کمرہ؟'' ضارف نے اچنبھے لہجے میں پوچھا۔

''جس کمرے میں دل چاہے، آرام فرمائیں۔۔'' اس نے بنا پلٹے جواب دیا تھا۔ضارف نے اپنی نگاہیں عائقہ سے ہٹا کر مقدس پر جمائیں تو وہ کچھ لمحوں کے لئے عائقہ سے بےگانہ ہو گیا۔تبھی اس کے قدم کچھ دیر کے لئے ٹھہرے اور پیچھے پلٹ کر دیکھا تو ضارف مقدس کو بازوؤں سے پکڑے بائیں طرف کے زینے کی طرف بڑھ رہا تھا۔شاید وہ بالائی منزل کے کمرے کی طرف جا رہے تھے۔انہیں زینہ چڑھتے دیکھ کر عائقہ کے لبوں پر معنی خیز مسکراہٹ ابھری اور آنکھوں میں ایک بار پھر وہی چمک غالب آ گئی جس کو دیکھ کر مقدس بری طرح ڈری تھی۔

موسم پہلے سے زیادہ خراب ہو چکا تھا اور بارش میں بھیگنے کی وجہ سے ضارف کے کپڑے بھی بھیگ چکے تھے۔مقدس کے کہنے پر وہ نہانے گیا تاکہ اس دوران وہ اس کے کپڑوں کو خشک کر دے مگر جب کافی آوازیں دینے کے بعد بھی کمرے سے کوئی جواب نہ آیا تو ضارف تولیہ لپیٹے کمرے میں آیا۔وہاں کوئی نہ تھا۔شاید مقدس ابھی کپڑے خشک کر کے لوٹی نہ تھی۔ضارف نے ایک گہری نگاہ کمرے کے در و دیوار پر ڈالی تو ان کا نقش و نگار جیسے اس کی آنکھوں میں اترنے سا لگا تھا۔سیاہ رنگ پر عجیب و غریب ڈیزائن اسے متحرک سے محسوس ہوئے۔باہر کا طوفان اگرچہ تباہی ڈھا رہا تھا مگر کھڑکی کھلی ہونے کے باوجود کمرے میں موجود ہر شے ساکت تھی۔کوئی جنبش بظاہر محسوس نہیں ہو رہی تھی۔تبھی اسے اپنے پیچھے قدموں کی چاپ سنائی دی۔

''مقدس کتنی دیر لگا دی تم نے۔۔'' وہ یہ کہتے ہی دفعتہً پلٹا تو عائقہ سے جا ٹکرایا۔وہاں عائقہ تھی۔جسے وہاں دیکھ کر وہ بری طرح چونکا تھا۔اس کے برہنہ سینے پر پانی کی بوندیں کسی موتی کی طرح چمک رہی تھیں۔اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا عائقہ کی نگاہوں نے اس کو خاموش کروا دیا تھا۔ایک لفظ بھی وہ نہ بول سکا بس یک ٹک عائقہ کی نگاہوں میں اترتا چلا گیا۔سینے پر موجود پانی کی ہر بوند روشنی کو منعکس کرنے کی بجائے عائقہ کا عکس دیکھا رہی تھی۔ہر طرف سحر کا عالم تھا۔آنکھیں آنکھوں میں اترتی چلی گئیں۔وہ اس وقت اپنی حالت کو بھی یکسر فراموش کر چکا تھا۔دونوں ہاتھ خود بخود سینے سے دور ہوتے چلے گئے۔آنکھوں کی خماری نے اس کی سوجھ بوجھ کی صلاحیت کو بھی ختم کر دیا تھا۔عائقہ بھی بنا پلک جھپکائے اس کو اپنے نشے کا عادی بنا رہی تھی۔دھیرے سے اپنے ہاتھ اس نے ضارف کی طرف بڑھانا چاہے تھے کہ تبھی دروازہ کھلا اور مقدس وہاں آموجود ہوئی۔اس کے آنے کی دیر تھی کہ سحر کا اثر زائل ہوتا دکھائی دیا۔ضارف خوابوں کی دنیا سے حقیقت میں قدم رکھنے لگا۔مقدس کی ابھی عائقہ کے ہاتھوں کی طرف نگاہ نہیں گئی تھی۔

''کتنی دیر لگا دی۔۔'' ضارف عائقہ کے وجود کو فراموش کرتے ہوئے مقدس کی طرف بڑھا اور فوراً شرٹ پہن کر اپنے برہنہ سینے کو ڈھانپا۔

''وہ ڈرائے کلینرز مل ہی نہیں رہا تھا کہیں۔۔اسی

ایک بالشت کے برابر بھی اندھیرے کا ڈیرہ نہ تھا۔نگاہوں کے سامنے رکھے صوفے کسی بادشاہ کی نشست سے مشابہہ تھے۔سنہری ریشم سے بنے پردے آنکھوں کے سامنے ایسے لہرا رہے تھے جیسے ہوا کے سنگ ابھی اڑ کر کہیں چلے جائیں گے۔سنگ مرمر سے بنا فرش ،آئینے کے مترادف تھا۔نیچے نگاہ کرو تو چھت پر لگے دلکش فانوس نظر آتے ،اوپر دیکھو تو دلفریب ساز سماعت میں رس گھولنے لگتا۔ضارف کی طبیعت تو پہلے ہی پرفسوں چیزوں مرمٹ جانے والی تھی۔پھر بھلا ایسا کیسے ممکن نہ ہوتا، یہ گھر اس پر اپنا رعب و دبدبہ مسلط نہ کرتا۔وہ دھیرے دھیرے آگے بڑھتا گیا۔مقدس نے ہاتھ بڑھا کر روکنا چاہا مگر جانے کیوں اس کی زبان سے ایک لفظ بھی جاری نہ ہوا۔خاموش نگاہیں ماحول کے اثر کو قبول کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

''آپ کو اچھا لگا ہمارا گھر؟'' دونوں دفعتہً پلٹے۔

''اچھا۔۔۔؟؟ بالکل بھی نہیں۔۔۔'' ضارف نے معنی خیز لہجے میں کہا اور پھر ایک لمحہ توقف کے بعد اپنا جملہ مکمل کیا۔

''بلکہ لاجواب۔۔۔'' یہ سنتے ہی اس کے چہرے پر وہی مسکراہٹ ابھری تھی۔اس کی ایک آنکھ ابھی تک زلفوں کی اوٹ میں چھپی تھی۔دلفریب چال کے ساتھ وہ ضارف کی طرف بڑھنے لگی تو مقدس ایک لمحے کے لئے ششدر رہ گئی۔اُس کے لبوں پر ایک مسحور کن مسکراہٹ تھی جس پر سے ضارف اپنی نگاہیں چاہ کر بھی ہٹا نہیں سکتا تھا۔یک ٹک اس کی حسین زلفوں کو دیکھتا جا رہا تھا۔

''عائقہ۔۔'' اس وجود نے اپنا ہاتھ ضارف کی طرف بڑھایا تو وہ جیسے خوابوں کی دنیا سے باہر نکل آیا تھا۔تھوڑا سا جھجکتے ہوئے گردن جھکائی۔

''ہمارا نام ہے عائقہ۔۔'' اپنا تعارف کرواتے ہوئے کہا تو وہ بھی مسکرا دیا اور خوش اسلوبی کے ساتھ اس کا ہاتھ تھاما۔

''میں تو بھول ہی گیا تھا آپ کو اپنا نام بتانا۔۔۔ میرا نام ہے ضارف۔۔اور میری۔۔'' اس سے پہلے کہ وہ مقدس کا نام بتاتا، عائقہ اس کا ہاتھ تھام چکی تھی۔ہاتھوں کے مس ہونے کی دیر تھی کہ ضارف کے گیلے بال یک دم خشک ہو کر ایسے لہرانے لگے جیسے ہواؤں کے سنگ ابھی اڑ کر خوابوں کی وادیوں میں کھو جائیں گے۔لبوں کی جنبش بھی ایک لمحے کے لئے ساکت ہو گئی۔عجیب سا ساز ضارف کی سماعت میں گونجنے لگا۔اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اندھیر وادی میں وہ عائقہ کے ساتھ بالکل تنہا کھڑا ہو۔ایک عجیب سی روشنی دونوں کا احاطہ کئے خوابوں کی پراسرار دنیا کی طرف گامزن کر رہی ہو۔ہواؤں کے سنگ پہلی بار عائقہ کی زلفیں اٹھکیلیاں کرنے لگیں۔دونوں آنکھیں جیسے ہی زلفوں کی اوٹ سے باہر آئیں تو ضارف پر جیسے جادو سا چھا گیا۔آفتاب کی مثل آنکھیں، سفید کمک اپنے اندر سمیٹے ہوئے تھی۔وہ ان جھیل نما آنکھوں میں غوطہ زن تھا۔آس پاس کے ماحول سے بے خبر وہ عائقہ میں کھو چکا تھا۔

''ضارف۔۔۔!!'' مقدس نے دھیرے سے کہا مگر وہ عائقہ کی نگاہوں میں بری طرح مدہوش تھا۔مقدس کی پکار بھی اس کی سماعت تک پہنچنے سے قاصر رہی۔وہ دھیمے قدموں کے ساتھ آگے بڑھی۔اس کا پور پور کانپ رہا تھا۔سانسوں کی روانی بھی پہلے سے تیز ہو گئی۔اس نے دھیرے سے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور عائقہ کو چھونا چاہا۔جیسے ہی اس نے عائقہ کے شانوں کو پیچھے سے چھوا تو وہ پلک جھپکتے ہی پلٹی۔اس کے پلٹنے کی دیر تھی کہ مارے خوف کے وہ پیچھے اچھل پڑی۔عائقہ کی آنکھیں جانے کیسی وحشت سمیٹے ہوئے تھیں؟ چمکتی آنکھیں کسی نظرِ بد کا شبہ دے رہی تھیں۔نظروں کا حصار ختم ہونے پر ضارف نے بھی حقیقت کا سفر طے کیا اور مقدس کے یوں چونکنے پر اس کے پاس آیا۔

''مقدس۔۔تم ٹھیک تو ہو؟ کیا ہوا؟ تم ایسے کیوں چونکی؟'' وہ اس کو اپنی محبت کی چھاؤں میں سمیٹے پوچھ رہا تھا۔عائقہ کی آنکھیں ابھی تک وہ عجیب سی چمک سمیٹے ہوئے تھیں۔

''وہ۔۔'' مقدس نے نہ چاہتے ہوئے بھی عائقہ

نکھوں کی طرف اشارہ کیا مگر اپنی آنکھوں کو بند کئے وہ دوبارہ اس کی آنکھوں کی وحشت برداشت نہیں کر تھی۔

''وہ کیا؟۔۔کچھ بھی تو نہیں ہے وہاں۔۔'' ضارف پلٹ کر دیکھا تو اسے کچھ بھی عجیب نظر نہ آیا۔وہ مسلسل س کو سہلاتے ہوئے اس کا حوصلہ بڑھاتا رہا۔مقدس بھی ضارف کے کہنے پر اپنی آنکھیں کھولیں تو اسے رہ دھیکا لگا۔اس کی آنکھیں اب معمول کے مطابق ں۔کوئی چمک وہاں موجود نہ تھی۔ایک پل کے لئے س لینا بھی دشوار سا ہو گیا تھا۔

''لگتا ہے آپ کی بیوی پر موسم کی وحشت کا اثر لیا ہے۔آپ دونوں کمرے میں جا کر آرام کریں۔ کھانے کا بندوبست کر کے آتے ہیں۔'' اس نے انت بھرے لہجے میں کہا اور دائیں طرف کو چل دی۔ اہر وہاں کوئی دروازہ نظر نہیں آ رہا تھا مگر اس کے قدم طرف اٹھ رہے تھے۔

''لیکن کمرہ؟'' ضارف نے اچنبھے لہجے میں پوچھا۔

''جس کمرے میں دل چاہے، آرام مالیں۔۔'' اس نے بنا پلٹے جواب دیا تھا۔ضارف نے اپنی نگاہیں عائقہ سے ہٹا کر مقدس پر جمائیں تو وہ کچھ لمحوں کے لئے عائقہ سے بے گانہ ہو گیا۔تبھی اس کے قدم کچھ دیر کے لئے ٹھہرے اور پیچھے پلٹ کر دیکھا تو ضارف مقدس کو بازوؤں سے پکڑے بائیں طرف کے یے کی طرف بڑھ رہا تھا۔شاید وہ بالائی منزل کے کمرے کی طرف جا رہے تھے۔انہیں زینہ چڑھتے دیکھ کر عائقہ کے لبوں پر معنی خیز مسکراہٹ ابھری اور آنکھوں میں ایک بار پھر وہی چمک غالب آ گئی جس کو یکھ کر مقدس بری طرح ڈری تھی۔

موسم پہلے سے زیادہ خراب ہو چکا تھا اور بارش میں بھیگنے کی وجہ سے ضارف کے کپڑے بھی بھیگ چکے تھے۔مقدس کے کہنے پر وہ نہانے گیا تا کہ اس دوران وہ اس کے کپڑوں کو خشک کر دے مگر جب کافی آوازیں دینے کے بعد بھی کمرے سے کوئی جواب نہ آیا تو ضارف تولیہ لپیٹے کمرے میں آیا۔وہاں کوئی نہ تھا۔شاید مقدس ابھی کپڑے خشک کر کے لوٹی نہ تھی۔ضارف نے ایک گہری نگاہ کمرے کے در و دیوار پر ڈالی تو ان کا نقش و نگار جیسے اس کی آنکھوں میں اترنے سا لگا تھا۔سیاہ رنگ پر عجیب و غریب ڈیزائن اسے متحرک سے محسوس ہوئے۔باہر کا طوفان اگرچہ تباہی ڈھا رہا تھا مگر کھڑکی کھلی ہونے کے باوجود کمرے میں موجود ہر شے ساکت تھی۔کوئی جنبش بظاہر محسوس نہیں ہو رہی تھی۔تبھی اسے اپنے پیچھے قدموں کی چاپ سنائی دی۔

''مقدس کتنی دیر لگا دی تم نے۔۔'' وہ یہ کہتے ہی دفعتہً پلٹا تو عائقہ سے جا ٹکرایا۔وہاں عائقہ تھی۔جسے وہاں دیکھ کر وہ بری طرح چونکا تھا۔اس کے برہنہ سینے پر پانی کی بوندیں کسی موتی کی طرح چمک رہی تھیں۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا عائقہ کی نگاہوں نے اس کو خاموش کروا دیا تھا۔ایک لفظ بھی وہ نہ بول سکا بس یک ٹک عائقہ کی نگاہوں میں اترتا چلا گیا۔سینے پر موجود پانی کی ہر بوند روشنی کو منعکس کرنے کی بجائے عائقہ کا عکس دیکھا رہی تھی۔ہر طرف سحر کا عالم تھا۔آنکھیں آنکھوں میں اترتی چلی گئیں۔وہ اس وقت اپنی حالت کو بھی یکسر فراموش کر چکا تھا۔دونوں ہاتھ خود بخود سینے سے دور ہوتے چلے گئے۔آنکھوں کی خماری نے اس کی سوجھ بوجھ کی صلاحیت کو بھی ختم کر دیا تھا۔عائقہ بھی بنا پلک جھپکائے اس کو اپنے نشے کا عادی بنا رہی تھی۔ دھیرے سے اپنے ہاتھ اس نے ضارف کی طرف بڑھانا چاہے تھے کہ تبھی دروازہ کھلا اور مقدس وہاں آموجود ہوئی۔اس کے آنے کی دیر تھی کہ سحر کا اثر زائل ہوتا دکھائی دیا۔ضارف خوابوں کی دنیا سے حقیقت میں قدم رکھنے لگا۔مقدس کی ابھی عائقہ کے ہاتھوں کی طرف نگاہ نہیں گئی تھی۔

''کتنی دیر لگا دی۔۔'' ضارف عائقہ کے وجود کو فراموش کرتے ہوئے مقدس کی طرف بڑھا اور فوراً شرٹ پہن کر اپنے برہنہ سینے کو ڈھانپا۔

''وہ ڈرائے کلینر مل ہی نہیں رہا تھا کہیں۔۔اسی

لئے نیچے جانا پڑا۔۔'' تبھی اس کی نگاہ عائقہ کی طرف گئی۔ جسے وہاں دیکھ کر وہ بری طرح چونکی

'' آپ یہاں۔۔۔ آپ تو ابھی نیچے تھیں ناں۔۔'' اس کے الفاظ میں عجیب سی جنبش تھی۔ وہ غیر یقینی لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

''ہم نیچے تھے مگر آپ کو ڈرائے کلینز دے کر ہم یہاں اس لئے چلے آئے تاکہ ضارف کو کھانے کا کہہ دیں۔ کھانا تیار ہے آکر کھالیں۔'' اس نے ایک بار پھر ضارف پر گہری نگاہ ڈالتے ہوئے کہا تھا۔

''سوری عائقہ جی۔۔ وہ۔۔ میں۔۔۔'' ضارف نگاہیں جھکائے معافی مانگ رہا تھا، شاید اسے اب احساس ہوا تھا کہ وہ ایک وقت تک بنا شرٹ کے عائقہ کے سامنے کھڑا رہا

'' معذرت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں آپ کو۔۔ آپ ہر روپ میں اچھے لگتے ہیں۔۔'' اس نے نشیلی مسکراہٹ کو لبوں پر بکھیرا جو مقدس کے لئے کسی زہر کی کاٹ سے کم نہ تھی۔

''آپ چلیں ہم آتے ہیں۔'' زبردستی مسکراتے ہوئے مقدس نے کہا تھا، جس پر وہ وہاں سے چلی گئی جبکہ اس کا احساس ایک وقت تک دونوں کے درمیان موجود رہا تھا۔

کھانا کھانے کے بعد وہ واپس کمرے میں آچکے تھے۔ باہر کا موسم ابھی تک خراب تھا۔ آنکھوں کی بینائی کو اچک لے جانے کو تیار بجلی کی کمند دل دہلا دینے کی حد تک خوفناک تھی۔ بادلوں کی گرج تو جیسے ساعت کی دشمن بننے پر تلی ہوئی تھی۔ کمرے میں آنے کے بعد سب سے پہلے مقدس نے کھڑکی کے پٹوں کو بند کیا اور آگے پردے لہرا دیے تاکہ باہر کا خوفناک منظر آنکھوں سے اوجھل رہے۔ ضارف بھی بیڈ کے سامنے رکھے صوفے پر بیٹھ کر جرابیں اتار رہا تھا۔

''میں تو سوچ رہی تھی کہ ایک دو گھنٹے میں موسم خود بخود ٹھیک ہوجائے گا لیکن اب تو ایسا لگتا ہے ساری رات ابرِ کرم یونہی قہر ڈھاتا رہے گا۔'' مقدس کے لہجے میں یاسیت کا عنصر شامل تھا

'' اب قدرت کے آگے ہم کر بھی کیا سکتے ہیں؟ اب ساری رات آنکھوں میں کاٹنے سے بہتر ہے کچھ دیر آرام ہی کرلیا جائے۔ ویسے بھی میں بہت زیادہ تھک چکا ہوں۔ جانے عائقہ جی نے کھانے میں کیا ملایا تھا کھاتے ہی نیند آنا شروع ہوگئی'' اس نے جمائی لیتے ہوئے کہا اور پھر صوفے سے اٹھنے کی بجائے وہیں دراز ہوگیا اور اپنا سر صوفے کی بیک پر ٹکا کر آنکھیں بند کرلیں۔ ضارف کے اس جملے پر مقدس کو ذرا سا جھٹکا لگا۔ استفہامیہ نگاہوں سے ضارف کی طرف دیکھنے کے بعد وہ آگے بڑھی اور اس کے بالکل قریب آکر گویا ہوئی۔

'' آپ نے اپنے اوپر دم کیا؟'' مقدس کے غیر متوقع سوال پر اس نے چونکتے ہوئے آنکھیں کھولی اور ذرا سا آگے جھکتے ہوئے اپنے بازو اپنی رانوں پر جمالیے۔

''دم۔۔۔ اب یہاں بھی۔۔۔'' لہجے میں انتہا کی بیزاریت تھی۔

''اس کا مطلب آپ نے ابھی تک اپنے اوپر دم نہیں کیا چلیں اٹھیں۔۔ اور سب سے پہلے آیت الکرسی پڑھ کر اپنے اوپر دم کریں۔۔'' بازو سے پکڑ کر ضارف کو اٹھانے کی ناکام کوشش کی مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔

''فار گاڈ سیک مقدس۔۔۔ صبح تو دم کیا تھا۔۔ اور یہ کیا تم امی کی طرح ہر وقت دم کرنے کی نصیحت کرتی رہتی ہو؟'' اس نے گردن جھٹکتے ہوئے پہلے سے زیادہ تھکے ہوئے لہجے میں کہا تھا۔ آنکھوں میں غنودگی بڑھتی جارہی تھی۔

''تو پھر۔۔ دوبارہ دم کرنے سے آپ کو گناہ نہیں مل جائے گا اور اس میں کتنا وقت لگتا ہے فقط دو منٹ؟ کیا آپ دو منٹ نکال کر ایک بار آیت الکرسی پڑھ کر اپنے اوپر دم بھی نہیں کرسکتے؟'' لہجہ قدرے سخت ہوچکا تھا۔

''کیا ہوگا اس سے؟''

''کیا ہوگا سے کیا مطلب ہے آپ کا؟ اللہ پاک نظرِ بد سے محفوظ رکھتا ہے اور امی جان ہمیشہ سے کہتی ہیں آپ کو بہت جلد دوسروں کی نظر لگ جاتی ہے اور پھر عائقہ کا یوں آپ کو بغور دیکھنا۔۔ مجھے ایک آنکھ نہیں

بھایا'' آخری جملے پر اس نے نظریں جھکالیں جیسے کسی شک کو اپنے دل میں چھپا رہی ہو۔

''اوہ۔۔ تو یہ بات ہے۔۔۔ تمہیں ڈر ہے کہ کہیں عائقہ کی نظر نہ لگ جائے مجھے۔۔'' شوخ لہجہ برجستہ گویا ہوا۔ دھیرے سے اٹھ کر اپنے محبت بھرے ہاتھوں کو مقدس کے شانوں پر رکھنا چاہے مگر اس نے جھٹک دیئے۔

''آپ کو جو سمجھنا ہے سمجھیں لیکن سب سے پہلے آیت الکرسی پڑھ کر دم کریں۔۔'' اس بار وہ مزاحمت نہ کرسکا اور مقدس کا کہا ماننا پڑا۔

''انسان کو اپنی حفاظت کے لئے خود ہی حصار باندھنا پڑتا ہے ورنہ لوگوں کی نظرِ بد انسان کو سانس لینے کے قابل بھی نہ چھوڑے'' اس نے کچھ سوچتے ہوئے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔

'' اب خوش۔۔'' پیار سے مقدس کے رخسار کو تھپتھپایا تو بجلی کی ایک کمند نے کمرے کی راہ لی۔ دونوں بری طرح چونکے تھے مگر اگلے ہی لمحے ماحول پہلے جیسا ہوگیا۔ اب دونوں بیڈ کی طرف بڑھے تو ضارف لیٹتے ہی دائیں بازو کو آنکھوں پر رکھ کر ستانے لگا۔ وہ بہت تھک چکا تھا۔ مقدس نے بھی اس کے آرام میں مخل ہونے سے اجتناب کیا اور لیمپ کو بجھا کر معوذتین پڑھ کر ضارف کی نظر اتاری اور پھر دائیں طرف کروٹ لے کر لیٹ گئی۔

بدلتے موسم سے بے خبر مقدس اور ضارف نیند کی انجان وادیوں میں کھوئے ہوئے تھے۔ بادلوں کی گرج، بجلی کی چمک اور ہواؤں کے قہر سے تو جیسے انہیں کوئی واسطہ ہی نہ تھا۔ شاہِ بلوط جیسے دیوہیکل درخت بھی موسم کی سختی کو برداشت کرنے سے قاصر تھے۔ یہ طوفانی رات دیکھنے والوں کیلئے کسی عذاب سے کم نہ تھی۔ ایسے میں ایک ہیولہ سست روی کے ساتھ اس گھر کی راہ داری میں چلتا ہوا سیدھا اسی کمرے کی طرف بڑھ رہا تھا جہاں مقدس اور ضارف ٹھہرے تھے۔

گھٹا ٹوپ اندھیرے میں اگرچہ چہرہ واضح نہ تھا مگر کمر تک بڑھتی زلفیں کسی عورت کے ہونے کی نشاندہی کررہی تھیں۔ اس ہیولے کے اٹھتے ہر قدم کے ساتھ ہی مشعلیں بھڑکتیں اور پھر آگے بڑھ جانے پر خود بخود گل ہوجاتیں۔ دروازے سے دو قدم کے فاصلے پر وہ وجود کچھ دیر کو ٹھہرا اور پھر بنا ہاتھ بڑھائے اپنا قدم اٹھایا۔ نظروں کا قہر اس دروازے پر ایسا ڈھایا گیا کہ وہ بنا آواز کے خود بخود کھلتا چلا گیا۔ کمرے میں خود بخود روشنی چھا گئی۔ وہ وجود اندر داخل ہوا اور سامنے بیڈ کی طرف بڑھنے لگا۔ ضارف دائیں طرف کروٹ لئے سینے تک لحاف اوڑھے سویا ہوا تھا جبکہ مقدس بائیں جانب سیدھی کروٹ لئے لیٹی تھی۔ وہ وجود اب ضارف کی طرف بڑھنے لگا۔ دو قدم کے فاصلے پر اس وجود نے ایک گہری نگاہ ضارف پر ڈالی جو اس سب ماجرہ سے بے خبر تھا۔

ایک زہریلی مسکراہٹ۔۔۔ جو دیکھنے والوں کو اپنی آنکھیں موندنے پر مجبور کردے۔ کے ساتھ وہ ضارف کی جانب اپنا ہاتھ بڑھا رہی تھی۔ بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں وحشت کے ساتھ ایک عجیب سا احساس چھلک رہا تھا۔ اس کا ہاتھ جیسے ہی آگے بڑھا تو اس کی جلی جلد روشنی میں واضح دیکھائی دینے لگی۔ پورا بازو آگ میں بری طرح جھلسا ہوا تھا۔ جگہ جگہ آبلے بنے ہوئے تھے۔ ناخن بھی خوفناک حد تک بڑھے ہوئے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کا پورا وجود تبدیل ہونا شروع ہوگیا۔ سانسوں کی جگہ سیاہ دھواں نتھنوں سے نکلتا اور ضارف کی اور بڑھتا۔ دھویں کے بادلوں میں ضارف کے لئے سانس لینا بھی محال ہوگیا۔ وہ کھنکارتا ہوا سیدھا ہوا مگر جانے کون سا فسوں تھا جو اسے خوابوں سے حقیقت میں آنے سے روکے ہوئے تھے۔ عجیب سی بے چینی اس کی موندی ہوئی آنکھوں سے واضح ہورہی تھی۔ بوجھل طبیعت اس کی پیشانی پر ابھرنے والی شکن سے بھانپی جاسکتی تھی۔ اپنا ہاتھ سینے پر پھیرتے ہوئے گھبراہٹ کو آشکار کررہا تھا مگر نیند کا تسلسل تھا کہ ٹوٹنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔

ادھر یہ خوفناک وجود ضارف کے جسم کے عین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

اوپر جھکتا چلا جارہا تھا۔ جیسے ہی اس کا جلا کٹا ہاتھ ضارف کے چہرے کو چھونے کیلئے آگے بڑھا تو ایک زوروں کی بجلی چمکی اور اس وجود کو پیچھے کی اور دھکیل دیا۔ اس کے ہاتھ میں آگ کے شعلے بھڑک اٹھے۔ درد سے بھری چیخیں پورے کمرے میں گونجنے لگیں سماعت شکن چیخوں کو سن کر بھی مقدس اور ضارف نیند سے بیدار نہ ہوئے۔ آنکھیں آگ سے زیادہ سرخ اور کسی جلتی ہوئی بھٹی سے زیادہ دہکنے لگیں دھویں کے بادل اس کی سانسوں سے نکل کر ضارف کے گرد منڈلانے لگے مگر اسے اپنے شکنجے میں لینے میں ناکام رہے۔

''ضارف۔۔۔!!'' وہ چیخی تھی مگر سننے والا کوئی نہ تھا۔ تبھی اس کی نگاہ مقدس پر گئی اور گزرے لمحے کسی فلم کی ریل کی طرح اس پر آشکار ہوتے چلے گئے۔ وہ منظر جب مقدس نے معوذتین پڑھ کر اس پر دم کیا تھا، اس کے سامنے تھا۔ آنکھوں میں نفرت کے شعلے بھڑکنے لگے۔

''ضارف کو ہم سے کوئی نہیں چھین سکتا۔۔۔ کوئی بھی نہیں۔۔۔'' وہ کچا چبا جانے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے اب مقدس کی اور بڑھنے لگی تھی مگر ایک بار پھر اسے ناکامی ہوئی۔ یہاں بھی چھونے پر اس کے ہاتھوں میں آگ بھڑک اٹھی۔ پورا کمرہ اس کی کربناک چیخوں سے لرز اٹھا مگر ستم ضارف اور مقدس ان سب سے ناآشنا رہے۔ اس کا پورا وجود جو کہ اب سیاہی میں ڈھل چکا تھا۔ وہ حسن جو کچھ دیر پہلے تک اس کے چہرے سے چھلک رہا تھا اب کسی زمانے کی ستم ظریفی کی عکاسی کررہا تھا۔ حقارت آمیز نگاہوں سے اس نے مقدس کی جانب دیکھا جہاں ایک غائبانہ حصار تھا۔

رات کا خوفناک منظر روشن دن میں تبدیل ہو چکا تھا۔ سورج کی کرنیں کھڑکی کے پردوں سے چھن چھن کر کمرے میں داخل ہورہی تھیں۔ تازہ ہوا کے جھونکے اور رات بھر اپنا قہر برسانی طوفانی بارش کی خوشبو کمرے میں عجب فضا مرتب کررہی تھی۔ اپنے بائیں بازو کو آنکھوں پر رکھے وہ بے خبر سو رہا تھا۔ مقدس کا سر اس کے سینے پر تھا۔ جسے وہ اپنے دوسرے ہاتھ سے اپنی بانہوں میں سمیٹے ہوئے تھا۔

''ضارف۔۔۔!! ایک مدھم سی آواز سماعت میں گونجی تو جسم میں ارتعاش ہوا۔ کہنی کو آنکھوں کے آگے سے ہٹایا تو مقدس کی بھی آنکھ کھل گئی۔ دونوں آنکھوں کو وا کرتے ہوئے ذرا سیدھے ہوئے تو سامنے عائقہ کو کھڑا پایا۔ سیاہ ساڑھی میں ملبوس وہ حسین وجمیل وجود تھا۔ زلفوں کی سیاہی ابھی تک ایک آنکھ کے آگے چھائی ہوئی تھی۔

''عائقہ۔۔۔!!'' عائقہ کو یوں اچانک اپنے کمرے میں دیکھ کر دونوں جھجکے۔ مقدس نے اپنا سر ضارف کے سینے سے ہٹایا اور اپنے بال سمیٹتے ہوئے ذرا پیچھے ہٹی۔ ضارف بھی نگاہیں چراتا ہوا ادھر ادھر دیکھنے لگا

''معاف کیجیے، ہم بنا اجازت کے کمرے میں داخل ہوگئے۔ وہ دراصل ہم نے دروازہ کھلا دیکھا تو سمجھے شاید آپ اٹھ چکے ہوں۔ بس اسی لئے چلے آئے۔'' اس نے اپنا معاملہ صاف کیا تو مقدس مجبوراً مسکراتے ہوئے اٹھی

''نہیں۔۔۔ ایسی بات نہیں ہے، وہ دراصل ہم اتنی دیر تک سوتے نہیں ہیں ناں۔۔۔ ارے سورج نکل آیا۔'' اس نے باہر کی جانب دیکھا تو یاسیت اس کے چہرے پر چھا گئی

''آج تو فجر کی نماز بھی قضا ہوگئی۔۔۔'' اس نے بجھے ہوئے لہجے میں کہا تھا۔ نماز کے قضا ہونے کا غم اس کے چہرے سے جھلک رہا تھا۔

''آپ منہ ہاتھ دھولیں، ہم نے ناشتہ تیار کردیا ہے۔'' وہ اپنی نگاہیں ضارف پر جمائے ہوئے تھی۔ مقدس نے اس بات کو نوٹ کیا تبھی آگے بڑھ کر ضارف اور عائقہ کے درمیان ہوگئی۔

''اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کا تو پہلے ہی ہم پر احسان ہے کہ طوفانی رات میں آپ نے اپنے گھر میں جگہ دی ورنہ کون آج کل کسی اجنبی کو اپنے گھر میں ٹھہراتا ہے؟'' تشکر آمیز لہجہ کہہ رہا تھا۔

''ضارف ہمارے لئے اجنبی نہیں ہیں۔۔۔''

اس نے مقدس کے وجود کو نظر انداز کیا اور آگے بڑھ کر صوفے سے تولیہ اٹھا کر بیڈ کی جانب بڑھی۔ مقدس کی نگاہیں ٹھٹک کر رہ گئیں۔ ضارف جو پہلے نظریں چرا رہا تھا۔ عائقہ کو اپنی جانب بڑھتا دیکھ کر اس پر نظریں جمالیں۔ ایک عجیب ساسحر تھا جو آنکھوں کے راستے دل میں اترتا جارہا تھا۔

''شکریہ۔۔۔!! ہم آتے ہیں'' مقدس جھٹ آگے بڑھی اور تولیہ لے کر بناوٹی انداز اپنایا تھا۔ تیکھی نگاہیں مقدس کھلسانے کے لئے اٹھی ہی تھیں کہ ضارف کے الفاظ نے ان کو ٹھنڈا کردیا۔

''جی بالکل۔۔۔ مقدس ٹھیک کہہ رہی ہے۔ اب ہمیں چلنا چاہیے۔'' لحاف کو ایک جانب پھینکا اور اٹھتے ہوئے کہا۔

''اتنی جلدی بھی کیا ہے ضارف؟ بس ایک رات کی مہمان نوازی کا شرف بخشا تھا ہمیں؟'' اس نے ذومعنی لہجے میں کہا تھا جو قدرے مطمئن اور ٹھہرا ہوا انداز تھا۔

''نہیں۔۔۔ ایسی بات نہیں ہے۔ اب جب جان پہنچان ہو ہی گئی تو ملتے ملاتے رہیں گے'' اس نے ہمیشہ کی طرح بے تکلف لہجے میں کہا جو اگرچہ مقدس پر ناگوار گزرا تھا۔ اس نے عائقہ کی آنکھوں کی طرف دیکھا تو ایک پراسرار کمک نکلتی دیکھائی دی جو سیدھی ضارف کی آنکھوں تک کا فاصلہ طے کررہی تھی۔ اوپر کی سانسیں اوپر اور نیچے کی نیچے رہ گئیں۔ رات سے کھٹکتا وہم اسے اب حقیقت میں بدلتا دیکھائی دے رہا تھا۔ ضارف کو اس کمک سے بچانے کے لئے اس نے آگے بڑھنا چاہا مگر پاؤں تھے کہ زمین میں ہی گڑ چکے تھے۔ اپنے آپ کو وہ بے بس ولاچار محسوس کررہی تھی تب دل ہی دل میں اس نے آیت الکرسی کا ورد شروع کردیا۔ کچھ ہی لمحوں میں وہ کمک بے اثر ہوتی چلی گئی۔ عائقہ کی خوفناک نگاہوں نے پلٹ کر دیکھا تو مقدس کے لبوں کو متحرک پایا۔ جبڑوں کو بھینچتے ہوئے وہ اب مقدس کی طرف بڑھنے لگی تھی۔ دھیمی چال لمحہ لمحہ وحشت کا سماں پیدا کررہی تھی۔ جوں جوں دونوں کا فاصلہ کم ہوتا، مقدس کی سانسیں الجھتی جاتیں۔ لمبی پلکیں کسی گھاس کے تنکے کی مانند دیکھائی دے رہی تھیں۔ بالوں کی اوٹ میں چھپی آنکھ یک دم پاس آنے پر آویزاں ہوگئی۔ پراسرار حد تک چمکتی ہوئی آنکھ دیکھ کر اس کی چیخ حلق میں ہی پھنس گئی۔ اپنا ہاتھ اس کے شانوں کی طرف بڑھایا تو ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی لوہے کی گرم گرم سلاخ اس کی طرف بڑھا رہا ہو۔ دھواں اگلتی سانسیں اس کو اپنے حصار میں لینے کی کوشش کررہی تھیں۔

''ہم انتظار کررہے ہیں۔۔۔'' مدھم سا لہجہ انتہائی سخت الفاظ کہہ کر باہر جانے لگا۔ اس کے پلٹتے ہی مقدس کی سانسیں بحال ہونا شروع ہوئیں۔ پورا وجود خوف کے اثر کپکپا رہا تھا۔ پیشانی سے پسینے کی بوندیں ٹپ ٹپ نیچے گرنے لگیں مگر ضارف یہ سب دیکھنے سے بچا رہا۔ وہ واش روم کی طرف جاچکا تھا۔ ٹاول کو مضبوطی سے تھامے وہ اس حصار سے نکلنے کی کوشش کررہی تھی۔ جب دروازے کے قریب پہنچ کر عائقہ نے دوبارہ پلٹ کر دیکھا۔ وہی کشش اب بھی غالب تھی۔ جو نظرِ بد کا پیش خامہ بننے جارہی تھی۔

ضارف کے باہر آتے ہی مقدس فوراً اس کی طرف لپکی۔

''ضارف۔۔۔ اب ہمیں یہاں نہیں رکنا چاہیے، فوراً سے پہلے واپس چلنا چاہئے'' اس کا ایک ایک حرف خوف کے لبادے میں لپٹا ہوا تھا۔ ان آنکھوں نے جو دیکھا تھا، لفظوں میں ڈھالنا ناممکن تھا

''لیکن مقدس، یوں اچانک کیا ہوا تمہیں؟ اور ابھی تو عائقہ جی کے ساتھ ناشتہ بھی نہیں کیا؟'' اس نے مقدس کی حالت سمجھنے کی کوشش کی تھی

''نہیں کرنا ہمیں کوئی ناشتہ عائقہ کے ساتھ۔۔۔ ہم ابھی کے ابھی یہاں سے چل رہے ہیں بس۔۔۔'' زندگی میں پہلی بار اس نے ضارف کے ساتھ اس طرح ترش لہجے میں بات کی تھی۔ ٹاول کو ایک جھٹکے سے بیڈ پر پھینکتے ہوئے اس کے پورے وجود پر ایک لرزہ طاری تھا۔ بھیگی مژگان اس کے خوف کی عکاسی کررہی تھیں

''اچھا اچھا۔۔۔مقدس، میری جان۔۔۔جیسا تم کہو گی ویسا ہی کریں گے ہم۔۔'' حالات کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے اس نے آگے بڑھ کر اس کے رخسار کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لیا اور دھیرے سے بوسہ دیا۔ بے قرار وجود کو قدرے قرار تو آیا مگر بے سکونی اب بھی غالب تھی۔

''بس آپ ابھی اس گھر سے چلیں، مجھے یہ عائقہ کچھ ٹھیک نہیں لگتی۔۔۔'' وہ بڑبڑاتے ہوئے کہتی جا رہی تھی جبکہ ضارف ان لفظوں کا مفہوم سمجھنے سے قاصر تھا۔

کئی لمحے بیت جانے کے بعد بھی ضارف اور مقدس نیچے نہیں آئے تو عائقہ کو تشویش ہوئی۔ وہ حالتِ اضطرابی میں ڈائننگ ٹیبل پر ان کی منتظر تھی۔ اس نے زینے سے ڈائننگ ٹیبل تک کے کئی چکر لگا لئے تھے مگر ان دونوں کا کوئی نام و نشان نہیں تھا۔

''یہ ضارف کہاں رہ گئے؟ ابھی تک نیچے کیوں نہیں آئے؟'' اس نے دل میں سوچا اور پھر زینے کی طرف بڑھی۔

''ہمیں اوپر جا کر دیکھنا چاہیے'' اس نے سوچا اور پھر اس کمرے کی طرف چل دی جہاں ضارف اور مقدس تھے۔

''ضارف۔۔ آپ ناشتے کے لئے نہیں آئے۔۔ کوئی مسئلہ درپیش ہے کیا؟'' اس نے دروازے پر دستک دیتے ہوئے پوچھا تھا مگر اندر سے کوئی جواب نہ آیا تو اسے تشویش ہوئی۔ چہرے پر کئی شکنیں نمودار ہوئیں۔ اس نے دروازے کو گھورا تو آنکھوں کی حدت کو وہ بے جان دروازے لمحہ بھر بھی برداشت نہ کر سکے اور خود بخود کھلتے چلے گئے۔

''ضارف۔۔۔!!'' اس نے نام پکارا مگر وہاں ہوا اور بے جان اشیاء کے علاوہ کوئی نظر نہ آیا۔ واش روم کی طرف نگاہ دوڑائی تو وہاں کا دروازہ بھی کھلا تھا۔ مقدس بھی وہاں موجود نہ تھی۔

''ضارف۔۔۔!! کہاں ہیں آپ؟'' اس نے اضطرابی کیفیت میں ادھر ادھر دیکھا مگر منزل کوسوں دور رہی۔ تبھی لاشعوری انداز میں نگاہوں نے کھڑکی کا رخ کیا تو ایک دھچکا لگا۔ کھڑکی کے کھلے پٹ ہوا کے سنگ جھوم رہے تھے۔ بڑی بڑی جھیل آنکھوں میں نفرت کا ایک طوفان آ گیا۔ وہ کھڑکی کے پاس گئی تو چادر سے بنی رسی کو نیچے کی طرف جھولتا ہوا پایا۔ جسے دیکھ کر اس کے اہنکار کی انتہا نہ رہی۔ چاندنی سے بھی زیادہ تازگی بخش رنگت پل بھر میں ہی گرہن لگے چاند کے مشابہہ دیکھائی دینے لگی۔ حسین زلفیں کسی خاردار جھاڑی کی طرح بے جان شکل اختیار کر گئی۔ سیاہ ناخن کسی کیل کی طرح بڑھتے چلے گئے اور آنکھوں میں اٹھتا نفرت کا طوفان آگ بگولا ہو چکا تھا۔

''مقدس۔۔۔!!'' وہ جبڑے بھینچتے ہوئے چلائی۔

''تم ہمارے ضارف کو چرا کر نہیں لے جا سکتی۔۔۔ضارف فقط ہمارے ہیں۔۔'' وہ اس قدر کربناک آواز میں چیخی تھی کہ پوری حویلی پر سکتہ طاری ہو گیا۔ کسی شاندار محل کی مانند نظر آنے والی یہ حویلی اگلے ہی لمحے کسی کھنڈر کی مثل دیکھائی دے رہی تھی۔ ایسا کھنڈر جس کے پتھر بھی وقت کے ستم سہتے سہتے ذرات میں ضم ہو چکے ہوں۔

''ضارف۔۔۔!! آپ کو آنا ہوگا، ہمارے پاس۔۔۔اپنی عائقہ کے پاس۔۔۔'' اس بار آواز میں ایک ولولہ تھا جو شاہ بلوط کے پتے اپنے اندر سمو کر رہ گئے۔ ہواؤں کی سرگوشیاں انہیں اپنے اندر سمیٹ کر رہ گئیں۔

گھر پہنچنے کے بعد دونوں اس واقعے کو تقریباً فراموش کر چکے تھے۔ جیسے ہی انہوں نے دہلیز پر قدم رکھا تو فیملی کا ہر ممبر ان کے استقبال کے لئے وہاں آ موجود ہوا۔ سب کے چہروں پر انتہا کی خوشی تھی۔ سب سے پہلے امی جان آگے بڑھی تھیں۔

''السلام علیکم'' مقدس نے سب کو سلام کیا۔ سب نے وقتاً فوقتاً جواب دیا۔ امی جان نے آگے بڑھ کر دونوں کی نظر اتاری تو ضارف کا لہجہ کچھ شریر نظر آیا۔

''یہ کیا امی؟ گھر میں قدم رکھا نہیں اور آپ نے

ابھی سے ہماری نظر اتارنا شروع کر دی؟ آپ کی یہی عادت آپ کی بہو میں ٹرانسفر ہو چکی ہے۔ صبح سے شام تک اسے صرف یہی کام رہ گیا ہے۔۔'' مقدس نے پیار سے گردن جھٹک دی۔

''سنا آپ نے امی۔ کتنے نافرمان ہو گئے ہیں آپ کے بیٹے؟ آپ کو پتا ہے، ہوٹل میں بھی ان کو کہہ کہہ کر آیت الکرسی پڑھوانی پڑھتی تھی۔'' مقدس نے آگے بڑھ کر پیار بھرے انداز میں شکوہ کیا اور اپنی ٹھوڑی بیگم سلطانہ کے بائیں شانے پر رکھی۔

''یہ کیا سن رہی ہوں میں؟ ضارف؟'' بیگم سلطانہ نے پیار سے گھورا تو وہ جھرجھری لیتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ وہاں عبدالقادر تھے۔

''کیسے ہیں ابو؟ اب طبیعت ٹھیک ہے آپ کی؟'' اس نے آگے بڑھ کر ان سے دعا سمیٹی۔

''تو جناب آ گئے ہیں اپنا ہنی مون سیلیبریٹ کر کے؟ کیسا رہا؟'' انہوں نے پوچھا۔

''اچھا رہا۔۔'' ضارف کے چہرے پر حیا کے پردے جھلکنے لگے تھے۔ مقدس کی آنکھیں بھی جھکی جھکی دیکھائی دے رہی تھیں۔

''مقدس۔۔ جا کر تم آرام کر لو۔۔ اتنے لمبے سفر کے بعد تم دونوں تھک چکے ہو گے۔ میں ابھی تمہارے لئے ناشتہ تیار کرتی ہوں'' اقصیٰ نے آگے بڑھ کر کہا

''جی بھابھی۔۔'' یہ کہتے ہی ضارف اور مقدس زینے کی طرف بڑھے جبکہ بیگم سلطانہ عبدالقادر کے پاس آ بیٹھیں۔ طاہر اب آفس جانے کے لئے باہر کی طرف چل دیا۔

☆......☆......☆

رات کا پراسرار منظر تھا اور وہ دوڑتی چلی جا رہی تھی۔ ایک انجان وجود اس کے تعاقب میں تھا۔ جس کا ڈر اس کے دل میں بری طرح بیٹھا تھا۔ وہ اس کے چنگل سے نکلنے سے ہر ممکن کوشش کر رہی تھی۔ وہ بھاگتے ہوئے مسلسل پیچھے مڑ مڑ کر دیکھ رہی تھی کہ کہیں فاصلہ سمٹ کر ختم نہ ہو چکا ہو مگر تعاقب کرنے والا نظر نہ آیا۔

اس کے ننگے پاؤں کانٹوں سے بری طرح زخمی ہو چکے تھے۔ سانسیں بھی بری طرح پھولی ہوئی تھیں۔ آنکھوں سے خوف کے سبب آنسو گرتے چلے جا رہے تھے۔

''رک جاؤ۔۔۔'' ایک کرخت آواز اسے اپنے عقب سے سنائی دی تو تیزی کے ساتھ دوڑنے لگی۔ اس کے پورے جسم میں سنسنی دوڑ رہی تھی۔ وہ پیچھے دیکھ کر وقت ضائع کرنے کے حق میں ہرگز نہ تھی۔ دوڑتے دوڑتے وہ ایک جنگل میں آ رکی۔ جہاں ہر طرف وحشت اپنے پر پھیلائے ہوئے تھی۔ سیاہ جھاڑیاں رات کی تاریکی میں ڈراؤنا منظر پیش کر رہی تھیں۔ سیاہ پتھر کسی شیطانی مورت سے مشابہہ تھے۔ اس کی آنکھیں ڈر کے مارے باہر آ نکلی تھیں۔

''تم مجھ سے بچ نہیں سکتی'' وہی آواز ایک بار پھر سنائی دی۔ جس پر ایک بار پھر اس نے بھاگنا شروع کر دیا۔ نوکیلے پتھر اور خشک پتے اس کے پاؤں میں کسی کانٹے کی مثل چبھ رہے تھے۔ خون کے نشان سیاہ رات میں غائب ہو کر رہ گئے۔ وہ بری طرح تھک چکی تھی مگر پھر بھی بھاگتی جا رہی تھی۔ اس نے ستانے کے لئے ایک درخت کے تنے پر ہاتھ رکھا تو اگلا منظر دل دہلانے دینے والا تھا۔ اس درخت نے اس کے ہاتھ کو اپنے اندر نگلنا شروع کر دیا۔ رہی سہی جان بھی اس کی نکل چکی تھی۔

'چھوڑ دو مجھے۔۔۔پلیز۔۔چھوڑ دو مجھے۔۔۔''

وہ ہراساں آنسو بہاتے ہوئے زندگی کی بھیگ مانگ رہی تھی مگر کسی کو اس پر رحم نہ آیا۔ کہنی تک وہ اس کا بازو نگل چکا تھا۔

''کوئی ہے۔۔ میری مدد کرو۔۔'' وہ چیخ چیخ کر مدد کے لئے پکار رہی تھی مگر اس کی درد سے بھری آواز خود اس کی سماعت میں لوٹ آئی۔ وہ آنسو بہاتے ہوئے اپنا ہاتھ مسلسل کھینچ رہی تھی۔ برجستہ اس درخت نے اس کے ہاتھ کو باہر دے پھینکا اور وہ پیچھے جا گری۔ اس کا سر کسی پتھر کے ساتھ ٹکرایا اور پیشانی سے بھی خون کی ایک لکیر بہنے لگی۔ اس نے اپنے ہاتھ کی طرف دیکھا تو اس پر ایک خراش تک نہ تھی۔ وہ ہراساں اسے دیکھتی رہی۔

تبھی ایک خوفناک چیخ سنائی دی۔ اس چیخ سے اس کی سماعت کے پردے پھٹنے کے قریب تھے۔ وہ اٹھی اور وہاں سے فرار ہونے کا راستہ ڈھونڈنا چاہا مگر چیخ اس قدر ناقابل برداشت تھی کہ دونوں ہاتھوں کو کانوں پر رکھنے کے باوجود ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی اس کے کان کے بالکل قریب چیخ رہا ہو۔ وہ اب اس چیخ کو سن نہیں سکتی تھی۔ اس نے اپنا قدم بڑھایا اور خود کو ہوا میں معلق پایا۔ چیخ بھی سنائی دینا بند ہوگئی۔ اس نے کانوں سے ہاتھ ہٹایا تو آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ وہ گہری کھائی کے کنارے پر کھڑی تھی اور اب اس میں گرتی جا رہی تھی۔ ایک دلدوز چیخ سنائی دی۔

''ضارف۔۔۔!!'' وہ چلاتے ہوئے یک دم اٹھ بیٹھی تھی۔ پورا جسم پسینے سے شرابور تھا۔ اس کے جسم کا روم روم کانپ رہا تھا۔ وہ منظر ابھی تک اس کی آنکھوں کے سامنے تھا۔

''خدا کا شکر ہے وہ خواب تھا۔'' اس نے پیشانی کے بالوں کو سمیٹتے ہوئے رب کا شکر ادا کیا تھا اور گہری سانس لی۔ دوپٹے سے پسینے کو پونچھ کر سائیڈ ٹیبل سے پانی کا گلاس اٹھا کر دو گھونٹ پیا۔ تبھی اس کو ضارف کا خیال آیا۔ وہ اسی کے ساتھ لیٹا تھا مگر حیرت کی بات یہ تھی کہ وہ اس کی چیخ سن کر بھی نہیں اٹھا تھا۔ اسے کچھ حیرت ہوئی اور اپنا ہاتھ اس کے بالوں پر پھیرتے ہوئے دھیرے سے اس کا نام لیا مگر وہ ابھی تک خواب غفلت سے نہ جاگا تھا۔

''شاید گہری نیند میں سو رہے ہیں'' اس نے دل میں سوچا۔ دل کو ذرا سکون ملا۔ لبوں سے ضارف کی پیشانی کا بوسہ لیا تو اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس نے کسی گرم فولاد سے اپنے ہونٹ مس کیے ہوں۔ آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ جھکا ہوا چہرہ اٹھایا اور ہاتھ لگا کر پیشانی کو چھوا تو پیشانی کو تپتا ہوا پایا۔

''اتنا تیز بخار؟'' وہ یک دم پریشان ہوگئی۔ لحاف کو پرے پھینک کر اس نے دراز سے تھرمامیٹر نکالا اور ضارف کا بخار چیک کیا۔

''ایک سو دو بخار؟'' اس کی سانسیں ہی جیسے ساکت رہ گئیں۔ اس نے ضارف کے رخسار کو چھوا اور پھر پیشانی کو۔ جسم کا ایک ایک عضو آگ میں جھلسا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

''اللہ! ضارف کو اتنا تیز بخار؟ پتا نہیں کب سے وہ بخار میں تڑپ رہے ہوں گے۔'' اس کی عقل ایک پل کے لئے مفلوج ہو کر رہ گئی۔ وہ ضارف کے ہتھیلیوں کو مسلتے ہوئے سوچنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''ڈاکٹر۔۔۔ مجھے ڈاکٹر کے پاس لے جانا چاہیے ضارف کو'' اس نے سوچا اور پھر کمرے سے باہر کی طرف چل دی۔ اس کے قدم طاہر کے قدم کی طرف بڑھ رہے تھے۔ جیسے ہی وہ ان کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹانے لگی تو اس کے دل میں جانے کیا آئی۔ وہ واپس پلٹ آئی۔

''نہیں۔۔۔ مجھے طاہر بھائی کو تنگ نہیں کرنا چاہیے۔'' وہ الجھن کا شکار تھی۔ آنکھیں ضارف کی طرف گئیں تو انہیں بخار میں جھلستا ہوا پایا۔ وہ تیزی کے ساتھ اس کے پاس گئی۔

''ضارف۔۔۔ ضارف۔۔۔ اٹھیے۔۔۔ ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں'' وہ ان کو دھیرے سے اٹھانے کی کوشش کر رہی تھی مگر وہ تو غنودگی کے عالم میں تھا۔ اس کی آواز کو تو جیسے سن سکتا تھا مگر عمل کرنے سے قاصر تھا۔ ہنوں۔۔۔ ہاں کرتے ہوئے وہ اس کی باتوں کا جواب دے رہا تھا۔

''ضارف اٹھیں۔۔۔ ڈاکٹر کے پاس چلیں۔۔۔''

اس کا لہجہ فکر مند تھا۔ سہارا دیتے ہوئے وہ ضارف کو اٹھانے میں کامیاب ہوگئی مگر اس کی آنکھیں مسلسل بند ہوتی جا رہی تھیں۔ وہ لڑکھڑاتے ہوئے قدموں کے ساتھ چل رہا تھا۔ مقدس مسلسل اسے سہارے دیئے ہوئے تھی۔ زینے سے اترتے ہوئے بھی وہ بمشکل اس کا توازن برقرار کئے ہوئے تھی۔ گھر سے باہر آتے ہی اس نے دروازہ مقفل کیا اور کار میں اسے اسپتال لے گئی۔

صبح ہونے پر سارے لوگ ٹی وی لاؤنج میں

پریشانی سے ادھر ادھر پھر رہے تھے۔ عبدالقادر صوفے پر ضارف اور مقدس کا فون ملانے کا کہہ رہے تھے۔ وہ بھی پریشانی کے عالم میں ان کا فون ملا رہا تھا وہ مسلسل آف جا رہا تھا۔ بیگم سلطانہ کے چہرے پر بھی پریشانی کا عنصر نمایاں تھا۔

''جانے کہاں چلے گئے دونوں؟'' وہ مسلسل بڑبڑا رہی تھیں مگر اقصیٰ انہیں حوصلے دے رہی تھی۔ ساتھ ہی وریشا بھی ان دکھ بانٹنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اتنے میں باہر سے قدموں کی آواز سنائی دی۔ سب کی نظریں اس طرف اٹھتی چلی گئیں۔

''بھائی۔۔۔ بھابھی'' وریشا کے لبوں سے بے ساختہ جاری ہوا تھا۔ مقدس ضارف کو سہارے دیتے ہوئے اندر آ رہی تھی۔ بیگم سلطانہ فی الفور آگے بڑھیں۔

''کہاں گئے تھے تم؟ اور ضارف تمہیں کیا ہوا؟ یہ نقاہت کیسی؟'' اس کے بجھے چہرے کو دیکھتے ہی ماں کا دل پسیج سا گیا تھا۔

''امی ضارف کو رات بہت تیز بخار ہو گیا تھا۔ ابھی اسپتال سے ہی لے کر آ رہی ہوں انہیں'' طاہر نے آگے بڑھ کر ضارف کو صوفے پر بیٹھنے میں مدد کی تھی۔ بیگم سلطانہ نے ضارف کی پیشانی چھوئی تو حدت کی ایک لہر ان کے جسم میں سرایت کر گئی۔

''پیشانی تو ابھی تک گرم ہے۔'' چہرے سے پیشانی چھلک رہی تھی

''امی اب تو کافی ہلکا ہے بخار۔ ڈاکٹر کے کہنے پر واپس لائی ہوں انہیں۔ آپ فکر نہ کریں جلدی ٹھیک ہو جائیں گے ضارف'' مقدس نے وضاحت پیش کی تھی جبکہ ضارف صوفے کی پشت کے ساتھ ٹیک لگائے اونگھ رہا تھا۔ ایسا دکھائی دے رہا تھا جیسے بخار کی وجہ سے اس کے لئے بیٹھنا بھی محال ہو چکا ہو۔ بیگم سلطانہ نے فوراً دوپٹہ سر کے گرد لپیٹا اور آیت الکرسی پڑھ کر دم کرنا شروع کر دیا۔ جیسے ہی انہوں نے ضارف پر پھونکا تو اس کے چہرے پر ناگواری کے اثرات ابھرے۔ کھانسی کا ایک دورہ چل پڑا۔

''ضارف۔۔۔ آپ ٹھیک تو ہیں؟ وریشا ضارف کیلئے پانی لانا'' مقدس نے ہراساں اس کی پشت کو تھپتھپاتے ہوئے کہا تھا۔

''طاہر ضارف کو کمرے میں چھوڑ کر آ جاؤ۔ اسے آرام کی ضرورت ہے۔ میں دوبارہ ڈاکٹر کو کال کرتا ہوں'' صوفے سے اٹھتے ہوئے عبدالقادر نے فرمان جاری کیا تھا۔ ان کا چہرہ بھی بیٹے کی طبیعت کے بارے میں حساس تھا۔ طاہر نے اثبات میں سر ہلایا اور آگے بڑھا۔ مقدس نے بھی اسے اٹھنے میں مدد کی تھی۔

''بھابھی یہ پانی۔۔۔'' وریشا معجّل پانی کا گلاس لے کر حاضر ہوئی مگر انہیں اپنے کمرے میں جاتا دیکھ کر گلاس وہیں ٹیبل پر رکھ دیا۔

''جانے کس کی نظر لگ گئی میرے بیٹے کو؟ رات ہی رات میں اس قدر طبیعت خراب ہوگئی اس کی؟'' بیگم سلطانہ کے چہرے پر مایوسی کے سخت تاثر تھے۔ دونوں ہاتھ اٹھاتے ہوئے انہوں نے رب سے اپنے بیٹے کے لئے صحت مانگی تھی۔ آنکھوں میں آنسو ان کے غم کی سختی ظاہر کر رہے تھے۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی طاہر نے ضارف کو لحاف اوڑھا دیا۔ مقدس اس کے پہلو میں آ بیٹھی اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے دل کے غم کو قدرے کم کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''مقدس۔۔۔!! میں تم دونوں کے لئے کھانا اوپر ہی بھیجتا ہوں'' اس بار مقدس نے کچھ نہ کہا۔ نظریں یک ٹک ضارف کو تکتی جا رہی تھیں۔ طاہر نے بھی افسردگی کے ساتھ ضارف کو دیکھا اور واپس پلٹ گیا۔

''بہت جلدی ٹھیک ہو جائیں گے ضارف۔۔۔'' اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلا تھا۔ اپنی محبت کو بخار میں یوں جھلستا دیکھنا آسان نہیں تھا۔ وہ نیم بے ہوشی کے عالم میں اپنا سر تکیے پر رکھے اس دنیا و مافیہا سے بے خبر تھا۔ اپنے رب سے دعائیں مانگتے ہوئے اس نے اپنے لب ضارف کی پیشانی کو چھوئے تو ایک اجنبی بو ضارف کے جسم سے پھوٹتی دکھائی دی۔ جیسے کوئی کڑوا

پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام
وقار عظیم

پھل ہو۔ وہ بُوا اس کے نتھنوں میں چبھتی چلی گئی۔ آنکھیں پھیلا وہ پیچھے ہٹی اور ضارف کو قدرے بغور دیکھا۔ اس سے پہلے کوئی اور سوچ اس کے افسردہ ذہن سے ٹکراتی وہاں اقصیٰ کھانے کی پلیٹ لئے آموجود ہوئی۔ اقصیٰ کی موجودگی نے اس کا دھیان ایک پل کے لئے اس بو سے ہٹا دیا تھا۔ نگاہیں اقصیٰ کی طرف دوڑائیں جو بیڈ کے کنارے پر کھانے کی پلیٹ رکھ چکی تھیں۔

''یہ سوپ بنا کر دیا ہے امی نے۔ ضارف کو پلا دو، افاقہ ہوگا'' اقصیٰ نے کہا تھا تو مقدس نے اثبات میں سر ہلا دیا

''اور تم نے رات کو جگایا کیوں نہیں؟ اکیلے ہی ضارف کو اسپتال لے گئیں؟'' اقصیٰ نے شکوہ کیا تھا۔

''بھابھی میں کسی کو تنگ نہیں کرنا چاہتی تھی۔'' مقدس نے بات واضح کیا۔

''تم پاگل ہو؟ بھلا کوئی اپنوں سے بھی تنگ آتا ہے؟ آئندہ ایسی بات ہوئی تو یہ مت سوچنا۔ آئی سمجھ میں بات؟'' نرم لہجے میں اقصیٰ نے سرزنش کی تو اس نے پل جھپک دیں، لب نے مسکرانا چاہا مگر ضارف کی طرف سے پریشانی پر وہ مسکرانا بھی بھول چکے تھے۔ اقصیٰ کھانے کا کہہ کر دوبارہ باہر چلی گئی۔ اس نے ضارف کی طرف دوبارہ دیکھا تو اسے پہلے کی طرح نیم بے ہوشی میں پایا۔

''ضارف۔۔۔ کچھ کھالیں۔ پھر دوا بھی لینی ہے آپ نے۔۔'' اس کی پیار سے اس کے بالوں کو سہلایا تھا۔ جس پر اس کے جسم میں جھرجھری ہوئی۔ آنکھیں کھولنے کی کوشش کی مگر بخار کے سبب آنکھوں سے آنسو بہہ نکلا۔ مقدس نے اپنے دوپٹے سے انہیں پونچھا تھا اور اس کے پیچھے گاؤ تکیہ رکھتے ہوئے سہارا دیا اور اپنے ہاتھوں سے سوپ کے دو چمچ بمشکل پلائے تھے۔

''ٹھیک ہے، آپ آرام کریں۔ تھوڑی دیر بعد میں آپ کو دوا دوں گی'' گاؤ تکیہ واپس نکال کر ضارف کو لٹایا تو اس کی آنکھوں خود بخود بند ہوتی چلی گئیں۔

ضارف کا بخار ٹھیک ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ تین راتیں بیت چکی تھیں۔ بخار کبھی ہلکا ہوتا تو کبھی اپنے جوبن پر۔ مقدس کے ساتھ ساتھ تمام گھر والے بھی کافی پریشان تھے۔ ڈاکٹر نے بھی دوائیں کافی بدل ڈالی تھیں مگر تمام بے سود رہیں۔ ایک لمحے کے لیے بخار کی سختی میں کمی تو آتی مگر پھر وہی حدت جسم سے نکلنے لگتیں۔ مقدس جب کبھی ہاتھ لگاتی تو ایسا محسوس ہوتا جیسے اس نے کسی گرم تندور کو چھوا ہو، جو اسے جھلسا ڈالے گا۔ دل مضطر کی بے چینی ناقابل بیان تھی۔

آسمان پر نگاہیں جمائے مقدس اپنے رب سے ضارف کے لئے دعائیں مانگ رہی تھی۔ آنکھوں میں تاروں کی مانند کمک کا ایک جہاں آباد تھا۔ ہوا دھیمی دھیمی چل رہی تھی۔ جو عام حالات میں تو تازگی کا ایک احساس بخشتا تھا مگر جیون ساتھی کے بنا یہی فضا ایک ماتم کدہ دیکھائی دے رہی تھی۔

''جانے ضارف کا بخار اترنے کا نام کیوں نہیں لے رہا؟'' وہ دھیرے سے پلٹی تھی۔ ضارف ابھی تک نیم بے ہوشی کے عالم میں دنیا و مافیہا سے بے خبر تھا۔ آنکھوں میں بے چینی بڑھتی گئی تبھی دل میں ایک کھڑکا ہوا تھا۔ آنکھوں کے آگے ایک چہرہ لہرایا۔ سماعت میں ایک آواز گونجی۔

''جانے کس کی نظر لگ گئی میرے بیٹے کو؟ رات ہی رات میں اس قدر طبیعت خراب ہوگئی اس کی؟'' یہ بیگم سلطانہ کی آواز تھی۔ جس نے دل میں ایک طوفان برپا کیا تھا۔ آنکھوں کے آگے ایک پراسرار وجود نے ڈیرہ جمایا تو اس کے قدم گویا زمین میں دھنستے چلے گئے۔ پراسرار خاموشی نے اسے اپنے گھیرے میں لے لیا۔

''عائقہ۔۔!!!'' ہراساں اس کی زبان سے جاری ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ کی مٹھیاں خود بخود بند ہوتی چلی گئیں۔ وہ آگے بڑھی اور ضارف کے چہرے کو بغور دیکھا۔ پھر وہ منظر لہرایا جب دم کرنے پر کھانسی کا ایک دورہ اسے پڑا تھا۔ خالی ذہن میں طرح طرح کے وسوسے نے جنم لیا تو اس کے قدم کمرے سے باہر کی جانب اٹھے۔ وہ کچھ دیر واپس پلٹ آئی مگر اس بار وہ

اپنے ساتھ کچھ لائی تھی۔ سات سرخ گول مرچیں۔ وہ دھیمے قدموں کے ساتھ آگے بڑھی اور ان سے ضارف کی نظر اتاری۔ سات بار پھیرنے کے بعد وہ اٹھی اور ٹیرس کی طرف بڑھی۔ ساتھ میں وہ اپنے ساتھ ماچس بھی لے لی۔

ٹیرس پر ٹھنڈی ہوا کے جھونکے تھے۔ آسمان پر بادلوں کا ایک جہان آباد تھا۔ وہ دھیمے قدموں کے ساتھ ٹیرس کے انتہائی بائیں حصے کی طرف گئی اور انہیں نیچے کونے میں رکھ کر جلا دیا۔ کچھ دیر وہ یونہی کھڑی رہی اور انہیں دیکھتے رہی۔ مرچیں جل کر راکھ بن گئیں مگر اسے کوئی بھی ناخوشگوار بُو محسوس نہ ہوئی تھی۔

''اس کا مطلب میرے بیٹے کو کسی کی نظرِ بد لگی ہے'' یہ بیگم سلطانہ کی آواز تھی۔ جو اسے اپنے عقب سے سنائی دی۔ ان کی آنکھوں میں آنسو تھے جو بیٹے کی ایسی حالت دیکھ کر خود بخود بہتے چلے جا رہے تھے۔

''امی۔۔ آپ فکر نہ کریں۔ ضارف کو کچھ نہیں ہوگا۔ نظر لگی ہے۔ دیکھیے گا معوذتین پڑھ کر پھونکیں گے تو نظر خود بخود اتر جائے گی۔'' اس نے آگے بڑھ کر حوصلہ دیا تھا مگر خود اس کا دل بھی فکر سے آویختہ تھا۔

''میں ابھی جا کر اپنے بیٹے کی نظر اتارتی ہوں۔۔'' وہ فوراً پلٹیں اور ضارف کے کمرے کی طرف چل دی۔ مقدس بھی ان کے پیچھے پیچھے کمرے میں آن پہنچی تھی۔ بیگم سلطانہ کے لب متحرک تھے مگر ضارف کی طبیعت ہر لمحہ ناسازگار ہوتی جا رہی تھی۔ ابھی انہوں نے بمشکل ایک بار ہی سورۃ پڑھی ہوگی کہ ضارف کو کھانسی کا دورہ شروع ہوگیا۔ انہوں نے اپنا دم ادھورا چھوڑا اور پانی کا گلاس اٹھا کر ضارف کو پانی پلانے کی کوشش کی۔ جو نیم بے ہوشی کے عالم میں اپنی تکلیف سے لڑ رہا تھا۔ مقدس کی نگاہیں تو مزید کشمکش کا شکار ہوگئیں۔ دل میں انجانہ سا خوف اور انجان چہرہ زور پکڑتا جا رہا تھا۔

''پتا نہیں کس منحوس کی نظر بد لگی ہے میرے بیٹے کو؟'' ممتا کا دل غم سے لبریز تھا۔ آنکھیں آنسوؤں کو سمیٹے ہوئے تھیں۔

''لیکن مجھے پتا ہے وہ منحوس کون تھی؟'' وہ زیر لب بڑبڑائی۔ آنکھوں میں پختگی تھی جیسے وہ اپنے ضارف سے اس کی نظر بد سے آزاد کرنے جا رہی ہو۔

''امی! میں ابھی آتی ہوں'' وہ باہر کی طرف پلٹی'' لیکن جا کہاں رہی ہو؟'' بیگم سلطانہ نے حیرانی سے استفسار کیا تھا

''یہ سمجھ لیجیے! ضارف کی نظرِ بد اتارنے'' یہ کہتے ہی وہ برق رفتاری سے زینے کی طرف بڑھی۔ بیگم سلطانہ نے رات کی وحشت کے سبب اس کو روکنا چاہا مگر وہ ہاتھ بڑھا کر رہ گئیں۔ ایک طرف ان کا اپنا بیٹا تھا جو تین دنوں سے بخار میں تڑپ رہا تھا اور دوسری طرف ان کی بیٹی جیسی بہو جو جانے اس کالی رات میں کہاں چل دی تھی؟ ان کی آنکھوں کے موتی آزار کو ظاہر کرنے میں ناکام دے رہے تھے۔

آنسوؤں کو لمحے بھر کے لئے دل کے زندان میں قید کیے وہ انتہائی تیزی کے ساتھ کار ڈرائیو کر رہی تھی۔ چہرے پر اپنے ضارف کو اس نظر بد سے آزاد کرنے کا جذبہ اسے رات کی تنہائی کا احساس بھی نہیں ہونے دے رہا تھا۔ وہ جلد ہی شہر کے پررونق علاقے سے نکل کر ویران و بیابان سڑک پر گامزن تھی۔ جس کے دونوں اطراف فلک بوس شاہ بلوط اپنا سینہ تانے اسے گھور رہے تھے۔ ان کے خاموش پتے اپنے اندر ایک سنسنی سمیٹے ہوئے تھے مگر وہ ان سب کو پسِ پشت ڈالے بس کار ڈرائیو کرتی جا رہی تھی اور پھر عین اسی جگہ جہاں اس طوفانی رات میں ان کی کار خراب ہوئی تھی۔ اس نے اپنا سر اسٹیئرنگ پر جمایا اور گہری سانس لیتے ہوئے اپنی سانسوں کو نارمل ہونے دیا۔ نظر اٹھا کر باہر کی جانب دیکھا تو وہی ظلمت اسے گھیرے ہوئے تھا جس کا خوف اس رات سے اسے کھائے جا رہا تھا۔ اس کے بدن میں ایک جھرجھری ہوئی مگر وہ اپنے ڈر کو نظر انداز کرتے ہوئے کار سے باہر آئی۔ ایک زبردست ہوا کا ہوا، اس کے استقبال کے لئے آیا تھا۔ ایک عجیب سی سنسنی تھی جو اس کے کانوں میں مسلسل سرگوشی کر رہی تھی۔

''چلی آؤ۔۔چلی آؤ۔۔'' آنکھیں کسی شکار کی طرح بپھری ہوئی اپنے شکار کو ڈھونڈ رہی تھیں مگر رات کا اندھیرا اس شکار کو اپنے اندر لپیٹے ہوئے تھا۔ وہ ڈگمگاتے قدموں کے ساتھ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے اس کا گھر ڈھونڈ رہی تھی۔ جو اس وقت تو ایک سڑک کے کنارے تھا مگر آج وہاں ایسا کچھ نہ تھا۔ وہ اسی جگہ پر کھڑی تھی جہاں اس طوفانی رات عائقہ انہیں لے کر گئی تھی۔ آج سالہا سال کی مسافت طے کرتے افسردہ شاہ بلوط ویران و بیابان دکھائی دے رہے تھے۔ اس کی سانسیں ساکت رہ گئیں۔ وحشت سے آنکھیں مزید پھیل گئیں۔

''عائقہ کا گھر تو یہیں تھا؟ اب کہاں چلا گیا؟'' وہ زیر لب بڑبڑائی تھی تبھی پیچھے سے کسی نے سرگوشی کی تھی۔

''تمہارے نظروں کے عین سامنے۔۔۔'' وہ برجستہ پلٹی مگر وہاں کوئی نہ تھا۔ سانسوں کی حدت اور دل کی دھڑکن پہلے سے زیادہ بے ترتیب تھی۔ دونوں ہاتھوں سے بازوؤں کو اس طرح سمیٹے جیسے کوئی ماں اپنے بچوں کو اپنی آغوش میں لیتی ہے، وہ آگے کی طرف چلنے لگی۔ سیاہ شاہ بلوط کے درخت اپنے سوکھے پتے اس کے راستے میں نچھاور کر رہے تھے۔ آنکھیں اس منظر کو دیکھ کر حیرت کا شکار تھیں۔ ہواؤں میں بھی ایک الگ سا احساس پنہاں تھا۔ وہ سیدھی چلتی رہی مگر وہ گھر کہیں نظر نہ آیا۔ تب اسے احساس ہوا جیسے وہ جنگل میں کھو چکی ہے۔ اس نے واپسی کے پلٹنا چاہا تو ایک شناسا آواز سنائی دی۔

''کہاں جا رہی ہو مقدس؟'' زہر کو شہد میں ملا کر پیش کیا گیا تھا۔ وہ فوراً پلٹی تو اوپر کی سانسیں اوپر اور نیچے کی نیچے رہ گئیں۔ آنکھوں نے اسے سچ ماننے سے انکار کیا مگر اسے سچ ماننے کے سوا کوئی چارہ بھی نہ تھا۔ وہاں عائقہ تھی۔ جو اپنے گھر کی دہلیز میں کھڑی اس کی طرف زہریلی مسکراہٹ کے ساتھ دیکھ رہی تھی لیکن ابھی وہاں ایسا کچھ نہ تھا، صرف شاہ بلوط کے عجیب و غریب درخت تھے یا پھر سیاہی کا ایک جہان۔ جو کسی طور پر بھی ایک انسان کا بسیرا نہیں ہو سکتا۔ وہ کئی لمحے ساکت یونہی کھڑی رہی۔ تب عائقہ ایک بار پھر گویا ہوئی تھی۔ اس بار آواز اسے اپنے کان کے عین قریب محسوس ہوئی۔

''ہم سے ملنے آئی اور ہم سے ملے بغیر جانے کا سوچ رہی تھی؟'' اس نے گردن جھٹک کر اپنے دائیں طرف دیکھا تو عائقہ کے لبوں کو اپنے کان کے بالکل قریب پایا۔ اس نے واقعی اسے بری طرح چونکا دیا تھا مگر حیرت یہیں ختم نہ ہوئی۔ جیسے ہی اس نے نفی میں گردن ہلانا چاہی تو آنکھوں کے دیکھنے کی قوت جیسے جواب ہی دے چکی تھی۔ سانسوں نے چلنے سے انکار کر دیا۔ پاؤں تو جیسے زمین میں دھنستے چلے گئے۔ وہ اس گھر کے ہال میں کھڑی تھی۔ بنا چلے وہ اس گھر کے عین وسط میں پہنچ چکی تھی۔ عائقہ اس کے گرد گھومتے ہوئے مسلسل اپنی نظروں کا مرکز بنائے ہوئے تھی۔ اس کا لباس آج بھی سیاہ تھا۔ کسی تاریک رات سے بھی زیادہ سیاہ اور ایک آنکھ آج بھی حسین و جمیل زلفوں کے زندان میں قید تھی۔

''مم میں۔۔۔اندر۔۔کیسے؟'' وہ بری طرح بوکھلا چکی تھی۔ لبوں نے متحرک ہونا چاہا مگر جیسے ان پر مہر لگائی جا چکی تھی۔ بمشکل اس نے یہ الفاظ کہے تھے۔

''یہ سب تو ہمارے لئے بہت معمولی ہے مقدس۔۔۔اصل کام بتاؤ۔۔۔کیوں آئی ہو یہاں؟'' اس کے چہرے پر ذرا برابر بھی شکن نہ تھے۔ وہ اس کے عین سامنے آکر رکی تھی۔ دونوں ہاتھوں کو سینے پر باندھنے کی وجہ سے اس کی ساڑی کا پلو سمٹ چکا تھا۔ روشنی کی ایک کرن تھی جو اس کے برہنہ حصے سے نکلی تھی یا پھر ایک بہت گہرا چھل؟ مقدس کسی بھی نتیجے پر پہنچنے سے قاصر تھی۔

''کک کون ہو تم؟'' اسے پہلے سے کہیں زیادہ وحشت محسوس ہوئی تھی۔ جس پر ایک زبردست قہقہہ اس گھر کی چار دیواری میں گونجا تھا مگر اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اکیلی نہیں ہنس رہی۔ گھر کا ذرہ ذرہ اس کے سنگ ہنس رہا تھا۔ اس کی سماعت کے پردے پھٹنے لگے تھے۔

''بتایا تو تھا۔۔ہمارا نام عائقہ ہے'' اس نے طنزیہ کہا تھا۔

''کک کیا چاہتی ہو تم؟'' اس نے بمشکل اس کی

پاکستانی ڈائجسٹ پوائنٹ ڈاٹ کام
عظیم وقار

مستند ڈاکٹروں، حکیموں اور ماہرین طب کی ہدایات اور مشوروں سے لکھی گئی مفید کتاب

قیمت-/100 روپے

ہیپاٹائٹس اور علاج
(کالا یرقان)

پڑھیے ہیپاٹائٹس کیوں اور کیسے ہوتا ہے، جگر کی ساخت، جگر کا اہم کام، یوریا بننے کا عمل، ناکارہ خون کے ذرات، مفید عضو، ہیپاٹائٹس اور کینسر، جنسی علامات، مرض کی وجوہات، قدرتی نظام، گردوں کا عمل، ہیپاٹائٹس اے، اور ہیپاٹائٹس بی، ایلوپیتھی اور ہومیو پیتھی علاج، ہیپاٹائٹس کا طبی علاج، دافع درد جگر، نسخہ دافع یرقان، نسخہ آملہ، شربت انار، عرق کاسنی، نسخہ آب آہن تاب، خشک انجیر سے علاج، گردے کا درد، گردے کا ورم، جگر پر ورم، جگر میں گرمی، یرقان (پیلیا)، زیادہ پیشاب آنا، گردوں کے نقص، جگر میں ورم کے لئے، تلی کا رائے سے علاج، تلی بڑھنا، تلی کا ورم، آک سے یرقان کا علاج، امراض گردہ مثانہ کے چند نسخے، دن میں صرف دو بار کھایئے، دن میں آٹھ گلاس پانی پینا ضروری ہے، روزانہ پندرہ منٹ ورزش کریں، حفظان صحت کے 39 اصول، اور دیگر معلومات اور ان کا علاج گھر بیٹھے کیجئے۔

حکیم غلام مصطفےٰ

شمع بک ایجنسی
نوید اسکوائر اردو بازار کراچی
Ph:32773302

آنکھوں میں جھانکا تھا جہاں انتہائی ظلمت کا عالم تھا۔

''ضارف؟'' اس نے پوری ڈھٹائی کے ساتھ اپنے لبوں کو بالکل قریب لاکر سرگوشی والے لہجے میں کہا تھا۔ جس پر ایک بیوی کا پورا بدن تلملا اٹھا۔ اس کی آنکھوں میں ڈر اور وحشت اپنی جگہ بنانے کی بجائے ایک جنون ابھر آیا تھا۔ اس نے اپنی مٹھیاں بھینچیں اور ایک طمانچہ اس کے دائیں رخسار پر پیوست کیا۔ طمانچے کی گونج اس قدر تیز تھی کہ پورے گھر میں خاموشی چھا گئی۔ ہوا کی سرگوشیاں بھی پل بھر کے لئے ساکت ہوگئیں۔

عائقہ کی آنکھوں میں جیسے لاوا جوش مارنے لگا تھا۔ سفید موتی کی طرح چمکتی آنکھیں یکدم کسی اندھے کنویں کی مانند گہری اور ظلمت میں نہا گئیں۔ اس نے کسی شیرنی کی طرح پلٹ کر مقدس کی طرف دیکھا تھا جبکہ اس کی نگاہیں ابھی تک عائقہ کو گھور رہی تھیں۔ ڈر اور وحشت کہیں کھو چکا تھا۔ ایک اہنکار اس کے پورے وجود پر حاوی تھا۔

''تمہاری ہمت کیسے ہوئی کہ ہم پر ہاتھ اٹھاؤ'' وہ جبڑے بھینچتے ہوئے گویا ہوئی تھی۔

''اگر میرے ضارف کی طرف تم نے آنکھ اٹھا کر بھی دیکھا تو اچھا نہیں ہوگا'' اس نے پلٹ کر اسی لہجے میں جواب دیا تھا۔ جس پر اس نے استہزائیہ انداز میں قہقہہ لگایا اور مقدس کی طرف پشت کرکے اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے۔ ایک روشنی ان ہاتھوں کے درمیان سے پھوٹی اور سامنے زینے کے بالکل اوپر ایک مبہم سے عکس نمودار ہوئے۔ مقدس کی نگاہیں ان عکس کو پہنچاننے کی کوشش کرنے لگی تو جیسے سکتے میں آگئیں۔ آنکھیں یک ٹک انہیں دیکھتی رہی۔ وہ ضارف کا عکس تھا جو اپنے بیڈ پر بے سود لیٹا تھا۔ بیگم سلطانہ اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اس کی بلائیں اتارتے ہوئے نظر آرہی تھیں۔

''یہ میری آنکھوں کا ہی تو کمال ہے۔۔۔'' وہ زہریلی کاٹ کو لبوں پر بکھیرے پلٹی تھی ''مطلب؟'' اسے اپنی آنکھوں پر یقین ہی نہیں آرہا تھا۔ عائقہ اس کی سوچ سے بھی زیادہ خطرناک تھی۔

''مطلب ۔۔ ابھی تک نہیں سمجھی بے وقوف عورت۔۔۔'' ایک ہوا کے جھونکے نے اس کی دوسری آنکھ کو آویزاں کردیا۔ وہی کمک ایک بار پھر مقدس پر آویزاں ہوگئی۔ آنکھیں ایک جگہ پر ہی ٹھہری سی گئیں۔ وہ بے جان سی مورت دیکھائی دے رہی تھی جس کی نگاہوں سے دیکھنے کی طاقت چھینی جا چکی تھی۔ سانسوں نے بھی پل بھر کے لئے چلنے سے انکار کردیا۔ عائقہ کی دوسری آنکھ اپنے اندر وحشت کی ایسی گہرائی سینتے ہوئے تھی کہ جو غلطی سے اس میں گر جائے، واپس نکلنا محال ہو۔ رات کی ایسی گھٹا چھائی تھی کہ آ ہوئے زریں بھی اپنی تمام تر طاقتیں وہاں روشنی کی ایک کرن بکھیرنے کے لئے صرف کرڈالے مگر ظلمت ختم نہ ہو۔ بادلوں کی گرج میں یکدم اضافہ ہوگیا مگر کڑکتی بجلی نے پورے گھر میں مدہم نیلی روشنی کو بکھیرا تو اس نے اپنے آپ کو کسی پرانے کھنڈر میں محسوس کیا۔ ایسا کھنڈر جو صدیوں سے ویران ہو۔ جہاں کی زمین بھی پانی کی بوند بوند کو ترسی ہوئی ہو اور ہوائیں اپنے اندر خاموشی کے گہرے راز سمیٹے ہوئے ہو۔

''تت تم انسان نہیں ہوسکتی۔۔۔ نہیں ہوسکتی انسان۔۔'' ایک ہوا کا جھونکا چلا تو اس کے قدم لڑکھڑائے ۔ وحشت کے سمندر سے اس نے ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے باہر نکلنے کی کوشش کی مگر ظلمت تھا کہ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ ایک شیطانی قہقہہ فضا میں گونجا تھا۔

''نہ میں انسان ہوں اور نہ روح۔۔۔ دونوں کے درمیان ایک ایسی کڑی۔۔۔ جسے صدیوں سے اپنے محبوب کی تلاش تھی اور آج صدیوں بعد مجھے میرا محبوب مل چلا ہے۔'' آواز میں ایسی کڑک تھی کہ ذرہ ذرہ کانپ اٹھا۔ مقدس کی پیشانی بھی پسینے سے شرابور ہوچکی تھی۔ پہلی بار آنکھیں روشنی کی بجائے ظلمت کی گہرائی کی وجہ سے چندھیائی تھیں۔

''محبوب؟'' وہ تذبذب کا شکار دیکھائی دی تھی۔

''ہاں محبوب۔۔۔ ہماری محبت ۔۔۔ ہمارے ساغر کی روح۔۔۔ جو اس وقت تمہارے ضارف کے جسم

میں ہے۔ وہ دراصل ہمارے ساغر ہیں۔'' ہوا کے سنگ اس کی جھاڑیوں کی مانند خم دار زلفیں لہراتی جارہی تھیں۔ آنکھیں یک ٹک مقدس کے چہرے پر ایسی گھات لگائے ہوئے تھیں جیسے ابھی نوچ کر کھا جائیں گی۔

''جھوٹ۔۔۔ یہ جھوٹ ہے۔۔ وہ صرف میرے ضارف ہیں سمجھی تم۔۔۔ تمہارا شیطانی ساغر نہیں۔۔'' اس نے مٹھیاں بھینچتے ہوئے کہا تھا جس کا خمیازہ اسے بہت جلد بھگتنا پڑا۔

''مقدس۔۔۔!!'' اس کی آنکھیں انگارہ برسا رہی تھیں۔ اپنا دائیاں ہاتھ آگے بڑھایا تو ہوا کے ایک زبردست جھونکا چلا جس نے مقدس کے وجود کو ہوا میں ایسے لاکھڑا کیا جیسے کوئی بے جان کاغذ ہو۔ خوف سے اس کی آنکھیں پھیل چکی تھیں۔ سماعت میں ہوا شائیں شائیں کررہی تھیں۔ قدم اپنے نیچے زمین کی جستجو میں تھے اور سانسیں تو جیسے ہر لمحہ قیامت ڈھا رہی تھیں۔

''ضارف صرف ہمارے ہیں۔'' وہ جبڑے بھینچتے ہوئے چلائی تھی۔

''یہ تمہاری خوش فہمی ہے۔ میں تم جیسی عورت کو کبھی ضارف تک نہیں پہنچنے دونگی۔ کبھی نہیں۔۔'' مقدس کے الفاظ اس کے لئے ناقابل برداشت تھے۔ ہاتھ کا اشارا اس نے بائیں جانب کی دیوار کی طرف کیا تو اس کا جسم ہوا میں لہراتا ہوا دیوار کے ساتھ جا ٹکرایا۔ پیشانی پر زبردست ضرب لگی تھی۔ خون کی ایک لکیر بہتی چلی گئی۔

''تم مجھے چاہے جتنی بھی تکلیف پہنچادو مگر یاد رکھنا عائقہ جس وقت ضارف کے سامنے میں نے تمہاری حقیقت عیاں کردی۔ وہ تم سے نفرت کریں گے۔ صرف نفرت۔۔۔'' وہ ہکلاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگا تھا۔ جس پر عائقہ کے اشتعال کی انتہا نہیں رہی۔ آنکھیں مسلسل قہر برساتی جا رہی تھیں۔ حدت کا یہ عالم تھا کہ ذرے بھی مشتعل ہوکر انگاروں کی صورت اختیار کر گئے۔ ہر شے آگ میں جھلستی دیکھائی دے رہی تھی۔ اس نے اپنی مٹھیاں بھینچیں تو مقدس کا بدن خود بخود اس کی طرف کھینچتا چلا گیا۔ مقدس نے اپنا گلا، اس کے چنگل سے آزاد کروانے کی ہر ممکن سعی کی مگر ناکام رہی۔

''حقیقت بتانے کے لئے تم زندہ رہو گی تو کچھ کہو گی۔۔۔'' اس کی نگاہیں مقدس کے جسم سے جینے کی ہر تمنا جذب کرتی جارہی تھیں۔ نادیدہ لہریں مقدس کے جسم سے نکلتیں اور اس کی آنکھوں میں جذب ہوکر رہ جاتیں۔

''تم میرا کچھ نہیں۔۔۔ بگاڑ سکتی۔۔۔'' نقاہت سے اب اس پر غشی کے دورے پڑ رہے تھے مگر وہ زبردستی اس کا مقابلہ کئے جارہی تھی۔

''یہ تمہاری بھول ہے مقدس۔۔۔ میری ایک نظر۔۔ صحت مند جانور کو ہنڈیا تک، ہرے بھرے درخت کو جھلستی آگ تک، سینہ تانے کھڑے پہاڑ کو پاؤں کی مٹی تک اور ایک انسان کو قبر کی مٹی تک پہنچادیتی ہے۔۔'' اس نے تمسخرانہ جملہ کسا تھا۔ لہریں مسلسل نکلتی جا رہی تھیں اور وہ فرش پر ڈھے چکی تھی۔ اٹھنے کی بھی سکت باقی نہ بچی تھی۔ اس نے بمشکل اپنی نگاہیں اوپر اٹھائیں۔

''یہ تمہاری غلط فہمی ہے عائقہ۔۔۔ نظرِ بد محبت کرنے والوں کو جدا تو کرسکتی ہے مگر محبت کو مٹا نہیں سکتی۔۔۔ دیکھ لینا تم مجھے مار کر بھی ضارف کو کبھی حاصل نہیں کرسکو گی۔۔ کبھی نہیں۔۔۔ وہ صرف مجھ سے محبت کرتے ہیں۔۔ اور کرتے رہیں گے۔۔'' سانسوں نے اکھڑنا شروع کردیا تھا۔ خون سے ہاتھ رنگے جا چکے تھے۔

''مقدس۔۔۔'' یہ اُس کا آخری حملہ تھا۔ چھت کا فانوس، جو جانے کتنی صدیوں پرانا تھا، اس پر لاگرایا۔ ایک دردبھری چیخ ابھری اور دنیا سے ایک محبت کی کہانی بنا اپنے انجام کو پہنچے دم توڑ کر رہ گئی۔ ہواؤں میں یکدم سکوت چھا گیا۔ عائقہ کی نگاہیں مسلسل ان پتھروں کے ڈھیر کو گھورے جارہی تھیں۔ دھیمے قدموں کے ساتھ وہ آگے بڑھی اور استہزائیہ مسکرائی۔

''اب کیا ہوا تمہیں؟ کہا تھا ناں۔۔۔ میری نظرِ بد ایک انسان کو قبر کی مٹی تک پہنچادیتی ہے۔ دیکھو۔۔۔ تم بھی وہاں پہنچ گئی۔۔ اب کیسے بچاؤ گی۔ اپنے ضارف کو۔۔۔ اوہ۔۔۔ ہمارے ضارف کو کیسے چھینو

وقار عظیم پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

گی؟'' گردن جھٹکتے ہوئے وہ یک دم پلٹی تھی۔ ہواؤں کا ایک غول متحرک ہوا۔ اور وہ فانوس جو مقدس کے جسم پر گرا تھا۔ دھیرے دھیرے غائب ہوتا چلا گیا۔ کھنڈر دوبارہ کسی اعلیٰ قسم کے گھر کی شکل اختیار کر گیا۔ اس کا اجڑا بدن بھی تازہ بخش ہوتا چلا گیا۔ زینے کے بالکل قریب پہنچ کر وہ یک دم پلٹی تو وہاں فانوس نام کی کوئی شے نہ تھی۔ مقدس کا مردہ جسم بھی غائب ہو چکا تھا۔

لبوں پر ایک مسکراہٹ ابھری اور پھر وہ زینے چڑھنے لگی۔

کمرے میں انتہا کی خاموشی تھی۔ ہر شے پر سکوت کا عالم تھا۔ جیسے ہر شے پرسکون نیند کا مزہ لے رہی ہو۔ ایک جسم دنیا و مافیہا سے بے خبر بے سدھ بیڈ پر لیٹا تھا۔ لحاف سینے تک تھا۔ کھڑکی کے پردے ہوا کے سنگ لہرا رہے تھے۔ دن کا اجالا کمرے میں تانک جھانک کر رہا تھا۔ تبھی وہاں قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ کوئی دھیرے دھیرے اس کے کمرے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ایک اپنائیت کا انداز سمیٹے ہوئے وہ وجود اس کے کمرے میں داخل ہوا اور پل بھر کے لئے مسکرا کر سوئے ہوئے ضارف کو دیکھنے لگا۔ چمکتے سفید لباس میں ملبوس یہ وجود اپنے اندر انتہا کی کشش سمیٹے ہوئے تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کا وجود کسی نور سے بنا ہو۔ وہ دھیمے قدم اٹھاتے ہوئے بیڈ کی جانب بڑھی تو قدموں کی آہٹ بھی بند ہو گئی۔ جیسے اس کا ارادہ ضارف کی نیند میں مخل ہونے کا ہرگز نہیں تھا۔ وہ ضارف کے بائیں جانب آ بیٹھی تھی۔ اس کا لہراتا آنچل زمین بوس تھا۔ اس کے آنچل کو بوسہ دیتے ہی جیسے وہ زمین بھی منور ہو چکی تھی۔ نور دھیرے دھیرے پورے فرش میں سرایت کر گیا۔ کمرے کی ہر شے چمکتی دیکھائی دی۔ اس نے اپنا ہاتھ ضارف کے بالوں میں پھیرا تھا۔

''ضارف۔۔۔ اٹھیے ضارف۔۔۔ دیکھیے میں آ گئی۔۔۔ آپ کے پاس۔۔۔ آپ کی مقدس۔۔۔ آپ کے پاس ہے۔'' اس کا انداز انتہائی شیریں تھا۔ وہ گردن کو معمولی سا خم دیئے اس کے اوپر آدھی جھکی ہوئی تھی۔

''اٹھیے ضارف۔۔۔'' وہ اپنا ہاتھ اس کے بالوں میں پھیرتے ہوئے مسلسل کہہ رہی تھی۔ ضارف کے جسم میں ذرا سی جنبش ہوئی جیسے وہ اس آواز کو سن چکا تھا۔ وہ مسکرائی اور بیڈ سے کھڑے ہوتے ہوئے دائیں جانب کھڑی ہو گئی۔

''مقدس۔۔۔'' وہ چلایا۔ اپنا ہاتھ آگے بڑھایا جیسے وہ اسے کہیں جانے سے روک رہا ہو مگر ایسا نہ کر سکا۔ کمرے میں چھایا نور یکدم غائب ہو گیا۔ آواز اتنی زوردار تھی کہ سب گھر والے وہاں آن پہنچے۔

''کیا ہوا ضارف؟'' طاہر آگے بڑھا۔ بیگم سلطانہ بھی اس کے بائیں جانب آ بیٹھیں اور اپنے بیٹے کا چہرہ اپنی آغوش میں لے لیا۔

''کیا ہوا ضارف؟ تم ٹھیک تو ہو ناں۔۔؟''

انہوں نے فکرمندی والے لہجے میں استفسار کیا تھا

''امی۔۔ وہ۔۔۔ مقدس۔۔۔ وہ مجھے چھوڑ کر جا رہی ہے۔۔ جا رہی ہے۔۔۔ روک لیں اسے۔۔۔''

آنکھوں میں ہجر کا کرب واضح تھا۔ دل میں ویرانی اپنا ڈیرہ جمائے ہوئے تھی۔ درد اپنے جوبن پر تھا۔ سب کی آنکھیں اشک بار دیکھائی دیں۔

''نہیں ضارف۔۔ میں کہیں نہیں جا رہی۔۔ دیکھیے۔۔ آپ کے سامنے تو کھڑی ہوں میں۔۔۔''

مقدس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا تھا مگر وہاں موجود کوئی شخص بھی اس کی آواز سن نہ سکا۔

''پلیز۔۔ روک لیں اسے۔۔۔ وہ مجھے اکیلا چھوڑ کر نہیں جا سکتی۔۔۔ پلیز روک لیں اسے۔۔۔'' وہ بچوں کی طرح بلک بلک کر رہ رہا تھا۔ مقدس کا کلیجہ بھی منہ کو آ گیا مگر کسی نے اس کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہ کیا۔ سب ضارف کو تسلیاں دے رہے تھے اور وہ شش و پنج کا شکار حیرت سے ایک ایک کو تک رہی تھیں۔ کوئی نہ اس کو سن پا رہا تھا اور نہ ہی دیکھ سکتا تھا۔ چہرے کی طمانت حیرت میں بدل گئی۔ ضارف کی طرف دیکھا تو اسے بے آب ماہی کی طرح تڑپتا ہوا پایا۔ وہ اس کے بالکل سامنے آ بیٹھی تھی۔

''ضارف۔۔ میری طرف دیکھیے۔۔ میں آپ کے بالکل سامنے بیٹھی ہوں۔ آپ کو چھوڑ کر نہیں گئی۔ دیکھیے تو سہی میری طرف۔'' وہ اس کا دھیان اپنی طرف مبذول کرانے کی ہر ممکن کوشش کر رہی تھی مگر اس کی آنکھیں تو بس اشک برساتی جا رہی تھیں۔

''نہیں میرے بیٹے۔۔!! حوصلہ رکھو۔۔'' بیگم سلطانہ نے اسے حوصلہ دیا تھا۔ عبدالقادر نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا تو وہ جذبات مزید مچل اٹھے تھے۔

''ابو۔ مقدس کو کہیے ناں۔ واپس آ جائے۔ وہ آپ کی بات تو کبھی نہیں ٹالتی تھی۔ پلیز کہیں نا اسے۔۔''

اُن کا ہاتھ تھامے وہ گلوگیر لہجے میں کہتا جا رہا تھا۔

''ضارف! یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟ میں گئیں کہاں تھی؟ آپ کے پاس ہی تو ہوں۔'' وہ کہتی جا رہی تھی مگر سننے والا ایک لفظ بھی سننے سے قاصر تھا۔

''نیچے سب انتظار کر رہے ہیں۔۔'' بالآخر طاہر نے کہا تھا۔ جس پر سب کی آنکھیں ایک بار پھر اشک برسانا شروع ہو گئیں۔ ضارف نے بیگم سلطانہ کی طرف دیکھا تو انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ درد مزید بڑھ گیا۔ سب کے قدم دھیرے دھیرے دروازے کی طرف بڑھنے لگے۔

''تمہارا سب انتظار کر رہے ہیں'' اقصیٰ بھی یہ کہہ کر باہر کی طرف چل دی۔ وہ دوبارہ کمرے میں اکیلا تھا۔ آنکھوں میں فقط آنسو تھے۔ اس نے اپنے دائیں جانب دیکھا جہاں مقدس کھڑی تھی۔ اس کی نظریں وہاں ٹھہر سی گئیں۔

''ہاں۔۔ ضارف۔۔ یہ میں ہوں۔۔ آپ کی مقدس۔۔۔ بتائیں ناں آپ سب کو۔۔ میں یہیں ہوں۔'' وہ اپنے ہونے کا یقین دلا رہی تھی مگر اس کی نگاہیں بالکل ساکت تھیں۔ وہ آگے بڑھی تو جیسے سانسیں ساکت رہ گئیں۔ وہ اس کی بجائے، اس کی تصویر کو دیکھ رہا تھا۔ جو فریم میں سائیڈ ٹیبل پر رکھی تھی۔ ہاتھ بڑھا کر اس نے وہ فریم اٹھایا اور اس تصویر کو اپنے بالکل سامنے کرتے ہوئے اپنا حالِ دل اس کے ساتھ بانٹنا چاہا تھا

''تم چھوڑ کر چلی گئی مجھے مقدس؟ کیوں؟ تم جانتی بھی ہو۔ میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں۔ تمہارے بنا جینے کا تصور بھی کرنا میرے لئے محال ہے اور تم مجھے اس منجھدار میں چھوڑ کر تنہا نئی منزل کی طرف گامزن ہو گئی؟ کیوں مقدس کیوں؟ کیا میرا ساتھ تمہاری محبت بس اتنی تھی کہ نئے سفر میں مجھے اپنا ہمسفر بنانا بھی تم نے مناسب نہ سمجھا۔۔۔!!'' اس کا انداز استفہامیہ تھا۔ آنکھیں اشک برساتے برساتے تھک چکی تھیں۔

تجھ سے جدا ہوا کر مجھے محسوس ہوا ہے
میں کتنا اکیلا تھا تیرے آنے سے پہلے
میری سانسیں تھی رواں، تجھ سے میرے ہمدم
تیرے جانے سے تھم گئیں، میرے دل کی ہر دھڑکن
تم سے شروع ہوئی تھی جو اپنی پریم کہانی
اب ٹوٹ چکی ہے اس کی روانی
میں کتنا اکیلا ہوں، تبھی آنسو بہاتا ہوں
درد کو میں اپنے بس تجھے ہی سناتا ہوں
سن لے میری تمنا، اے میرے جانِ جہاں
ایک بار تُو آجا، میری جان جاناں۔۔۔!!

وہ تصویر کو اپنے سینے سے لگائے دونوں بازوؤں کو اس کے گرد لپیٹے ہوئے تھا۔ اشک بہتے جا رہے تھے۔ درد بڑھتا جا رہا تھا۔ تب ہی اسے نیچے جانے کا خیال آیا اور تصویر دوبارہ سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر پلٹا اور باہر کی طرف چل دیا۔ مقدس بھی حیرت سے اسے تکے جا رہی تھی۔ اس کے قدم پا کی پیروی کرتے ہوئے نیچے آئی تو آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اس کے سامنے اس کا جسم بے حس و حرکت ایک چارپائی پر رکھا ہوا تھا۔ سفید کفن میں صرف اس کا چہرہ ہی آویزاں تھا جو بری طرح گھائل ہو چکا تھا۔ پولیس والوں نے اسے ایک حادثے کا نام دیا تھا جو تیز ڈرائیونگ کرنے کی وجہ سے پیش آیا تھا۔ حیرت کا دوسرا جھٹکا تب لگا جب اس نے اپنے ہی جسم کے پاس عائقہ کو دیکھا۔ جو کہ اب ضارف کی طرف بڑھ رہی تھی۔ سارا منظر آنکھوں کے سامنے لہرایا۔ اس کی مکاری، اس کی نظرِ بد۔۔۔ سب کچھ۔

''حوصلہ رکھیے ضارف! شاید قسمت کو یہی منظور تھا۔ آپ دونوں کا ساتھ شاید یہیں تک لکھا تھا۔'' وہ ہمدردانہ لہجے میں کہہ رہی تھی۔

''نہیں ضارف۔۔۔ ہمارا ساتھ آگے بھی لکھا تھا مگر اس نے۔۔۔ اس عائقہ نے ہمارے ساتھ کو اتنا مختصر بنا دیا۔ آپ سے مجھے جدا کرنے والی کوئی اور نہیں یہ عائقہ ہی ہے۔ اس نے ہمیں جدا کیا ہے۔ اس سے پوچھیے۔۔۔ اس نے ایسا کیوں کیا؟'' وہ چلاتے ہوئے عائقہ کی حقیقت عیاں کرنے کی کوشش کررہی تھی مگر کوئی سننے والا ہوتا تو اس کی بات کا یقین کرتا۔ کوئی اس کے لفظوں کو سن ہی نہیں پارہا تھا۔ ہوا کی سرگوشیاں بھی سنائی دیتی ہیں۔ سوئی کے گرنے کی بھی آواز ہوتی ہے مگر وہ تو جیسے اتنی بھی حیثیت نہیں رکھتی تھی۔

''آپ اپنے آپ کو تنہا مت سمجھیے گا۔ ہم ہمیشہ آپ کے ساتھ ہیں۔'' اس نے اپنا ہاتھ ضارف کے شانے پر رکھا تو مقدس کی روح کو برداشت نہ ہوا۔ اس نے آگے بڑھ کر عائقہ کا ہاتھ ہٹانا چاہا مگر ایک بار پھر ناکامی مقدر بنی۔ اس کا ہاتھ ان دونوں کے جسم سے آر پار نکل گیا اور انہیں خبر تک نہ ہوئی۔ اس نے حیرت سے اپنے ہاتھ کی طرف دیکھا اور دوبارہ کوشش کی مگر وقت نے اپنا کھیل نہ بدلا۔ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے مگر ان کی کوئی وقعت نہ تھی۔

کچھ دیر بعد اس کا جنازہ اٹھا دیا گیا مگر اس کی روح تو جیسے اس دنیا میں قید ہو کر رہ گئی۔ ضارف کے پیچھے چلتے ہوئے وہ اسے اپنے ہونے کا یقین دلانے کی کوشش کررہی تھی مگر اس کی آنکھیں تو مادہ کی پرستش کرتی تھیں۔ روحانی اشیاء کو کیسے دیکھ سکتی تھیں؟ انہیں کیسے محسوس کرسکتی تھی۔

''ضارف۔۔۔ میری بات سنیں۔۔۔ میں آپ کے پاس ہوں۔۔۔ پلیز میری بات سنیں'' وہ مسلسل چلا رہی تھی مگر وہ انجان بنا چلتا جارہا تھا۔ وہ وجود جو کبھی بن کہے اس کے دل کی آرزوؤں کو سمجھ لیا کرتا تھا آج لبوں کے متحرک ہونے پر بھی الفاظ کو سماعت کا حصہ بنانے سے انکار کررہا تھا۔

''پلیز۔۔۔ ضارف۔۔۔ ایک بار پلٹ کر تو دیکھیں۔۔۔'' اس نے تھک ہار کر گلوگیر لہجے میں اپنی تئیں کوشش کی تھی۔ اس بار جیسے دستک کی آواز سنائی دی تھی۔ اس کے قدم رکے اور وہ پلٹا۔ ہواؤں میں کچھ الگ سا محسوس ہوا۔ جانی پہچانی سی خوشبو اس کے دل میں اترنے لگی تھی۔

''ایسا کیوں لگ رہا ہے مقدس، جیسے تم میرے آس پاس ہو'' اس نے زیر لب کہا تھا۔ آنسوؤں کو قدرے قرار آچکا تھا

''آپ بالکل صحیح سمجھ رہے ہیں ضارف۔۔۔ میں آپ کے سامنے ہوں۔۔۔ دیکھیے۔۔۔'' خوشی کے سبب وہ مسکرانا بھی بھول چکی تھی۔ اپنے ہاتھوں کو اس کے رخسار کو چھوا تو نرم وملائم لمس کے سبب اس کی آنکھیں پل بھر کے لئے بند ہوگئیں۔

''محسوس کیجیے۔۔۔ اس احساس کو ضارف۔۔۔ محسوس کیجیے۔۔۔'' موتی رخسار پر چمک رہے تھے اور وہ اپنی محبت کا یقین دلانے کی کوشش کررہی تھی۔

''ضارف۔۔۔ چلو۔۔۔'' طاہر نے شانے پر ہاتھ رکھے تو وہ ایک بار پھر انجان بنتا ہوا چل دیا۔ اس کے لئے تو جیسے زمین وآسمان کے تمام دروازے بند کر دیئے گئے۔

''ضارف۔۔۔!!!'' وہ شکست خوردہ شخص کی طرح چلائی تھی۔ جو اپنا تمام تر سرمایہ بری طرح ہار چکا ہو۔

''وہ نہ تو تمہیں سن سکتا ہے اور نہ ہی دیکھ سکتا ہے۔'' ایک آواز اسے اپنے عقب سے سنائی دی تھی۔ وہ برجستہ پلٹی تو درخت کے نیچے ایک بزرگ کو بیٹھے ہوئے پایا۔ وہ حیرت سے دیکھتے ہوئے اس برگد کے نیچے بیٹھے ہوئے بزرگ کی طرف بڑھی

''پھر آپ کیسے سن اور مجھے دیکھ سکتے ہیں؟'' اس نے حیرت سے استفسار کیا تھا

''روح کو دیکھنے کے لئے ظاہری بصارت نہیں بلکہ قلبی بصارت کی ضرورت ہوتی ہے۔'' انہوں نے

تمکنت کے ساتھ جواب دیا تھا

''روح؟'' اس کے سر پر جیسے کسی نے بم پھوڑا تھا۔ وہ یک ٹک دیکھتی رہ گئی۔

''ہاں۔ تم مرچکی ہو۔ اس بدروح نے تمہیں مار دیا ہے مگر تمہارا عزم اتنا مضبوط تھا کہ مرنے کے بعد بھی تم اپنی محبت کو اس بدروح کی نظر بد سے بچانے کیلئے چلی آئیں۔'' اس بزرگ نے جیسے اس پر ایک نیا انکشاف کیا تھا۔ وہ سکتے کے عالم میں تھی اور ان لفظوں کا مفہوم سمجھنے کی کوشش میں سرگرداں تھی۔

''لیکن ضارف تو مجھے دیکھنا تو درکنار مجھے سن بھی نہیں پارہے۔ ایسے میں میں بھلا کیسے مدد کرسکتی ہوں؟'' وہ روہانسا سا گویا ہوئی تھی۔

''اس لڑکی کی مدد حاصل کرکے جو تمہیں دیکھ سکتی ہے'' بزرگ نے ایک بار پھر اس پر انکشاف کیا تھا۔ وہ آنکھیں پھیلائے پہلے سے زیادہ حیرت کے ساتھ اس بزرگ کو دیکھ رہی تھی۔ ''مطلب؟'' اس نے جواز جاننا چاہا تھا

''مطلب صاف ہے بیٹی! جیسے میں تمہیں دیکھ سکتا ہوں ایسے ہی ایک لڑکی اس دنیا میں ایسی ہے جو تمہیں دیکھ سکتی ہے۔ تم اس کی مدد سے ہی اپنے شوہر کو اُس عائقہ کی نظر بد سے بچا سکتی ہو۔''

''وہ لڑکی کہاں ملے گی؟'' وہ اب وقت ضائع کرنے کے حق میں نہ تھی۔ تبھی برجستہ استفسار کیا تھا۔

''تمہیں اسے ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں ہے۔ قسمت خود اسے تمہارے پاس لے آئے گی۔'' آنکھوں سے یقین دہانی کرائی گئی تھی۔ وہ ایک بار پھر دھیمے قدموں کے ساتھ واپس پلٹی تھی۔

''خدا تمہاری مدد کرے اس نیک کام میں۔ میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں'' بزرگ کی آواز سماعت میں گونجی تھی مگر نگاہیں تو ابھی سے اس چہرے کو ترا شنے لگی تھیں جو اس کے ضارف کو عائقہ کے چنگل سے بچانے میں مدد کرے گی۔

☆.....☆.....☆

وقت تیزی کے ساتھ گزرتا چلا گیا۔ مقدس کی کمی ضارف نے مصروفیت سے پوری کرنے کی کوشش کی۔ اپنے آپ کو بزنس میں اتنا مصروف کرلیا کہ اپنا عکس دیکھنے کی بھی اسے فرصت نہ ملتی تھی۔ زندگی تو جیسے ویران ہوچکی تھی۔ ساری رنگینیاں مقدس اپنے سنگ لپیٹ کر رخصت ہوچکی تھی۔ ایسے میں مقدس ضارف کی اس حالت کو دیکھ کر تڑپ اٹھتی۔ اس کی روح اپنی محبت کو یوں پل پل مرتا نہیں دیکھ سکتی تھی اور بالخصوص عائقہ کے ساتھ تو بالکل بھی نہیں۔۔۔ عائقہ ہر روز کسی نہ کسی بہانے سے ضارف کو اپنا عادی بنانے کی کوشش کررہی تھی۔ روز بروز اس نے ضارف کے گھر آنا شروع کردیا۔ مقدس اسے دیکھ کر کڑھتی مگر بے بسی کے سوا کوئی اس کا ہمدرد نہ ہوتا۔ اسے بس اب اپنے مسیحا کی تلاش تھی جس کی مدد سے وہ اپنے ضارف کو اس عائقہ کے چنگل سے بچا سکے کیونکہ ضارف نہ چاہتے ہوئے بھی اب اس کی سنگت میں وقت گزارنے لگا تھا۔

آج بھی وہ آفس میں اپنے کام کررہا تھا جب عائقہ سرخ رنگ کی ساڑھی میں اس کے کیبن میں بلا اجازت داخل ہوئی۔ وہ اس کے قدموں کی چاپ سے پہچان گیا تھا تبھی آنکھ اٹھا کر دیکھنا بھی گوارا نہ کیا۔ پازیب کی چھن چھن اس کی سماعت سے ٹکرائی تو اس کے ہاتھوں میں موجود قلم رک سا گیا تھا۔ آنکھیں لفظوں پر ٹھہر گئیں۔ پہلی بار اس نے مقدس کے علاوہ کسی اور کو دل سے پہچانا تھا۔

''آؤ بیٹھو۔۔۔'' اس نے بنا گردن اٹھائے کہا تھا۔ جس پر وہ مسکرادی اور ایک ادا کے ساتھ زلفوں کو کمر کے پیچھے دھکیلتے ہوئے ضارف کے عین سامنے براجمان ہوئی۔

''تو اب آپ ہمیں ہمارے احساس سے بھی پہچاننے لگ گئے ہیں'' اس نے شوخ ادا سے کہا تھا جس پر زبردستی مسکرادیا۔

''دوستوں کو پہچاننے کے لئے دیکھنا ضروری نہیں'' اس نے بنا کوئی تاثر دیئے بغیر کہا تھا

"لیکن مجھے تو احساس دوستی سے بڑھ کر محسوس ہوتا ہے۔۔" اس نے مدہوش آنکھوں سے ضارف کو دیکھا تو اس کی جھیل آنکھوں میں ڈوبتا چلا گیا۔ مقدس کی روح جو اس وقت وہیں، اسی کیبن میں تھی۔ اس کے لئے یہ سب کچھ دیکھنا ناقابل برداشت تھا۔ آنکھوں سے آنسو بہتے چلے گئے۔ جس محبت پر اس نے ہمیشہ ناز کیا تھا آج اس سے چھینتی ہوئے محسوس ہو رہی تھی۔ جس محبت پر اس نے اپنی جان تک قربان کردی وہ محض چار مہینے بھی اس محبت کو اپنے دل میں سنبھال کر نہ رکھ سکا۔ ایسی بھی کیا نظر کا لگنا کہ انسان اپنی محبت سے ہی نادیدہ ہوجائے۔ وہ اپنے جذبات کو ضبط کرتے ہوئے باہر کی طرف بھاگی۔ کیبن کا دروازہ بند تھا۔ وہ اسی بند دروازے سے آر پار چلی گئی۔ سب اپنے اپنے کام میں مشغول تھے۔ کسی کو اس کی سسکیاں اور آہیں سنائی نہ دیں۔ حتیٰ کے اس کا وجود بھی دیکھائی نہ دیا۔ وہ بھاگتے ہوئے آفس کے صدر دروازے پر پہنچی تھی۔ آنکھیں غم سے چور تھیں۔ ہر شے مبہم تھی۔ جس بنا پر وہ سامنے سے آتے ہوئے وجود کو بھی نہ دیکھ سکی۔ شانے سے شانہ ٹکرایا اور مخالف سمت سے آتی لڑکی کے ہاتھوں سے فائل نیچے گر گئیں۔

"آئی ایم سوری۔۔۔ میں نے آپ کو دیکھا نہیں۔۔" اس لڑکی نے نیچے جھک فائل اٹھاتے ہوئے کہا تھا۔ وہ اس کے الفاظ سنے بغیر آگے بڑھی تو جیسے دماغ میں کھڑکا ہوا۔ برجستہ وہ پلٹی تو وہاں ایک عام سی مگر قابل قبول صورت کی لڑکی تھی۔ جو زمین پر گری فائلیں اٹھا رہی تھی۔ مقدس باہر جانے کی بجائے اس کی طرف بڑھی۔

"کک کیا کہا تم نے؟" آنسو ایک پل کے لئے رک چکے تھے۔ وہ بے یقینی کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھی۔

"آئی ایم سوری۔۔۔ میں نے آپ کو دیکھا نہیں۔۔" اس نے گردن اٹھاتے ہوئے اپنے الفاظ دہرائے تھے۔

"اس کا مطلب تم مجھ دیکھ سکتی ہو؟ مجھے سن سکتی ہو؟" اس کے لبوں غیر دانستہ کسک ابھر آئی تھی۔ ایسا لگا جیسے اس کی دعا قبول ہوگئی۔

"تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ آپ کوئی روح تھوڑی ہیں۔ جو میں آپ کو نہیں دیکھ سکتی؟" اس نے بات کو مزاح کی طرف لے جانا چاہا تھا۔ اس سے پہلے کہ مقدس مزید کچھ کہتی وہاں گارڈ مین آ گیا۔

"یہ تم کس سے باتیں کر رہی ہو۔ اندر جاؤ۔۔" سخت الفاظ میں اس کی سرزنش کی گئی تھی۔ وہ لڑکی کچھ حیران ہوئی اور پھر اندر کی طرف چل دی۔

"سوری، آج میرا پہلا دن ہے اس آفس میں، بعد میں آپ سے بات ہوتی ہے" وہ بھاگتے ہوئے ضارف کے کیبن کی طرف بڑھی تھی۔ مقدس نے روکنا چاہا مگر اس نے پیچھے پلٹ کر نہ دیکھا

"May I come in Sir?" اس نے دروازہ ایک زوردار جھٹکے سے کھولا تو ضارف نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا جس میں چند لمحے پہلے عائقہ کا ہاتھ تھا۔ ضارف اپنی نگاہیں چرانے لگا جبکہ عائقہ کی نگاہوں میں سوائے اشتعال کے کچھ نہ تھا۔ اس نے حقارت کے ساتھ پلٹ کر دیکھا تھا۔

"آئی ایم سوری سر۔۔!! میں پہلے دن ہی لیٹ ہوگئی۔۔۔ دراصل ٹریفک اتنی زیادہ تھی کہ کوئی رکشہ ہی نہیں ملا رہا تھا۔" وہ اپنی مجبوریاں بتانا شروع ہوگئی۔ اس نے ضارف کو عائقہ کا ہاتھ تھامے نہیں دیکھا تھا مگر مقدس اس لمحے کو آنکھوں سے نہ نکال سکی۔ وہ حیرت سے ضارف کو دیکھ رہی تھی۔ جو اپنے وجود کو کسی اور کے حوالے کرنے جا رہا تھا۔

"شکر یہ تمہارا؟ آج تمہاری وجہ سے ضارف پل بھر کے لئے عائقہ کے ناپاک ارادوں سے بچ گئے۔۔" اس نے تشکر آمیز نگاہیں اس لڑکی پر ڈالی جو اس کی طرف پشت کئے کھڑی تھی۔

"تمہیں تمیز نہیں ہے کہ کسی کے کیبن میں بغیر اجازت داخل نہیں ہوتے۔" عائقہ نے اسے جھاڑا تھا۔

"آئی ایم سوری میم۔۔" اسے اپنے کئے پر ندامت ہوئی تھی۔

"اٹس او کے عائقہ جی۔۔۔ اور تم بریرہ اپنی فائل دو ادھر۔۔۔" ضارف نے حالا کو سنبھالتے ہوئے کہا تھا۔ عائقہ وہاں سے باہر چلی گئی جبکہ بریرہ نے اپنی فائل ضارف کی طرف بڑھائی۔ اس نے پل بھر کے لئے اس کا سرسری جائزہ لیا۔

"اچھے مارکس ہیں تمہارے مگر بزنس میں مارکس نہیں مائنڈ چلتا ہے مس بریرہ۔۔۔" اس نے استفہامیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"اس کی تو فکر ہی مت کیجیے سر۔۔ وہ تو میرے پاس بہت زیادہ ہے۔۔" اس نے ایک ادا سے شوخ لہجے میں کہا تھا جس پر پیچھے کھڑی مقدس ہنس دی مگر ہنسی اتنی دھیمی تھی کہ بریرہ اسے نہ سن سکی۔

"گڈ۔۔۔ اچھی بات ہے" تعریف کرتے ہوئے ضارف نے اپنی گردن اثبات میں ہلائی۔ وہ فائل دوبارہ بریرہ کی طرف بڑھانے لگا تو اس کا ہاتھ فوٹو فریم سے ٹکرایا وہ نیچے زمین پر آ گرا۔ فوٹو کے زمین سے مس ہونے کی دیر تھی کہ اس کے جسم میں کرنٹ دوڑ گیا۔ وہ برق رفتاری سے اٹھا اور اس سے پہلے کہ بریرہ اس تصویر کو دیکھتی ضارف نے اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔ آنکھوں سے آنسو لڑھک گئے۔

"لگتا ہے یہ آپ کی وائف کی تصویر ہے۔" بریرہ نے اندازہ لگایا تھا۔ اس پر وہ خاموش رہا اور اپنی کرسی پر جا بیٹھا۔

"بہت پیار کرتے ہیں آپ اپنی وائف سے۔۔۔" بریرہ نے اس بار بھی حسب عادت سوال کیا تھا۔

"اپنی جان سے بھی زیادہ۔۔ مگر شاید قسمت کو ہمارا ساتھ رہنا منظور نہیں تھا۔" اپنے چہرے پر تاسف بکھیرے اس نے افسردگی سے کہا تھا

"اوہ۔۔ آئی۔۔ ایم سوری۔۔" ابھی وہ اپنے الفاظ مکمل کرنے میں کامیاب ہوئی تھی کہ ضارف نے مقدس کی تصویر دوبارہ ٹیبل پر رکھ دی۔ اس جانب تصویر کا آدھا رخ بریرہ کی طرف دیکھا۔ جیسے ہی اس کی نگاہ تصویر پر گئی تو آنکھیں بے ساختہ ٹھہر سی گئیں۔

"یہ آپ کی بیوی ہیں؟" اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے سوال کیا تھا۔

"ہاں۔۔۔ یا پھر شاید تھی۔۔۔ اس وقت ہمارے درمیان دو جہانوں کا فاصلہ ہے۔" اس نے آنکھوں کو مقدس کی تصویر پر جمایا ہوا تھا۔ عین اسی وقت مقدس کی روح بریرہ کے عین سامنے آ کھڑی ہوئی۔ ذہن نے ایسا چکرایا کہ وہ زمین پر آ گری۔ آہٹ پر ضارف پلٹا اور اسے اٹھانے کی کوشش کی مگر وہ تو بے ہوش ہو چکی تھی۔ مقدس بھی اسے اٹھانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا تو پیچھے دیوار کے ساتھ صوفہ نظر آیا۔ اس نے بانہوں میں بریرہ کو اٹھایا اور اسے صوفے پر لٹا دیا۔ اس کے چہرے پر فکر کے تاثر تھے۔ مقدس یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ ضارف دوبارہ پلٹا اور ٹیبل سے گلاس لا کر اس میں سے کچھ پانی کے چھینٹے اس پر گرائے۔ وہ جھلاتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تم ٹھیک تو ہو؟" ہمدردانہ لہجہ گویا ہوا تھا۔ بریرہ کی نگاہیں ایک بار پھر مقدس کے چہرے پر جا ٹھہریں۔

"بھوت۔۔۔!!!" اس نے انگلی سے مقدس کی طرف اشارہ کیا تھا۔ اس سے پہلے کہ ضارف پلٹ کر دیکھتا بریرہ پھر بے ہوش ہوگئی۔

"بریرہ؟" اس نے اس بار اس کے رخسار تھپتھپائے تھے۔ اس کے چہرے پر ایک فکر کا جہاں آباد تھا۔ اس نے دوبارہ پانی کی چھینٹے اس پر پھینکیں۔ وہ ہوش میں آئی تو اس نے ہکلاتے ہوئے سوال کیا

"کیا آپ کی بیوی واقعی مر چکی ہے؟" ضارف نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ بریرہ کی نگاہیں پلٹیں تو مقدس کو اپنے سامنے پایا ایک، بار پھر وہ بے ہوش ہوگئی۔ ضارف اس بار تلملا اٹھا۔ مقدس کے چہرے پر معمولی سی کسک ابھری۔ اسے اپنا وقت یاد آ گیا۔ جب پہلی بار وہ ضارف کو ملی تھی تو ایسے ہی بے ہوش ہو رہی تھی بس اُس وقت ماجرا کچھ اور تھا۔ ایک بار پھر وہ اسے ہوش میں لانے میں کامیاب ہوا تو اس نے ہاتھ جوڑ کر ذرا سخت

لہجے میں کہا تھا

''خدا کے لئے اس بار بے ہوش مت ہونا۔۔۔''

وہ پلٹا اور اپنی نشست پر جا بیٹھا۔ ایک بار پھر مقدس سامنے آ گئی۔ اس کی آنکھیں پھیلتی چلی گئیں۔

''بھ۔۔۔'' اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی۔ مقدس نے انگلی اپنے لبوں پر رکھ کر اسے خاموش رہنے کو کہا۔ وہ برق رفتاری سے اٹھی اور اس کے شانوں سے دور ہٹتے ہوئے ضارف کے ساتھ آ کھڑی ہوئی۔ ضارف اسے اپنے سر پر کھڑا دیکھ کر چونکا تھا

''تم یہاں کیوں کھڑی ہوگئی۔ جا کر اپنی پوزیشن سنبھالو۔۔۔'' وہ سہمی ہوئی مقدس پر اپنی نگاہیں جمائے ہوئے تھی۔ ضارف کا سخت لہجہ بھی اس کے لئے کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔

''سس سر۔۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے۔۔'' وہ مقدس پر نگاہیں جمائے کہہ رہی تھی۔ مقدس کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ ضارف نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا

''تم پاگل ہوگیا؟'' اس نے اچنبھے کے لہجے میں کہا تھا مگر اس کی آنکھیں تو قصداً مقدس پر ٹھہری ہوئی تھیں۔

''بے فکر رہو۔ میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گی؟'' مقدس نے مسکراہٹ کو ضبط کرتے ہوئے کہا تھا۔

''سر سنا آپ نے کچھ۔۔۔'' وہ برجستہ ضارف سے گویا ہوئی تھی جواب اس سے بیزار ہو چکا تھا۔ دانستہ کھڑا ہو کر جھنجلایا۔

''ہاں۔۔ سنا۔۔ کب سے تمہاری چک چک ہی تو سن رہا ہوں۔ اب اس سے پہلے کہ میں تمہیں پہلے دن ہی جاب سے نکال دوں تم میرے کیبن سے چلی جاؤ۔'' ضارف کے الفاظ سن کر مقدس بھی کانپ اٹھی تھی۔ بریرہ تو اپنی جگہ پر ساکت تھی۔ اس سے پہلے ضارف کوئی اور قدم اٹھاتا مقدس نے اس کی کلائی پکڑی اور کیبن سے باہر لے گئی۔ وہ بے ساختہ اپنے دل کی بے ترتیب دھڑکنوں کو تھامے اور انہیں نارمل رکھنے کی کوشش کئے اس کی طرف کھنچتی چلی گئی۔ ضارف بریرہ کی حالت کو کسی خاطر میں نہ لایا اور گردن جھٹکتے ہوئے ایک بار پھر مقدس کی طرف دیکھنے لگا۔

مقدس نے اس کا ہاتھ سٹاف روم میں لے جا کر چھوڑا تھا جہاں اتفاق سے کوئی نہ تھا۔

''بھوت۔۔'' اس سے پہلے کہ وہ واویلا کر کے پورے آفس کو یہاں اکٹھا کرتی مقدس نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس کی سانسیں بری طرح اتھل پتھل ہو رہی تھیں۔ وہ مورت بنی اس کو گھورتی جا رہی تھی۔

''دیکھو بریرہ۔۔ مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔ صرف تم ہی مجھے دیکھ سکتی ہو۔ پلیز۔۔ میری مدد کرو، مجھے تمہارا کب سے انتظار تھا۔ پلیز بریرہ منع مت کرنا۔'' اس کی سانسیں تھم چکی تھیں۔ تب مقدس نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچا تو اس نے ایک گہرا سانس لیا۔

''دل لیکن تت تم تو مر چکی ہو۔'' اس نے ہکلاتے ہوئے کہا تھا۔

''صحیح کہا تم نے، میں مر چکی ہوں۔ مجھے مرے ہوئے چار ماہ بیت چکے ہیں لیکن میری روح کو ابھی تک سکون میسر نہیں ہوا۔ اسے صرف تم ہی تسکین پہنچا سکتی ہو۔۔'' وہ التجائیہ انداز میں گویا ہوئی تھی۔ بریرہ کی نگاہیں کشمکش کا شکار تھیں۔ اس نے بے یقینی کے ساتھ مقدس کی طرف دیکھا تو اس نے آفس کے بعد رات کو پاس والے گلشن گارڈن میں ملنے کو کہا۔ بریرہ نے جواب میں اثبات میں سر تک نہ ہلایا لیکن مقدس کو یقین تھا کہ وہ ضرور آئے گی۔ بس یہی سوچتے ہوئے وہ رات گئے تک اس کا انتظار کرتی رہی۔ رات کی تاریکی نے جہاں ہر شے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا وہیں اس کا دل بھی بیٹھا جا رہا تھا۔ رات کے دس بج چکے تھے مگر بریرہ کا نام و نشان تک نہ تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے۔

''اے خدا! پلیز ایک بار اسے بھیج دے۔۔'' دعا فوراً سن لی گئی۔ اسے اپنے عقب سے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ وہ بریرہ ہی تھی۔ دن کی طرح اب بھی ڈری ڈری تھی۔ قدم دھیرے دھیرے مقدس کی طرف بڑھ رہے تھے مگر ایک فاصلے پر منجمد ہوگئے۔ قدس نے آگے بڑھنا چاہا تو وہ پیچھے کی طرف کھسکنے لگی۔ مقدس اس کے

ڈر کے پیش نظر ایک فاصلے پر رک گئی۔ بریرہ استفہامیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔

''مجھے یقین تھا کہ تم ضرور آؤ گی۔ میرے بھروسے کا مان رکھنے کے لئے تمہارا شکریہ۔۔!!''

''جو کہنا ہے جلدی کہیے'' وہ تذبذب گویا ہوئی تو مقدس نے اپنی آپ بیتی سنانا شروع کی اور عائقہ کے متعلق ایک ایک بات اس کے سامنے رکھ دی۔ بریرہ اس کی بات سن کر حیران تھی۔

''بس۔۔ اپنے ضارف کو عائقہ کی نظر بد سے آزاد کرانے کی جستجو لیے میں تمہارے سامنے کھڑی ہوں۔ کیا تم میری مدد کرو گی؟'' وہ التجائیہ انداز میں اس سے پوچھ رہی تھی۔ کچھ دیر ساکت کھڑے رہنے کے بعد وہ دھیمے لہجے میں گویا ہوئی۔

''مجھے آپ کے ساتھ ہمدردی ہے لیکن میں آپ کی مدد کیسے کر سکتی ہوں؟'' اس نے پہلی بار مقدس کے شانوں کو چھوا تھا۔ جس پر اس نے بریرہ کے دونوں ہاتھوں کو تھام لیا۔

''یہ تو مجھے بھی نہیں معلوم۔۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ راستہ بھی مل جائے گا۔ تم بتاؤ کہ کیا میری مدد کرو گی؟'' وہ اس کے جواب کی منتظر تھی۔ اس کی آنکھیں تشکر کے آنسوؤں سے بھر آئی تھیں۔

☆.....☆.....☆

اقصی سب کے لئے چائے بنا کر ٹی وی لاؤ میں لائی تھی۔ سب کے چہروں پر آج بھی وہی تاسف تھا جو مقدس کے بچھڑ جانے پر پہلے دن تھا۔ اس کی کمی کہیں نا کہیں آج بھی وہ محسوس کر سکتے تھے۔

''ضارف کتنا اکیلا ہوگیا ہے ناں؟'' بیگم سلطانہ کھوئے کھوئے لہجے میں گویا ہوئی تھیں۔ عبدالقادر نے اس بات پر انہیں ایک گہری نظر سے دیکھا اور پھر اپنی نگاہیں چرا لیں۔

''صحیح کہا آپ نے۔ آفس میں بھی وہ بس کھویا کھویا رہتا ہے۔ کسی سے زیادہ گفتگو کرتا ہی نہیں'' طاہر نے بھی ضارف کے اندر مقدس کی کمی محسوس کی تھی۔

''لیکن ایسے پوری زندگی تو نہیں گزاری جا سکتی۔ آخر کب تک وہ اکیلا یونہی سلگتا رہے گا؟'' بیگم سلطانہ نے برجستہ کہا تھا

''امی آپ بھائی کی دوسری شادی کی تو بات نہیں کر رہی؟'' وریشا نے برجستہ کہا تھا جس پر سب چونک گئے۔ عبدالقادر نے بھی انہیں استفہامیہ انداز میں دیکھا۔

''تو اور کیا؟ اپنے بیٹے کی خوشی کے بارے میں سوچنا کیا بری بات ہے؟'' انہوں نے کسی کے تاثر کو اہمیت نہ دی۔

''لیکن کیا ضارف راضی ہو جائے گا؟'' اقصی نے بھی اپنی رائے پیش کی تھی۔

''کیوں نہیں ہوگا وہ راضی؟ اور اگر نہیں ہوگا تو میں ایسے انسان کو جانتی ہوں جس کی بات وہ نہیں ٹالے گا۔۔'' بیگم سلطانہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا تھا۔ سب کی استفہامیہ نگاہیں ان پر تھیں عمران کے لب خاموش تھے۔ جانے کس وجود کی وہ بات کر رہی تھیں؟

''میں جانتی ہوں امی آپ کس وجود کی بات کر رہی ہیں لیکن امی آپ نہیں جانتیں اسی وجود نے آپ سے آپ کے بیٹے کی خوشیاں چھین لیں'' مقدس کی روح جو پاس کھڑی سب کچھ سن رہی تھی۔ دھیمے لہجے میں گویا ہوئی۔ وہ زینے کی طرف پلٹی۔

''میں جانتی ہوں آپ کو ضارف کی خوشیاں عزیز ہیں اور مجھے لیکن اس وجود کی رائے لے کر جس نے میرا گھر اجاڑ دیا۔ یہ بالکل بھی نہیں'' اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔ دل کے زخم پھر ہرے ہوتے دیکھائی دیئے۔ اپنے ضارف کو کسی اور کے ساتھ گمان کرنا بھی اس کے لئے انتہائی مشکل تھا اور یہاں تو بات شادی تک جا پہنچی تھی مگر سچ یہی تھا وہ اب کبھی لوٹ نہیں سکتی تھی۔ ایک نا ایک دن اسے اس گھر سے رخصت تو ہونا تھا۔ یہ تو چند لمحوں کی مہلت تھی۔ جو جانے کب ختم ہو جائے اور اس کی روح اس گھر کی چار دیواری سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اوجھل ہو جائے؟

''ضارف۔۔۔'' وہ کمرے میں پہنچی تو سامنے

ضارف اور اس کی شادی کی تصویر تھی۔ وہ اپنے مضبوط ہاتھوں میں اس کا نرم و ملائم ہاتھ نہایت نرمی سے تھامے ہوئے تھا۔ آنکھوں سے بہتے آنسوؤں نے جل تھل تیز کردی۔ آگے بڑھ کر اس تصویر پر ہاتھ پھیرا تو ماضی کی حسین یادیں یادداشت پر غضب ڈھانے لگی تھیں۔

☆.....☆.....☆

ٹی وی لاؤنج میں ضارف اور بریہ بیٹھے نئی میٹنگ کے بارے میں کچھ معلومات کا تبادلہ کررہے تھے۔ باہر کا موسم انتہائی خراب تھا۔ آفس تک جانا مشکل تھا لیکن کل ہونے والی میٹنگ کی آج تیاریاں ہونی لازمی امر تھیں چنانچہ اس نے ڈرائیور کو بھیج کر بریہ کو اپنے گھر ہی بلالیا کیونکہ اس کا گھر ضارف کے گھر سے صرف تین کی مسافت پر ہی تھا۔ دونوں کو کام میں مشغول دیکھ کر بیگم سلطانہ مسکرا دی تھیں۔ دونوں کو ڈسٹرب کرنے سے بھی منع کردیا گیا۔ بیگم سلطانہ کے دل کی بات کو مقدس سے بڑھ کر کون سمجھ سکتا تھا۔ اسے بھی بریہ میں ہی وہ تمام تر خصوصیات نظر آئیں جو وہ ضارف کی جیون ساتھی میں دیکھ سکتی تھیں۔ لیپ ٹاپ کو ٹیبل پر آن تھا۔ فائل بریہ نے اپنے ہاتھوں میں اوپن کیے ہوئے تھی۔ دونوں کی نگاہیں فائل پر مرکوز تھیں جبکہ مقدس کی ان دونوں پر۔ بریہ نے کن انکھیوں سے ضارف کے چہرے کی طرف دیکھا تو جانے کیا دل میں ہلچل سی ہونے لگی تھی۔ مقدس نے دھیرے سے اس کے کانوں میں سرگوشی کی۔

''ضارف اچھے لگنے لگے ہیں تمہیں؟'' وہ چونکی۔

''نن۔۔۔نہیں۔۔۔ایسی بات نہیں'' اس کے برجستہ ایسا جملہ ادا کرنے پر ضارف نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

''کیسی بات نہیں ہے؟'' ضارف کے جملے پر وہ بری طرح بوکھلا گئی۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنی صفائی میں کچھ کہتی وہاں عائقہ آموجود ہوئی۔ تیز نیلے رنگ کی ساڑی میں ملبوس آج بھی اس کی چال دلفریب تھی۔ آنکھوں میں گہرا کاجل، کھلی زلفیں کمر تک پھیلی ہوئی، اس کی ایک ایک ادا دل میں اتر جانے والی تھی۔

''عائقہ جی آپ یہاں؟'' جیسے ہی ضارف کی نگاہیں اس کی طرف گئیں تو وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ مقدس کی نگاہوں میں بھی ہلچل مچ گئی۔ بریہ بھی تذبذب کا شکار دیکھائی دے رہی تھی۔

''بس آپ سے ملنے کا دل چاہا تو سوچا۔۔ ملنے چلی آؤں'' اس کا لہجہ دلفریب تھا۔ اپنا ہاتھ آگے بڑھایا تو ضارف نے خوش دلی سے وہ ہاتھ تھاما۔ ایک بار پھر نگاہیں اپنا جادو بکھیرنے لگیں۔ ایک نادیدہ لہر اس کے جسم میں اترتی چلی گئی۔ مقدس نے بریہ کو آگے بڑھنے کا کہا اور اس نے ایسا ہی کیا مگر جیسے ہی اس نے ضارف کا نام پکارنا چاہا تو عائقہ کی نگاہوں نے اسے بری طرح ڈرایا تھا۔ ایک چمکتی لہر نے اسے اپنی آنکھیں موند نے پر مجبور کردیا۔

''عائقہ۔۔۔تم آگئیں؟ ادھر آؤ، مجھے تم سے بات کرنی ہے'' بیگم سلطانہ فوراً وہاں آکھڑی ہوئیں اور عائقہ کا ہاتھ پکڑا تو وہ سحر ٹوٹا۔ عائقہ کے چہرے پر ناگواری کے تاثر تھے مگر وہ نہ چاہتے ہوئے بھی ان کے ساتھ چل دی تھی۔ مقدس نے ایک پل کے لئے ادھر ادھر دیکھا اور پھر بیگم سلطانہ کے پیچھے پیچھے چل دی۔ اس خطرے کے پیش نظر کہ کہیں عائقہ انہیں نقصان نہ پہنچادے۔

''آپ نے کیا بات کرنی تھی۔۔'' اس نے جبراً اپنے غصے کو ضبط کیا تھا۔

''بات دراصل یہ ہے عائقہ۔۔تم ضارف کی ایک اچھی دوست ہو۔ میں نے دیکھا ہے کہ ضارف تمہاری کسی بات کو نہیں ٹالتا۔ اور اگر تم کہو گی تو وہ ہماری اس بات کو بھی نہیں ٹالے گا'' انہوں نے ایک ایک لفظ پر زور دیا تھا

''کون سی بات؟'' اس نے تیکھی نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا تھا

''ضارف کے رشتے کی بات۔۔۔!!'' ضارف کے رشتے کی بات سن کر اس کے چہرے پر ایک کسک ابھر آئی۔ بالوں کی لٹ کو کان کے پیچھے کیا اور دھیمی چال

کے ساتھ آگے بڑھی۔

''بے فکر رہیں آپ۔۔ہم ضارف کو اس رشتے کے لئے راضی کرکے ہی رہیں گے'' اس نے ذومعنی لہجے میں کہا تھا۔ مقدس کی تو ہوائیاں اڑ چکی تھیں۔ وہ چاہ کر بھی بیگم سلطانہ کو سچ نہیں بتا سکتی تھی۔

''مجھے تم سے یہی امید تھی۔۔ بہت بہت شکریہ۔۔۔'' یہ کہتے ہی انہوں نے عائقہ کو اپنے گلے سے لگالیا۔

''بس ایک بار ضارف بریہ سے شادی کرنے پر راضی ہوجائے پھر اس گھر کی خوشیاں دوبارہ لوٹ آئیں گی۔'' بیگم سلطانہ کے لفظوں سے سچ نکلنا تھا کہ اس کی آنکھیں انگاروں کی طرح دہکنے لگیں۔ چہرے کی شادابی ویرانی میں تبدیل ہوگئی۔

''بریہ۔۔۔!!!'' اس نے جبڑے بھینچتے ہوئے کہا تھا

''ہاں بریہ۔۔صرف وہی ضارف کی ہمسفر بننے کے لائق ہے۔'' یہ کہتے ہی وہ باہر کی طرف چل دی تھیں مگر عائقہ کی انا بھلا ضارف کو کیسے کسی اور کے ساتھ دیکھ سکتی تھی؟ اس نے بیگم سلطانہ کو گھورا تو آنکھوں سے سیاہی نکلتی چلی گئی۔ بیگم سلطانہ کے قدم لڑکھڑائے اور اپنے ہی دوپٹے میں بری طرح الجھ کر منہ کے بل زمین پر آگریں۔

''امی۔۔!!'' مقدس چلائی مگر اس کا چلانا کسی کانہ تھا۔ بیگم سلطانہ کے گرنے کی آواز پر سب ان کی طرف لپکے۔ مقدس نے پلٹ کر عائقہ کی طرف دیکھا۔

''کیوں کیا تم نے ایسا؟ امی کو نقصان پہنچانے کی تمہاری ہمت کیسے ہوئی؟'' وہ اشتعال انگیز لہجے میں کہہ رہی تھی۔ ساتھ ساتھ آنسو جاری تھے مگر وہ مسلسل بیگم سلطانہ کو گھور رہی تھی۔

''ہمارے اور ضارف کے درمیان کوئی نہیں آسکتا۔ کوئی بھی نہیں۔۔ابھی تو ایک مقدس کو ضارف کی زندگی سے نکالا ہے۔ اگر لاکھوں مقدس کو بھی راہ سے ہٹانا پڑا تو ہم اس سے بھی گریز نہیں کریں گے۔۔'' اس نے گہری نگاہ دیوار پر ثبت کرتے ہوئے کہا تھا۔ مقدس کے تو ہوش ہی اڑ گئے۔ وہ ہکا بکا اسے دیکھتی جارہی تھی۔

ڈاکٹروں، حکیموں، ماہرین طب کی ہدایات لکھی گئی مفید کتاب

دل کی بیماریاں

قیمت 100 روپے

اس کتاب میں، دل کی دھڑکن، خون کے دباؤ کی زیادتی، شریانوں کی سختی و ہائی بلڈ پریشر، غذائی 5 تبدیلیاں جو آپ کی زندگی بدل دیں گی، دل کی جڑیں دماغ میں ہیں، بچپن کی تلخیاں اور ہارٹ اٹیک، مرض دل کا سن کر اوسان خطا نہ کریں، دل کا دورہ زندگی بچائے، خواتین میں ہارٹ اٹیک کی علامات، غصے سے بچیں دل کے دورے سے بچیں بچوں میں دل کی بیماریاں، بائی پاس سرجری اور فرائیڈ چکن، ایمرجنسی تدابیر، صحت مند دل کے لئے دس قیمتی مشورے، امراض قلب کا نباتاتی علاج، پیدل چلنے کے فوائد، دل کی دھڑکن بڑھنے کا غذا سے علاج، دل کی جلن کا غذا سے علاج، دل کے غلاف کی سوجن، ورم غلاف القلب پیری کارڈائیس، دل کی سوجن، ورم قلب، دل کی عضلہ کی سوجن کارڈائیس۔ اور بہت سی دل کی بیماریوں کے بارے میں جانئے اور ان کا علاج گھر بیٹھے کیجئے۔

حکیم غلام مصطفےٰ

دعا بک کارنر نئی سڑک گلی نمبر 5 امین پور بازار فیصل آباد

''امی۔۔۔امی۔۔۔آپ ٹھیک تو ہیں۔۔'' یہ ضارف کی آواز تھی اور بھی کئی آوازیں سنائی دیں مگر وہ دیکھنے سے قاصر تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے عائقہ بھی ان سب کی نگاہوں سے اوجھل ہوگئی۔ ضارف کے دھیان سے بھی وہ پل بھر کے لئے نکل چکی تھی مگر مقدس ہو اس باختہ بیگم سلطانہ کی اس حالت کی طرف دیکھ رہی تھیں جو عائقہ کی نظر بد کا بری طرح نشانہ بنی تھیں۔

ڈاکٹر کے چلے جانے کے بعد بیگم سلطانہ اپنے کمرے میں لیٹی تھیں۔ ان کی تیمارداری بریرہ کررہی تھی۔

''بریرہ۔۔تمہاری جان کو خطرہ ہے۔تم جتنا جلد ہوسکے۔ یہاں سے چلی جاؤ۔۔'' مقدس نے ہڑبڑاتے ہوئے کہا تھا جس پر وہ ہکا بکا رہ گئی۔ بیگم سلطانہ کی طرف دیکھا تو وہ دوا کے سبب گہری نیند میں تھیں۔ بریرہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے ٹیرس پر لے گئی۔

''مگر کیوں؟ اور کس سے میری جان کو خطرہ ہے؟'' اس سوال اپنی جگہ پر بجا تھا۔

''عائقہ سے۔۔امی کی اس حالت کی ذمہ دار بھی وہی ہے اور جب امی نے بتایا کہ انہوں نے ضارف کے لئے تمہیں پسند کیا ہے تو اس نے تمہیں بھی میری طرح اپنے راستے سے ہٹانے کا قصد کرلیا ہے۔ وہ تمہیں بھی میری طرح مار ڈالے گی۔ پلیز جتنا جلدی ہوسکے۔ یہاں سے چلی جاؤ۔'' مقدس کو اس کی فکر تھی۔ تبھی اس کی جان کی پرواہ کررہی تھی۔

''یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟ چلی جاؤں مگر کیوں؟ میں نے آپ کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا تھا اور آپ چاہتی ہیں کہ میں اس وعدے کو وفا کئے بغیر چلی جاؤں؟ نہیں مقدس۔۔۔نہیں۔۔۔میں آپ کو اور آنٹی جی کے یقین کو اتنا بڑا دھوکہ نہیں دے سکتی۔ اس فیملی کو کسی نظر بد کے حوالے کرکے میں نہیں جاسکتی۔ میں یہ تو نہیں جانتی کہ میں ضارف سر کے لئے صحیح ہوں یا نہیں لیکن اتنا ضرور جانتی ہوں کہ میں آنٹی جی کے بھروسے کو نہیں توڑ سکتی۔ ان کے بیٹے کو کسی ایسی عورت کے لئے چھوڑ کر نہیں جاسکتی جس کے نزدیک ان کی فیملی کی کوئی وقعت ہی نہیں۔ جس نے محض اپنی ضد کو نظر بد کی آڑ میں پورا کرنا سیکھا ہے۔'' بریرہ کے چہرے پر آج انتہا کی سنجیدگی تھی۔ اس کا ایک ایک لفظ سچ سے آراستہ تھا جسے مقدس محسوس کرسکتی تھی۔ لبوں پر مسکراہٹ ابھری۔ اور اسے اپنے گلے سے لگالیا۔

''پہلے تو میں شاید کبھی راضی نہ ہوتی بریرہ لیکن اب مجھے پورا یقین ہے کہ ضارف کو تم سے بہتر جیون ساتھی نہیں ملے گا۔ میری کمی ضارف کی زندگی میں کوئی پوری کرسکتا ہے تو صرف تم ہو بریرہ۔۔۔صرف تم ہی ضارف کی بیوی بننے کی حق دار ہو۔۔'' مقدس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ بریرہ کی سوجھ بوجھ کی صلاحیت بھی ایک لمحے کو کھو چکی تھی۔ آنکھوں میں تشکر کے آنسو تھے۔

''مبارک ہو تمہیں بریرہ ضارف۔۔۔'' مقدس کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

''اب دیکھیے گا میں آپ کے اس یقین کو کبھی نہیں ٹوٹنے دونگی۔۔'' یہ کہتے ہی وہ پلٹی اور بیگم سلطانہ کے سینے سے سرکتا لحاف دوبارہ اوڑھا دیا۔ مقدس پلٹی۔ نگاہیں آسمان سے ہوتی ہوئی نیچے لان میں گئی تو وہاں ایک عکس دیکھا۔ جو ضارف کا تھا۔ ایک گہری سوچ میں ڈوبا ہوا۔ مقدس کا دل ضارف کو دیکھتے ہی پگھلتا چلا گیا۔ ماضی کی حسین یادیں آنکھوں کے آگے لہرانے لگیں۔ وہ پل جو انہوں نے ساتھ گزارے تھے۔ سب ایک چھل سا محسوس ہوا۔ ایک دوسرے کے قریب آتے قدم دھیرے دھیرے دور ہوتے چلے گئے۔ ہاتھوں میں تھاما گیا ہاتھ جانے کیوں آنکھوں کے آگے مبہم سا ہوتا چلا گیا۔ درد کی شدت بڑھتی چلی گئی۔ ضارف بھی جھولے پر بیٹھ پر اپنی محبت کو یاد کررہا تھا۔ مژگان کے کنارے اندھیرے میں بھی وہ چمکتے ہوئے محسوس کرسکتی تھی۔ ان کناروں پر چمکتے لازوال خواب، جو کہ اب شاید کبھی تعبیر کی منزل کو بھی نہ پہنچ سکتے تھے، دھیرے دھیرے بہتے چلے گئے۔

درد سے اپنا، رابطہ ہے ایسا
تم سے بچھڑنا بھی، حادثہ ہے کیسا؟

بولتا ہے کتنا، چپ دل نہ ہوگا
رولے جتنا رونا ہے، حاصل نہ ہوگا

''مجھے معاف کردینا ضارف۔۔۔'' دل سے ایک آواز نکل کر رہ گئی۔ وہ بھاگتے ہوئے ایک انجان منزل کی طرف چل دی جہاں ضارف کا ساتھ ہرگز نہیں تھا۔

''بریرہ۔۔۔'' ایک آواز ایک بار پھر ویران کھنڈر میں گونجی تھی۔ وہی کھنڈر جہاں چھ عرصے پہلے مقدس نے اپنی سانسیں لی تھیں۔ عائقہ اسی کھنڈر کے عین وسط میں سیاہ ساڑھی میں ملبوس کھڑی بریرہ کی ایک بڑی سی تصویر کو مسلسل گھور رہی تھی۔ اس کی نگاہیں عجب قہر ڈھا رہی تھیں۔ ہاتھوں کے ناخن ایک ایک انچ تک بڑھے ہوئے تھے۔ جلد بھی کسی تیزاب میں جھلسی ہوئی محسوس ہورہی تھی۔

''ضارف صرف ہمارے ہیں۔ انہیں اتنی جلدی تمہارا نہیں ہونے دیں گے ہم۔۔'' وہ جبڑے بھینچتے ہوئے اس تصویر سے مخاطب تھی۔ سیاہی مسلسل گہری ہوتی جارہی تھی مگر ایک روشنی اس کے پورے وجود کا احاطہ کئے ہوئے تھی۔

''ان کے وجود پر فقط ہمارا حق ہے۔۔سنا تم نے۔۔'' اس نے ہاتھ بڑھا کر بنا چھوئے اس تصویر کو زمین بوس کردیا۔ کرچیاں ہر جگہ بکھر چکی تھی مگر آنکھیں ابھی تک اس تصویر کو ایسے گھور رہی تھیں جیسے ابھی کسی بھوکی شیرنی کی طرح اس کو کچا چبا ڈالے گی۔ یہ آنکھوں کا قہر ہی تھا کہ اس تصویر کی پیشانی سے خون کی ایک بوند ظاہر ہوئی اور پھر یہی بوند ایک لکیر کی شکل اختیار کرگئی۔

''تمہاری طرح مقدس نے بھی ہمارے راستے میں آنے کی کوشش کی تھی۔ وہ بھی بے موت ماری گئی اور آج تم بھی بے موت ماری جاؤ گی۔ سمجھی تم۔۔'' اس نے جبڑے بھینچتے ہوئے کرخت لہجے میں کہا تھا۔ اس نگاہوں کی حدت سے ہی اس تصویر کو آگ میں جلا ڈالا۔ اس آگ کی تپش وہ اپنے گرد محسوس کرسکتی تھی۔

چہرے پر ناگواری کے تاثر لئے برجستہ اس کی آنکھ کھل گئی۔ وہ اس وقت بیگم سلطانہ کے بیڈ پر سر رکھے ہوئے تھی۔ وہ بری طرح ہانپ رہی تھی جیسے ایک لمبی مسافت طے کرکے آئی ہو۔ دم بھی مسلسل گھٹتا جارہا تھا۔

''پانی۔۔۔پانی۔۔۔'' اس نے اپنے گلے کے گرد کسی انجان وجود کو محسوس کیا تھا۔ آنکھوں سے آنسو بہتے جارہے تھے۔ سانس لینا بھی محال ہوچکا تھا۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی تو اٹھا نہ گیا اور اس کا پاؤں پھسل گیا اور اس کا سر ٹیبل کی نوک سے جا ٹکرایا۔ شور کی آواز سن کر مقدس کی روح ایک دیوار کی اوٹ سے ظاہر ہوئی۔

''بریرہ۔۔تم۔۔۔'' الفاظ منہ میں ہی رہ گئے۔ بریرہ کی حالت مسلسل غیر ہوتی جارہی تھی۔

''بریرہ۔۔یہ حالت کس نے کی تمہاری؟ بریرہ۔۔'' وہ اس کی طرف لپکی اور اسے ہوش میں لانے کی کوشش کی مگر وہ بے ہوش ہوچکی تھی۔ بیگم سلطانہ کی طرف دیکھا تو انہیں ابھی تک گہری نیند میں لیٹا ہوا پایا۔

''امی۔۔۔ہوش میں آئیں۔۔دیکھیں بریرہ کو کیا ہوا۔'' وہ چیخ چیخ کر انہیں جگانے کی کوشش کررہی تھی مگر وہ اس کی آواز سننے سے بھی قاصر تھی۔ ادھر بریرہ کے لئے سانس لینا بھی دشوار ہوچکا تھا۔

''بریرہ۔۔ہوش میں آؤ۔۔۔'' وہ اس کا چہرہ تھپتھپاتے ہوئے ہوش میں لانے کی کوشش کررہی تھی مگر سحر نے بری طرح اس کو جکڑا ہوا تھا۔

''ضارف۔۔۔مجھے ضارف سے مدد مانگنی چاہیے'' وہ فی الفور اٹھی اور ضارف کے کمرے کی طرف بڑھی۔ وہ ابھی تک جاگ رہا تھا۔ بالکونی کے پاس دیوار سے ٹیک لگائے دونوں ہاتھوں کو سینے پر باندھے ہوئے تھے۔ چہرے پر یاسیت نمایاں تھی۔

''ضارف۔۔جلدی چلیں۔۔بریرہ کی طبیعت خراب ہورہی ہے۔ پلیز۔۔جلدی اسے ڈاکٹر کے پاس لے کر چلیں۔'' اس نے التجائیہ انداز میں اس کا ہاتھ پکڑ کر ساتھ لے جانا چاہا تھا مگر ہاتھ اس کے جسم سے آر پار چلا گیا۔ وہ سکتے کے عالم میں اسے دیکھتی رہی۔

''ضارف۔۔کیا سوچ رہے ہیں آپ؟ چلیں میرے ساتھ۔۔بریرہ مرجائے گی۔ اسے بچالیں۔۔'' وہ آہ و زاری کرتے ہوئے کہہ رہی تھی مگر وہ اس کے

وقار عظیم پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

وجود کو محسوس کرنے سے بھی قاصر تھا۔

"ایسی بھی کن سوچوں میں غرق ہیں آپ کہ میری آواز آپ کو سنائی ہی نہیں دے رہی؟ بریرہ کو آپ کی ضرورت ہے، چلیں میرے ساتھ۔۔۔" گلوگیر لہجے میں وہ چیخی تھی مگر یہ چیخ سوئی کے گرنے کی آواز کے برابر بھی نہ تھی۔

"ضارف۔۔۔" اس نے آخری بار ضارف کو جھنجوڑنا چاہا مگر وجود آر پار نکل گیا۔ آنکھیں بے یقینی کے ساتھ آسمان کو تکتی رہیں۔

"ٹھیک ہے۔ رہیں آپ یہاں۔۔۔" وہ غصے میں جھنجلائی اور ٹی وی لاؤنج میں بیٹھی اقصی کی طرف بڑھی۔ جو اپنے سر کو داب رہی تھی۔

"بھابھی۔۔۔ پلیز۔۔ آپ تو میری مدد کریں۔۔ وہ بریرہ۔۔۔ اسے بچالیں۔۔۔" یہاں بھی اس کی شنوائی نہ ہوئی۔ مایوسی نے یہاں بھی اپنے قدم جمائے رکھے۔ آنکھوں نے جل تھل ایک کردی مگر کسی کو اس پر رحم نہ آیا۔ کوئی بھی اس وجود کو محسوس نہیں کرسکتا تھا۔

"کوئی سنتا نہیں میری بات۔۔۔ وہاں بریرہ مر رہی ہے۔ آپ لوگوں کو پرواہ ہے یا نہیں۔۔۔" وہ آخری بار چیخی تھی مگر ماحول میں سکتے کا عالم رہا۔ وہ بری طرح ہار چکی تھی۔ گھٹنوں کے بل زمین بوس ہوکر آنسو بہاتے ہوئے اسے دوبارہ بریرہ کا خیال آیا۔ بھاگتی ہوئی اس کے پاس گئی۔ سانسیں اکھڑتی جارہی تھیں۔

"بریرہ آنکھیں کھولو۔۔ آنکھیں کھولو بریرہ۔۔" اس نے بریرہ کا سر اپنی گود میں رکھا اور پیار سے اس کے بال سہلاتے ہوئے ہوش میں لانے کی کوشش کی مگر وہ تو آنکھیں کھولنے کی سکت تقریباً چھوڑ چکی تھی۔ منہ سے بھی اب جھاگ نکلنا شروع ہوگئے۔ اس کی مدد کی اتنی بڑی سزا مل رہی تھی۔

"آنکھیں کھولو پلیز۔۔۔ بریرہ۔۔ تم ایسے چھوڑ کر نہیں جاسکتی۔۔ تم نے وعدہ کیا تھا مجھ سے کہ میری مدد کروگی۔ عائقہ کے چنگل سے ضارف کو بچاؤ گی۔۔" وہ روتے ہوئے اس پر جھکتی جارہی تھی۔ تب ہی اسے عائقہ کا خیال آیا۔

"عائقہ۔۔۔ میں نہیں چھوڑوں گی عائقہ کو۔۔" وہ فوراً اٹھی اور اس کے گھر کی طرف چل دی۔ اس بار اسے وہاں پہنچنے میں زیادہ دیر نہ لگی۔ چند لمحوں بعد ہی اس کھنڈر نما گھر میں کھڑی تھی۔ جہاں عائقہ آگ جلائے کسی جاپ میں مصروف تھی۔ آنکھیں بند تھیں مگر لب متحرک تھے۔ وہ اپنے چہرے پر ایک قہر لئے آگے بڑھی۔

"عائقہ۔۔۔!!" وہ اس قدر زوروں سے چلائی کہ ہواؤں میں بھی جنبش محسوس ہوئی تھی۔ بھڑکتی ہوئی آگ بھی پل بھر کے لئے ایستادہ دیکھائی تھی۔ کسی اجنبی احساس کو محسوس کرتے ہوئے اس نے بھی کھول لیں مگر نگاہیں اس وجود کو دیکھنے سے قاصر رہیں۔

"کون ہے؟" اس نے آنکھوں سے ماحول میں موجود ہر شے کو تراش ڈالا تھا مگر کسی ذات کا پتا نہ ملا۔

"مقدس۔۔ جس کا تم نے سب کچھ چھین لیا۔ اس کی محبت، اس کی زندگی، اس کا گھر سب کچھ۔۔۔ اور آج پھر تم کسی کی زندگی چھیننے جارہی ہو۔ یہ میں ہونے نہیں دونگی۔ سنا تم نے عائقہ، میں بریرہ کو اپنی طرح بے موت مرنے نہیں دونگی" وہ چلائی تھی۔ آنکھوں سے آنسو بے ساختہ جاری تھی۔ عائقہ کی نگاہیں بھی مقدس کی طرف تھیں مگر اسے دیکھنے سے قاصر دیکھائی دے رہی تھیں۔

"لگتا ہے ہمارا وہم تھا" اس نے خود سے سوچا تھا

"یہ وہم نہیں ہے عائقہ۔۔ بلکہ سچ ہے۔ بہت لگادی تم میری فیملی کو نظر بد۔۔۔ اب بس۔۔۔ اب اور نہیں۔۔ آج کی رات تمہاری ہر سازش کو میں ناکام بنادونگی" وہ مسلسل عائقہ کو گھورتی جارہی تھی لیکن اس کے لبوں پر ایک الگ ہی تمکنت تھی۔ اس نے گردن جھٹک کر اپنے سامنے رکھی تصویر کو دیکھا، جو ابھی تک مقدس کی نگاہوں سے اوجھل تھی۔

"بس کچھ ہی دیر میں تم اس دنیا سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چلی جاؤ گی اور ساتھ ہی ہمارے ضارف کی زندگی سے بھی۔۔" مقدس نے اس کی نگاہوں کا

تعاقب کیا تو آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ وہاں بریرہ کی ادھ جلی تصویر تھی۔ جس کے گرد آگ کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ خون کی بوندیں مسلسل اس تصویر سے نکل رہی تھی۔

"جیسے ہی یہ تصویر جل کر راکھ ہوجائے گی، ویسے ہی تم بھی۔۔۔" عائقہ سے ذومعنی لہجے میں اس تصویر کو دیکھ کر قہقہہ بلند کیا۔ مقدس کی تو جیسے جان ہی نکل گئی۔ وہ آگے بڑھی۔

"تم ایسا کچھ نہیں کروگی۔۔ سمجھی تم۔۔۔!!" وہ چلائی تھی مگر اس کا چلانا بے کار تھا۔ آگ دھیرے دھیرے اس تصویر کو جلا کر راکھ کررہی تھی۔

"خدایا! کیا کروں میں؟" وہ ہراساں بریرہ کی زندگی بچانے کی تدبیر کررہی تھی۔ بائیں جانب دیکھا تو پانی کا ایک گلاس پایا۔ سوچا اسے اٹھا کر تصویر پر پھینک دوں مگر ایک بار پھر قسمت نے آزمایا۔ ہاتھ آر پار چلا گیا۔ پیشانی پر شکنیں بڑھتی چلی گئیں۔ آنسو بہتے جا رہے تھے۔ پلٹ کر دیکھا تو عائقہ مسلسل اپنے لبوں کو متحرک دے رہی تھی۔ سوجھ بوجھ کی صلاحیت مفلوج ہوتی دیکھائی دی۔

"کیسے بچاؤں بریرہ کو؟" اس نے سر پر ہاتھ پھیرا تو ایک تدبیر جھماکے سے ذہن میں آئی۔

"کیا ایسا صحیح رہے گا؟" دل نے سوچا مگر اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں تھا۔ اس نے اپنے آنسو پونچھے اور گہری نگاہ عائقہ پر ڈالی۔

"اب تم نہیں بچوگی۔۔۔ عائقہ۔۔" یہ کہتے ہی وہ دوسری جانب پلٹی تھی۔

اگلے ہی لمحے وہ بیگم سلطانہ کے کمرے میں تھی۔ جہاں بریرہ مسلسل تڑپ رہی تھی۔ جھاگ منہ سے نکل رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے نزع نے اسے پوری طرح اپنی لپیٹ میں لے لیا ہو۔

"مجھے یہ تو نہیں معلوم کہ یہ طریقہ کام کرے گا یا نہیں مگر میرے پاس کوئی اور راستہ نہیں ہے بریرہ" یہ کہتے ہی وہ آگے بڑھی اور بریرہ کو سیدھا لٹایا اور خود اس کے جسم پر ایسے لیٹی کہ اس کے جسم میں اس کی روح اتر گئی۔ برجستہ موسم نے انگڑائی لی اور بادلوں کی کڑک دار آواز نے ماحول کو گرمادیا۔ ہر فرد نے اس تبدیلی کو محسوس کیا۔ کھڑکی کے کھلے پٹ آپس میں اتنی بری طرح ٹکرائے کہ بیگم سلطانہ کی آنکھ کھل گئی۔ برجستہ بریرہ نے بھی اپنی آنکھیں کھول دیں۔ سپاٹ نگاہیں یک ٹک چھت کو گھور رہی تھیں۔

"بریرہ؟" بیگم سلطانہ نے دھیمے لہجے میں کہا تھا مگر اس آواز کا اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اپنے چہرے سے جھاگ صاف کرتے ہوئے وہ اٹھی اور اپنے حال پر غور کرنے کی بجائے سیدھا دروازے کی طرف بڑھی۔ بیگم سلطانہ اسے وہاں سے جاتا دیکھ سکتی تھیں۔

"بریرہ۔۔ کہاں۔۔ جارہی ہو؟" نقاہت کے سبب آواز میں لرزہ تھا شاید اسی بنا پر وہ سن نہ سکی تھی۔ راہ داری سے گزرتے ہوئے اس کا ہاتھ ایک گلدان سے ٹکرایا اور وہ بھی زمین بوس ہوگیا مگر اس نے پلٹ کر نہ دیکھا اور مسلسل نگاہیں اپنی منزل کو سامنے رکھے ہوئے تھیں۔ گلدان کے نیچے گرنے پر ضارف بھی اپنے کمرے سے باہر آگیا۔

"بریرہ؟" وہ زینے پر کسی عکس کو اترتے دیکھ سکتا تھا اور اسے بریرہ گمان کیا۔ پلٹ کر بیگم سلطانہ کے کمرے کی طرف دیکھا تو اس کمرے کا دروازہ کھلا پایا۔ اس کے چہرے پر حیرانی اور یاسیت کے ملے جلے تاثر تھے۔

ٹی وی لاؤنج میں ابھی تک اقصی بیٹھی تھی۔ اس نے بریرہ کو زینے سے اترتے دیکھا تو صوفے سے اٹھی۔

"اچھا ہوا تم خود آگئی بریرہ۔ اب تم آرام کرلو۔ میں امی کی دیکھ بھال کرلیتی ہوں" وہ اس کی طرف بڑھی مگر جھٹکا جب لگا جب وہ اس کے شانوں سے ٹکراتے ہوئے باہر دروازے کی طرف بڑھی۔

"بریرہ؟ اس وقت کہاں جارہی ہو؟" اقصی نے پوچھا تھا مگر وہ کسی بھی جواب دینے کی حالت میں نہ تھی۔ وہ بنا پلٹ کر دیکھے باہر چلی گئی۔ اقصی نے اس کا پیچھا کرنا چاہا مگر قدم وہیں منجمد ہوگئے۔

''بھابھی، یہ بریرہ کہاں جارہی ہے؟'' ضارف کی آواز پر وہ پلٹی تھی۔

''پتا نہیں ضارف۔ میں نے پوچھا مگر اس نے کسی بات کا جواب نہیں دیا۔'' اقصیٰ نے فکرمند لہجے میں کہا تھا۔ آوازیں سن کر باقی کے گھر والے بھی وہاں آموجود ہوئے تھے۔

''کیا ہوا یہ سب شور کیسا؟'' عبدالقادر نے پوچھا تھا مگر کسی کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

''ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ اپنے ہوش میں ہی نہیں ہے۔ آنکھیں بالکل سپاٹ تھیں جیسے کسی شے کو مسلسل گھور رہی ہو۔'' اقصیٰ نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا تھا۔

''ہمیں اس کا پیچھا کرنا چاہیے۔'' ضارف نے اس راہ کی طرف دیکھا جہاں سے ابھی ابھی بریرہ گزر کر گئی تھی۔ بیگم سلطانہ نے اثبات میں سر ہلایا اور اس کے پیچھے چل دیئے۔

ادھر دفعتہً بریرہ کی تصویر کے گرد آگ کے بجھ جانے پر عائقہ کو ایک زبردست جھٹکا لگا تھا۔ بھوتنی اور بے لگام ہوائیں یک دم سکتے میں آگئیں۔ اس نے حیرت سے آنکھیں کھول کر تصویر کو گھورا۔

''ناممکن۔۔۔!! ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟ ہمارے وار سے وہ کیسے بچ سکتی ہے؟'' اس کے اشتعال کی انتہا نہ تھی۔ نفرت و حقارت کے ملے جلے تاثر سے وہ اس تصویر کو دیکھنے لگی اور ایک بار پھر اس تصویر کو آگ لگانا چاہی تھی لیکن بریرہ نے اس عمل کو ناکام بنادیا۔ جیسے ہی اس نے بریرہ کی تصویر آگ پر کی تو بریرہ نے پانی کا بھرا جگ اس آگ پر انڈیل دیا اور بھڑکتی آگ پانی کی نذر ہوگئی۔

''بریرہ؟'' اس نے اشتعال انگیز لہجے میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا

''اب تمہارا کھیل ختم عائقہ'' یہ قطعاً بریرہ کی آواز نہ تھی بلکہ دو آوازوں کا مکسچر تھی۔ جسے سن کر عائقہ برجستہ کھڑی ہوگئی۔

''تم بریرہ نہیں ہو۔۔'' اس کا انداز غیر یقینی تھا۔ وہ اپنی پراسرار آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ ہاتھ سے موجود تصویر نیچے گرگئی۔ سیاہ آنکھیں سیاہ زلفوں سے آزاد ہوئی تو وہی وحشت ایک بار پھر امڈ آئی۔

''بہت جلدی پہنچان لیا عائقہ۔۔'' وہ مسلسل اسے گھور رہی تھی۔ بڑی بڑی آنکھوں میں انتہا کی سفاکیت تھی۔

''ناممکن۔۔!!!'' وہ اسے کچا چبا جانے والی نگاہوں سے گھورتی جارہی تھی۔

''ناممکن کچھ بھی نہیں ہے عائقہ۔۔۔ وقت اپنے آپ کو دہراتا ہے۔ کل یہ تمہارے ساتھ تھا لیکن آج نہیں۔۔۔ سمجھی تم۔۔'' یہ کہتے ہی اس نے عائقہ کو ایسا گھورا کہ وہ پیچھے دیوار سے جا ٹکرائی۔ سانسیں اٹکنے لگیں ہاتھ دیوار کے ساتھ چپک گئے۔ اس نے حیرت سے اپنے ہاتھوں کی طرف دیکھا جیسے یخیں ان میں گاڑ دی گئی ہوں۔

''کون ہو تم؟'' سپاٹ لہجے برجستہ بریرہ کے بدن کی طرف دیکھ رہا تھا۔ بریرہ مسکرائی اور ایک نئی ادا سے اس کی طرف بڑھنے لگی۔ اس کی چال دیکھ کر عائقہ کو ایک زبردست جھٹکا لگا تھا۔ اسے وہ چال جانی پہچانی محسوس ہوئی تھی۔

''مقدس۔۔۔'' اس کی زبان سے برجستہ جاری ہوا تھا۔ سانسوں میں حدت ذرا کم ہوئی۔ بریرہ نے اپنا ہاتھ اس کے رخسار پر پھیرا۔

''بالکل صحیح پہچانا۔۔۔'' جبڑے بھینچتے ہوئے اس عائقہ کا منہ بری طرح نوچا تھا۔

''سوری۔۔ یہ کام تو تمہارا ہے دوسروں کی خوشیاں نوچنا، ان کی ہنسی کو نظر بد کے ذریعے ماتم کدے میں تبدیل کردینا۔۔ بالکل اپنے نام کی طرح۔۔۔ عائقہ۔۔ نوچنے والی۔۔۔'' ایک جھٹکے سے اس نے عائقہ کے چہرے کو دھکیل دیا اور دو قدم پیچھے ہٹی۔

''تم نے دوبارہ آکر بہت بڑی غلطی کی ہے مقدس۔۔۔ ایک بار تو تمہیں اپنے راستے سے ہٹا ہی چکی ہوں۔۔۔'' یہ کہتے ہی اس نے اپنی تمام تر طاقتوں کو مجتمع کیا تو آسمان پر ایک بادل گرجا۔ روشنی اور

اندھیرے کی آنکھ مچولی شروع ہوگئی۔ گھر کسی صدیوں پرانے کھنڈر میں تبدیل ہوگیا جہاں جگہ جگہ گہری کھائیاں تھیں مگر دونوں کو اس کی کوئی پرواہ نہ تھی۔ اپنے آپ کو اس چنگل سے آزاد کروا کے وہ اب دوبارہ مقدس کی طرف بڑھی جو اس وقت بریرہ کے جسم میں تھی۔

''تو دوسری بار اپنے راستے سے ہٹانا میرے لئے ناممکن نہیں۔۔ شاید تم بھول رہی ہو۔ میری نگاہوں میں اتنی طاقت ہے کہ تمہاری روح کو بھی نوچ ڈالے۔'' وہ دھیمے لفظوں میں جبڑے بھینچتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ جس پر وہ برجستہ پلٹی تو جسم کا ایک ایک حصہ روشنی میں نہا گیا۔ آنکھیں بے ساختہ نظر بد کا مقابلہ کرتی نظر آئیں۔

''اس بار ایسا نہیں ہوگا عائقہ۔۔ میں تمہیں مزید زندگیاں برباد کرنے نہیں دونگی۔ تم نے مجھے تو ضارف سے علیحدہ کردیا مگر بریرہ کے ساتھ میں ایسا کبھی نہیں ہونے دوں گی۔'' یہ کہتے ہی پے در پے اس پر وار کیے اور اپنا ہاتھ آگے بڑھا کر اس کا گلا دبا ڈالا۔ وہ اپنے آپ کو چھڑوانے کے لئے مزاحمت تو کررہی تھی مگر کوئی بھی وار کرنے اجتناب کرتی رہی۔ کھنڈر ایک بار پھر گھر کا روپ اختیار کرگیا۔

''چھوڑو مجھے۔۔ بریرہ۔۔۔ کیا بگاڑا ہے میں نے تمہارا؟'' وہ یکدم روہانسا لہجے میں کہنے لگی تھی۔ مقدس کو ذرا شک ہوا تو گہری نگاہ اس پر ڈالی۔

''یہ سب کیا ہے بریرہ؟'' ضارف کی آواز اپنے عقب سے سنی تو اس نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور دفعتہً پلٹی۔ سارا گھر وہاں جمع تھا۔ آنکھوں میں بے یقینی تھی۔ عائقہ فوراً بھاگ کر ضارف کے سینے سے جا لگی۔

''ضارف۔۔۔ یہ جانے بریرہ کو کیا ہوگیا ہے؟ مجھے جان سے مارنے کی دھمکیاں دینے لگی ہے۔ اس نے کہا کہ جیسے اس مقدس کو تمہاری زندگی سے نکال دیا ویسے ہی مجھے بھی نکال دے گی۔ وہ ہماری دوستی کو برداشت نہیں کرسکتی۔۔۔'' وہ ٹسوے بہاتے ضارف اور باقی کے گھر والوں کی ہمدردیاں سمیٹ رہی تھی۔ مقدس کے لئے یہ سب کچھ ناقابل یقین تھا۔ وہ تذبذب کے ساتھ نفی میں گردن ہلا رہی تھی جبکہ ضارف کی استفہامیہ نگاہیں اسی پر مرکوز تھیں۔ وہ ایک ہاتھ سے عائقہ کو اپنے سینے سے لگائے، دوسرے سے اس کے بالوں کو سہلا رہا تھا۔ عائقہ کی مکار نگاہیں مقدس کو ایسے گھور رہی تھیں جیسے بازی اس نے اپنے نام کرلی ہو۔

''کیا کہا تم نے؟ مقدس کا ایکسیڈنٹ اس نے کرایا تھا'' بیگم سلطانہ برجستہ گویا ہوئی تھیں۔

''نہیں۔۔۔ یہ سب سچ نہیں ہے۔۔ میرا ایکسیڈنٹ بریرہ نے نہیں بلکہ اس ڈائن نے کروایا تھا۔'' مقدس نے چلا کر کہنا چاہا تو سب اس کی بدلی آواز کو دیکھ کر ہراساں تھے۔ ایک گونج یکساں سب کی سماعت میں سرایت کرتی جارہی تھی۔

''نہیں ضارف۔۔ یہ جھوٹ بول رہی ہے۔ یہ کالے جادو کی ماہر ہے۔ یہ دیکھو۔۔ یہ سب چیزیں۔۔ یہ آگ۔۔ یہ کالا سامان۔۔ سب اسی کا لایا ہوا ہے۔ اس نے ہی اپنی آواز مقدس کی آواز سے تبدیل کیا تاکہ آپ سب کو یقین دلا سکے۔۔'' عائقہ نے ایک بار پھر سب کی ہمدردیاں سمیٹ لیں۔ کوئی بھی بریرہ کے وجود سے نکلنے والے الفاظ پر یقین کرنے کو تیار نہ تھا۔ سب اسی کو موجب الزام ٹھہرا رہے تھے۔ استفہامیہ نگاہیں اس کے وجود کا احاطہ کئے ہوئے تھیں۔

''میری بات کا یقین کریں ضارف۔۔۔ یہ عائقہ جھوٹ بول رہی ہے۔ یہ سب اسی کا کیا دھرا ہے۔''

''ہے کوئی ثبوت؟'' ایک سوال نے اس کے لبوں پر مہر لگادی۔ آنکھیں عائقہ کی طرف گھومیں تو اس کی کاٹ دینے والی مسکراہٹ نے اس کے دل پر جیسے چھریاں پھیرنا شروع کی۔

''چلی تم بریرہ کو ضارف کی زندگی میں لانے۔۔۔ اور اب اپنے ہی ہاتھوں اسے ضارف کی نگاہوں میں گرادیا۔۔'' وہ شیطانی ادا سے مسکرائی تھی۔

''نہیں۔۔۔ میں بریرہ پر کوئی الزام نہیں آنے دونگی۔۔ مجھے عائقہ کی کمزوری ڈھونڈنا ہوگی۔ اس کا سچ سب کے سامنے لانا ہوگا۔ مگر کیسے؟ کیسے لاؤں اس کی

سچائی سب کے سامنے؟'' دل و دماغ کی کشمکش جاری تھی جب اس کی مکار نگاہیں اس کے سامنے آئیں۔

''مل گیا جواب۔۔'' اس نے دل میں سوچا ''آپ کو ثبوت چاہیے ناں۔۔تو ابھی دیتی ہوں ثبوت۔۔۔'' یہ کہتے ہی ایک روشنی بریرہ کی نگاہوں سے نکلی اور سیدھی عائقہ کی آنکھوں تک کا فاصلہ طے کرنے لگی۔ عائقہ اس حملے کے لئے قطعاً تیار نہ تھی اور آناً فاناً وہ روشنی اس کی بصارت سے جاٹکرائی۔ مقدس کی روح جیسے ہی بریرہ کے جسم سے نکلی تو اس کا بے جان جسم زمین پر آگرا۔ اقصی بریرہ کی طرف بڑھی جبکہ عائقہ کی پرشگاف چیخیں ساعت کو اچک لے جانے کو تیار تھیں۔ اس کا جسم آگ میں جھلسنے لگا تھا۔

''تمہاری طاقت انہی نگاہوں میں تھی ناں۔۔ اب دیکھو۔ تمہاری یہی نگاہیں تمہاری بربادی کا سبب بنے گئیں۔'' ایک آواز عائقہ کی سماعت سے ٹکرائی تھی۔ وہ اپنی آنکھوں کو نوچے جا رہی تھی مگر آگ کے شعلے کم ہونے کا نہیں لے رہے تھے۔ سب سکتے کے عالم میں اس سے پیچھے ہٹنے لگے۔ وہ وجود پہلے ایک بوڑھیا میں، پھر کسی بوڑھے برگد کی طرح جس کی جلد تیزاب سے جھلسی ہوئی تھی، میں تبدیل ہوئی۔ صارف کی پھٹی پھٹی نگاہیں اس بدلتے وجود کو دیکھ کر دنگ تھیں۔ حقیقت سامنے عیاں ہوئی تو سب بریرہ کے گرد جمع ہو گئے جو کہ اب ہوش میں آنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''آہ۔۔!!'' وہ مسلسل مدد کے لئے چلائی مگر کسی نے اس کی پرواہ نہ کی۔ سب بریرہ کو ہوش میں آتا دیکھ کر خوش ہوئے۔ کھوئی کھوئی نگاہوں سے جب اس نے سامنے دیکھا تو ایک مسکراتا چہرہ سامنے پایا۔ جس کے گرد اگرچہ آگ تھی مگر وہ مطمئن تھا۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں سے آگے بڑھی۔

''کیوں کیا تم نے ایسا؟ کیوں میری خاطر ایک بار پھر اپنی روح کو بھی فنا کر دیا؟'' آنکھوں میں آنسو تھے۔ جبکہ سب اس کو عائقہ کے جھلستے وجود سے باتیں کرتا دیکھ کر حیران تھے۔

''میں نے تو صارف سے محبت کا حق ادا کیا ہے۔ اپنے صارف کو ایسی نظر بد سے آزاد کروا کر جو ان کی خوشیوں کو کسی دیمک کی طرح چاٹنا چاہتی تھی اور مجھے یقین ہے میری طرح تم بھی صارف کی خوشیوں کا خیال رکھو گی۔ ان پر کبھی کوئی آنچ نہیں آنے دو گی۔'' جوں جوں عائقہ اپنے انجام کو پہنچ رہی تھی۔ مقدس کے جانے کا وقت بھی قریب سے قریب تر آتا جا رہا تھا۔ وہ روتے ہوئے گردن نفی میں ہلاتی جا رہی تھی۔

'' بریرہ کیا؟ کس سے باتیں کر رہی ہو تم؟'' صارف نے آگے بڑھ کر اس کے بازو کو تھاما تھا۔

''وہاں۔۔۔ مقدس۔۔'' مقدس کا نام لیتے ہی سب کے چہرے پر عجب تاثر نے جنم لیا تو اس نے سب کچھ گھر والوں کے سامنے رکھ دیا۔ صارف کی نگاہیں بھی اشک برسانے لگیں۔

''کک کیا وہ اب یہاں ہے؟'' صارف نے گلوگیر لہجے میں اپنی پہلی محبت کا عکس تراشنا چاہا اور پھر بریرہ نے ہوا میں تحلیل ہوتے مقدس کی روح کی طرف دیکھا۔

''صارف سے کہو کہ میں ہمیشہ بریرہ کے روپ میں اس کے ساتھ ہوں'' یہ کہتے ہی سب کچھ ختم ہو چکا تھا۔ ہچکی لیتے ہوئے بریرہ کی آنکھوں سے برسات میں تیزی آ گئی۔ صارف کو جواب مل چکا تھا۔ سامنے عائقہ کا وجود راکھ کے ڈھیر میں تبدیل ہو گیا۔ سب گھر والوں پر سکتے کا عالم تھا۔ کسی میں بھی قدم اٹھانے کی سکت نہ تھی مگر اس عجیب و غریب جگہ سے نکلنا بھی ضروری تھا۔

''چلو صارف۔۔۔ چلو بریرہ۔۔۔'' طاہر اور اقصی آگے بڑھے اور دونوں کو بازوؤں سے پکڑ کر سہارا دیا۔ دونوں بے جان قدموں کے ساتھ واپسی کے لئے پلٹے۔ جیسے ہی انہوں نے دہلیز سے باہر قدم رکھا تو ایک ہوا کے جھونکے نے راکھ کو گدگدایا۔ بادلوں کی گرج دار آواز نے جیسے ان میں جان بھر دی۔ بجلی چمکی تو اس کھنڈر نما گھر میں مدہم سی روشنی چھا گئی جس میں راکھ سے بنی چمکتی ہوئی ایک آنکھ واضح طور پر دیکھی جا سکتی تھی۔